زندان میں پھول

ناہید سُلطانہ اختر

"زنداں میں پھول" سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی یادگار کہانیوں میں سے ایک ثابت ہوئی اور آج کئی سال گزر جانے کے باوجود بھی قارئین اسے یاد رکھے ہوئے ہیں۔

اس داستان کو ٹیلی سیریل کے قالب میں ڈھالنے کے لئے مختلف اوقات میں متعدد صاحبان مجھ سے رابطے میں رہے۔ میری خواہش تھی کہ یہ داستان ایک ناقابل فراموش سیریل کی صورت منی اسکرین کی زینت بنے مگر ایسا نہ ہو سکا جو ہوا وہ ٹیلی ویژن کے ناظرین ان دنوں دیکھ رہے ہیں۔

علی میاں پبلی کیشنز لاہور کے عبدالغفار صاحب نے اس طویل کہانی کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے لئے گزشتہ تین چار برسوں کے دوران بارہا مجھ سے رابطہ کیا۔ بالآخر یہ اس وقت ممکن ہوا جب اس کام کے لئے اوپر سے وقت طے تھا۔

مجھے یقین ہے کہ وہ قارئین جو اس کہانی کو پہلے پڑھ چکے ہیں دوبارہ' سہ بارہ بھی پڑھنا پسند کریں گے اور وہ جو اسے پہلی مرتبہ پڑھ رہے ہیں یہ داستان انہیں آغاز تا اختتام اپنے سحر میں جکڑے رہے گی۔

ناہید سلطانہ اختر

اس خونچکاں داستاں کا آغاز میں اس شام سے کرتی ہوں جو خوش رنگ چولا پہنے مگر اپنی آستین میں خنجر چھپائے آئی اور مجھ سے میرا بچپن' میری خوشیاں' میری شرارتیں اور شوخیاں سب کچھ چھین لے گئی۔

مگر ٹھہریئے۔

بہتر ہوگا کہ میں اس خوں بار شام کا تفصیلی ذکر کرنے سے قبل اپنی کتاب زندگی کے ابتدائی اوراق کو سرسری پلٹتی چلوں۔

ہماری کائنات ڈیڈی' ممی اور ہم چار بہن بھائیوں پر مشتمل تھی۔ ڈیڈی سورج کی طرح روشن اور پُروقار تھے تو ممی چاند کی مانند تاباں اور دلکش۔ میرے بڑے بھائی عارف مجھ سے دو سال بڑے تھے اور ہمارے جڑواں بھائی بہن کی گل گوتھنا سی جوڑی مجھ سے کوئی آٹھ برس چھوٹی تھی۔ حارث اور فرحین میں تقریباً آدھ گھنٹے کا فرق تھا۔ حارث' فرحین سے آدھا گھنٹا پہلے دنیا میں آیا تھا۔

مجھے اپنے بچپن کی ڈھیروں باتیں آج بھی یوں یاد ہیں جیسے میرا بچپن کل ہی کی تو بات ہے۔ [illegible] تھے' نہ غریب۔ زندگی کی سب ضرورتیں بہ آسانی پوری ہو جایا کرتی تھیں۔ ڈیڈی ایک دفتر میں افسر تھے۔ ہمارا گھر خاصا آرام دہ تھا۔ ڈیڈی کے پاس کار بھی تھی۔ بھیا اور میں ایک بڑے انگریزی اسکول میں پڑھنے جایا کرتے تھے۔ ممی دن بھر گھرداری میں لگی رہتیں اور اکثر حال سے بے حال نظر آنے لگتیں مگر ڈیڈی کے دفتر سے واپس لوٹنے کا وقت ہوتے ہی وہ نہا دھو کر آراستہ و پیراستہ ہو جاتیں اور ان کے سراپا سے مسحور کن خوشبو کی لپٹیں اٹھنے لگتیں۔ ڈیڈی دفتر سے گھر لوٹتے تو ممی ان کا مسکراتے ہوئے سواگت کرتیں۔ ڈیڈی میٹھی میٹھی نظروں سے ممی کو دیکھتے جاتے' مسکراتے جاتے۔ جب تک ڈیڈی نہا دھو کر تازہ دم ہوتے' ممی ان کے لئے چائے دم کر لیتیں۔ ڈیڈی کی شام ہم چاروں کے نام ہوتی اور رات ممی کے لئے۔ زندگی ایک دلکش سپنا بنی ہوئی تھی۔ ہمیں کوئی دکھ' کوئی فکر' کوئی غم نہ تھا۔ ممی اور ڈیڈی کے ساتھ ہم اپنی دنیا میں اتنے مگن اور مسرور تھے کہ

ہمیں کسی اور رشتے ناطے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ڈیڈی اور ممی ہی ہمارے لئے سب کچھ تھے۔

عارف بھیا اپنی عمر کی چودھویں بہار دیکھ رہے تھے جبکہ میں اپریل میں اپنا گیارہواں جنم دن منا چکی تھی۔ ایک روز جب بھیا اور میں اسکول سے گھر واپس لوٹے تو ممی کو کسی جشن کے انتظامات میں منہمک پایا۔ ہمارے استفسار پر ممی نے بتایا کہ اس روز ڈیڈی کا چھتیسواں جنم دن تھا اور وہ شام کو دفتر سے ڈیڈی کی واپسی پر ایک چھوٹی سی مگر پُروقار تقریب کے اہتمام کے ساتھ ان کا استقبال کرکے انہیں متحیر و مسرور کردینا چاہتی تھیں۔ ممی نے اس تقریب میں اپنے اور ڈیڈی کے چند قریبی احباب کو بھی مدعو کیا تھا۔ وقت کم تھا اور کام بہت۔ بھیا اور میں ممی کی مدد کو کمربستہ ہوگئے۔ آنے والی شام کا تصور ہمیں ناقابل بیان مسرت بخش رہا تھا۔ بھیا ترنگ میں آکر "ہیپی برتھ ڈے ٹو ڈیڈی ڈیئر" کا راگ بار بار الاپنے لگتے۔ ممی چاہتی تھیں کہ ڈیڈی کے آنے تک ساری تیاری مکمل ہو............ میز آراستہ ہو اور ہم سب ان کا استقبال کو پیراستہ اور انہیں ان کے جنم دن کی مبارک باد دینے کو تیار۔ چنانچہ ممی کو کچن میں اور ہمیں کچن سے باہر انتہائی مستعدی کا مظاہرہ کرنا پڑا۔ بھیا کے ساتھ مل کر میں نے لاؤنج کو سجایا جہاں ہم ڈیڈی کی سالگرہ کی تقریب منانے جارہے تھے۔ ہمارے جڑواں بہن بھائی جو دو ماہ بعد چار برس کے ہونے والے تھے' اپنی ننھی ننھی آنکھوں سے ہمیں محوِ کار دیکھتے رہے۔ ممی پھرکی کی سی تیزی سے کام کرتی رہیں۔ جب میز لوازماتِ خورد و نوش سے لد پھند چکی تو ممی نے حارث اور فرحین کو نہلا دھلا کر تیار کیا پھر مجھے اور بھیا کو جو [illegible] کی ہدایت کرتے ہوئے خود بھی تیار ہونے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

جب ممی تیار ہو کر اپنے کمرے سے باہر آئیں تو میں انہیں دیکھتی ہی رہ گئی۔ روپہلے بارڈر والی مہین ساڑھی میں ملبوس وہ غضب کی حسین لگ رہی تھیں۔ ساڑھی کی مناسبت سے انہوں نے دمکتے ہوئے نگینوں سے مرصع نقرئی زیورات کا وہ دلکش سیٹ پہن رکھا تھا جو ڈیڈی گزشتہ دنوں اپنے دورہ سنگاپور و بنکاک سے واپسی پر ان کے لئے لائے تھے۔ ممی خوبصورت تو تھیں ہی ان کی بڑی بڑی بھوری آنکھیں ان کے رسیلے ہونٹوں کے سنگ سنگ مسکا رہی تھیں۔ ساڑھی کی روپہلی فالز کی اوٹ سے جھانکتے پنسل ہیل روپہلے سینڈلوں نے ممی کی دراز قامتی میں اور اضافہ کردیا تھا۔ غرورِ حسن ان کے چہرے اور ان کی چال ڈھال سے چھلکے پڑتا تھا۔ میں جانتی تھی' ممی نے وہ ساری تیاری ڈیڈی کے لئے کی تھی اور ڈیڈی کے لئے ممی کا آراستہ ہونا مجھے ہمیشہ اچھا لگا کرتا تھا۔

پھر ہم سب ڈیڈی کا بے تابانہ انتظار کرنے لگے۔ ممی نے گنتی کے چند قریبی احباب کو مدعو کر رکھا تھا وہ سب بھی آپہنچے۔ ڈیڈی کے لئے ایک چھوٹی میز پر تحائف جمع ہوتے چلے گئے۔ ان میں ممی اور ہم چاروں بہن بھائیوں کی جانب سے بھی ڈیڈی کے لئے تحائف شامل تھے۔ ممی بڑی رازداری سے دو روز قبل نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ ہم چاروں کی جانب سے بھی ڈیڈی کے لئے تحائف خرید لائی تھیں جو انہوں نے اس روز اسکول سے ہماری واپسی کے بعد ہمیں دکھائے تھے اور پھر میں نے بھیا کے ساتھ مل کر ان تحائف کو بڑی نفاست سے رنگین کاغذ میں علیحدہ علیحدہ لپیٹ دیا تھا۔ پھر ان پر ننھے ننھے تہنیت نامے چسپاں کردیئے تھے۔ میری طرف سے ڈیڈی کے لئے ایک ٹائی پن تھی۔ بھیا کی طرف سے آفٹر شیو لوشن اور باڈی کلون پر مشتمل ایک سیٹ جبکہ حارث اور فرحین کی جانب سے نکٹائی اور رومال کا مشترک تحفہ تھا۔ ممی نے اپنا تحفہ ہمیں نہیں دکھایا مگر چکنے پھولدار کاغذ میں ملفوف بڑا سا پیکٹ چغلی کھا رہا تھا کہ ممی' ڈیڈی کو شرٹ' شلوار قمیض کا جوڑا یا پھر سوٹ پیس تحفے میں دینے جارہی تھیں۔ شام گہری پڑ گئی اور ڈیڈی کے لئے ہمارا انتظار' اضطراب میں بدل گیا۔ ہماری نظریں بار بار گھڑی کی سوئیوں کی جانب اٹھتیں اور مضطرب ہو کر ہم بار بار برآمدے میں نکل آتے۔ سب مہمان آچکے تھے اور ہمارے کان ڈیڈی کی گاڑی کا ہارن سننے کو بے تاب تھے۔

"بھابی! کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ تو آصف کو سرپرائز دینا چاہتی ہوں اور آصف اپنا برتھ ڈے کسی اور کے ساتھ منانے نکل گئے ہوں۔" ڈیڈی کے ایک بے تکلف دوست نے جنہیں ہم انکل سلطان کہا کرتے تھے' کہا۔

"ایسا نہیں ہوسکتا۔" ممی نے پورے یقین سے کہا۔

"آپ کو یہ تو معلوم ہے نا کہ آصف کی پرسنل سیکرٹری ان دنوں ایک خاتون ہیں۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائے اور ان کی مسکراہٹ دیگر مہمانوں کے چہروں پر بھی ہلکورے لینے لگی۔

انکل سلطان کی بیگم نے اپنے شوہر کو تنبیہی نظروں سے دیکھا پھر خاصے جلے بھنے اور تلخ لہجے میں بولیں۔ "شیریں جیسی خوبصورت بیوی کے گھر میں ہوتے کسی دوسری عورت میں دلچسپی لینے کی حماقت آپ جیسا مرد ہی کرسکتا ہے۔ آصف بھائی ہرگز یہ حماقت نہیں کریں گے۔"

انکل سلطان کے سوا باقی سارے مہمانوں کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی اور انکل سلطان خفیف سے نظر آنے لگے۔ وہ اپنے دفاع میں کچھ کہنے کو منہ کھولنا ہی چاہتے تھے کہ باہر

گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔ گو وہ ڈیڈی کی گاڑی کی آواز ہرگز نہ تھی مگر پھر بھی عارف اور میں یہ دیکھنے کو باہر بھاگے کہ کون آیا ہے۔ ہمارے گھر کے باہر ایک پولیس وین کھڑی تھی۔

"یہ آصف صاحب کا گھر ہے؟" ایک باوردی پولیس اہلکار نے عارف سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" عارف نے جواب دیا۔

"آپ..........؟" پولیس افسر نے عارف کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"جی، میں ان کا بیٹا ہوں۔"

"کوئی بڑا گھر پر ہے؟"

"جی ہاں، میری ممی ہیں۔"

"ہم ان سے ملنا چاہیں گے۔"

"زریں، ممی کو بلاؤ۔" عارف نے پلٹ کر مجھ سے کہا۔ میں ممی کو بلانے کے لئے پلٹی تو اس وقت تک ممی لاؤنج سے برآمدے میں آچکی تھیں۔

"کون آیا ہے بیٹا؟" ممی نے مجھ سے پوچھا۔

"پولیس کی گاڑی آئی ہے۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"پولیس!" ممی کے چہرے پر حیرانی، تشویش اور خوف کی ملی جلی کیفیت اُمنڈ آئی۔ ممی نے گردن موڑ کر ذرا کی ذرا لاؤنج کی سمت دیکھا پھر برآمدے کی سیڑھیاں اترتی لان پر [illegible] ہیں۔ میں ان کے ساتھ ساتھ تھی۔

پولیس اہلکاروں نے ممی کو سرتاپا دیکھا پھر مذکورہ افسر نے پوچھا۔ "آپ مسز آصف ہیں؟"

"جی.......... جی ہاں۔"

افسر مذکور نے ایک گہری سانس کھینچی پھر مدھم سُروں میں بولا۔ "مجھے افسوس ہے مسز آصف کہ ہم اس وقت ایک بری خبر لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔"

ممی دم بخود اسے دیکھنے لگیں۔

"آصف صاحب شارع فیصل پر ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں.........." پولیس افسر اتنا کہہ کر تھم گیا۔

ممی کے دونوں ہاتھ ان کے منہ تک جا پہنچے اور ان کے منہ سے ایک ایسی گھٹی گھٹی چیخ نکلی جس نے مجھے لرزا کر رکھ دیا۔ "وہ.......... وہ.......... آصف.......... خیریت.......... سے.......... تو.........." ممی کے منہ سے یہ الفاظ کچھ اس طرح نکلے جیسے

[illegible]ای سے پانی کے آخری چند گھونٹ نگلیں۔

"مجھے افسوس ہے مسز آصف کہ آپ کے شوہر جائے حادثہ پر ہی جاں بحق ہوگئے۔ [illegible]الر نے ان کی گاڑی کو بری طرح.........."

آن کی آن خانۂ شادی، ماتم کدہ بن گیا۔

مجھے یاد ہے، میں ممی کی حالت غیر دیکھ کر پولیس افسر پر جھپٹ پڑی تھی اور میں نے اس کے سینے پر دیوانہ وار مکّے برساتے ہوئے کہا تھا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو، میرے ڈیڈی زندہ ہیں، وہ نہیں مرسکتے۔"

مجھے بمشکل قابو کیا گیا۔

"ڈیڈ باڈی وصول کرنے کے لئے آپ کو اسپتال جانا ہوگا۔" پولیس افسر نے ممی سے کہا۔

لوازماتِ خورد و نوش جوں کے توں میز پر دھرے کے دھرے رہ گئے۔

تحائف میز پر ویسے کے ویسے پڑے رہ گئے۔

کیک کے گرد ایستادہ موی شمعیں روشن ہونے سے محروم رہیں۔

ڈیڈی اپنا چھتیسواں جنم دن نہ منا سکے۔

اور مجھے اس دردناک حقیقت، اس اٹل سچائی کو تسلیم کرلینا پڑا کہ ڈیڈی اب اس دنیا میں نہیں رہے تھے۔

[illegible] شام مجھ سے میرا بچپن، میری خوشیاں، میری شرارتیں اور شوخیاں، سب کچھ چھین کر لے گئی۔

☆------☆------☆

ڈیڈی کی ناگہانی موت ممی سمیت ہم سب کے لئے ایک جانکاہ سانحہ تھی۔ دن مہیب ہوگئے اور راتیں دہشت انگیز خوابوں میں ڈوب گئیں۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے مجھے ڈیڈی یاد آتے رہتے۔ ڈیڈی کی موت سے پہلے مجھے موت کا کوئی ذاتی تجربہ نہ تھا۔ میں بس اتنا جانتی تھی کہ انسان اور جانور بیمار ہوکر، بوڑھے ہوکر، مرجایا کرتے ہیں مگر میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ موت اتنی ظالم بھی ہوسکتی ہے کہ میرے ڈیڈی جیسے جوان اور زندگی سے بھرپور لوگوں کو بھی چشم زدن میں ان کے پیاروں سے چھین لے جائے۔ ڈیڈی کی موت سے پہلے تو میں نے کسی پالتو جانور کی موت کا صدمہ تک نہ سہا تھا کیونکہ ممی کو صفائی ستھرائی کا اتنا جنون تھا کہ وہ گھر کو صاف ستھرا رکھنے کی خاطر ہمیں کوئی پالتو جانور گھر میں رکھنے کی اجازت ہی نہ دیتی تھیں۔ کاش! ڈیڈی کی موت سے قبل کسی نے ہمیں بتا دیا

ہوتا کہ بوڑھے اور بیمار ہی نہیں، جوان اور صحت مند اور زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور لوگ بھی مرسکتے ہیں۔

ڈیڈی کی موت نے ہم سے ہماری ساری خوشیاں چھین لیں۔ ممی، بھیا اور میں مسکرانا بھول گئے۔ حارث اور فرحین کی معصوم باتیں اور شوخیاں بھی ہمارے دل نہ بہلا سکتی تھیں۔ ہم گویا غم و اندوہ کے مجسمے بن گئے تھے۔ ممی اداس، دل گیر اور متفکر سی رہتیں۔ مستقبل مبہم سا تھا۔ جس گھر میں ہم رہ رہے تھے، وہ ڈیڈی کے دفتر کی ملکیت تھی۔ چھ ماہ تک ہم اس گھر میں رہ سکتے تھے، پھر ہمیں وہ گھر چھوڑ دینا تھا۔ ڈیڈی کے دفتر سے پندرہ ہزار روپے کی فوری اعانت ممی کو مل گئی تھی۔

ضروری دفتری کارروائی کے بعد کچھ واجبات بھی ملنا تھے۔ ڈیڈی کے بیمہ زندگی سے بھی مناسب رقم ملنا تھی مگر ان کے واجبات اور بیمہ زندگی سے ملنے والی مجموعی رقم سے ممی کیا کیا کرسکتی تھیں۔ ان گنت احتیاجاتِ زندگی منہ کھولے کھڑی تھیں۔ ان کی تشفی ممی جیسی تہی داماں و نہتی عورت کے لئے بہرحال ایک گمبھیر مسئلہ تھی۔ ڈیڈی کی موت نے ہمیں تو فقط اداس و دل گرفتہ ہی کیا، ممی کو تو بحرِ بے کنار سے دوچار کردیا۔ کبھی وہ ان کے دفتر دوڑتیں، کبھی بیمہ زندگی والوں سے رابطہ قائم کرتیں، کبھی خط لکھنے بیٹھ جاتیں تو کبھی خط سپردِ ڈاک کرنے ڈاک خانے چلی جاتیں۔ ڈیڈی کی موت سے قبل ہم نے ممی کو کبھی کوئی خط لکھتے نہ دیکھا تھا مگر ڈیڈی کی موت کے بعد وہ نہ جانے کسے اس قدر باقاعدگی سے خط لکھنے لگی تھیں!

ڈیڈی کی زندگی میں ہماری شامیں پُررونق ہوا کرتی تھیں، ان کے بعد اسی قدر اداس اور مہیب ہوگئیں۔ شام کے وقت اکثر ممی تو خط لکھنے بیٹھ جاتیں اور مجھے، حارث اور فرحین کو کھلا پلا کر سلانے کا فریضہ سونپ دیتیں۔ اس ذمے داری سے نمٹ کر میں اکثر ممی کے آس پاس ہی جا بیٹھتی اور ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھتی رہتی۔ ڈیڈی کے بعد مجھے ممی کے بارے میں بھی یہ خوف رہنے لگا کہ کہیں ڈیڈی کی طرح کسی روز وہ بھی ہمیں چھوڑ کر نہ چلی جائیں۔

ایک روز جب میں چپ چاپ بیٹھی ممی کو دیکھ رہی تھی اور وہ کھڑکی سے باہر لان کی سمت دیکھتے ہوئے نہ جانے کس گہری سوچ میں غرق تھیں، میں نے کہا۔ "ممی! اگر ہم سب یہ تصور کرلیں کہ ڈیڈی مرے نہیں، زندہ ہیں اور ہمارے ساتھ ہی ہیں تو شاید ہم سب اتنے اداس نہ رہیں۔"

ممی نے چونک کر میری طرف دیکھا، پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آبیٹھیں

اور میرے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔ "بیٹا! ہمارے یہ تصور کرلینے سے حقیقت جھٹلائی تو نہیں جاسکے گی۔ حقیقت تو جو ہے، سو ہے اور اسے قبول کرلینے ہی میں عافیت ہے۔"

"تو پھر ہم زندہ کیونکر رہ سکتے ہیں؟" میں نے دکھ سے بوجھل آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ڈیڈی کے بغیر آپ، میں، بھیا، ہم سب بہت اداس ہیں۔ زندگی بہت بے مزہ ہوگئی ہے۔ کبھی کبھی تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی مرجاؤں۔"

ممی نے جھک کر میرا سر چوما پھر مجھے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولیں۔ "نہیں بیٹا! مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس طوفان سے بخیریت گزر جانے کی کوشش کرنا ہوگی۔" پھر ممی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "تم ایک باہمت باپ کی بیٹی ہو۔ تمہیں بہادری سے حالات کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ انشاء اللہ ہم اس مشکل سے گزر جائیں گے۔"

"اب آپ ملازمت کریں گی؟" میں نے سر اٹھا کر ممی کی طرف دیکھا۔

"شاید۔"

"پھر گھر کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ حارث اور فرحین تو ابھی بہت چھوٹے ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کیونکر ہوگی؟"

"سب ہوجائے گا۔" ممی نے کہا پھر انہوں نے میرا سر چوم کر کہا۔ "ڈیڈی کی موت سے [illegible]"

"میں گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔

"بری بات بیٹا! روتے نہیں۔ رونے سے مرنے والوں کی روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ کیا تم اپنے ڈیڈی کی روح کو تکلیف دینا چاہتی ہو؟ شاباش! آنسو پونچھ لو اور دل میں یہ عہد کرلو کہ تمہیں اپنے ڈیڈی کی روح کو دکھ نہیں پہنچانا ہے کیونکہ وہ تم چاروں بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ تم ہی کو عزیز رکھتے تھے۔"

ڈیڈی کی زندگی میں بھیا اور میں اکثر اس مسئلے پر الجھ پڑا کرتے تھے کہ ڈیڈی کس کو زیادہ چاہتے ہیں۔ ہم دونوں اس سلسلے میں ڈیڈی سے جب بھی ان کا فیصلہ سننا چاہتے تو وہ یہ کہہ کر ٹال جایا کرتے تھے کہ انہیں تو ہم دونوں ہی یکساں پیارے ہیں۔ ہم ممی سے رجوع کرتے تو ممی بھی ہمیشہ کچھ ایسا ہی جواب دیا کرتی تھیں۔

ڈیڈی کی موت کے بعد ممی کی زبان سے پہلی بار یہ اعتراف سن کر کہ ڈیڈی چاروں بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ مجھی کو عزیز رکھتے تھے، مجھے یک گونہ مسرت اور طمانیت

محسوس ہوئی۔ سوئے اتفاق بھیا بھی اسی وقت آپہنچے چنانچہ میں نے یہ حقیقت ان پر جتانے کے لئے بالواسطہ تدبیر اختیار کی۔ "ممی' ڈیڈی مجھے اس لئے زیادہ چاہتے تھے تاکہ میں آپ سے ملتی ہوں۔" میں نے تائید طلب نظروں سے ممی کی جانب دیکھنے کے بعد فوراً ہی بھیا کی طرف توجہ کی۔

"بیٹا! تمہاری صورت مجھ سے ضرور ملتی ہے لیکن تم میری طرح پُرعزم اور اپنے ارادوں میں اٹل ہرگز نہیں ہو۔ میرا تو یہ عالم تھا کہ جب میں کسی بات پر اڑ جاتی تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔" کس خوبصورتی سے ممی بھیا کی موجودگی کا لحاظ رکھتے ہوئے اسی غیر جانبداری کا مظاہرہ کر گئی تھیں جس کا مظاہرہ وہ ڈیڈی کی زندگی میں کیا کرتی تھیں۔

"یعنی آپ بہت ضدی تھیں؟" بھیا نے پوچھا۔

"بہت!" ممی نے توقف کیا پھر بولیں۔ "اتنی کہ اپنی ضد کے آگے میں بڑے سے بڑے نقصان کی بھی پرواہ نہیں کرتی تھی۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی اور اپنی ضد کے آگے کسی کی نہ سنتی تھی۔ اپنے والدین کی بھی نہیں۔"

ممی ہمارے سامنے اپنے والدین کا شاذ ہی ذکر کیا کرتی تھیں۔ اپنے والدین کے بارے میں انہوں نے ہمیں یہ بتا رکھا تھا کہ وہ........ دہلی میں رہتے ہیں اور شاید ہم ان سے ملنے کبھی نہ کبھی ضرور وہاں جائیں گے۔ ہم ان کی طرف سے کوئی خط پتر نہ آنے پر تشویش ظاہر کرتے تو ممی کہتیں۔ "بیٹا" دونوں بوڑھے ہیں۔ انہیں لکھنے پڑھنے میں مشکل ہوتی ہوگی۔" ہم انہیں خط لکھنے [illegible] ہیں۔ "مجھے زبانی یاد نہیں ہے۔ [illegible] ی روز پرانے کاغذات میں تلاش کروں گی۔" ہم جی ہی جی میں حیران ہوتے کہ ممی کیسی بیٹی تھیں جنہیں نہ تو اپنے بوڑھے والدین کا پتا زبانی یاد تھا نہ انہیں خط لکھنے کے لئے وقت ملتا تھا۔ ہم اس سلسلے میں زیادہ بات کرتے تو ممی بڑی محبت سے ٹال جاتیں۔

رہے ڈیڈی کے والدین تو ان کے بارے میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ ڈیڈی کے لڑکپن میں ایک حادثے کا شکار ہو گئے تھے۔ ڈیڈی کو ان کے ایک چچا نے پڑھایا لکھایا تھا جو اب اس دنیا میں نہیں تھے۔

ممی نے ازخود اپنے والدین کا ذکر بر سبیل تذکرہ ہی کیا تو میں نے پوچھا۔ "ممی! کیا آپ کے ڈیڈی بھی آپ کو اتنا ہی پیار کرتے تھے جتنا ڈیڈی مجھے کرتے تھے؟"

"ہاں!" ممی نے پورے یقین سے کہا۔

"ممی! آپ نانی امی اور نانا ابو کو خط تو لکھ دیتیں۔ ڈیڈی کے انتقال کا۔" بھیا بولے۔

"لکھے ہیں بیٹا! کئی خط لکھے ہیں میں نے تمہاری نانی امی کو' دیکھو' کب جواب دیتی ہیں وہ؟"

"ان کا ایڈریس ڈھونڈ لیا تھا آپ نے؟"

"ہاں' پرانے کاغذات میں مل گیا تھا۔"

میں نے جی ہی جی میں خدا کا شکر ادا کیا کہ بالآخر ممی نے اپنے والدین کو خط تو لکھا۔

☆-------☆-------☆

چند دن بعد کا ذکر ہے۔ ایک روز جب بھیا اور میں اسکول سے گھر واپس لوٹے تو ہم نے ممی کو خاصا متفکر اور پریشان پایا۔ ہمارے استفسار پر انہوں نے کہا۔ "میرا پروگرام یہ تھا کہ تمہارے ڈیڈی کے آفس اور ان کی لائف انشورنس سے جو رقم ملے گی' اس سے ہم کوئی چھوٹا موٹا فلیٹ خرید لیں گے تاکہ سر چھپانے کا آسرا ہو جائے اور ماہ بہ ماہ مکان کا کرایہ دینے سے جان بچی رہے۔ اسی رقم میں سے کچھ رقم میں اس وقت تک گھر کے اخراجات کے لئے اٹھا رکھنا چاہتی تھی جب تک میں کہیں ملازمت کرنے کے لائق نہ ہو جاؤں' مگر آج ہی مجھے تمہارے ڈیڈی کے آفس سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے دفتر سے کافی رقم قرض لے رکھی تھی۔ دراصل ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ ہم اپنے وسائل سے بڑھ کر خرچ کرتے رہے چنانچہ تمہارے ڈیڈی کے دفتر سے تو ہمیں برائے نام ہی واجبات ملیں گے۔ رہی بیمہ زندگی سے حاصل ہونے والی رقم تو اس سے زیادہ سے زیادہ کوئی معمولی سا فلیٹ ہی [illegible]

کیونکہ میں فقط بی اے پاس عورت ہوں۔ نہ میرے ہاتھ میں کوئی ہنر ہے نہ تجربہ کی سند۔ ملازمت اچھے اچھے پڑھے لکھوں کو نہیں ملتی تو مجھے کہاں ملے گی۔ بالفرض ملی بھی تو زیادہ سے زیادہ ہزار بارہ سو روپے مہینے کی نہ ملے گی۔ اس سے تو تم دونوں کے اسکول کے اخراجات بھی پورے نہ ہو سکیں گے۔"

"ہم کم فیس والے کسی دوسرے اسکول میں داخلہ لے لیں گے ممی!" میں نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں' یہ مجھے گوارا نہ ہوگا۔ تمہارے ڈیڈی تمہیں معیاری درسگاہ میں پڑھانے کے خواہش مند تھے۔ ان کی خواہش کا احترام لازم ہے۔"

"ممی! میں کوئی پارٹ ٹائم جاب کر لوں گا۔" بھیا بولے۔

"نہیں........ نہیں........ مجھے یہ بھی ہرگز گوارا نہ ہوگا۔" ممی نے تڑپ کر کہا۔

"تو پھر گزارہ کیونکر ہوگا ممی؟"

ممی کچھ دیر چپ رہیں پھر بولیں۔ "بس ایک ہی راہ بجھائی دیتی ہے مجھے تو۔"

"وہ کیا؟" عارف نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ ہم تمہارے نانا جان کے گھر میں جاکر رہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے دہلی؟" بھیا نے کہا۔ "نہیں' ہم وہاں ہرگز نہیں جائیں گے۔ ہم یہاں محنت مزدوری کرکے گزارہ کرلیں گے مگر اپنا وطن چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔"

"بھیا ٹھیک کہہ رہے ہیں ممی!" میں نے بھیا کی تائید کی۔

اگرچہ بھیا تو عمر تھے لیکن شوق مطالعہ نے انہیں بہت بڑی بڑی باتیں سکھا دی تھیں۔ ڈیڈی کی ناگہاں موت نے انہیں اور بھی سنجیدہ کردیا تھا۔

ممی نے باری باری ہم دونوں کو دیکھا پھر بولیں۔ "میرا خیال ہے' وہ وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں یہ بتادوں کہ تمہارے نانا دہلی میں نہیں بلکہ ملتان میں رہتے ہیں جہاں ان کی بہت بڑی جاگیر ہے۔"

"ملتان میں!" بھیا کے اور میرے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں۔" ممی نے دھیمی آواز میں کہا پھر وہ بولیں۔ "میرا ارادہ تھا کہ یہ سب کچھ تمہیں اس وقت بتاؤں گی جب تم پوری طرح سمجھدار ہوجاؤ گے مگر حالات کا کبھی کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کس وقت کیا صورت اختیار کر جائیں اور انسان کو اپنے سابق فیصلے پر لکیر کھینچنے پر مجبور کردیں۔"

بعد ازاں [ممی] نے [ہمیں] جو کچھ بتایا اس کا اجمال یہ تھا کہ [ممی] ایک بڑے جاگیردار باپ کی بیٹی تھیں۔ ان کے دو بھائی بھی تھے جو عین نوجوانی میں کار کے حادثے میں ایک ساتھ ہلاک ہوگئے تھے۔ دو نوجوان بیٹوں کی موت کے بعد ممی کے والدین نے دونوں مرحوم بیٹوں کے حصے کی محبت بھی ممی کے لئے وقف کردی تھی اور وہ ان کی تمام تر محبت کے ساتھ ان کی بے اندازہ دولت اور بیش قدر اثاثوں کی واحد وارث بھی قرار پاگئی تھیں۔ ممی کے والدین ان کی شادی اپنی پسند کے ایک ہم مرتبہ نوجوان سے کرنا چاہتے تھے مگر ممی کو اپنے زمانۂ طالب علمی میں ہمارے ڈیڈی سے عشق ہوگیا اور انہوں نے اس خیال کے تحت کورٹ میرج کرلی کہ جب شادی ہوجائے گی تو ان کے والدین ان کے فیصلے کو مجبوراً قبول کرلیں گے لیکن ان کی اس توقع کے برعکس ان کے والد نے انہیں نہ صرف اپنی جائیداد سے عاق کردیا بلکہ اپنے گھر کے دروازے بھی ان پر اور ان کے شوہر پر یکسر بند کردیئے۔ والدین کی بے اعتنائی سے دل برداشتہ ہوکر وہ ڈیڈی کے ساتھ ایک نئے

[...]ہر میں آ بسیں اور تقریباً پندرہ برس تک دونوں نے ایک خوشگوار اور مثالی ازدواجی زندگی [...]اری لیکن پھر ڈیڈی نے یک بیک ڈگر بدلی اور ممی کو چار بچوں کے ساتھ دل گرفتہ اور [...]بے آسرا چھوڑ کر ملک عدم جابسے۔

اپنی داستان ہمیں سناتے ہوئے ممی کئی مرتبہ گلوگیر ہوئیں۔ ان کے خاموش [...]ہوجانے کے بعد بھیا نے کہا۔ "آپ نے یہ سب کچھ ہم سے اب تک کیوں چھپائے رکھا [...]کی؟"

"کیونکہ چھپائے رکھنے میں کوئی نقصان اور بتانے میں کوئی فائدہ نہ تھا' اس لئے میں [...]نے بتانا ضروری نہیں سمجھا۔" ممی نے گھڑی بھر کو توقف کیا پھر بولیں۔ "تمہارے ڈیڈی کی [...] کے بعد مجھے غیر یقینی صورت حال میں اپنے اور تم چاروں کے بچاؤ کا فقط ایک ہی [...] بجھائی دیا اور وہ یہ کہ میں تم چاروں کو لے کر اپنے والدین کے پاس چلی جاؤں۔ [...] میں نے اپنی امی کو خط لکھا اور انہوں نے مجھے جو جواب دیا اس کے مطابق پاپا بستر [...]الت پر ہیں اور ہمہ وقت نرسیں ان کی دیکھ بھال کر رہی ہیں۔ وہ معدے کے سرطان [...] مبتلا ہیں اور ان کے معالجین کی رائے یہ ہے کہ وہ زیادہ عرصہ نہ جی سکیں گے۔ میری [...] تو مجھے تم چاروں کے ساتھ اس گھر میں خوش آمدید کہنے کو تیار ہیں مگر ان کا خیال ہے [...] پاپا کچھ تامل کریں گے۔ انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ وہ پاپا کو میری بیوگی کی خبر سنا کر [...]ہیرے دھیرے ان کے دل میں میرے لئے عفو ودرگزر کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش [...]کریں گی اور جونہی وہ اس گھر میں میری واپسی کی اجازت دیں گے' وہ مجھے مطلع کردیں [...] [...]ی نے پل دو پل خاموشی اختیار کرنے کے بعد کہا۔ اب میں امی کے خط کی منتظر [...]ہوں۔ اگر میرے والد مجھے اس گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں تو بس پھر سمجھو [...]سارے مسئلے ختم۔ ایک بار اس گھر میں داخل ہونے کے بعد میں پاپا کی اتنی خدمت [...]ار اور اطاعت شعار بن کر رہوں گی کہ ان کے دل میں میرے لئے وہ پرانی محبت نئے [...]سرے سے جاگ اٹھے گی اور وہ میرا حق مجھے دے دیں گے۔"

"آپ کا مطلب ہے' آپ کو اپنی جائیداد سے عاق کردینے کا فیصلہ منسوخ کردیں [...]گے؟" عارف بولا۔

"ہاں!" ممی کی آنکھوں میں انوکھی چمک عود کر آئی پھر انہوں نے خوابناک لہجے میں [...] "تم لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ تمہارے نانا جان کتنے بڑے جاگیردار ہیں اور ان [...] کتنا بڑا' کتنا خوبصورت اور قابل دید ہے۔ گھر کیا ہے' محل ہے! دو چار نہیں' بیسیوں [...] بیسیوں کمرے' متعدد باتھ رومز' لق و دق ہال' طویل طویل کوریڈورز' وسیع وعریض

لان' کشادہ ٹیرس' انیکسیاں' گیسٹ رومز' لائبریری اور جانے کیا کچھ۔ اتنا بڑا گھر ہے کہ کوئی انجانا اس گھر کو دیکھنے نکلے تو راستہ بھول جائے۔ کمرے شمار کرنے کی کوشش کرے تو الجھ کر رہ جائے۔ منقش بام و در جن پر نظر نہ ٹھہرے۔ چکنے اور شفاف فرش جن پر ہر قدم گر جانے کے خوف سے سنبھل کر اٹھانا پڑے۔ کمروں کی آرائش دیدنی' ایسے ایسے عجائبات و نوادرات کہ دیکھنے والا متحیر رہ جائے۔ پورچ میں بیک وقت کئی کئی گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں۔ نوکروں کی فوج ظفر موج ہے جو خوب موج اڑایا کرتی ہے۔ نوکروں کے لئے سرونٹ کوارٹرز نہیں بلکہ سرونٹس کالونی ہے۔ ہر نوکر کے لئے ایک علیحدہ مکان ہے۔ تمہارے نانا کی مربعوں اراضی ہے جو ٹنوں زرعی اجناس دیتی ہے۔ کئی زرعی فارمز ہیں جن پر اتنے پھل اور سبزیاں کاشت کی جاتی ہیں کہ ہمارے ملازمین اپنے عزیزوں رشتے داروں کو ٹوکریاں بھر بھر پھل اور سبزیاں بھجوایا کرتے ہیں۔ دو ڈیری فارمز ہیں جن سے اتنا دودھ' گھی اور مکھن آتا ہے کہ ہمارے نوکروں کے بچے دودھ' گھی اور مکھن سے اوب جاتے ہیں۔ ایک بہت بڑا پولٹری فارم ہے جہاں سے ہر ہفتے پیٹیوں کی پیٹیاں انڈوں سے بھری ہمارے گھر آتی ہیں۔ چٹخے ہوئے انڈے تمہاری نانی جان نوکروں سے غریبوں میں تقسیم کرا دیتی ہیں اور اس پولٹری فارم پر سے اتنی مرغیاں ذبح کر کے ہمارے گھر بھجوائی جاتی ہیں کہ ہمارے ملازم اگر کسی روز منہ کا ذائقہ بدلنے کو بڑا گوشت کھالیں تو ان کے مسوڑھے سوج جاتے ہیں.......... اوہ! میں کیا کیا بتاؤں تم لوگوں کو! تمہارے نانا جان کا گھر ایک راحت کدہ ہے۔ عیش گاہ ہے۔ تم لوگ وہاں کے ٹھاٹ باٹ دیکھو گے تو دم بخود رہ جاؤ گے۔ اس گھر میں ایسا ہی ایسا سب ہیں۔ تم لوگ وہاں جاؤ گے تو تمہیں یوں لگے گا جیسے تم بہشت میں آگئے ہو۔"

ہم دم بخود ممی کی باتیں سنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہوگئیں تو بھیا نے کہا۔ "ممی! آپ کو تو وہ گھر چھوڑے پندرہ برس ہو چکے۔ ہو سکتا ہے کہ اب وہ گھر ویسا نہ رہا ہو جیسا کہ آپ کے زمانے میں تھا۔"

"نہیں۔" ممی نے کہا۔ "وہ گھر اب بھی ویسا ہی ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم؟" میں نے پوچھا۔

"تمہاری نانی جان نے اپنے خط میں لکھا ہے مجھے کہ وہ گھر آج بھی بالکل ویسا ہی ہے۔"

"مگر ممی! مجھے تو بڑے گھروں سے ڈر لگتا ہے۔" میں بولی۔

"کیوں؟" ممی نے گہری نظروں سے میری طرف دیکھ۔

"اتنے بڑے گھر میں آدمی گم بھی تو ہو سکتا ہے!"

"میں تمہیں گم نہیں ہونے دوں گی۔" ممی بولیں۔

"یہ سب باتیں تو بعد کی ہیں۔ پہلے نانا جان کی طرف سے ہم لوگوں کے اس گھر میں رہنے کی منظوری تو آجائے۔" بھیا بولے۔

"اللہ نے چاہا تو بہت جلد ان کی منظوری آجائے گی۔" ممی نے کہا۔

☆-------☆-------☆

چند روز بعد ہی ممی نے مجھے اور بھیا کو مژدہ سنایا کہ ہماری نانی جان کے سمجھانے پر نانا جان ہماری ممی کی دوبارہ اس گھر میں واپسی پر راضی ہوگئے تھے۔ ہم دونوں یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ ممی ہم سے بھی سوا مسرور تھیں۔

بھیا جنہیں ممی ہم چاروں میں بالکل اسی طرح زیادہ چاہتی تھیں جیسے ڈیڈی مجھے چاہا کرتے تھے' ممی سے بولے۔

"کیا آپ کو اپنے گھر جانے کی واقعی بہت خوشی ہو رہی ہے؟"

"کیا نہیں ہونی چاہئے؟" ممی نے الٹا سوال داغ دیا پھر بھیا سے بولیں۔ "کیا تمہیں یہ خیال خوشی نہیں بخش رہا کہ تم ایک ایسے گھر میں رہنے جا رہے ہو جس کا تم اپنے ڈیڈی کی زندگی میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے؟"

اس سے پہلے کہ بھیا کچھ کہتے میں نے منہ کچھ بنا کر کہا۔ "مجھے تو کوئی خاص خوشی [illegible] اس گھر سے جانے کی۔"

"کیوں؟" ممی نے قدرے ناگواری سے میری جانب دیکھا۔

"کیونکہ اس گھر میں ڈیڈی کی یادیں ہیں' وہاں ڈیڈی کی یادیں کہاں ہوں گی؟"

"بچوں کو اپنی عمر سے بڑھ کر باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اپنے ڈیڈی کے انتقال کے بعد تم بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو اپنے سے کہیں زیادہ عمر والے لوگوں کی طرح اور مجھے یہ بات پسند نہیں کہ بچے بڑی باتیں کریں۔" ممی کے لہجے سے ناگواری عیاں تھی۔

"ممی! زری بات تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔" بھیا نے میری حمایت میں کہا۔

"بیٹے!" ممی نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ "یہ گھر میں مجبوراً چھوڑ رہی ہوں خوشی سے نہیں۔ میرا بس چلتا تو میں خود بھی کبھی کہیں نہ جاتی اس گھر سے.......... مگر اس گھر میں ہم بھلا کیونکر رہ سکتے ہیں۔ یہ گھر تمہارے ڈیڈی کو ان کے دفتر کی طرف سے ملا ہوا تھا۔ ان کے بعد ہم زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک اس گھر میں رہ سکتے تھے چھ میں سے تین ماہ گزر چکے چوتھا بھی بس تمام ہی ہونے والا ہے۔ اس گھر کو ہمیں بہرحال چھوڑنا تھا' اچھا

ہے کہ ہم غیر یقینی حالات میں یہ گھر نہیں چھوڑ رہے بلکہ ایک تابناک مستقبل کے یقین کے ساتھ اس گھر کو خیرباد کہیں گے۔"

ممی نے قدرے توقف سے کہا۔ "میں نے اپنے والدین کے گھر واپس جانے کا فیصلہ صرف اور صرف تم چاروں بہن بھائیوں کی بہتری کے لئے کیا ہے۔ اگر بابا مجھے عاق کردینے کا فیصلہ منسوخ کردیتے ہیں اور میری خطا کو درگزر کر کے مجھے دوبارہ اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیتے ہیں تو میں ان کی جائیداد اور جملہ اثاثوں کی وارث قرار پاؤں گی۔ امی نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ بابا زیادہ سے زیادہ چند ماہ کے مہمان ہیں۔ بابا کی موت کے بعد سب کچھ میرا ہی ہوگا کیونکہ امی بے چاری کا میرے سوا اور کون بیٹھا ہے' اور اپنے والد کے انتقال کے بعد مجھے جو کچھ ملے گا وہ تم چاروں ہی کا ہوگا کیونکہ میرا تمہارے سوا اور کون ہے۔ تمہارے نانا جان کی موت کے بعد میرے توسط سے تم چاروں کو اتنی بڑی جاگیر ملے گی جس کا تم فی الوقت اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ تم چاروں بہن بھائی اس قدر پُرآسائش زندگی بسر کرو گے جس کا تم نے خواب بھی نہ دیکھا ہوگا۔ نوکر چاکر ہاتھ باندھے تمہارے سامنے کھڑے رہا کریں گے۔ عارف بیٹے! تم اپنی خواہش کے مطابق بڑے سرجن بن سکو گے۔ زریں بیٹی فیشن ڈیزائنر بن سکے گی۔ حارث اور فرحین کا مستقبل بھی محفوظ ہوگا۔"

بھیا نے میری جانب کچھ اس طرح دیکھا جیسے پوچھتے ہوں۔ "کیوں بھئی کیا خیال ہے؟"

میں نے اپنے چہار اطراف نظر دوڑائی اور بے اختیار میری آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے کہ جس گھر کے درودیوار سے ڈیڈی کی خوشبو اور ان کی یادیں لپٹی پڑی تھیں اسے چھوڑ کر جانا واقعی دل دکھانے والا مرحلہ تھا۔ مجھے حارث اور فرحین پر رشک آنے لگا کہ ڈیڈی کی موت کے بعد ہم جن دل دکھا دینے والے حالات سے گزر رہے تھے وہ دونوں ان سے کتنے بے نیاز اور لاتعلق سے تھے!

ہم ممی کے ساتھ نانی جان کے گھر جانے کی تیاریوں میں لگ گئے۔ ممی نے گھریلو استعمال کا بیشتر اسباب اونے پونے فروخت کرڈالا جس میں فرنیچر' کراکری اور بہت سا الم غلم شامل تھا۔ اپنے اور ہم چاروں کے زیادہ استعمال شدہ کپڑے اور جوتے انہوں نے ملازمہ کو دے دیئے جو ہمارے گھر جھاڑو برتن اور کپڑوں کی دھلائی کرنے آیا کرتی تھی۔ اپنے اور ہمارے چیدہ ملبوسات اور جوتے' میری اور بھیا کی کتابیں' حارث اور فرحین کے کھلونے' ٹوتھ برش اور کنگھے اور ضرورت کی چند چھوٹی موٹی چیزیں ہم نے دو چرمی

صندوقوں اور تین بڑے بڑے سفری تھیلوں میں ٹھونس لیں۔

ڈیڈی کے بیمہ زندگی کی رقم تو مل ہی چکی تھی۔ دفتر سے ان کے واجبات کی ادائیگی کا معاملہ ابھی اٹکا ہوا تھا۔ مگر ممی نے واجبات کی وصولی کا انتظار نہ کیا۔ وہ مکان جو ڈیڈی کے دفتر کی طرف سے ملا ہوا تھا قبل از وقت ہی انتظامیہ کے حوالے کیا اور ہمیں لے کر نانی جان کے ہاں جانے کو روانہ ہوگئیں۔ روانگی بہ ذریعہ ٹرین ہوئی۔

☆--------☆--------☆

سفر کے دوران میں بیشتر وقت ٹرین کی کھڑکی سے باہر برق رفتاری سے سمت معکوس میں لپکتے مناظر دیکھتے ہوئے ڈیڈی کی یادوں اور نانی جان کے ان دیکھے انجانے گھر کے تصور میں گم رہی۔

دوران سفر بھیا نے ممی سے پوچھا۔ "ممی! کیا نانی جان ہمیں ریسیو کرنے کے لئے اسٹیشن پر آئیں گی؟"

"نہیں بیٹا!" ممی نے جواب دیا۔

"کیوں بھلا؟"

"کیونکہ تمہارے نانا جان بیمار ہیں اور وہ انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔"

"مگر آپ تو کہہ رہی تھیں نانا جان کی دیکھ بھال نرسیں کر رہی ہیں۔"

"ہاں وہ تو خیر کر رہی ہیں مگر اپنے آدمی کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

[illegible]

"نہیں۔"

"یعنی ہم لوگوں کو اسٹیشن سے وہاں خود ہی جانا پڑے گا؟"

"ہاں۔"

"اوہو ممی' اتنا بھاری سامان ہم لوگ کیونکر کھینچ پائیں گے۔"

"بیٹا اس سلسلے میں تم تشویش میں نہ پڑو۔ تمہاری نانی جان کا گھر اسٹیشن کے بہت نزدیک ہے ہمیں زیادہ وقت نہیں اٹھانی پڑے گی۔"

ہم اپنی منزل مقصود پر رات کے وقت پہنچے۔ نانی جان کے بلند وبالا گھر کی بتیاں پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر دیکھی جاسکتی تھیں۔ اگرچہ ان کا گھر اسٹیشن سے بہت دور نہ تھا مگر ہمارے ہمراہ بھاری بھرکم صندوق' اثاثے بھرے سفری تھیلے اور دو اونگھتے ہوئے معصوم بچے یعنی' حارث اور فرحین متقاضی تھے کہ نانی جان کے گھر تک پہنچنے کے لئے اسٹیشن کے باہر کھڑے تانگوں میں سے ایک تانگہ لے لیا جائے لیکن ممی نے بھیا کے کہنے کے

باوجود تانگہ نہیں لیا۔

"بیٹا تھوڑی سی دور تو ہے۔" ممی نے کہا۔

"ممی سوٹ کیس بہت بھاری ہیں اور پھر یہ بیگ بھی تو ہیں۔"

"حارث اور فرحین کو بھی تو سنبھالنا ہے۔" میں نے لقمہ دیا

"فرحین کی انگلی تم پکڑو حارث کی میں پکڑتی ہوں۔"

بھاری بھرکم سامان اور دو ننھے بچوں کے ہمراہ مختصر فاصلہ طے کرنا بھی کارِگراں ہوگیا۔ نانی جان کا گھر اسٹیشن سے تقریباً پانچ چھ فرلانگ پر تو ضرور ہوگا۔ اپنے اسباب سفر کے ساتھ ہانپتے کانپتے بالآخر ہم نانی جان کے گھر کے نزدیک پہنچ ہی گئے۔ جو اپنے سر پر چمنیاں اٹھائے کھڑا تھا۔ گھر کے بام و در سے چھن چھن کر باہر آنے والی روشنیاں بڑی پُراسرار اور مسحور کن لگ رہی تھیں۔

ممی ہمیں لئے گھر کے صدر دروازے کے.......... بجائے عقبی دروازے پر پہنچیں۔ نہ انہیں بلند وبالا چوبی دروازے پر دستک دینے کی ضرورت پڑی نہ اطلاعی گھنٹی بجانے کی۔ جونہی ہم اس دروازے پر پہنچے' دروازہ بجلی کی سی سرعت سے کھل گیا اور ہم نے موہوم اجیارے میں ایک عمر رسیدہ عورت کو اپنے روبرو کھڑے پایا جن کے بارے میں ممی نے ہمیں بتایا کہ وہ ہماری نانی جان تھیں۔

"آجاؤ.......... جلدی سے اندر آجاؤ۔" نانی جان نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے گھٹی [illegible]

میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ وہ ایک بہت بڑا اور بلند وبالا مکان تھا جس کی بالائی منزلوں کی راہداریاں پُراسرار سی مدقوق روشنی میں ساکت و صامت پڑی ہوئی تھیں۔

نانی جان کی سرکردگی میں ہم ایک تنگ اور چکردار عقبی زینے سے اوپر چڑھنے لگے۔ بھاری اسباب اور دو چھوٹے بچوں کا ساتھ زینے سے اوپر چڑھنے کو کارِ گراں بنا دینے کے لئے بہت تھے۔ مکان کی ہر منزل پر ایک طویل راہداری بھول بھلیوں میں کھلتی دکھائی دی۔ چوتھی منزل پر پہنچنے کے بعد ہم نے ایک طویل راہداری عبور کی اور متعدد کمروں اور کئی بڑے بڑے ہالوں پر مشتمل ایک بھول بھلیوں سے گزرنے کے بعد ہم دبے پاؤں ایک بلند وبالا چوبی دروازے کے سامنے جا تھمے۔ نانی جان نے چابی سے دروازے کا قفل کھولا اور ہم ان کی راہنمائی میں ممی کے ساتھ اندر داخل ہوگئے۔ نانی جان نے اس کمرے کا دروازہ فوراً ہی بند کردیا۔ اب ہم سب کمرے کے اندر تھے جہاں مدقوق سی روشنی پھیلی ہوئی تھی کمرے کی دو دیواروں میں موجود کھڑکیوں کو تیغا کیا ہوا تھا

اب کہ ایک دیوار میں موجود کھڑکیوں پر پردے پڑے تھے۔

وہ ایک بڑا سا ہال نما کمرہ تھا۔ جس میں عجیب سی پُراسراریت چھائی ہوئی تھی۔ کمرے میں دو بڑی مسہریاں بچھی ہوئی تھیں کمرے کے وسط میں کھانے کی ایک بیضوی میز رکھی ہوئی تھی جس کے گرد چھ کرسیاں موجود تھیں ایک جانب بلند وبالا چوبی الماری ایستادہ تھی اور اس سے ذرا ہٹ کر تین بیضوی آئینوں والی ایک سنگھار میز تھی۔ فرش پر دیوار تا دیوار قالین بچھا ہوا تھا۔ انیچ باتھ کا دروازہ کھلا پڑا تھا جسے نانی جان نے آگے بڑھ کر بند کردیا۔ کمرے میں ایک زینہ تھا جو اوپر چلا گیا تھا۔ مگر اس کی منزل فی الحال نامعلوم تھی۔

ہم نے سامان قالین پر رکھ دیا۔

"آپ کیسی ہیں امی؟" ممی نے نانی جان سے پوچھا۔

ہم نانی جان کو دیکھنے لگے۔

"زندہ ہوں۔" خاصی تلخی سے جواب دیا گیا۔

"بابا کیسے ہیں؟"

"زندگی سے دور موت کے نزدیک۔"

ہم نے ممی کو اور ممی نے ہمیں دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔

"اس وقت کھانے کی ضرورت ہے کیا؟" نانی جان نے پوچھا۔

"جی.......... بچے بھوکے تو ہیں۔" ممی نے قدرے ہچکچا کر کہا۔

[illegible]

اونچی آواز نہ نکالے۔" نانی جان نے ابرو چڑھا کر کہا۔

"جی بہتر۔"

نانی جان کھانا لانے کے لئے کمرے سے چلی گئیں۔

"ممی! بھوک لگی ہے۔" فرحین منمنائی۔

"شی!" ممی نے لبوں پر انگلی رکھتے ہوئے فرحین کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حارث اور فرحین دونوں کو نیند بھی آرہی تھی اور وہ بھوکے بھی تھے کیونکہ دوران ٹرین میں دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد انہیں کچھ کھانے کو نہ ملا تھا۔

"نانی جان کھانا لانے گئی ہیں ہم لوگوں کے لئے۔" ممی نے دھیمی آواز میں فرحین کو بہلایا۔

"مجھے نانی جان کے گھر میں اس قدر پُراسرار انداز میں اپنے داخلے پر حیرت ہو رہی تھی۔ میں ممی سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ ہم صدر دروازے سے گھر میں داخل ہونے کے

بجائے عقبی دروازے سے کیوں داخل ہوئے تھے؟ اور کیوں اس قدر دبے پاؤں چلتے ہوئے اس کمرے تک پہنچے تھے؟ نانی جان ہمیں اونچی آواز نہ نکالنے کی کیوں تلقین کرتی تھیں! نانی جان کا گھر اتنی مہیب خاموشی میں کیوں ڈوبا ہوا تھا؟ ہم سب کے لبوں پر تالے سے کیوں پڑ گئے تھے؟ ہم دم بخود کیوں تھے؟ نانی جان کمرے کا دروازہ مقفل کیوں کر گئیں تھیں۔ غرض ان گنت سوالات میرے ذہن میں سر ابھار رہے تھے مگر خدا جانے یہ نانی جان کی تنبیہہ کا خوف تھا کہ کمرے میں پانچ نفوس کی موجودگی کے باوجود جان سلب کر لینے والے سناٹے کا اثر کہ میں زبان نہ کھول پا رہی تھی۔

بھیا بھی متذبذب دکھائی دے رہے تھے۔

ممی انھیں اور سفری تھیلوں میں سے اسباب نکال کر الماری میں رکھنے لگیں' نانی جان کے واپس لوٹنے تک وہ تینوں تھیلے خالی کر چکی تھیں۔

نانی جان کمرے کا دروازہ کھول کر ایک بڑی سی باسکٹ لئے کمرے میں داخل ہوئیں اور انہوں نے جھٹ دروازہ بند کر کے پہلے کی طرح پھر اندر سے قفل چڑھا دیا۔ باسکٹ انہوں نے چپ چاپ میز پر رکھ دی۔ ممی اٹھیں اور انہوں نے باسکٹ میں سے یکے بعد دیگرے دو تھرماس نکالے پھر کھانے کی وہ تمام چیزیں جو نانی جان لائی تھیں' باسکٹ سے نکال کر میز پر رکھ دیں۔ ہاں میں یہ بتانا بھول گئی کہ میز پر پلیٹیں' چمچے' کانٹے' پرچ پیالیاں' گلاس اور جگ کمرے میں ہمارے داخل ہونے سے قبل ہی آراستہ تھے۔

ممی کے اشارے پر [illegible]
کرسیوں پر جا بیٹھے۔ نانی جان ہمارے کھانے کے لئے ڈبل روٹی کے سلائس' مکھن' پنیر' جام اور بسکٹ لائی تھیں۔ ایک تھرماس میں گرم دودھ تھا دوسرے میں سوپ۔

"رات کے وقت بچوں کو ہلکا پھلکا کھانا دیا جانا چاہئے۔" نانی جان نے ہمیں اشیائے خورد و نوش کا بغور جائزہ لیتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

نانی جان کا کرخت اندازِ گفتگو مجھے سخت ناگوار گزرا۔ دزدیدہ نظروں سے میں نے بھیا کو دیکھا' وہ مجھے دیکھ رہے تھے پھر ہم دونوں کن انکھیوں سے ممی کو دیکھنے لگے۔

"شیریں! تم لوگ کھا پی لو' میں آتی ہوں۔" نانی جان نے کہا پھر وہ کمرے کا دروازہ آہستگی سے کھول کر کمرے سے باہر نکل گئیں اور انہوں نے دروازہ بند کر کے باہر سے قفل چڑھا دیا۔

ممی نے حارث اور فرحین کو ڈبل روٹی کے سلائسوں پر مکھن اور جام لگا کر دیا پھر انہیں ایک ایک پیالی گرم دودھ پلایا۔ دونوں کا نیند سے برا حال تھا وہ کھاتے پینے کے

دوران اونگھتے ہی رہے اور جونہی ممی نے انہیں بستر پر لٹایا وہ یوں سو گئے جیسے مدتوں سے سوئے ہی نہ تھے۔

نانی جان تقریباً پون گھنٹے بعد دوبارہ کمرے میں آئیں۔ اس وقت تک ہم بھی کھانے سے فارغ ہو چکے تھے اور ممی دونوں تھرماس اور باقی بچ رہنے والی ڈبل روٹی اور بسکٹ وغیرہ باسکٹ میں واپس رکھ چکی تھیں۔ نانی جان نے ایک ہی مسہری پر سوئے حارث اور فرحین کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے ممی سے کہا۔ "شیریں! انہیں الگ الگ بستر پر لٹاؤ۔"

ممی نے فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی اور فرحین کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر دوسری مسہری پر لٹا دیا۔

"اپنے ان دونوں بڑے بچوں سے کہو میری بات غور سے سن لیں اور جو کچھ میں کہوں ان کی پابندی کریں۔" نانی جان کا روئے سخن ممی کی جانب تھا۔

ممی نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا پھر بولیں۔ "نانی جان جو کچھ کہیں تم دونوں غور سے سن لو۔"

نانی جان نے تیوریاں چڑھا کر ہمیں دیکھا پھر بولیں۔ "ایک مسہری دونوں بہنوں کے لئے ہے دوسری دونوں بھائیوں کے لئے' چھوٹے یا بڑے بہن بھائی مجھے ایک بستر پر کبھی نظر نہ آئیں۔"

"امی جان! یہ معصوم بچے ہیں۔ آپس میں بہن بھائی ہیں' آپ کو ان پر............"

"شیریں!" نانی جان نے ممی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے بحث پسند نہیں۔ اس گھر میں میرے اصول چلتے ہیں۔ یہاں وہی ہوتا ہے جو میں چاہتی ہوں اور جو ہمارے اصولوں سے ٹکرانے یا ان کی نفی کرنے کی کوشش کرے اسے ہم لڑنے کھڑے اپنے گھر سے نکال کر اس پر اس گھر کے دروازے بند کر دیا کرتے ہیں۔ کیا تم بھول گئیں کہ پندرہ برس قبل تمہیں بھی اسی جرم کی پاداش میں اس گھر سے نکال دیا گیا تھا اور اگر تمہارے بیسیوں معافی نامے مجھے نہ ملتے تو شاید اس گھر کے دروازے تم پر دوبارہ کبھی نہ کھلتے۔"

ممی انتہائی خفیف دکھائی دینے لگیں۔

"بہرحال تم ہماری اولاد تھیں سو ہم مجبور ہو گئے کہ تمہیں معاف کر دیا جائے" نانی جان نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ!" ممی دھیرے سے بولیں۔

"میں نے اپنے خط میں تمہیں لکھ دیا تھا کہ ابھی تمہارے بچوں کا میں نے تمہارے

والد سے کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے کیونکہ جس شخص کی خاطر تم نے خاندان کی عزت کو داؤ پر لگادیا تھا' تمہارے والد اس شخص کی اولاد کو قبول کرنے پر باآسانی آمادہ نہیں ہوسکتے کیونکہ سانپ کی اولاد سنپولیے ہی ہوتے ہیں۔"

میں نے تڑپ کر پہلے نانی جان کو پھر ممی کو دیکھا پھر میری نگاہیں بھیا پر جاٹکیں' نانی جان مجھے بری بلکہ بہت بری لگ رہی تھیں۔ میں چشم زدن میں اپنے اسی گھر واپس لوٹ جانا چاہتی تھی جہاں سے ہم آئے تھے مگر افسوس کہ یہ ممکن نہ تھا۔ اس گھر کو تو ہم ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ آئے تھے۔ ڈیڈی کی موت کے بعد وہ گھر ہمارا رہا بھی کب تھا۔

"اب یہ چاروں اس وقت تک اسی کمرے میں بند رہیں گے جب تک تمہارے والد حیات ہیں۔ ان کی آخری سانس تک انہیں اس گھر میں ان چاروں کی موجودگی کا علم نہیں ہونا چاہئے۔" نانی جان نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "ان کے لئے اس کمرے کا انتخاب میں نے اس لئے کیا ہے کہ گھر کی چوتھی منزل شاذ ہی استعمال ہوتی ہے یہ کمرہ بالاخانے میں کھلتا ہے۔ عدم استعمال کے سبب گھر کی اس منزل کی صفائی مہینہ بھر میں ایک مرتبہ کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ کمرہ گھر کی سب سے اوپری منزل پر بالکل آخر میں واقع ہے اس لئے گھر کے ملازموں میں سے کوئی شاذ ہی اس طرف آتا ہے۔ جب اس منزل کی صفائی کروانا ہوتی ہے تو میں اپنی نگرانی میں کروایا کرتی ہوں۔ ویسے مجھے جلد ہی کوئی ایسی تدبیر سوچنی ہوگی کہ اس منزل پر ملازموں کی آمدورفت قطعاً بند ہوجائے۔"

"امی! بچوں کو ایک کمرے میں رکھنا تو ان کے ساتھ بڑی زیادتی ہوگی۔ آپ یہ کیوں نہیں کرتیں کہ اس کمرے کو مقفل رکھنے کی بجائے چوتھی منزل کا داخلی دروازہ مقفل کردیں تاکہ بچوں کو ایک ہی کمرے میں محصور نہ رہنا پڑے۔" ممی نے کہا۔

"اور تمہارے بچے پوری منزل پر دھماچوکڑی مچاتے پھریں!" نانی جان نے اپنی گول گول آنکھوں سے ممی کو دیکھتے ہوئے ناگواری سے کہا پھر وہ مزید بولیں۔ "جب اوپر دھماچوکڑی مچے گی تو ملازمین یقیناً متجسس ہوں گے اور میں ایسا نہیں چاہوں گی۔"

"میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ ہرگز دھماچوکڑی نہ مچائیں گے مگر آپ انہیں فقط ایک ہی کمرے میں محصور نہ کریں۔ یہ بہت تمیز سے رہیں گے۔" ممی گڑگڑائیں۔

"شیریں!" نانی جان نے تیوری چڑھا کر کہا۔ "میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ تمہارے والد کے مرنے تک انہیں اسی کمرے میں رہنا ہوگا اور کمرے کے اندر بھی بہت خاموشی اور احتیاط سے رہنا ہوگا ورنہ اگر کسی ملازم کو بھی یہ بھنک مل گئی کہ تم اس گھر میں اکیلی نہیں بلکہ دو چار بچوں کے ہمراہ آئی ہو تو تمہارے والد تمہارے بچوں کے ساتھ

تمہیں بھی دھکے دے کر اس گھر سے نکلوا دیں گے۔" پھر نانی جان نے پہلے بھیا کو اور اس کے بعد مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں بڑے ہو۔ تمہیں خیال رکھنا ہوگا کہ تمہارے چھوٹے بہن بھائی اس کمرے میں خاموشی سے رہیں۔ بھاگ دوڑ' شور شرابے یا چیخنے چلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نہ تم لوگ اونچی آواز میں بولو گے نہ کبھی زور سے ہنسو گے۔ تمہارے چھوٹے بہن بھائی رونے دھونے بھی نہ پائیں۔ تم لوگ اس کمرے کو صاف ستھرا رکھو گے۔ اچھی طرح دیکھ لو کہ جس حالت میں اب ہے جس روز ملازم اس کی صفائی ستھرائی کے لئے آئیں اس روز اسے بالکل اسی حالت میں ہونا چاہئے۔ اس وقت تو خیر مسہریوں پر یہی چادریں بچھی رہیں کل کسی وقت میں دوسری چادریں اور تکیوں کے غلاف پہنچا دوں گی بستر کی چادریں اور تکیوں کے غلاف بدل دینا۔ جس روز مجھے اس کمرے کی صفائی کروانا ہوگی یہی چادریں دوبارہ بچھا دینا اور تکیوں پر دوبارہ یہی غلاف چڑھوا دینا تاکہ ملازموں کو شک نہ ہونے پائے۔ میلی چادریں اور تکیوں کے غلاف میں خود یہاں سے لے جایا کروں گی۔ جس روز ملازم کمرے کی صفائی کرنے آیا کریں گے تم لوگ اپنی ایک ایک چیز الماری میں بند کرکے اور اسے لاک کرکے اوپر بالاخانے میں چلا جایا کرو گے جسے میں صفائی کروانے سے قبل لاک کردیا کروں گی۔ جب تک صفائی ہوا کرے گی تم لوگ چپ چاپ بالاخانے میں رہا کرو گے۔" نانی جان میری طرف دیکھ کر بولی۔ "لڑکی! روزانہ جھوٹے برتنوں کی دھلائی تمہاری ذمہ داری ہوگی۔ جس روز کمرے کی صفائی ہوا کرے گی تم برتنوں کو میز پر سے اٹھا کر الماری میں بند کردیا کرو گی تاکہ صفائی کے لئے آنے والے نوکروں کو کوئی شک نہ ہو۔ اپنے اور اپنے بہن بھائیوں کے کپڑے تم خود دھویا کرو گی اور اسی طرح کمرے میں پنکھے کی ہوا سے یا بالاخانے میں ڈال کر سکھا لیا کرو گی۔ استری وغیرہ کی ضرورت ہوگی تو استری تمہیں فراہم کردی جائے گی اور ہاں اپنے خالی بیگ اور سوٹ کیس تم کل بالاخانے میں پہنچا دینا۔ اس کمرے کی کھڑکیوں پر پڑے ہوئے پردے تم بھولے سے بھی نہیں سرکاؤ گے اور باہر جھانکنے کی ہرگز کوشش نہیں کرو گے۔ رہا تمہارے کھانے پینے کا معاملہ تو میں خانساماں اور ملازمہ کے باورچی خانے میں آنے سے قبل علی الصبح ہی دن بھر کے کھانے پینے کا سامان خود تمہیں پہنچایا کروں گی۔ تمہیں ہلکی پھلکی غذا دی جائے گی تاکہ کسی قسم کی گڑبڑ کا احتمال نہ ہو۔" اتنا کہہ کر نانی جان نے باسکٹ مع تھرماس اٹھائی اور ممی سے بولیں۔ "چلو شیریں۔"

ممی ہم دونوں کی طرف بڑھ آئیں اور اس طور ہمارے روبرو کھڑی ہوگئیں کہ ان کی پشت نانی جان کی طرف تھی اور چہرہ ہماری طرف۔ ان کی آڑ میں ہم نانی جان سے

تھوڑے تھوڑے چھپ سے گئے تھے۔

"ممی! کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں رہیں گی' اس کمرے میں؟" میں نے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھا۔

ممی کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے اور وہ آہستہ سے بولیں۔ "نہیں میری جان!" پھر انہوں نے اور دھیمی آواز میں کہا۔ "گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ بس دو چار دن تمہیں یہاں رہنا ہوگا پھر میں تمہیں یہاں سے لے جاؤں گی۔"

"مگر نانی جان تو کہہ رہی ہیں کہ ہمیں نانا جان کے مرنے تک اسی کمرے میں رہنا ہوگا۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔

"تم ان کی باتوں کو اپنے دل پر مت لو۔ اطمینان رکھو' میں بہت جلد تمہارے نانا جان کا دل جیت لوں گی اور تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔ تب تک تمہیں حارث اور فرحین کا خیال رکھنا ہوگا۔ خیال رکھنا کہ وہ رونے دھونے یا شور مچانے نہ پائیں۔ مجھے بس چند دن کی مہلت دو۔"

"کتنے دن لگیں گے ممی؟" بھیا نے پوچھا۔

"زیادہ نہیں بس دو چار دن۔"

"چلو شیریں!" نانی جان ممی سے ہمارے راز و نیاز کی تاب نہ لا کر جلے کٹے لہجے میں بولیں۔

ممی نے باری باری ہم دونوں کی پیشانی چومی پھر حارث اور فرحین کو پیار کیا اور نانی جان کی جانب پلٹ گئیں۔

نانی جان نے ہمیں گھور کر دیکھا پھر بولیں۔ "تم لوگ اپنے نانا کے مرنے تک اسی کمرے میں رہو گے اور اس طرح رہو گے کہ تمہاری موجودگی بھی عدم موجودگی کے برابر ہوگی اور یہ خیال رہے کہ تم تمیز سے رہو گے بھاگ دوڑ' ہنسی مذاق' رونا دھونا سب منع ہے۔"

پھر نانی جان ممی کو اپنے ہمراہ لئے کمرے سے نکل گئیں۔ جاتے جاتے ممی نے پلٹ کر ہماری طرف دیکھا۔ ہم سہمے ہوئے کھڑے تھے اور ان کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

اس رات میں بھیا کے شانے پر سر رکھے تادیر روتی رہی ڈیڈی مجھے بہت یاد آئے اور نانی جان سے مجھے بہت نفرت محسوس ہوتی رہی۔ میں دل ہی دل میں یہ سوچتی رہی کہ میری حسین و دلکش اور محبت کرنے والی ممی جادوگرنیوں کی سی کریہہ الصورت اور قابلِ

[illegible] نانی جان کی بیٹی بھلا کیسے ہو سکتی تھیں؟

جب میرے آنسو خشک ہو گئے تو بھیا نے مجھے اس مسہری تک پہنچایا جس پر فرحین سو رہی تھی اور خود حارث کے ساتھ لیٹ گئے۔"

☆--------☆--------☆

اگلی صبح منہ اندھیرے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا حارث اور فرحین بھی جاگ چکے تھے اور اپنے اپنے بستر پر کافی خائف سے بیٹھے تھے۔ میں نے فرحین کو پیار کیا' گلے لگائی اور حارث تک جا پہنچی۔ بھیا بھی جاگ گئے۔

"ممی کہاں ہیں؟" حارث نے اپنی دائیں آنکھ اپنی چھوٹی سی مٹھی سے مسلتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی آجائیں گی۔" میں نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔

"مجھے یہ گھر اچھا نہیں لگتا۔" وہ منمنایا۔

فرحین بھی اپنے بستر سے اتر کر میرے قریب آ کھڑی ہوئی اور منمنائی۔ "ہاں' یہ والا گھر گندہ ہے' اپنے گھر چلو۔"

"ممی آجائیں پھر چلیں گے۔"

"ممی کہاں ہیں؟" فرحین نے بھی وہی سوال کیا۔

"ذرا باہر گئی ہیں تھوڑی دیر میں آجائیں گی۔"

"مجھے ممی کے پاس جانا ہے۔"

اوہو! چلو تم دونوں کا منہ ہاتھ دھلا دوں ورنہ [illegible] خفا ہوں گی کہ اب تک [illegible]

ابھی نہیں دھلا ہے ان دونوں کا۔"

حوائج ضروریہ سے ان کے فارغ ہو جانے کے بعد میں نے ان کا منہ ہاتھ دھلوایا پھر کپڑے بدلوائے انہوں نے ممی کے پاس جانے کی رٹ لگا رکھی تھی اور دروازہ کھلوانے پر بضد تھے۔ ناچار مجھے انہیں بتانا پڑا کہ دروازہ باہر سے مقفل ہے.......... وہ بے بسی اور بے یقینی سے میرا منہ تکنے لگے۔

"اچھا تو پھر آپ کھڑکی کھولیں میں ممی کو آواز دوں گا۔" حارث نے کہا۔

"نہیں تم ممی کو آواز نہیں دے سکتے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ نانی جان خفا ہوں گی۔"

"اچھا آپ کھڑکی کھولیں میں باہر دیکھوں گا۔"

"میں کھڑکی نہیں کھول سکتی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ نانی جان ناراض ہوں گی۔"

"اوں.......... ہوں.........." حارث نے ٹھنکنا شروع کردیا اور اس کی دیکھا دیکھی فرحین نے بھی آنکھیں ہاتھوں سے رگڑنا شروع کردیں۔

"کیا ہوا؟" بھیا نے پلٹ کر پوچھا۔

"یہ کھڑکی کھلوانے کے لئے ضد کررہے ہیں۔"

"تو کیا ہوا' کھول دو۔"

"تمہیں یاد نہیں رات نانی جان نے کہا تھا کہ اس کمرے کی کھڑکی پر پڑے پردے سرکا کر باہر جھانکنے کی کوشش نہ کی جائے۔"

"ایک کھڑکی کھول دو ان کے لئے۔" بھیا بولے۔

"میں نہیں کھول سکتی۔"

"ہٹو' میں کھولتا ہوں۔" بھیا نے بستر سے چھلانگ لگائی اور آن کی آن ایک کھڑکی پر پڑے دوہرے پردے کو سرکانے کے بعد کھڑکی کھول دی اور حارث اور فرحین کو کھڑکی کے نزدیک کرسیوں پر کھڑا کردینے کے بعد دوبارہ بستر پر جاپڑا۔

کچھ دیر بعد کمرے کے دروازے میں چابی لگانے اور گھمانے کی آواز سنائی دی۔ میں حارث اور فرحین کو کھڑکی کے پاس سے ہٹانے کے لئے لپکی مگر [illegible] قبل کہ میں انہیں وہاں سے ہٹاپاتی' نانی جان ایک بڑی سی باسکٹ لئے کمرے میں داخل ہوگئیں۔ انہوں نے دروازہ بند کرکے اندر سے قفل چڑھایا اور باسکٹ قالین پر رکھ کر ہماری سمت لپکیں۔

"کھڑکی کس نے کھولی؟" وہ آنکھیں نکال کر غرائیں۔

حارث اور فرحین سہم کر مجھ سے چمٹ گئے.......... نانی جان نے سرعت سے کھڑکی بند کی' پردے برابر کئے پھر غضب ناک نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولیں۔ "کیا میں نے منع نہیں کیا تھا کھڑکی کھولنے کو؟"

"سوری!" میں نے سر جھکا کر کہا۔

نانی جان نے میرے بال پوری قوت سے اپنی دونوں مٹھیوں میں جکڑ کر اس بری طرح کھینچے کہ تکلیف سے میری آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے۔ پھر انہوں نے تڑاخ تڑاخ میرے رخساروں پر طمانچے برسانا شروع کردیئے۔ حارث اور فرحین بلک بلک کر رونے

لگے۔ بھیا نے بستر سے زقند لگائی اور ہم تک آپہنچے۔

"کھڑکی میں نے کھولی تھی' مارنا ہے تو مجھے ماریئے۔" عارف نے کہا۔

نانی جان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے حارث اور فرحین کو آنکھیں دکھائیں اور انہیں چپ ہوجانے کی ہدایت کی۔ انہوں نے اپنی آہ وبکا اپنے منہ میں گھونٹ لی۔ پھر نانی جان نے بڑی بے دردی سے بھیا کے گال تھپڑانا شروع کردیئے اور جب ان کے گال سرخ کرچکیں تو بولیں۔ "یہ پہلی حکم عدولی کی معمولی سی سزا ہے۔ اگر آئندہ میری کسی ہدایت کی خلاف ورزی ہوئی تو کھال ادھیڑ کر رکھ دوں گی۔ آئندہ تم میں سے کوئی اس کمرے کی کسی کھڑکی کو کھولنا یا پردوں کو سرکانا تو درکنار پردوں کو چھوئے گا بھی نہیں' ورنہ بہت برا ہوگا۔ اس گھر میں میرا حکم چلتا ہے اور حکم عدولی کرنے والوں کو بڑی بری سزا دی جاتی ہے۔"

"اس سے بھی بری!" میں نے بھیا کے سرخ سرخ گالوں کو دیکھتے اور اپنے بالوں کی جڑوں میں دکھن اور کھچاؤ محسوس کرتے ہوئے سوچا۔

"لڑکی! یہ تین وقت کا راشن ہے۔ ضائع نہیں ہونا چاہئے۔" نانی جان نے میری جانب دیکھتے ہوئے بڑی رعونت سے کہا اور اشیائے خوردو نوش والی باسکٹ قالین پر سے اٹھا کر میز پر رکھنے کے بعد وہ کمرے سے چلی گئیں اور انہوں نے دروازہ بند کردیا۔

میرا جی چیخیں مار مار کر رونے کے درپے تھا۔ ہم اپنے والدین کے لاڈلے بچے تھے [illegible] کے نشانات ثبت تھے' نانی جان کے طمانچوں نے میرے دل کو زخمی کردیا تھا۔ حارث اور فرحین کی دلجوئی کا خیال دامن گیر نہ ہوتا تو میں نانی جان کے طمانچے کھانے کے بعد ان کے لائے ہوئے اسباب خوردو نوش کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کے بجائے بھوکا مرجانے کو ترجیح دیتی مگر ان دونوں کی خاطر مجھے باسکٹ سے اشیائے خوردونوش نکال کر میز پر آراستہ کرنے کے بعد ناشتہ زہر مار کرنا پڑا۔ نانی جان ایک تھرماس میں دودھ لائی تھیں' دوسرے میں سوپ تھا۔ علاوہ ازیں باسکٹ میں ڈبل روٹی' کیک' بسکٹ' ابلے ہوئے انڈے' کارن فلیکس' سینڈوچز' پنیر' مکھن اور جام کی شیشی موجود تھے۔

کھانے کی باسکٹ سے برآمد ہونے والی ان اشیائے خوردونوش نے یہ تو بہرحال ثابت کردیا کہ ہمیں اس گھر میں کھانے پینے کے سلسلے میں کوئی تنگی نہ ہونے کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔

صبح ہی صبح نانی جان کے ہاتھوں مار کھانے کے خیال سے مجھے ازحد ذہنی تکلیف ہوتی

رہی۔ بھیا کے گالوں کو تو انہوں نے اس بری طرح تھپڑایا تھا کہ ان کے گالوں پر ان کی انگلیوں کے نشانات پڑ گئے تھے ان کے گالوں پر نشانات دیکھ کر دن بھر میرا دل کڑھتا رہا۔
ہم دن بھر ممی کا انتظار کرتے رہے مگر ممی نہیں آئیں البتہ رات کو نانی جان نے ہمارے کمرے کا دوبارہ چکر لگایا۔ وہ ہمارے لئے آئس کریم لائی تھیں۔ ہم رات کا کھانا کھانے کے بعد باقی ماندہ اسباب خوردونوش باسکٹ میں رکھ چکے تھے۔ نانی جان نے آئس کریم کا پیالہ میز پر دھرنے کے بعد باسکٹ اٹھائی اور دروازے کا رخ کرتے ہوئے بولیں۔ "آئس کریم رکھی ہے، تم میں سے جسے کھانا ہو کھا لے۔"
مجھ سمیت ہم سب اس سے ممی کی بابت پوچھنا چاہتے تھے مگر ہم میں سے کوئی زبان نہ کھول سکا۔ دروازے کے قریب پہنچنے کے بعد انہوں نے پلٹ کر ہماری جانب دیکھا پھر کہا۔ "تمہاری ممی اپنے والد کی تیمارداری میں مصروف ہیں اس لئے نہیں آ سکیں۔"
پھر انہوں نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکل گئیں۔ ہم نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور مقفل دروازے نے ہمیں احساسِ اسیری سے دوچار کر دیا۔

☆-------☆-------☆

اگلے روز ہمیں کھانے کی باسکٹ کے ساتھ نانی جان کے تحریری احکامات پر مشتمل ایک مفصل حکم نامہ بھی موصول ہوا جس کے اندراجات یہ تھے کہ ہم اپنے کمرے میں بہت تمیز اور خاموشی سے رہیں گے۔ کبھی شور شرابا یا اچھل پھاند نہیں کریں گے۔ ہمیں جلد ہی ربر کے تلووں والے جوتے فراہم کر دیئے جائیں گے۔ ہمیں کمرے میں بچھے قالین [illegible] اور باتھ روم میں بھی [illegible] [illegible] پر پڑے پردے بھی سر مو اپنی جگہ سے نہیں سرکائیں گے۔ رات کو ہم کمرے میں لگا کینڈل بلب روشن کر سکیں گے بس اس سے زیادہ روشنی کی اجازت ممکن نہ ہوگی۔ ہمیں کھانے پینے کو جو کچھ بھی دیا جائے گا خواہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند، ہم چپ چاپ کھا لیا کریں گے۔ کھانا شروع کرنے سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنا لازم ہوگا۔ ہم دو بڑے بھائی بہن یعنی عارف بھیا اور میں نماز کی پابندی کریں گے۔ کمرے کے طاق میں رکھے قرآن مجید کی روزانہ تلاوت کریں گے۔ بھیا اور میں اپنا پڑھنا لکھنا جاری رکھیں گے۔ بھیا اپنی مدد آپ کے تحت پڑھا کریں گے، میں بھیا سے مدد لوں گی اور ہم دونوں مل کر چھوٹے بھائی بہن کو پڑھنا لکھنا سکھائیں گے۔ ممی ہمیں ہماری ضرورت کا پڑھنے لکھنے کا اسباب فراہم کریں گی۔ ہمیں حفظانِ صحت کے اصولوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ ہمارا جسم اور لباس ہمیشہ صاف ستھرا رہے گا اور اپنے چھوٹے بھائی بہن کی صفائی ستھرائی کا

بھی پورا خیال رکھیں گے۔ ہمیں ان کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دینی ہوگی اور آداب سکھانے ہوں گے۔ ہم اپنے کمرے کی صفائی کا پورا خیال رکھیں گے۔ باتھ روم کی بلاناغہ صفائی کی جائے گی۔ بستر صاف ستھرے رہیں گے۔ میلی چادریں، تکیوں کے غلاف اور اپنے میلے کپڑے ہمیں خود ہی دھونے اور کمرے یا بالاخانے میں سکھانے ہوں گے۔ جھوٹے برتن بھی ہم خود ہی دھویا کریں گے۔ جس روز گھر کے ملازم کمرے کی ماہانہ صفائی پر آیا کریں گے ہم الماریوں کو مقفل کر کے کمرے میں اپنی موجودگی کا کوئی نشان چھوڑے بغیر بالاخانے میں چھپ جایا کریں گے۔ اس سلسلے میں نانی جان ہمیں ایک روز قبل مطلع کر دیا کریں گی کہ کل کمرے کی صفائی کروائی جائے گی۔ نانی جان کے اپنے کمرے میں آنے پر ہم ہاتھ سیدھے چھوڑ کر مؤدبانہ کھڑے ہو جایا کریں گے اور اپنے چھوٹوں کو بھی یہی تربیت دیں گے تاہم ہم انہیں سلام کرنے یا ازخود ان سے کبھی کوئی بات کرنے کی کوشش نہ کریں گے۔ البتہ اگر وہ خود ہم سے ہمکلام ہوں یا کوئی استفسار کریں تو پھر ہمیں جواب دینا ہوگا۔ ہم ان سے پیار و محبت کی ہرگز توقع نہیں کریں گے نہ ہی ان سے محبت جتانے کی کوشش کریں گے کیونکہ ہماری ایسی ہر کوشش اس لئے بے سود ثابت ہوگی کہ ممی کے ناطے سے ہم ان کے نواسے نواسیاں سہی مگر ہمارا باپ وہ شخص تھا جس نے ان کی خاندانی نجابت پر داغ لگایا تھا۔ ہمیں اس کمرے میں نانا جان کے مرنے تک محصور رہنا ہوگا تاہم ہمیں یہ یقین بھی رکھنا ہوگا کہ نانا جان کوئی معمولی آدمی نہیں۔ انہیں بہترین معالجین اور بہترین تیمار دار میسر ہیں۔ وہ آہنی اعصاب کے مالک ہیں اور سرطان جیسے مہلک مرض کا بھی وہ انتہائی پامردی سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ جس کمرے میں ہم محصور ہیں اس کا زینہ اوپر بالاخانے میں کھلتا ہے ہم اپنے چھوٹے بھائی بہن کے ہمراہ کبھی کبھی اس بالاخانے میں جائیں گے اور وہاں تھوڑی بہت بھاگ دوڑ اور کھیل کود کی اجازت ہوگی۔ ہماری ممی اپنی سہولت کے اعتبار سے ہمارے کمرے میں آتی جاتی رہیں گی لیکن اگر وہ کسی باعث ہمارے کمرے کا ایک دو دن نہیں بلکہ کئی روز بھی چکر نہ لگا سکیں تو ہمیں ان کے بارے میں نانی جان سے کچھ پوچھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہر روز صبح دس تا بارہ بجے دوپہر گھر کی چوتھی منزل پر واقع دیگر کمروں کی صفائی پر مامور ملازمین اس منزل پر آیا کرتے ہیں جس پر ہمارا کمرہ واقع ہے چنانچہ ان اوقات میں ہمیں بطور خاص محتاط رہنا ہوگا۔ ان اوقات کے دوران اگر ہم میں سے کسی کی جان پر بھی بن جائے گی تو ہم کوئی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس سے ملازموں کو اس کمرے میں کسی ذی روح نفس کی موجودگی کا شک گزرے۔

☆-------☆-------☆

صبح تا سہ پہر ہم ممی کا انتظار کرتے رہے مگر ممی نہیں آئیں۔ حارث اور فرحین ممی کو بار بار یاد کرکے روہانسے تو ہوتے رہے لیکن انہوں نے دروازہ یا کھڑکی کھلواتے یا کھڑکیوں پر پڑے پردے سرکوانے کے لئے ضد نہیں کی۔ گذشتہ روز کا واقعہ ان معصوموں کو خائف کردینے کے لئے کافی تھا۔ قبل ازیں انہوں نے تشدد کا ایسا کوئی مظاہرہ نہ دیکھا تھا۔

ان کا چپکے چپکے ممی کو یاد کرنا اور دل گرفتگی سے عبارت معصوم چہرے مجھے انتہائی ملول کئے دے رہے تھے اور کچھ یہی کیفیت بھیا کے چہرے سے بھی عیاں تھی۔

سہ پہر تک حارث اور فرحین اتنے اداس دکھائی دینے لگے کہ ہم ان کا جی بہلانے کو بالاخانے میں لے گئے۔ ہمارے کمرے سے بالاخانہ کو جانے والا زینہ اس قدر تنگ اور تاریک تھا کہ ہمیں اس زینے کو قدرے محتاط ہو کر عبور کرنا پڑا۔ جابجا مکڑی کے جالے تنے ہوئے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے زینہ مدتوں سے استعمال نہ ہوا تھا۔

زینہ طے کرکے بالاخانے میں پہنچے تو ذرا دیر کو تو ہمیں ناقابل بیان حیرت نے آلیا۔ بالاخانے ہم نے پہلے بھی دیکھ رکھے تھے مگر اتنا وسیع و عریض بالاخانہ ہم نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کچھ دیر ہم دم بخود کھڑے دیکھتے رہے۔ وسعت' دھندلاہٹ' گرد اور بے تحاشہ کاٹھ کباڑ پیش نظر تھے۔

بالاخانے کی آخری حد ہماری نظر کی پہنچ سے دور محسوس ہو رہی تھی اور ہوا میں ایک عجیب سی گھٹن اور بُو بسی ہوئی تھی جیسے کوئی مردہ جانور سڑ رہا ہو۔ گرد اتنی تھی [illegible] بالاخانے کی اگلی اور [illegible] دیوار میں بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں مگر اگلے رخ پر واقع کھڑکیوں کو تیغا کیا ہوا تھا جبکہ عقبی کھڑکیوں پر رنگین چقیں لٹک رہی تھیں۔ پہلوی دیواروں میں کوئی کھڑکی نہ تھی۔

بالاخانے میں ڈھیروں فرنیچر بھرا پڑا تھا جس سے عمومی وسعت کے کئی گھر آراستہ کئے جاسکتے تھے۔ جست کے بلند و عریض بیسیوں ٹرنک بالاخانے کی شرقی دیوار کے دامن میں پہلو بہ پہلو ایستادہ تھے جن میں سے بیشتر مقفل تھے۔ ان دھاتی صندوقوں سے ذرا آگے تین چار بلند و بالا چوبی الماریاں تھیں جن میں سے ایک کا قفل ٹوٹا ہوا تھا۔ بے شمار دھاتی' سنگی اور چوبی آرائشیں تھیں جن میں غالباً نقص واقع ہوجانے پر یا پھر ان کی کثرت کے باعث بالاخانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ نوع بہ نوع دھاتی برتن تھے۔ وضع وضع کے آرائشی ظروف تھے جن پر رنگین نقش و نگار کندہ تھے۔ پیتل اور کانسی کے متعدد مجسمے تھے۔ متعدد الماریوں میں ہزارہا پرانی کتب جمی ہوئی تھیں۔ دفتری میزیں تھیں جن پر ڈھیروں

[illegible] دھرے تھے۔ ناکارہ ریڈیو اور گراموفون تھے' سینکڑوں ریکارڈز تھے۔ ایک دیوار سے [illegible] رکھا تھا قریب ہی ایک ہارمونیم اور طبلے دھرے تھے۔ ڈفلیاں بھی تھیں۔ پرندوں [illegible] چھوٹے بڑے خالی پنجرے اور چوہے دان بھی رکھے تھے۔ چوبی اور دھاتی چوکھٹوں میں [illegible] بیسیوں تصاویر تھیں جو یقیناً ممی کے آباؤ اجداد کی تصاویر تھیں۔ ان میں سے اکثر [illegible] پر غرور و جلال تھا۔ بعض فخر و انبساط کی تفسیر نظر آتے تھے تو بعض کی آنکھوں میں [illegible] اور درشتی تھی۔ کسی تصویر میں قہر و جلال دکھائی دیتا تھا تو کوئی جاں بھر کی تختی اپنے [illegible] پر سمیٹے ہوئے تھا۔ کسی کی آنکھوں سے ذکاوت مترشح تھی تو کسی کا چہرہ یکسر سپاٹ [illegible] کسی کے بال بھورے تھے کسی کے سیاہ۔ چند خواتین کی تصویریں بھی تھیں۔ مجھے [illegible] نوجوان لڑکی کی تصویر سب سے بھلی لگی جس کے لبوں پر مونالیزا کی سی مسکراہٹ [illegible] وہاں بہت سا اسباب ایسا تھا جس پر چادریں ڈھکی ہوئی تھیں اور دھول مٹی کی [illegible] نے ان چادروں کو میلا کردیا تھا۔ غرض یہ کہ بالاخانے میں بے شمار اسباب بھرا پڑا [illegible] مگر اس کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا تھا کہ وہاں ڈھیروں سامان ہونے کے [illegible] تنگ دامنی کا چنداں احساس نہیں ہوتا تھا بلکہ نانی جان کے ہدایت نامے میں درج یہ [illegible] بالکل درست معلوم ہوتی تھی کہ بالاخانے میں ہم بھائی بہنوں کے گھومنے پھرنے کے [illegible] کافی جگہ ہوگی اور وہاں ہوا خوری کے ساتھ حارث اور فرحین محتاط سی بھاگ دوڑ بھی [illegible] سکیں گے۔

[illegible]

ہم اپنے دل کی دھڑکن بھی سن سکتے تھے۔ چوہوں کی وہاں خاصی کثرت معلوم ہوتی [illegible] ذرا سی دیر میں کئی چوہے ہماری نظروں کے سامنے سے گزر گئے چوہوں کے ننھے [illegible] بچے بھی دکھائی دیئے۔ مکڑیوں نے جابجا بے شمار جالے تان رکھے تھے۔ جھینگے بھی [illegible] تھے اور کیڑے مکوڑے بھی۔

ہم بالاخانے کا جائزہ لے ہی رہے تھے کہ حارث اور فرحین کمرے میں واپس جانے کا اصرار کرنے لگے۔ بھیا اور میں سمجھ گئے کہ وہ بالاخانے کے سناٹے' تیرگی اور چوہوں کی بھاگ دوڑ سے خائف ہو رہے تھے۔

"میں کھڑکی کھول دیتا ہوں تاکہ تھوڑی سی تازہ ہوا اندر آئے۔" بھیا نے مجھ سے کہا۔

"نہیں.......... نہیں۔" حارث اور فرحین گھٹی گھٹی آواز میں گڑگڑانے لگے اور فرحین نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "وہ آپ کو پھر ماریں گی۔"

ہم سمجھ گئے کہ وہ اس دن والے واقعہ سے اب تک خائف تھے۔

"ڈرو مت گڑیا' میں اتنی تھوڑی سی کھڑکی کھولوں گا کہ ہوا اندر آسکے مگر نیچے سے کوئی اس کھڑکی کو کھلا ہوا نہ دیکھ سکے گا۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہوگا کہ کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔" بھیا نے اسے پیار سے سمجھایا۔

"نہیں بھائی........... نہیں۔"

"ڈرو مت۔" عارف نے فرحین اور حارث کو پیار کیا اور آگے بڑھ کر ایک کھڑکی کو برائے نام وا کردیا۔ تازہ ہوا کی ہلکی سی رمق کے ساتھ موہوم سی روشنی بالا خانے میں در آئی۔ حارث اور فرحین مزید خائف دکھائی دینے لگے اور انہیں یہ سمجھانے میں کہ کھڑکی اتنی بلندی پر ہے کہ اس کو تھوڑا سا کھول دینے پر اسے نانی جان یا کوئی اور نیچے سے کھلا ہوا نہ دیکھ پائے گا' ہمیں خاصی دیر لگی۔

بالاخانے میں بہت پرانے پرانے کھلونے بھی پڑے تھے جن میں کاٹھ کا آگے پیچھے حرکت کرنے والا ایک گھوڑا بھی تھا اور تین پہیوں والی ایک چھوٹی سی سائیکل بھی۔ حارث اور فرحین کو ہم نے بہت جلد ان کھلونوں سے بہلالیا۔ حارث سائیکل پر سواری کا لطف اٹھانے لگا' فرحین چوبی گھوڑے پر بیٹھ کر اسے آگے پیچھے حرکت دیتے ہوئے اس پر جھولنے لگی۔

میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بالاخانے میں موجود ڈھیروں فرنیچر میں سے دو [illegible]

بھیا نے استفہامیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

میں نے حارث اور فرحین کو ان کرسیوں پر کھڑا کردیا اور وہ رنگین چھتوں کی تیلیوں سے چپکے چپکے جھانکنے لگے۔

مجھے یوں لگا جیسے وہ بچے نہیں قفس میں قید ننھی منی چڑیاں تھیں جو پنجرے کی تیلیوں سے بصد حسرت باہر جھانکتے ہوئے اپنی قید پر نوحہ کناں تھیں اور بصد حسرت آزاد فضاؤں کو تک رہی تھیں۔

بھیا اور میں بھی ان کے قریب ہی کھڑے ہوگئے۔

میں نے چق کی تیلیوں سے باہر دیکھا۔ وہاں تھا ہی کیا' نیچے طویل افقی چھجا جو گھر کی زیریں منزل کا منظر دیکھنے کی اجازت نہ دے رہا تھا۔ پرے ایک لق و دق میدان تھا جس کے سینے پر کہیں کہیں خود رو جھاڑیوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ اس میدان سے پرے ریل کی پٹڑی تھی اور پٹڑی سے آگے آہنی شیڈ تلے چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن جس کے عقب

میں تین چار چھوٹے چھوٹے پختہ مکانات تھے۔ ان مکانات سے پرے کھیت ہی کھیت ہریالی ہی ہریالی تھی۔ دور زمین اور آسمان ہم آغوش دکھائی دے رہے تھے۔ آسمان کی بیکراں وسعتوں میں پرندے محو پرواز تھے۔ ریلوے اسٹیشن ویران پڑا تھا۔ دور دور کھیتوں میں مرد اور عورتیں محو کار تھے۔

تادیر ہم وہاں کھڑے اس خاموش اور اداس منظر کو دیکھتے رہے پھر حارث چھوٹی سی والی سائیکل پر سوار کرنے لگا اور فرحین کاٹھ کے گھوڑے پر آگے پیچھے جھولنے لگی۔

بھیا نے گردن گھما کر چار طرف دیکھا اور بولے۔ "زری! اگر اس جگہ کو تھوڑا سا صاف ستھرا کرلیا جائے تو یہ جگہ نیچے والے قید خانے سے تو بہت بہتر ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب یہ کہ یہ جگہ نچلے کمرے کی نسبت اس اعتبار سے بہتر ہے کہ یہاں تاریکی کم ہے' جبکہ بہت کشادہ ہے۔ کھڑکی کو تھوڑا سا کھول کر تازہ ہوا سونگھی جاسکتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ حارث اور فرحی یہاں کھیل سکتے ہیں۔"

"خدا جانے کتنے دن ہمیں اس قید میں رہنا ہوگا۔ پرسوں رات کے بعد سے اب تک ممی بھی تو نہیں آئیں۔"

"آجائیں گی........... آجائیں گی۔" بھیا نے مجھے دلاسا دیا۔ "دراصل وہ نانا جان کی تیمارداری میں مصروف ہوں گی اور ہمارے لئے ان کا دل جیتنے کو ان کی خدمت کر رہی ہوں گی۔"

یکایک فرحین کی آواز نے ہمیں اپنی جانب متوجہ کرلیا۔

"ممی کہاں ہیں؟" وہ منہ بسورتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

میں فرحین کے نزدیک پہنچی اور اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔ "ممی آجائیں گی فرحین۔"

"کب؟"

اس کے اس سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ میں بے بسی سے بھیا کی طرف دیکھنے لگی۔

"ممی کے پاس جانا ہے........... ممی پاس چلو۔" فرحین ٹھنکنے لگی۔ "یہ گھر بہت گندہ ہے' اپنے گھر چلو........... آں........... ہاں........... مجھے اپنے گھر جانا ہے........... ممی کے پاس جانا ہے..........." اس نے اپنی ننھی ننھی مٹھیوں سے آنکھیں ملنا شروع کردیں۔

فرحین کی دیکھا دیکھی حارث نے بھی اپنا کھیل روک دیا۔ ٹرائی سائیکل کی گدی پر

سے اتر کر وہ ہمارے نزدیک آٹھما اور اس نے ہونٹ نکال کر کہا۔ "میں بھی ممی کے پاس جاؤں گا.......... یہاں سے چلو.......... یہاں گندہ ہے.......... یہاں جھولا بھی نہیں ہے.......... اوں.......... اوں.......... یہاں پھول بھی نہیں ہیں۔"

"اور چڑیاں بھی نہیں ہیں۔" فرحین نے اضافہ کیا پھر اگلا مصرع قدرے لے میں ادا کیا۔ "یہاں مانو بلی بھی نہیں ہے۔"

"ڈوگی بھی نہیں ہے۔" حارث کو ہمارا پالتو کتا یاد آیا پھر وہ منہ بسور کر بولا۔ "اور یہاں ٹی وی بھی نہیں ہے۔"

پھر دونوں نے ایک ہی لے میں یہ راگ الاپنا شروع کردیا کہ انہیں ممی کے پاس جانا تھا۔

"دیکھو نانی جان.........."

"اونہوں۔" بھیا نے مجھے آنکھیں دکھائیں پھر انگریزی اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزی میں بولے۔ "نانی جان سے تو یہ پہلے ہی ڈرے ہوئے ہیں۔ انہیں مزید خوفزدہ کرنے کی حماقت مت کرو۔" پھر وہ ہمارے قریب ہی اکڑوں بیٹھتے ہوئے حارث اور فرحین کو بزرگانہ شفقت کے ساتھ چمکارتے ہوئے بولے۔

"جھولا جھولنا ہے تم لوگوں کو؟"

وہ دونوں بدستور منہ بسورتے رہے۔

"بولو بیٹا؟"

میں نے چونک کر بھیا کو دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے بھیا کے روپ میں ڈیڈی ہم تینوں کے نزدیک بیٹھے تھے۔ مجھے وہ ایک دم سے بہت محترم اور مشفق لگنے لگے۔

"جھولا جھولو گے؟" بھیا نے پھر پوچھا۔

حارث نے اثبات میں سرہلایا اور اس کی دیکھا دیکھی فرحین نے بھی۔

بھیا اٹھے اور انہوں نے بالاخانے میں موجود بے شمار اسباب میں سے جلد ہی ایک موٹی رسی نکالی اور ایک چوبی تختہ ڈھونڈ نکالا اور جھولا ڈالنے کے لئے مناسب جگہ کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگے جلد ہی انہوں نے جگہ تلاش کرلی اور ایک میز پر کرسی اور پھر کرسی کے اوپر تپائی رکھ کر کسی نہ کسی طرح چھت کی کڑیوں میں جھولا ڈال ہی دیا۔ چوبی تختہ جھولے کی نشست بنانے کے کام آیا اور میں انہیں تختے پر ساتھ ساتھ بٹھا کر جھونٹے دینے لگی جبکہ بھیا' بالاخانے میں ایستادہ کتابوں کی الماریوں میں دھری کتابیں کھنگالنے لگے' جھولا جھولنے کے دوران حارث اور فرحین بڑی معصومیت سے مجھ سے مختلف سوالات

کرتے رہے۔ جن کی نوعیت یہ تھی کہ:

ممی کہاں ہیں؟

کب آئیں گی؟

ہم باہر کب جائیں گے؟

سورج کہاں چھپ گیا ہے؟

کمرے کا دروازہ بند کیوں ہے؟

ہم کھڑکیاں کیوں نہیں کھول سکتے؟

میں ان کے معصوم سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کرتی رہی۔

بالاخانے میں اندھیرا پھیلنے لگا تو ہم تنگ زینہ اتر کر اپنے کمرے میں چلے آئے اور ہم نے کینڈل پاور بلب آن کردیا کہ ہمارے لئے اتنی ہی روشنی کو کافی سمجھا گیا تھا۔

صبح ہمیں جو اشیائے خورد و نوش نانی جان نے باسکٹ میں لاکر دی تھیں وہ چونکہ ہمارا دن بھر کا راشن تھا اس لئے رات تک اسی پر گزارہ رہا۔ حارث اور فرحین کے لئے میں نے تھرماس میں تھوڑا سا دودھ رات کے لئے بچا کر رکھ دیا تھا مگر جب میں نے رات کو انہیں دودھ دینا چاہا تو معلوم ہوا کہ دودھ تو دہی کی طرح جم چکا تھا چنانچہ پھٹا ہوا دودھ مجھے غسل خانے کی نالی میں بہانا پڑا اور حارث اور فرحین کو جام اور مکھن لگے ڈبل روٹی کے ٹکڑوں اور بسکٹوں پر قناعت کرنا پڑی۔

کھانے کے بعد حارث اور فرحین نے پھر ممی کو یاد کرنا شروع کیا تو بھیا انہیں بالاخانے سے لائی ہوئی کہانیوں کی ایک کتاب سے کہانی سنانے لگے۔ میں نے برتن دھوئے اور تھرماس وغیرہ دھوکر' باسکٹ میں رکھ دیئے تاکہ صبح جب نانی جان ہمیں ہمارا راشن دینے آئیں تو یہ باسکٹ لے جائیں۔

حارث اور فرحین کہانی سنتے سنتے سوگئے۔ شب دس بجے کے لگ بھگ نانی جان نے ہمارے کمرے کا چکر لگایا۔ کمرے میں داخل ہوکر بغور جائزہ لیا۔ عارف کو اور مجھے یوں دیکھا جیسے پولیس والے مجرموں کو دیکھا کرتے ہیں پھر میز پر سے ٹوکری اٹھائی اور دروازے کا رخ کیا۔

"نانی جان!" میں نے جی کڑا کرکے پوچھا۔ "ممی نہیں آئیں؟"

انہوں نے پلٹ کر شعلہ بار نظروں سے مجھے دیکھا پھر بولیں۔ "جب تک میں خود نہ بولوں مجھ سے ہمکلام ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"اچھی نانی جان' ہمیں بس اتنا بتا دیجئے کہ ممی کب آئیں گی ہمارے پاس؟" بھیا

لجاجت سے بولے۔

"خبردار!" نانی جان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "چاپلوسی سے کام لے کر مجھے رجھانے کی کوشش مت کرو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری چاپلوسی میرے دل کو برما سکے گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔ مجھے تم چاروں سے شدید نفرت ہے کیونکہ تم ایک سانپ کی اولاد ہو۔ ایسے سانپ کی جس نے ہمارے خاندان کی ناموس کو ڈسا تھا۔"

نانی جان باسکٹ لئے کمرے سے نکل گئیں اور انہوں نے دروازہ بند کر کے قفل چڑھا دیا۔ بھیا اور میں بے بسی سے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے پھر میں چپ چاپ فرحین کے ساتھ اور بھیا دوسری مسہری پر حارث کے ساتھ لیٹ گئے۔

کافی دیر میں دل گرفتہ سی چپ پڑی رہی پھر میں نے بھیا سے پوچھا۔ "بھیا! نانی جان ہمارے ڈیڈی سے اور ہم سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں؟"

"کیونکہ ڈیڈی نے ممی سے شادی کی تھی۔"

"ممی کی مرضی بھی تو رہی ہوگی۔"

"ظاہر ہے۔"

"تو پھر یہ کیا بات ہوئی کہ نانی جان نے ممی کو تو معاف کر دیا مگر ڈیڈی کو وہ اب بھی برا سمجھتی ہیں حالانکہ ہمارے ڈیڈی.......... بے چارے تو اب اس دنیا میں رہے بھی نہیں۔"

"[illegible]"

میری آنکھوں میں نیند بہت دور تھی۔

میری آنکھوں میں تو ممی کا انتظار جاگ رہا تھا۔ موہوم سی آہٹ پر میرا دل بے اختیار دھڑکنے لگتا۔ رات گئے تک میں ممی کی منتظر رہی لیکن یہ انتظار لاحاصل رہا۔

اس رات کینڈل بلب کی نام نہاد روشنی میں' میں نے چھت سے لگے پنکھے کی بے قراری میں اپنی نگاہیں الجھاتے ہوئے سوچا۔ "اگر ممی کل بھی نہ آئیں تو ہم حارث اور فرحین کو کیونکر بہلا سکیں گے؟"

پھر مجھے عجیب عجیب وسوسے اور خدشے ڈرانے اور ستانے لگے۔

"اگر حارث یا فرحین میں سے کسی کی طبیعت اچانک خراب ہو جائے تو کیا ہوگا؟"

میرے ذہن میں اس خدشے نے سر اٹھا کر مجھے مضطرب کر دیا۔

"خدانخواستہ اس کمرے میں آگ لگ جائے تو؟" اس خیال کے ساتھ ہی میں متوحش ہو کر اٹھ بیٹھی اور میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں بھیا کو پکارا مگر انہوں نے جنبش

نہ کی' بدستور کروٹ لئے پڑے رہے۔ یقیناً وہ سو چکے تھے۔

میں نے خائف نظروں سے چہار اور دیکھتے ہوئے سوچا' خدانخواستہ آگ لگ جائے تو ہمارے پاس بچاؤ کی فقط ایک راہ ہوگی اور وہ یہ کہ ہم کھڑکیوں سے باہر چھلانگ لگا جائیں مگر زمین سے ٹکراتے ہی جسم کی ہڈیاں چور چور ہو جانے کا خیال انتہائی روح فرسا تھا۔

اس رات میں بہت مشکل سے سو پائی اور سونے کے بعد وحشت انگیز خواب جونک بن کر میرے ذہن سے چمٹے رہے۔

☆------☆------☆

اگلی صبح پھر نانی جان کھانے کی باسکٹ پہنچا گئیں۔ میں ان سے ممی کی بابت پوچھنا چاہتی تھی مگر گزشتہ شب کا تلخ تجربہ مانع رہا۔ حارث اور فرحین نے خاصی بے دلی سے ناشتہ کیا اور بار بار ممی کو یاد کرتے رہے۔ میرا دل بری طرح دکھتا رہا۔

ناشتے کے بعد ہم چاروں بالا خانے میں جا پہنچے اور بھیا نے نہ صرف اس کھڑکی کو جسے ہم گزشتہ روز بالاخانے سے جاتے وقت بند کر گئے تھے بلکہ ایک اور کھڑکی کو بھی بہت احتیاط سے تھوڑا تھوڑا سا وا کر دیا۔ سورج کی چند کرنیں چق کے جھروکوں سے بالا خانے میں در آئیں۔ ہم نے حارث اور فرحین کو پرانی ٹرائی سائیکل' چوبی گھوڑے اور جھولے سے بہلانے کی کوشش کی مگر ان کی پژمردگی دور نہ ہو سکی۔

"ممی کے پاس جانا ہے۔" ان کی بس ایک ہی رٹ تھی۔

[illegible]

"نہیں۔" فرحین نے منہ بسورا۔

"کیوں بھئی؟"

"یہاں پھول نہیں ہیں۔ مجھے پھول چاہئیں۔"

میں نے بے بسی سے بھیا کو دیکھا۔ کیسی فرمائش کر دی تھی فرحین نے' اس زنداں میں پھول بھلا کہاں سے آسکتے تھے؟

"مجھے ڈوگی چاہئے۔"

"اور مجھے مانو بلی۔"

بھیا نے چہار اطراف نظر دوڑائی پھر بولے۔ "اچھا ٹھیک ہے تم لوگوں کو پھول بھی مل جائیں گے' ڈوگی بھی اور مانو بلی بھی۔"

میں نے متذبذب نظروں سے بھیا کو دیکھا۔ کیا وہ جانتے تھے کہ وہ حارث اور فرحین سے کیا بعید از امکان وعدہ کر رہے تھے۔ اس زنداں میں پھول' ڈوگی اور مانو بلی بھلا

کیونکر لائے جاسکتے تھے؟

میں نے اپنے اردگرد دیکھا۔ بالاخانے میں جمع اس ڈھیروں الم غلم میں جو ہمارے ننھیالی آبا کی خست کا مظہر تھا' پھول' ڈوگی اور مانو بلی جیسی زندہ اور خوبصورت چیزوں کا ذکر خواب و خیال کی بات تھی۔

بھیا کا چہرہ گہری سوچ کا غماز تھا۔ اپنی اس سوچ کو انہوں نے بعد میں جس انداز میں عملی جامہ پہنایا وہ میرے گمان سے باہر تھا۔ اپنے گھر سے نانی جان کے گھر آتے ہوئے ہم اپنے استعمال کی ضروری اشیاء کے علاوہ پڑھنے لکھنے کا بہت سا اسباب بھی ہمراہ لے آئے تھے۔ بھیا کے پاس میکینیکل ڈرائنگ کا سامان تھا اور چونکہ میں اپنے اسکول میں آرٹ پیریڈ میں گل سازی سیکھا کرتی تھی اسی لئے گل سازی میں استعمال ہونے والا سامان بھی ایک بیگ میں رکھ لائی تھی۔ بھیا تو دونوں بچوں کے ساتھ بالاخانے میں ٹھہرے رہے اور میں ان کے ایما پر نیچے کمرے سے ڈرائنگ اور گل سازی کا سامان بالاخانے میں اٹھالائی اور پھر بھیا نے ایک دلچسپ منصوبے پر کام شروع کردیا۔ مجھ سے تو انہوں نے یہ کہا کہ میں جتنے بھی رنگ برنگے کاغذی پھول بناسکتی ہوں بناڈالوں اور خود تصویر کشی میں مصروف ہوگئے۔

حارث اور فرحین کو انہوں نے بڑے پیار سے سمجھایا کہ چونکہ ہم دونوں یعنی بھیا اور میں ان دونوں کے لئے باغ بنانے میں مصروف ہیں اس لئے وہ رو دھو کر ہمیں پریشان کرنے سے اجتناب کریں اور ہمارے آس پاس ہی کھیلتے رہیں۔ وہ کچھ دیر کھیلنے کے بعد ہمارے پاس آبیٹھے۔

صبح سے دوپہر تک ہم دونوں بے تکان کام کرتے رہے پھر کھانے کے لئے تھوڑی سی دیر کو نیچے کمرے میں گئے اور کھانے کے بعد دوبارہ بالاخانے میں چلے آئے۔ حارث اور فرحین کچھ دیر ہمارے پاس ہی بیٹھے ہمیں کام کرتے دیکھتے رہے پھر اونگھنے لگے تو ہم نے انہیں فرش پر ایک گدا بچھا کر انہیں وہیں سلالیا۔

میں نے چھوٹے بڑے بیسیوں رنگ برنگے پھول بناڈالے۔ بھیا نے کاغذ پر بلی' کتے اور چھوٹی چھوٹی متعدد چڑیوں کی تصویر کشی کی۔ پھر بالاخانے میں دھرے بیسیوں پرانے رجسٹروں میں سے چند گتے اتارے اور ان تصویروں کو گتے پر چسپاں کرکے کچھ دیر انہیں سکھانے کے بعد گتے کے ٹکڑوں پر چسپاں ان تصویروں کو بہت احتیاط سے تراش لیا۔ بھیا نے بالاخانے میں رکھے غیر مقفل صندوقوں کو کھنگال کر سفید و سیاہ پرانے موتی تلاش کئے اور ان موتیوں کو بلی' کتے اور چڑیوں کی آنکھوں کی جگہ چپکادیا۔ بلی اور کتے کے جسم کو نرم بنانے کے لئے انہوں نے روئی کا استعمال کیا اور جہاں ضرورت محسوس کی روئی کو آبی

رنگوں سے رنگ بھی دیا۔ بالاخانے میں بھس بھرے کئی پرندے اور جانور بھی کاٹھ کباڑ میں پڑے تھے۔ بھیا انہیں بھی اٹھالائے۔

پھر حارث اور فرحین جاگ گئے اور اس روز ہمیں اپنا کام وہیں روک دینا پڑا۔ ان دونوں نے بھیا کے بنائے ہوئے کتے' بلی اور چڑیوں کو خاصے اشتیاق سے دیکھا۔ چونکہ شام ہونے والی تھی اور ہم دونوں دن بھر کام میں مصروف رہنے کے باعث کافی تھک چکے تھے چنانچہ ہم حارث اور فرحین کو نیچے کمرے میں لے آئے۔

☆------☆------☆

اس رات ممی ہمارے کمرے میں چوروں کی طرح آئیں۔ حارث اور فرحین انہیں دیکھتے ہی کھل اٹھے اور انہوں نے اپنی ننھی ننھی بانہیں ممی کی گردن میں حمائل کردیں۔

"آپ کہاں چلی گئی تھیں ممی؟" فرحین نے پوچھا۔

"یہیں تھی بیٹے۔"

"میں آپ کو بہت یاد کرتا تھا۔" حارث بولا۔

"ہاں ممی' یہ دونوں آپ کو بہت یاد کرتے رہے تھے؟" میں نے تائید کی۔

"بیٹے! تمہارے نانا جان کی طبیعت کافی خراب ہے۔ میں ان کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔" ممی بولیں۔

"وہ آپ کو دیکھ کر خوش ہوئے؟"

"بہت۔"

ممی کافی دیر ہمارے کمرے میں رہیں۔ حارث اور فرحین انہیں دیکھ کر اتنے خوش ہوئے کہ خلاف معمول دیر تک جاگتے رہے۔ ممی انہی کی ناز برداریوں میں منہمک رہیں۔ جب وہ سو گئے تو بھیا نے ممی سے پوچھا۔ "نانا جان نے آپ کو معاف کردیا؟"

بھیا کے اس سوال پر ممی کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ کچھ دیر بعد وہ بولیں "اس حد تک تو معاف کرہی دیا ہے کہ اس گھر کے دروازے میرے لئے کھل گئے ہیں اور مجھے یہاں رہنے کی اجازت مل گئی ہے۔"

"اور ہم یہاں سے........ میرا مطلب ہے' اس کمرے سے کب نکلیں گے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

ممی نے پہلے مجھے دیکھا پھر بھیا پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی پھر سر جھکا کر دھیمی آواز میں بولیں۔ "تھوڑا سا وقت لگے گا۔"

"کیوں؟" بھیا مجھ سے پہلے ہی بول اٹھے۔

ممی نے ایک گہری سانس لینے کے بعد کہا۔ "بیٹے! تمہارے نانا جان بہت سخت آدمی ہیں۔ تمہارے ڈیڈی سے میری کورٹ میرج کو انہوں نے ناقابل معافی جرم گردانا تھا اور اس جرم کی پاداش میں مجھے اپنی جائیداد سے بھی عاق کردیا تھا۔ تمہارے نانا جان کتنے امیر وکبیر آدمی ہیں' اس کا تم لوگ اندازہ بھی نہیں کرسکتے جبکہ تمہاری نانی جان کو ان کے والدین کی جانب سے ملنے والے اثاثے ان سے جدا ہیں.......... اگر تمہارے ڈیڈی زندہ رہتے تو مجھے اپنے والد کی جائیداد سے دلچسپی نہ ہوتی مگر قسمت کی بات کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں رہے اور تم چاروں کے بہتر مستقبل کی خاطر مجھے یہاں آنا پڑا اور تمہارے مستقبل ہی کی خاطر میری خواہش ہے کہ میرے والد مجھے اپنی جائیداد سے عاق کردینے کا فیصلہ منسوخ کرکے مجھے اپنی وصیت میں شامل کرلیں۔ ان کی حالت بتاتی ہے کہ وہ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہیں گے' اور ان کی حالت کے پیش نظر مجھے انتہائی فرمانبرداری اور خدمت گزاری کا مظاہرہ کرکے جلد از جلد ان کا دل جیتنا ہوگا۔ اگر وہ مجھے دوبارہ اپنا وارث قرار دیتے ہیں تو پھر سمجھو کہ ہماری ساری پریشانیاں اور افکار پلک جھپکتے دور ہوجائیں گی۔ مجھے ورثے میں ملنے والی دولت تم چاروں ہی کے لئے ہوگی۔ دولت کی اپنی عظمت اور طاقت ہے۔ میرے والد کی جانب سے مجھے ملنے والی دولت کے بل بوتے پر تم سب ایک پرمسرت اور پرآسائش زندگی بسر کرسکو گے۔ دنیا جہاں کی نعمتیں تمہارے قدموں میں ڈھیر ہوں گی۔ نوکر چاکر تمہاری خدمت کے لئے کمربستہ ہوں گے۔ تم اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکو گے۔ تمہارا مستقبل تابناک ہوگا۔ یہ وسیع و عریض شاندار گھر تمہارا ہوگا [illegible] تے تمہاری اور صرف تمہاری ہوگی۔ تمہارے نانا کا اعتماد جیتنے کے لئے میں کچھ بھی کرگزروں گی۔"

تابناک مستقبل کے تصور سے بھیا کی آنکھیں دمکنے لگیں۔

"لیکن ممی ہم اس کمرے سے کب نکلیں گے۔ مجھے تو یہاں بہت ڈر لگتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں نے کہا نا' تھوڑا سا وقت لگے گا۔ تم لوگوں کو کچھ انتظار کرنا ہوگا۔"

"کتنے دن ممی؟"

"بس جیسے ہی تمہارے نانا جان اپنی نئی وصیت تیار کروادیں گے میں انہیں بتادوں گی کہ میرے چار بہت پیارے پیارے بچے بھی ہیں۔"

"تو کیا نانا جان کو آپ نے ہم لوگوں کے بارے میں ابھی تک نہیں بتایا؟" بھیا چونک کر بولے۔

"نہیں۔"

"کیوں؟"

ممی کچھ متذبذب سی دکھائی دینے لگیں پھر کچھ ہچکچاتے ہوئے بولیں۔ "اگرچہ تمہارے ڈیڈی کا انتقال ہوچکا ہے لیکن تمہارے نانا جان کے دل سے ان کے خلاف کدورت ہنوز دور نہیں ہوئی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں نے انہیں یہ بتادیا کہ میرے چار بچے بھی ہیں تو کیا عجیب کہ وہ یہ سوچ کر کہ ان کی دولت میرے توسط سے اس شخص کی اولاد کو کیوں جائے جس کے نام سے بھی وہ نفرت کرتے ہیں' اپنی وصیت تبدیل کروائیں۔ بس ایک بار وہ اپنی وصیت میں مجھے شامل کرلیں پھر کوئی مسئلہ نہیں۔ میں پلک جھپکتے تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔"

"کیا نانا جان نے آپ سے پوچھا نہیں کہ آپ کے بچے ہیں یا نہیں؟" میں نے جرح کرنے والے انداز میں پوچھا۔

"ہاں پوچھا تھا۔"

"پھر آپ نے کیا کہا؟"

"ممی کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو اُمنڈ آئے اور وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولیں "مجھے مصلحتاً یہ کہنا پڑا کہ میرا کوئی بچہ نہیں۔"

پھر یک بیک ممی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا اور گھٹ گھٹ کر رونے لگیں۔

"ممی! آپ رو کیوں رہی ہیں؟" میں نے پوچھا اور منت آمیز لہجہ میں کہا۔ "پلیز چپ ہوجایئے۔"

بھیا جنہیں ممی سے ازحد محبت تھی' بے حد رنجور نظر آنے لگے۔

ممی کے آنسو تھمے تو انہوں نے ملول لہجے میں کہا۔ "میں کیسی بدنصیب ماں ہوں کہ میری بدقسمتی نے مجھے اپنے جگر گوشوں کے وجود سے انکاری ہوجانے پر مجبور کردیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ممی' تھوڑے سے دن کی تو بات ہے۔" بھیا بولے پھر انہوں نے بردباری سے کہا۔ "ادھر یہ دکھ آپ ہمارے بہتر مستقبل کی خاطر اٹھا رہی ہیں۔"

ممی کے دکھ پر مجھے اپنا دل پگھلتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے ان کا دایاں ہاتھ بڑی محبت سے اور بہت احترام سے اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنا سر یوں جھکایا جیسے میں کسی دربار میں جھک رہی ہوں اور اپنے لب ان کے ہاتھوں کی پشت سے مس کردیئے۔

ممی درمیان میں بیٹھی تھیں۔ میں ان کے دائیں جانب تھی اور بھیا بائیں جانب۔

ممی نے باری باری ہم دونوں کو پیار کیا اور بولیں۔ "یہاں آنے کے بعد جتنی دیر میں تم لوگوں سے دور رہی میرا دھیان تمہاری طرف ہی رہا۔ بظاہر میں پاپا کی خدمت گزاری میں لگی رہی مگر میں مستقل اسی فکر میں رہی کہ خدا جانے تم لوگ کیسے ہوگے۔ پندرہ سولہ برس بعد تمہارے نانا جان نے مجھے دیکھا ہے اور اب ان کا یہ حال ہے کہ جاگتے ہوئے تو خیر وہ مجھے اپنے نزدیک دیکھنا ہی چاہتے ہیں' نیند سے بیدار ہونے پر بھی مجھی کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ آج جونہی ان کی آنکھ لگی' میں دبے پاؤں ان کے کمرے سے نکل آئی۔ دو تین دن میں' میں نے اتنا اندازہ کرلیا ہے کہ پہلی نیند وہ گہری لیتے ہیں پھر تو بس سوتے جاگتے رات گزارتے ہیں۔ اِدھر سوئے اُدھر جاگے والی کیفیت رہتی ہے۔ ویسے بے چارے ہیں بہت اذیت میں' ان کی تکلیف دیکھ کر میرا دل دُکھتا رہتا ہے۔ کینسر واقعی بہت موذی اور اذیت دینے والا مرض ہے۔ اچھا خیر............ تم لوگ یہ بتاؤ کہ تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟"

ممی کے اس سوال پر میرا جی بھر آیا۔ یہ بھلا کم تکلیف تھی کہ ہم ایک قید خانے میں محصور تھے جہاں ہمارے چھوٹے بھائی بہن کھلی ہوا' سورج کی روشنی' پرندوں کی چہچہاہٹ' پھولوں اور اپنے پالتو جانوروں کے لئے ترس رہے تھے اور دن بھر ممی کو یاد کرکے آمادہ رقت رہا کرتے تھے۔ تاہم میں نے ممی کی پریشانی اور دکھ میں مزید اضافہ نہ کرنے کی خاطر بڑے حوصلے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نہیں ممی' ہمیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

[illegible] ٹھیک ٹھاک رہا ہے؟

"جی۔"

"دن بھر کیا کرتے رہتے ہو تم لوگ؟"

"آج تو زریں اور میں حارث اور فرحین کے لئے باغ بنانے کی تیاریوں میں لگے رہے" بھیا نے بتایا۔

"باغ!" ممی کو اچنبھا ہوا۔

"جی ہاں' دونوں ضد کررہے تھے کہ ممی کے پاس جانا ہے۔ ہم نے سمجھانے بجھانے اور بہلانے کی کوشش کی تو انہوں نے کہا' یہ جگہ اچھی نہیں ہے کیونکہ یہاں نہ تو پھول ہیں نہ چڑیاں اور نہ مانو بلی ہے نہ ڈوگی۔ زری کے پاس پھول بنانے کا سامان تو تھا ہی' اس نے پھول بنانے شروع کئے اور میں نے چڑیوں' مانو بلی اور ڈوگی کی تصویریں بنا ڈالیں۔ اب کل ہم باغ سجادیں گے۔"

"کہاں ہیں وہ پھول اور تصویریں ذرا میں بھی تو دیکھوں۔" ممی نے ارد گرد نظریں دوڑاتے ہوئے پُراشتیاق لہجے میں کہا۔

"وہ تو اوپر بالاخانے میں ہیں اور وہاں روشنی کا کوئی انتظام نہیں۔ پوائنٹس تو ہیں مگر بلب غائب۔" بھیا نے بتایا۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ کسی وقت دن میں آئی تو دیکھ لوں گی............ مجھے خوشی ہوئی کہ تم لوگ اپنا وقت خاصے دلچسپ مشاغل میں گزارنے کی کوشش کررہے ہو۔ میں تم لوگوں کے لئے کچھ ایسی چیزیں لادوں گی جن کے سہارے تم اپنا فارغ وقت دلچسپ مشاغل میں گزار سکو اور چھوٹوں کے لئے اچھے اچھے کھلونے لادوں گی تاکہ وہ ان میں لگے رہیں اور تم دونوں کو زیادہ پریشان نہ کریں۔"

"رہنے دیں ممی' آپ کو یہ ساری تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ بھیا اور میں ان دونوں کو بہلائے رہیں گے۔ آپ کے پاس تو پیسے ویسے ہی کم ہیں' خواہ مخواہ فالتو چیزوں پر پیسے مت خرچ کیجئے گا۔" میں نے بڑی دلسوزی سے کہا۔

"ارے نہیں۔" ممی مسکرادیں اور انہوں نے کہا۔ "اس سلسلے میں تمہیں پریشان ہونے یا فکر مندی کی ضرورت نہیں۔ اس گھر میں رہتے ہوئے مجھے روپے پیسے کی ہرگز کوئی تنگی نہیں ہوگی۔ پیسہ بہت ہے یہاں۔"

کافی وقت ہمارے ساتھ گزارنے کے بعد ممی نے جانے کو پر تولے۔ انہوں نے حارث اور فرحین کو جھک کر پیار کیا پھر بھیا کو اور مجھے باری باری گلے سے لگایا اور دوبارہ جلدی ہی آنے کا وعدہ کرکے رخصت ہوئیں۔ جتنی دیر وہ ہمارے کمرے میں رہیں انہوں نے کمرہ اندر سے مقفل رکھا اور جب وہ کمرے سے گئیں تو انہوں نے باہر سے قفل چڑھا دیا۔

ممی کے جانے کے بعد بھیا اور میں بہت دیر تک دھیمی آواز میں باتیں کرتے رہے پھر بھیا کی آنکھ لگ گئی اور مجھے مہیب سناٹے نے خائف کرنا شروع کردیا۔ خدایا! کیسی وحشت انگیز خاموشی تھی۔ جھینگر' مینڈک' کتے' گیدڑ سبھی کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ سناٹا غول بن کر میری ریڑھ کی ہڈی کے مہروں کے بیچ رینگنے لگا۔ میں نے بھیا کو پکارا مگر وہ ایسی گہری نیند سو چکے تھے کہ میری گھٹی گھٹی سی پکارا انہیں جگا نہ سکی۔ تادیر میں دم سادھے بے حس و حرکت پڑی رہی پھر نیند کے بازوؤں میں پناہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

☆------☆------☆

صبح حارث اور فرحین نے جاگتے ہی پہلا سوال ممی کے بارے میں پوچھا کہ وہ پھر کہاں چلی گئی ہیں۔ انہیں بہلانے کے بعد جب میں باتھ روم میں فرحین کو حوائج ضروریہ سے فارغ کرانے میں مصروف تھی، بھیا کو انتہائی ہنگامی صورت حال میں حارث کو رفع حاجت کے لئے بالاخانے سے تانبے کا ایک بادیہ فراہم کرنا پڑا۔ جب میں فرحین کا ہاتھ منہ دھلوانے کے بعد اسے لئے باتھ روم سے نکلی تو بھیا نے جو اپنی ناک کے نتھنے باہم دبائے کھڑے تھے، نتھنے ڈھیلے چھوڑتے ہوئے انگلی کے اشارے سے میری توجہ ایک طرف مبذول کراتے ہوئے کہا۔ "ذرا ادھر بھی دیکھ لو۔"

میں نے گردن موڑ کر دیکھا تو حارث کو ننگی ٹانگوں بادیہ پر براجمان پایا۔

"یہ کیا؟" میں نے بھیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھئی میں کیا کرتا۔ باتھ روم کا دروازہ کھٹکھٹا کر تمہیں بتایا کہ حارث کو ٹوائلٹ جانا ہے تو تم نے بتایا کہ فرحین صاحبہ مصروف تھیں۔ یہ حضرت رونے لگے۔ ناچار مجھے یہی ایک ترکیب سمجھ میں آئی کہ بالاخانے سے انہیں کوئی ایسی چیز لادوں جو ان کا مسئلہ حل کرسکے۔"

"اور اب اس مسئلے کو کون حل کرے گا؟" میں نے اس بادیہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جس پر حارث میاں تشریف فرما تھے۔

"آپ اور کون؟" بھیا مسکرا کر بولے۔

"جی نہیں!" میں نے منہ بنایا۔

"[illegible] یہ مسئلہ نمٹا دو۔ اگرچہ نانی جان حسب معمول ہی آج ہی ہمارے دن بھر کے راشن والی باسکٹ رکھ کر جاچکی ہیں مگر برا وقت کسی بھی وقت پلٹ کر آسکتا ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم اس معاملہ کو فوراً نمٹا ڈالو ورنہ خدانخواستہ نانی جان آنکلیں اس طرف تو قیامت آجائے گی۔"

بھیا کا دیا ہوا یہ ڈراوا کارگر رہا۔ میں نے حارث کو بادیہ پر سے اٹھا کر پہلے اسے باتھ روم میں پہنچایا پھر بادیہ اٹھا کر باتھ روم میں لے گئی اور سانس روک کر اس غلاظت کو کموڈ میں الٹنے کے بعد بادیہ لئے باتھ روم سے نکلی تو بھیا نے مسکراتے ہوئے مشورہ دیا کہ اسے دوبارہ بالاخانے میں پہنچانے کے بجائے آئندہ بھی ایسی ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لئے مسہری کے نیچے رکھ لیا جائے۔ مشورہ خاصا معقول تھا سو میں نے اس پر عمل کیا۔

ناشتے کے بعد ہم دونوں کو ہمراہ لئے بالاخانے میں پہنچے اور ہم نے باغ سازی والے ادھورے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دیوانہ وار کام شروع کردیا۔ بھیا نے

اور [illegible] کاغذ پر پودوں اور درختوں کے تنے، شاخیں اور پتیاں بنا کر ان میں رنگ بھرا پھر ان تصویروں کو بالاخانے کی دیواروں پر جابجا چپکا دیا اور میں نے جو رنگ برنگے پھول تیار کئے تھے، انہیں ان خاکوں میں کہیں گوند سے چپکا دیا اور کہیں ڈوری سے باندھ دیا۔ پھر انہوں نے تیلی کے ٹکڑے جوڑ کر بالاخانے میں ایک الگنی سی تانی اور اس الگنی پر کاغذی چڑیاں ڈوری سے باندھ کر بٹھا دیں۔ کتے کی شبیہہ کو انہوں نے بالاخانے کے دروازے پر [illegible] اور مانو بلی کو چڑیوں والی الگنی کے نیچے چوبی ٹکڑوں کے بیچ جما دیا۔

یوں بھیا نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا اور اس نیم تاریک، محبوس بالاخانے میں پھول، چڑیاں، ڈوگی اور مانو بلی عدم سے وجود میں آگئے!

☆-------☆-------☆

میرا خیال یہ تھا ممی دو تین دن سے پہلے دوبارہ ہمارے کمرے میں نہیں آئیں گی [illegible] میرے اندازے کے برعکس وہ اگلے روز سہ پہر کے وقت دوبارہ ہمارے کمرے میں آئیں۔ ان کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھے۔ وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ ہمارے کمرے میں داخل ہوئیں اور اندر آتے ہی انہوں نے قفل چڑھا دیا۔ ممی کو دیکھ کر ہم چاروں ہی کھل اٹھے۔

"آج میں اپنے لئے کچھ خریداری کرنے کے بہانے پاپا سے اجازت لے کر باہر گئی تھی۔ واپس لوٹی تو انہیں سوتے پایا۔ نرس بھی اونگھ رہی تھی، بیشتر ملازم بھی کام نمٹا کر شام تک کے لئے جاچکے تھے۔ میں موقع غنیمت جان کر یہاں چلی آئی۔"

ممی ہمارے لئے نئے ملبوسات، لوڈو، اسکریبل، شطرنج، تاش، لی لنڈی، چاکلیٹ [illegible] کے پیکٹ، گل سازی اور مصوری کا سامان اور چھوٹوں کے لئے چند کھلونے لائی تھیں۔ یہ ساری چیزیں ہمیں دینے اور ہمارا ردعمل دیکھنے کے بعد ممی نے اٹھ کر میز پر دھری ان اشیاء خوردونوش کا جائزہ لیا جو ہمارے رات کے کھانے کے لئے بچی رکھی تھیں۔

"کیا نانی جان تم لوگوں کے کھانے پینے کے لئے یہی کچھ لایا کرتی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"گھر کا پکا کھانا نہیں لاتیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں۔"

"فروٹ' سویٹ کچھ نہیں؟"

"جی نہیں۔"

ممی قدرے ملول و متفکر نظر آنے لگیں پھر دل گرفتہ لہجے میں بولیں۔ "اچھا بیٹے' کچھ دن کی بات ہے' گزارہ کرنے کی کوشش کرو۔"

تقریباً نصف گھنٹہ ہمارے ساتھ گزار کر ممی ہم چاروں کو باری باری پیار کرتے کے بعد ہمارے کمرے سے چلی گئیں۔

حارث اور فرحین نے ان کے ساتھ جانے کی ضد کی مگر ہم نے انہیں کسی نہ کسی طرح سمجھا بجھا کر بہلالیا۔ ممی کے جانے کے بعد وہ دونوں کچھ دیر تو منہ بسورے بیٹھے رہے پھر اپنے نئے کھلونوں سے کھیلنے میں مصروف ہوگئے۔ بھیا نے شطرنج کی بساط بچھائی اور ہم رُوبرو بیٹھ کر اس بساط پر اپنی اپنی چال چلنے لگے۔

☆-------☆-------☆

بادلِ ناخواستہ ہمیں زندگی کے اس نئے روپ کو کڑوی گولی کی طرح نگلنا پڑا۔ رات کو جب میں بستر پر پڑتی تو ڈیڈی مجھے بری طرح یاد آنے لگتے اور میرے دل میں ہوکیں اٹھنے لگتیں۔

ممی کی ہمارے کمرے میں آمدورفت نے حارث اور فرحین کو قدرے مطمئن کردیا اور رفتہ رفتہ وہ اس معمول کے عادی ہوگئے کہ ممی سے ان کی چوبیس یا اڑتالیس گھنٹوں میں صرف ایک مرتبہ [illegible] بھی مختصر [illegible] دبے پاؤں بڑی رازداری سے ہم سے ملنے آتیں اور اسی طرح دبے پاؤں واپس چلی جاتیں۔ گاہے گاہے وہ ہمارے لئے نت نئے ملبوسات' آرام دہ اور بے آواز جوتوں' عمدہ کتابوں' وقت گزاری کے لئے دلچسپ مشاغل' بسکٹ' چاکلیٹ' چیونگم' خشک میوہ جات اور حارث اور فرحین کے لئے نت نئے کھلونے بھی لاتیں۔ ان دونوں کے لئے ممی نے اردو' انگریزی اور حساب کے ابتدائی قاعدے بھی لادیئے تھے اور لکھنے کے لئے سلیٹ' چاک اور کاپیاں بھی نیز ڈرائنگ بکس اور رنگین پنسلیں بھی۔ ممی کی ہدایت کے بموجب بھیا اور میں ان دونوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے اور انہیں مصروف رکھنے کی کوشش کرتے۔ بھیا نے ان دونوں کے لئے بالاخانے میں جو باغ لگایا تھا وہ بدستور آراستہ تھا اور دونوں اس میں خاصے ذوق شوق سے دلچسپی لیتے۔ میں ہر روز دو چار نئے پھول بناتی جنہیں بھیا کبھی کبھی نئی جگہوں پر لگادیتے کبھی پرانے پھول ہٹا کر ان کی جگہ نئے پھول لگا دیتے۔ ڈوگی کبھی دروازے سے ہٹ کر دیوار کے نزدیک آبیٹھتا تو کبھی کسی پودے یا درخت کے سائے میں آلیٹتا۔ مانو بلی

کی انگلی سے زمین پر اتر آنے والی کسی چڑیا کے تعاقب میں دکھائی دینے لگتی تو کبھی بالاخانے میں دھرے کسی صندوق یا الماری پر چڑھ جاتی۔ یہ سب کچھ بھیا اور میں حارث اور فرحین کو تبدیلی کا خوش گوار احساس دلانے کے لئے کرتے۔

جس روز گھر کے ملازم ہمارے اس گھر میں آنے کے بعد پہلی مرتبہ ہمارے کمرے کی صفائی کرنے آئے اس سے ایک روز قبل نانی جان نے ہمارے کمرے میں آکر ہمیں کچھ ضروری ہدایات دیں اور کچھ کام بھی کروایا۔ اگلے روز صبح سویرے ہی وہ ہمیں کھانے کی باسکٹ کے ساتھ بالاخانے میں بند کرگئیں۔ کمرے کی صفائی ہونے تک ہم دم سادھے بالاخانے میں بیٹھے رہے اور یہ بلاشبہ ایک تکلیف دہ مرحلہ تھا۔ روکھی پھیکی اور بے آہنگ زندگی سے تنگ آکر ہم نے نت نئی دلچسپیاں ڈھونڈنی شروع کردیں۔ بالاخانے کے غیر مقفل صندوقوں اور الماریوں کو کھنگال ڈالا اور ان میں موجود وضع وضع کے پرانے ملبوسات پہن کر ہم نے نوع بنوع سوانگ رچانے شروع کردیئے۔ بھیا اور میں حارث اور فرحین کی ضیافت طبع کی خاطر طرح طرح کی شکلیں بناتے' نقالی کرتے اور اکثر بھانڈ بازی پر اتر آتے۔ بالاخانے ہی میں ہم آنکھ مچولی' کوڑا جمال شاہی' میری گو راؤنڈ اور میوزیکل چیئر کھیلتے۔ میوزیکل چیئر کھیلتے ہوئے بھیا اپنے ماؤتھ آرگن پر دھیمی سی لے بجاتے۔

جب ہم کمرے میں ہوتے تو بھیا چھوٹوں کی تفریح طبع کے لئے اکثر نانی جان کی نقل اتارنے کھڑے ہوجاتے۔ وہ ان کی ایسی عمدہ نقل اتارتے کہ میں بھی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوجاتی۔ حارث اور فرحین بھی خوب لطف اندوز ہوتے۔

یوں ہم نے اپنی روکھی پھیکی زندگی میں چھوٹی چھوٹی دلچسپیاں پیدا کریں۔ حارث اور فرحین بھی جو شروع شروع میں اس کمرے میں بہت گھبرایا کرتے تھے' اس کے عادی ہوگئے تاہم کبھی کبھی فرحین کسی چھوٹی سی بات پر اتنی ضد پکڑ لیتی کہ اسے سنبھالنا دشوار ہوجاتا۔ اپنی محدود دنیا اور مختصر سے وسائل میں جب اس کی ضد پوری کرنا ہمارے لئے ممکن نہ ہوتا تو وہ سانس سینے میں گھونٹ لیتی۔ اس پر تشنج سا طاری ہوجاتا اور چہرہ نیلا پڑ جاتا۔ ایسے میں میرے ہاتھ پاؤں پھول جاتے اور میں گھبرا کر رونے لگتی تب ہی فرحین کی حالت میں کچھ افاقہ ہوتا۔

ایک روز بھیا نے مجھے سمجھایا کہ اگر میں فرحین کی بے جا ضدوں سے یونہی متوحش ہوتی رہی تو وہ اپنے اوپر تشنجی کیفیت طاری کرلینے کو اپنی عادت ثانیہ بنالے گی۔ انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ آئندہ جب فرحین کسی بات پر ضد کرے تو میں پریشان ہونے کے بجائے باتھ روم میں چلی جاؤں اور اس وقت تک دروازہ بند کئے رکھوں جب تک فرحین

اپنی گھونٹی ہوئی سانس آپ ہی بحال نہ کرلے۔

"خدانخواستہ فرحین کو کچھ ہوگیاتو؟" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"تم اطمینان رکھو' کچھ نہیں ہوگا۔ فرحین نے آئے دن ضد کرنے کو اپنا شعار ہی اس لئے بنالیا ہے کہ وہ جانتی ہے کہ تم گھبرا جاتی ہو اور اکثر اس کی ضد پوری کرنے کی کوئی راہ ڈھونڈ ہی لیتی ہو۔ اگر ایک بار اسے یہ معلوم ہوجائے کہ میری طرح تم نے بھی اس کی ضد کی پروا کرنا چھوڑ دی ہے تو وہ آئے دن سانس روک کر تمہیں متوحش کردینے سے توبہ کرلے گی۔"

میں متردد تھی مگر بھیا نے مجھے مجبور کر ہی دیا اور اس کی مجوزہ تدبیر کارگر رہی جس کی مجھے امید نہ تھی۔

☆-------☆-------☆

محدود دلچسپیاں ہمیں زیادہ دن نہ بہلا سکیں اور ہم زندگی کی یکسانیت سے اوبنے لگے۔ وہ کمرہ جس میں ہم محصور تھے' زنداں محسوس ہونے لگا۔ اس زنداں میں طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد ہمیں ممی کی آمد پر چند روشن لمحے نصیب ہوتے اور ہم چاروں ممی کے قرب کے سحر میں کھو کر رہ جاتے۔ جمعہ کے دن جب بیشتر ملازمین چھٹی پر ہوتے تو ممی نصف یا پون گھنٹے کے بجائے دو ڈھائی گھنٹے ہمارے ساتھ گزارتیں لیکن ان کے جاتے ہی ہم اندھیروں میں گھر جاتے۔ ہمارے حصے کی خوشیاں نہ جانے کہاں جاچھپی تھیں؟ میں کھلی آنکھوں ان کو پانے کے خواب دیکھتی اور ان خوابوں کو بھیا کی آنکھوں میں بھی ڈھونڈنے کی کوشش کرتی۔ بھیا مجھے پھٹکارتے اور میرے خوابوں کو حماقت سے تعبیر کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ کھلی آنکھوں خواب دیکھ کر میں وقت ضائع کرتی تھی۔ وہ مجھے بڑی دلسوزی سے سمجھاتے کہ انسان کی زندگی مختصر ہوتی ہے اس لئے اسے خوابوں کی نذر کرنے کے بجائے کچھ سیکھنے اور حاصل کرنے میں صرف کرنا چاہئے مگر اس بند کمرے میں تو ہمیں ایک ایک دن بھی ایک صدی محسوس ہوتا تھا اور.......... وہاں سیکھنے اور حاصل کرنے کو تھا ہی کیا؟

ممی نے ہمارے لئے نت نئے ملبوسات کے ڈھیر لگا دیئے وہ ہمارے لئے متعدد ایسے کھیل خرید کر لائیں جنہیں ہم کمرے میں بیٹھ کر کھیل سکتے تھے۔ حارث اور فرحین کے لئے وہ بہت سے کھیل کھلونے خرید کر لائیں۔ اکثر وہ بسکٹ' چاکلیٹ' کیک اور آئس کریم بھی لاتی رہا کرتی تھیں۔ شروع شروع تو ہم ممی کی ان نوازشوں اور عنایتوں پر بہت مسرور اور مشکور ہوئے لیکن پھر ہمیں ان سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ ہماری دلچسپی فقط اس

[illegible] رہ گئی کہ ہم اس زنداں سے کب باہر نکلتے ہیں؟

ممی کے طور طریقوں میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی۔ ڈیڈی کے انتقال کے بعد ان کے [illegible] پر جو مخزوں کیفیت طاری رہنے لگی تھی وہ رفوچکر ہوگئی تھی۔ انہوں نے ڈیڈی کی [illegible] کے بعد رنگین لباس پہننا اور بننا سنورنا ترک کردیا تھا لیکن اب وہ پھر سے رنگین [illegible] زیب تن کرنے لگی تھیں اور ڈیڈی کے زمانے سے بڑھ کر بننے سنورنے لگی تھیں۔ وہ نظروں کو خیرہ کردینے والے بیش قیمت زیورات پہنتیں اور ہمہ وقت مسحور کن [illegible] میں بسی رہتیں۔ ممی خوبصورت تو تھیں ہی' غیر معمولی آرائش ان کے حسن کو دو آتشہ رکھنے لگی۔

ایک رات جب ممی بنی سنوری' خوشبو میں بسی بہت خوش خوش ہمارے کمرے میں آئیں تو میں نے ان سے پوچھا۔ "ممی ہمیں کب تک اور بند رہنا پڑے گا یہاں؟"

"ڈیڈی نے مجھے اپنی ایک کار استعمال کرنے کی اجازت تو دے دی ہے۔" ممی نے [illegible] فخر سے بتایا۔

"آپ انہیں ہمارے بارے میں کب بتائیں گی؟"

"بتادوں گی۔"

"کب؟"

"جب موقع ملے گا۔"

[illegible] شروع ہوچکا ہے۔ آخر ہم کب تک بند رہیں گے یہاں؟" میں نے تلخی سے کہا۔ بھیا جو میرے لہجے کی برہمی بھانپ چکے تھے مجھے گھورنے لگے مگر میں ان کے گھورنے کو خاطر میں نہ لائی۔ بھلا یہ کہاں کا انصاف [illegible] ممی تو شعلہ جوالہ بنی پھریں اور ہم زنداں میں محصور رہیں۔

ممی نے میرے تیور دیکھے تو میری طرف بڑھیں اور انہوں نے مجھے پیار کرتے [illegible] کہا۔ "میری جان! مجھے تم چاروں کی بہت فکر ہے۔ بس تھوڑی سی مہلت اور دو پھر میں تم چاروں کو یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔"

پھر وہ ان آسائشوں کا تذکرہ کرنے لگیں جو تھوڑے سے صبر کی صورت میں ہمارا [illegible] بننے جارہی تھیں۔ اس دوران وہ میرے سر کو اپنے زانو پر دھرے میرے بالوں میں [illegible] انگلیاں گھماتی رہیں۔

ممی کے پیار کی حدت نے مجھے پگھلا دیا اور سرکشی کی وہ لہر جو میرے دل میں اٹھی [illegible] جاپ پلٹ گئی۔

بعد ازاں بارہا ایسا ہوا مگر کب تک؟ کب تک میں خود کو ممی کے پیار اور دلاسوں سے بہلا سکتی تھی! اور کب تک میں حارث اور فرحین کے معصوم استفسارات کی اپنے الٹے سیدھے جوابوں سے تشفی کر سکتی تھی؟

وہ دونوں اکثر مجھ سے اس قسم کے سوالات کرتے کہ ہم اس کمرے میں کیوں بند کر دیئے گئے ہیں؟ ہم بہ آواز بلند ہنس کیوں نہیں سکتے؟ ہمیں کمرے اور بالاخانے میں دبے پاؤں کیوں چلنا پڑتا ہے؟ ممی ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتی ہیں؟ نانی جان اتنی غصے والی کیوں ہیں؟"

رات کو جب میں انہیں سونے کے لئے بستر پر لٹاتی تو وہ اکثر باہر کی دنیا کے بارے میں مجھ سے ایسے تجسس اور اس قدر حسرت و یاس کے ساتھ باتیں کرنے لگتے جیسے وہ کوئی ماورائی دنیا ہو۔ وہ سورج' چاند اور تاروں کی باتیں کرتے۔ انہیں پھول' پرندے اور جانور یاد آتے۔ وہ گاڑی میں گھومنے پھرنے اور آزاد فضاؤں میں بھاگنے دوڑنے کی آرزو کرتے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی معصوم خواہشیں میرے دل کو تڑپا کر رکھ دیتیں۔ مجھے دکھ ہوتا کہ پھولوں کی طرح خوبصورت اور تتلیوں کی مانند نازک اور حسین ان بچوں کے شب و روز ایک قفس خانے میں گزر رہے تھے۔

☆------☆------☆

موسم بہار کے آخری دن تھے۔

اس روز ہفتہ واری تعطیل تھی اور ہم دو ڈھائی گھنٹے ممی کے قرب میں گزارنے کے خیا[illegible] دن کی [illegible] دوپہر کا کھانا بھی ہمارے ساتھ ہی کھایا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس روز ہم دوپہر کے کھانے پر ان کے اتنی دیر منتظر رہے کہ ہماری آنتیں قل ہو اللہ پڑھنے لگیں۔ ناچار ہمیں ممی کے بغیر ہی کھانا زہر مار کرنا پڑا۔

ممی شام ڈھلنے کے بعد ہمارے کمرے میں آئیں۔ وہ بہت ہشاش بشاش نظر آ رہی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے ایک لمحے کو بھی یہ سوچنے کی زحمت نہ کی ہو گی کہ ان کے بچوں نے کس اضطراب کے ساتھ دن بھر ان کی راہ تکی ہو گی۔

بھیا باتھ روم میں تھے۔ حارث اور فرحین ممی کو دیکھتے ہی کھل اٹھے مگر مجھے اس وقت ممی کی آمد پر خوشی کے بجائے دکھ ہوا۔ "ممی!" میں نے ان کے خوبصورت چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ دن بھر آپ کا انتظار کرتے رہے۔"

"میں پکنک پر چلی گئی تھی۔" ممی بڑے مزے سے بولیں۔

"پکنک پر؟" میں نے تلخی سے کہا۔

"ہاں۔ وہ کیا ہے کہ ہمارے خاندانی دوستوں نے آج صبح اچانک ہی مجھے پکنک کی [illegible] دے ڈالی۔ میں انکار نہ کر سکی اور مجھے ان کے ساتھ جانا پڑا۔ بہت لطف آیا۔ موسم [illegible] ہو تو پکنک کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔"

ممی کی خود غرضی اور بے حسی پر مجھے ازحد دکھ ہوا۔ انہوں نے ایک قفس خانے [illegible] محصور اپنے چار بچوں کا خیال کرنے کے بجائے پکنک پر جانے کو ترجیح دی تھی۔

"ممی!" میں نے دکھ سے بوجھل آواز میں کہا۔ "ہم لوگ اکتوبر میں یہاں آئے تھے اور اب موسم بہار شروع ہو چکا ہے۔ اس دوران ہم ایک مرتبہ بھی یہاں سے باہر نہیں [illegible] حارث اور فرحین سورج' چاند اور تاروں کو دیکھنے کے لئے ترستے ہیں۔ باہر گھومنے [illegible] کو ترستے ہیں۔ آخر ہم کب تک یہاں بند رہیں گے؟ کیا ہمیشہ؟"

ممی نے تیوری چڑھا کر مجھے دیکھا اور اس کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہوئیں جو ہم نے [illegible] کے لئے اس طور وقف کر دی تھی جیسے ان کا سنگھاسن ہو اور جس پر بھیا اور میں نہ [illegible] خود نہیں بیٹھتے تھے بلکہ حارث اور فرحین میں سے اگر کوئی اس پر بیٹھ جاتا تو ہم فوراً [illegible] بہت پیار سے یہ سمجھا کر اٹھا دیتے تھے کہ وہ ممی کی کرسی تھی۔

تب ہی بھیا باتھ روم سے نکل آئے اور انہوں نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "زری' [illegible] سے بدتمیزی سے بات مت کرو۔" پھر انہوں نے ممی کو پُرمحبت نظروں سے دیکھا اور [illegible] "آج تو آپ بہت ہی اچھی لگ رہی ہیں!"

"ہم [illegible]

[illegible] والت کی۔

"تو کیا ہوا؟" بھیا بولے۔

سرکشی کی ایک اونچی لہر میرے دل میں اٹھی اور نوک زبان تک آ پہنچی۔

"حارث اور فرحین باہر نکلنے کو ترستے ہیں۔ سردیاں گزر گئیں۔ موسم بہار شروع [illegible] ہے ہم اس قید خانے میں بند ہیں۔ ہمیں کھڑکیوں پر پڑے پردے سرکا کر باہر جھانکنے [illegible] کی اجازت نہیں۔ ہم تازہ ہوا کی خوشبو تک بھول گئے اور آپ کہتے ہیں کیا ہوا!" میں [illegible] چلا ہی تو دی۔

"آہستہ بولو' کوئی سن لے گا۔" ممی نے مجھے گھورا۔

"سن لے! میں پروا نہیں کرتی۔ میں اس قید خانے میں رہتے رہتے گھبرا گئی ہوں۔ [illegible] اپنے چھوٹے بھائی بہن کو سورج کی روشنی اور کھلی فضا میں لے جانا چاہتی ہوں۔ وہ [illegible] ہار رہے ہیں۔ میں خود بھی باہر جانا چاہتی ہوں۔ سیر و تفریح کرنا اور کھلی فضا میں دور

تک دوڑ لگانا چاہتی ہوں۔ اگر نانا جان آپ کو معاف کرکے آپ پر اپنے گھر کی ساری نعمتوں کے دروازے کھول سکتے ہیں تو ہمیں کیوں نہیں قبول کرلیتے؟ کیا ہم اتنے بدصورت، اتنے خراب، اتنے ذلیل ہیں کہ وہ ہمیں قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کریں؟"

"تم اپنی عمر سے زیادہ بڑی بڑی باتیں مت کرو۔" بھیا نے مجھے ڈانٹنے کی کوشش کی۔

"چھ ماہ کی قید نے میری عمر میں چھ سال کا اضافہ کردیا ہے۔" میں نے اس کی ڈانٹ کو خاطر میں لائے بغیر کہا۔

"تم بہت بدتمیزی کررہی ہو۔" بھیا نے کہا۔

"حارث اور فرحین کی خاطر میں اس سے بھی زیادہ بدتمیزی کرسکتی ہوں۔" میں نے دوبدو کہا۔ "آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ چھ ماہ سے ہم اس قید خانے میں بند پڑے ہیں۔ وہ دیکھئے، اس کیلنڈر پر روزانہ ایک تاریخ کو نشان زدہ کرکرکے میرے ہاتھ تھک چکے ہیں۔ کب تک؟ آخر کب تک ہم سورج کی روشنی اور تازہ ہوا کو ترستے رہیں گے؟"

ممی دوبارہ اپنی کرسی پر جابیٹھیں اور انہوں نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر گھٹ گھٹ کر رونا شروع کردیا۔ بھیا مجھے کھانے والی نظروں سے دیکھنے لگے۔ حارث اور فرحین سہم کرایک طرف بیٹھ گئے۔ ممی کے آنسوؤں نے میرے دل میں اٹھنے والی احتجاجی رو کو یک بیک دبا دیا۔ کچھ بھی سہی ممی آخر کو میری ماں تھیں اور میں ان سے بھیا کی طرح اندھی محبت نہ سہی نام محبت ضرور کرتی تھی۔ بھیا نے نگاہوں ہی نگاہوں میں مجھے ممی سے معافی مانگنے کا اشارہ دیا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھی اور ممی کے نزدیک جاکر ان سے معافی مانگ لی تاہم ان سے یہ کہے بنا نہ رہ سکی کہ وہ نانا جان کو ہمارے بارے میں بتا کیوں نہیں دیتیں۔

ممی نے سرجھکالیا اور ہم سے نظریں ملائے بنا بولیں۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے مصلحتاً تم لوگوں سے اب تک ایک تلخ حقیقت چھپائے رکھی۔"

بھیا اور میں نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ ان کا گمبھیر لہجہ گواہ تھا کہ وہ کوئی غیر معمولی بات کہنے جارہی تھیں۔

"تمہارے ڈیڈی کے انتقال کے بعد جب میں نے تمہاری نانی جان کو لکھا کہ میں بے سہارا رہ گئی ہوں اور یہاں آنا چاہتی ہوں تو انہوں نے تمہارے نانا جان سے بات کی اور میری غلطی کو درگزر کردینے کے لئے ان پر کافی دباؤ ڈالا۔ وہ بمشکل تمام نرم پڑے اور

انہوں نے تمہاری نانی جان سے کہا کہ اگر شیریں کے ہاں کوئی بچہ نہیں ہے تو وہ یہاں آسکتی ہے لیکن اگر ایک بچہ بھی ہے تو اس گھر کے دروازے اس پر کبھی نہیں کھل سکتے ہوں گے۔ وہ اس شخص کی اولاد کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے جو اور ان کے خاندان کی ناموس کو زک پہنچانے کا سبب بنا تھا۔ تمہاری نانی جان نے مجھے اس صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے یہ لکھا کہ تم بچوں کو لے کر آجاؤ اور ایسے وقت پہنچو کہ گھر کا کوئی ملازم بھی تمہیں بچوں کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے نہ دیکھ پائے۔ ہمارے یہاں پہنچنے کے بعد میں بچوں کو چھپا کر رکھوں گی چنانچہ ہم نے ایسی ہی ٹرین سے سفر کیا جس نے ہمیں رات کے وقت یہاں پہنچایا اور ہم گھر کے صدر دروازے سے اندر داخل ہونے کے بجائے عقبی دروازے سے اندر پہنچے۔ تمہاری نانی جان منتظر اور مستعد تھیں۔ انہوں نے تمہیں بڑی رازداری سے اس کمرے تک پہنچا دیا اور ایسے انتظامات کیے اور اتنی احتیاط برتی کہ گھر کے کسی ملازم کو بھی یہاں تمہاری موجودگی کی بھنک نہ ملی۔ اب تک تو وہ اپنی اس احتیاط میں کامیاب رہی ہیں۔"

"اور اس وقت تک کامیاب رہیں گی جب تک ہم اس قید خانے میں مر نہیں جاتے۔" میں کچھ دیر قبل ممی کے آنسوؤں کی روانی کو پھر بھلا بیٹھی۔

"خدا نہ کرے۔" ممی بولیں پھر انہوں نے قدرے توقف سے کہا۔ "پہلے میرا ارادہ تھا کہ جونہی میں اپنے پاپا کی محبت دوبارہ جیتنے میں کامیاب ہوگئی انہیں تم لوگوں کے بارے میں بتادوں گی لیکن ان کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوچکا ہے کہ انہوں نے میری خطا کو [illegible]"

"آپ لمبی چوڑی بات کرنے کے بجائے صاف صاف یہ کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ اب ہمیں اسی کمرے میں قید رہنا ہوگا۔" میں نے ممی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

ممی نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آئیں اور میرے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر انہوں نے اپنے ہاتھ میرے گھٹنوں پر رکھ دیئے اور دھیمے لہجے میں بولیں۔ "بس کچھ دن کی بات ہے۔ پاپا کے ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ وہ زیادہ عرصہ نہ جی سکیں گے اور اگر.......... ڈاکٹروں کا یہ خیال غلط ثابت ہوتا دکھائی دیا تو میں کسی نہ کسی طرح انہیں تمہارے بارے میں بتادوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ بس کچھ دن تم صبر کرلو.......... مجھے تھوڑی سی مہلت دو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا اور وقت کے ظالم اور بے رحم ہاتھ نے تم چاروں کو زندگی کی جن لذتوں اور خوشیوں سے محروم کردیا ہے اگر خدا نے چاہا تو میں تمہاری ہر محرومی کا ہزار گنا ازالہ کردوں گی۔"

ممی کے ہاتھ میرے چہرے تک آپہنچے اور انہوں نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر مجھے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "جان! اپنی ممی کی خاطر تھوڑا سا صبر اور کرلو۔ میں زندگی کی ہر خوشی اور ہر نعمت تم چاروں کے قدموں میں ڈھیر کردوں گی۔" پھر ممی بھیا کی جانب متوجہ ہوئیں۔ "عارف بیٹے! تم بہن کا حوصلہ بلند رکھنے کی کوشش کرو۔ وہ دن دور نہیں جب تمہارے پاس وہ سب کچھ ہوگا جس کی تم تمنا کرسکتے ہو۔ میں تمہارے مستقبل کے لئے تمہارے نانا جان کی کس کس طرح خدمت کررہی ہوں تم اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ میں احسان نہیں جتا رہی ہوں۔ تمہاری ماں ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ میں تمہارے بہتر مستقبل کے لئے جدوجہد کروں۔ بس تم لوگ تھوڑا سا صبر کرو اور میرا ساتھ دو۔"

بھیا جو ڈیڈی کے زمانے ہی سے ممی کے چہیتے اور فرمانبردار بیٹے رہے تھے' اس وقت بھی بڑی سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے۔ "میں جانتا ہوں ممی کہ آپ ہمارے بہتر مستقبل کے لئے بڑی قربانی دے رہی ہیں۔"

"بہن کو بھی سمجھاؤ۔" ممی کی مراد مجھ سے تھی۔

"آپ فکر نہ کریں۔ دراصل کچھ تو اس کمرے میں بند ہوئے ہوئے اس کا دماغ پھر گیا ہے دوسرے حارث اور فرحین بھی اسے دن بھر پریشان رکھتے ہیں۔ خیر آئندہ آپ کو اس سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔"

میں بھیا کو شاکی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

[illegible] اور میری پیشانی چوم لی۔

میرے پاس کہنے کو اور کیا رہ گیا تھا؟ ممی کے لبوں کے لمس نے مجھے پگھلا کے رکھ دیا تھا۔ میں نے جی ہی جی میں سوچا جہاں تقریباً چھ ماہ گزر گئے وہاں چند دن' چند ہفتے یا چند ماہ اور سہی' ہمیں تاریک کمرے میں بیٹھ کر امید کی کرنوں کے در آنے کا انتظار کرنا تھا۔

☆------☆------☆

اب ہم پر یہ تلخ مگر اصل حقیقت کھل چکی تھی کہ ہمیں نانا جان کے انتقال تک اسی زنداں میں رہنا ہوگا اور اس شب ممی کے جانے اور بہن بھائیوں کے سونے کے بعد مجھے اس دکھ نے تادیر جگائے رکھا کہ ممی اول روز سے ہی اس حقیقت سے آشنا تھیں کہ ان کے والد ہمیں کسی قیمت پر قبول نہ کریں گے اور ہمیں انہوں نے اس سے بے خبر رکھا۔

اس روز کے بعد بھیا اور میں اٹھتے بیٹھتے نانا جان کے مرنے کی دعائیں مانگنے لگے۔

[illegible] ان دعاؤں کے ساتھ ہی ہمیں یہ احساس شرمسار بھی کرتا رہتا تھا کہ نانا جان کے مرنے کی دعائیں مانگ کر ہم بڑی خود غرضی اور بے رحمی کا ثبوت دے رہے تھے۔

بہرحال اس حقیقت حال کے کھل جانے کے بعد ہم نے اس زنداں میں نہ صرف [illegible] خوش بھی رہنے کے بہانے ڈھونڈنے شروع کردیئے۔

بالاخانے کے غیر مقفل ٹرنکوں اور الماریوں میں ہمارے بزرگوں کے ڈھیروں پرانے ملبوسات بھرے پڑے تھے۔ ہم نے ان ملبوسات کو زیب تن کرکے نت نئے سوانگ بھرنے شروع کردیئے۔ سوانگ بھر کر بھیا اور میں خوب خوب مکالمات بھی بولتے۔ حارث اور فرحین ہمارے ان بہروپوں سے خوب لطف اندوز ہوتے لیکن جب کبھی وہ بیزار ہوجاتے تو اپنی بیزاری کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے۔ مثلاً فرحین کو ایسے موقع پر عموماً بھوک [illegible] لگتی اور حارث بالاخانے میں پڑے جھولے پر بیٹھ کر جھولنے لگتا۔

ایک روز جب حارث جھولے پر بیٹھا جھول رہا تھا اور فرحین نے "بھوک لگی ہے" کی تکرار کر رکھی تھی اور ہم دونوں یعنی بھیا اور میں اس کی اس تکرار پر کوئی توجہ نہ دے رہے تھے بلکہ نئے سوانگ رچانے کے امکانات کا جائزہ لے رہے تھے' حارث نے بزرگانہ [illegible] فرحین کو جھولا جھولنے کی دعوت دی۔

"جی نہیں۔" فرحین نے منہ بسور کر کہا۔ "مجھے ایسی گندی جگہ جھولا جھولنا اچھا نہیں لگتا۔"

[illegible]

[illegible] کر رکھا ہے۔"

"یہ سچ مچ کا تھوڑی ہے' جھوٹ موٹ کا ہے۔" فرحین نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور مجھ پر حیرت آمیز مسرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ چھ ماہ کی قید نے فقط میری ہی نہیں فرحین کی عقل و فہم میں بھی نمایاں اضافہ کردیا تھا۔ وہ اصل اور نقل میں تمیز کرکے اس کا اظہار بھی کرنے لگی تھی۔

فرحین نے جو کچھ کہا تھا اس نے ہمیں ایک نئی مصروفیت کی راہ دکھائی۔ ہم جھوٹ موٹ کے باغ کو سچ مچ کے باغ میں تبدیل کرنے کی کوششوں میں لگ گئے اور ہماری خوش قسمتی کہ ممی بھی ہماری ان کوششوں میں ہماری شریک بن گئیں۔ انہوں نے ہمارے ساتھ بالاخانے میں بے ترتیبی سے پڑے ڈھیروں کاٹھ کباڑ کو قدرے سلیقے سے سمیٹا۔ ممی بالاخانے کی صفائی کے لئے ضروری سامان لے آئیں اور چھٹی والے دن انہوں نے میرے اور بھیا کے ساتھ مل کر بالاخانے کی خوب صفائی کی۔ ڈھیروں دھول مٹی نکالی پھر

فرش کو بڑی محنت سے پونچھا لگا لگا کر چمکایا۔ صبح سے شام تک ممی ہمارے ساتھ رہیں اور مسلسل کام کرتی رہیں۔ بقول ان کے وہ نانا جان کو ایک روز قبل ہی یہ بتا چکی تھیں کہ اگلے روز انہیں لمبی سیر و تفریح پر جانا ہے۔ گندے اور اجاڑ بالاخانے کی ایسی صورت نکل آئی کہ ہم حیران رہ گئے۔

اگلے مرحلے میں ممی بالاخانے میں رکھنے کے لئے گملوں میں لگے متعدد اقسام کے پودے لے آئیں اور انہوں نے بالاخانے پر پڑی چقوں کے پیچھے کھڑکیوں کے پٹ اتنے کھول دیئے کہ سورج کی روشنی چقوں کی تیلیوں سے بالاخانے میں در آسکے اور پودوں کو خاطر خواہ نہ سہی تھوڑی بہت روشنی' دھوپ اور حرارت ملتی رہے۔ انہوں نے کھڑکیوں کے پٹ مستقل اسی طرح کھلے رکھنے کی ہدایت کی تاہم ہمیں بھولے سے بھی باہر [illegible] جھانکنے کا پابند کیا۔ بیچ بیچ کے ان پودوں کے ساتھ ساتھ ممی نے ہمیں مصنوعی پھول' پرندے اور پالتو جانور بھی نئے سرے سے بنانے کی ترغیب دی اور بہت جلد ہمیں گل سازی اور مصوری کے لئے ضروری اشیاء فراہم کردیں۔ ہم نے پرانے پھول' چڑیاں اور پالتو جانور ایک طرف ڈال دیئے اور نئے پھول' نئی چڑیاں اور جانور بنانا شروع کردیئے۔ اس بار ہم نے حارث اور فرحین کو بھی اپنے ساتھ کام پر لگالیا۔ چند ماہ قبل کی طرح اس مرتبہ ہم بے سروسامانی کا شکار نہ تھے بلکہ ممی نے ہمارے ان مشاغل کے لئے ہمیں [illegible] سارا سامان بازار سے لادیا تھا۔ ممی کی مہربانیوں اور باہمی کاوشوں سے ہم نے چند ہی دنوں میں اجاڑ اور بے رونق بالاخانے میں ایک نظر افروز باغ لگا ڈالا۔ بالاخانے کی دیواریں رنگ برنگے کاغذی پھولوں سے آراستہ کردیں اور پلاسٹک کے گملوں میں کاغذی پھول لہلہانے لگے۔ جب مٹی کے گملوں میں لگے جاندار پودوں میں اصلی پھول مسکاتے اور اپنی خوشبو بالاخانے میں بکھیرتے تو ہمیں اپنے مصنوعی کاغذی پھولوں سے بھی خوشبو آتی محسوس ہونے لگتی۔

پھر ممی کے ترغیب دلانے پر بھیا اور میں باہم مل جل کر حارث اور فرحین کو پڑھنا لکھنا سکھانے لگے۔ ممی نے ان کے لئے خوش رنگ تصویروں والے ابتدائی قاعدے اور وہ تمام لوازمات لادیئے جو ابتدائی جماعت میں پڑھنے والے بچوں کو عموماً درکار ہوا کرتے ہیں۔ بھیا اور میں صبح ناشتے کے بعد کمرے کی صفائی ستھرائی سے فراغت پاکر ان دونوں کو پڑھانے کے لئے بیٹھ جاتے۔

بھیا کی اور میری تعلیم کا سلسلہ تو نانی جان کے ہاں آنے کے بعد رک ہی چکا تھا۔ ویسے ہم نانی جان کے ہاں آتے ہوئے اپنی کتابیں وغیرہ ساتھ لے آئے تھے اور شروع

شروع میں نانی جان کے ہدایت نامے کی تعمیل میں بھیا کی دیکھا دیکھی اکثر میں بھی اپنی [illegible] نکال کر پڑھنے بیٹھ جایا کرتی تھی مگر رفتہ رفتہ میرا جی اچاٹ ہوتا چلا گیا۔ اسکول اور [illegible] کے بغیر پڑھنا لکھنا مجھے بڑا تشنہ سا عمل محسوس ہوتا تھا تاہم بھیا نے کتابوں سے ہنوز [illegible] برقرار رکھا ہوا تھا اور کچھ نہیں تو وہ بالاخانے سے پرانی پرانی کتابیں اٹھالاتے اور [illegible] ان میں مغز کھپاتے رہتے۔ وہ اکثر مجھے بھی ان کتابوں کی قدر و قیمت کا احساس [illegible] ہوئے ان کا مطالعہ کرنے پر مائل کرنے کی کوشش کرتے مگر میں ٹال جاتی۔ سچی بات [illegible] تھی کہ میرے پاس فالتو وقت ہی کہاں ہوتا تھا۔ کہنے کو تو ہماری دنیا فقط ایک کمرے یا [illegible] حد زینے سے اوپر بالاخانے تک محدود تھی مگر اس محدود اور مختصر سی دنیا میں بھی [illegible] دنیوں مختلف النوع مصروفیات نمٹانا ہوتی تھیں۔ کمرے اور ملحقہ باتھ روم کی صفائی [illegible] ہمارے استعمال میں رہنے والے برتنوں کی دھلائی' میلے کپڑوں کی دھلائی' چھوٹے [illegible] بہن کو نہلانا دھلانا' ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ دینا' ان کا دل مٹھی میں رکھنا' ان کے [illegible] انواع استفسارات کی تشفی' ان کی ضدوں سے نمٹنا اور انہیں سمجھا بجھا کر رام کرنا [illegible] سے بڑھ کر انہیں یہ یقین دلاتے رہنا کہ ایک نہ ایک دن ہم اس بند کمرے سے [illegible] ضرور نکل سکیں گے.......... یہ ساری مصروفیات مجھے اس قدر گھیرے رکھتیں کہ مجھے [illegible] کرنا تو کجا سر کھجانے کی بھی فرصت نہ ملتی۔ جب مجھ جیسی نو عمر لڑکی کو ایک خانہ دار [illegible] کی طرح ڈھیروں کام نمٹانے پڑجائیں تو اس بے چاری کو اپنی ذات کے بہلاوے کے [illegible] کوئی مشغلہ اختیار کرنے کی فرصت بھلا کہاں ملتی ہے۔ جب رات کو بھیا کینڈل بلب [illegible] کی موٹی کی کتاب میں سر کھپا رہے ہوتے تو میں حارث یا فرحین کو تھپکیاں دیتے ہوئے یہ سوچ رہی ہوتی کہ آنے والی کل مجھے کون کون سے کام کرنا ہوں [illegible]

صبح سویرے اٹھ کر بالاخانے میں رکھے مٹی کے گملوں میں لگے پودوں کو پانی دینا تو [illegible] روزانہ کا معمول بن چکا تھا۔ بالاخانے کی کھڑکیاں تو دن رات تھوڑی تھوڑی کھلی [illegible] کھڑکیوں پر پڑی چقوں کی رنگین تیلیوں کے جھروکوں سے تھوڑی سی ہوا اور [illegible] کی چند کرنیں بالاخانے میں در آتیں اور ان پودوں کو ان کی غذا تیار کرنے میں مدد [illegible] گملوں میں لگے پودوں کی ٹہنیوں پر کھلنے والے پھول ہم چاروں میں سے کوئی بھی [illegible] ٹہنیوں پر لگے لگے وہ آپ ہی آپ مرجھا جاتے اور نئے پھول کھلتے چلے جاتے۔ [illegible] کر جانے والے پھولوں کو حارث اور فرحین بصد احتیاط و نزاکت اٹھا کر بالاخانے [illegible] پرانی کتابوں کے اوراق کے بیچ دبکا دیتے۔

ایک روز فرحین نے مجھ سے پوچھا۔ "باجی ہمارے گارڈن میں گھاس کیوں نہیں ہے؟"

میں نے بھیا کو دیکھا جو قریب ہی موجود تھے اور بولی۔ "جناب اس سوال کا جواب دیجئے۔"

بھیا نے بڑی محبت سے فرحین کا سر تھپتھپایا اور بولے۔ "چھوٹی سی لڑکی' تمہاری اس ننھی سی کھوپڑی میں اتنے عجیب وغریب سوالات کہاں سے آجاتے ہیں؟"

"اس دوران مجھے جواب سوجھ چکا تھا۔

"گڑیا رانی گھاس تو آسمان پر جنت میں چلی گئی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہاں ڈیڈی رہتے ہیں۔"

"کیا بڑے بڑے درخت بھی وہاں چلے گئے ہیں؟" فرحین نے ازحد معصومیت سے کہا۔

"ہاں۔"

فرحین گہری سوچ میں پڑ گئی اور ہم نے اس کے یوں کھو جانے کو غنیمت جانا۔

ممی نے اس باغ کے لئے ربر اور پلاسٹک کی بنی ہوئی گلہریاں' خرگوش' نوع بنوع پرندے اور رنگ برنگی تتلیاں بھی ہمیں لا دی تھیں جو وہاں آراستہ کردی گئی تھیں۔ ممی [illegible]

جب ان کا ہمارے کمرے میں دن کے وقت آنا ہوتا تو وہ کچھ وقت بالاخانے میں آراستہ باغ میں بھی ضرور گزارتیں۔

نانی جان کو ممی نے اس باغ کے بارے میں کچھ بتایا تھا یا نہیں یہ ہم نہیں جانتے تھے اور نہ ہی ہم نے کبھی جاننے کی ضرورت محسوس کی۔ نانی جان کو ہم نے کبھی بھولے سے بھی بالاخانے کا رخ کرتے نہیں دیکھا حالانکہ کئی مرتبہ یوں بھی ہوا کہ ہم بالاخانے میں ہوتے اور نانی جان کا ہمارے کمرے میں آنا ہوا اور ہمیں ان کے آنے کی خبر اپنے کمرے میں واپسی پر نانی جان کی آمد کی چھوڑی ہوئی کسی نشانی سے ہوتی۔

نانی جان کا طریقہ واردات اکثر یہ ہوتا کہ وہ آواز پیدا کئے بغیر دروازے کے قفل کو کھولتیں اور دستہ گھما کر دروازہ یکبارگی کھول کر سرعت سے ہمارے کمرے میں داخل ہوجاتیں۔ وہ ہم پر پولیس کے سے انداز میں چھاپا مارتیں اس وقت تو میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کرتی تھیں مگر اب سمجھ میں آتا ہے کہ وہ ایسا فقط اس لئے کیا کرتی تھیں

[illegible] دیکھ سکیں کہ ہم کیا کر رہے ہوتے ہیں؟ مجھے حیرت ہوتی کہ اپنی اس چھاپا مار [illegible] کے باوجود وہ ایسے وقت جبکہ ہم کمرے میں ان کی آمد کے وقت بالاخانے میں ہوا [illegible] تھے' اوپر کیوں نہیں آجایا کرتی تھیں؟

"وہ کلوسٹروفوبیا کی شکار ہیں۔" ممی نے جواب دیا۔

"وہ کیا ہوتا ہے۔"

"ایک نفسیاتی خوف۔" ممی نے کہا پھر توضیح کی۔ "کسی بند جگہ یا بند کمرے میں تمہاری نانی جان کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ اس خوف کا تعلق ان کے بچپن سے ہے۔ بقول ان کے ان کی والدہ ان کو بچپن میں کسی بات پر سزا دینے کے لئے ایک کمرے میں بند کردیا کرتی تھیں' وہ خوف ان کے لاشعور میں بیٹھ گیا ہے اور اب تک انہیں بند جگہوں سے خائف رکھتا ہے۔"

"تو پھر وہ اس بند کمرے میں کیونکر آجاتی ہیں؟"

"کیونکہ اس کمرے کے دروازے کی چابی ان کے قبضے میں ہوتی ہے۔"

میرے لئے بلکہ شاید بھیا کے لئے بھی نانی جان کے بارے میں یہ تصور ہی خاصا دلچسپ تھا کہ اتنی لمبی چوڑی اور دبنگ و غصہ ور خاتون جس کی ہیبت نے ہمیں خائف کررکھا تھا' کبھی اتنی چھوٹی بھی رہی ہوں گی کہ ان کی والدہ کے لئے انہیں بطور سزا کمرے میں بند کردینا ممکن ہوتا ہوگا؟ گویا بچوں کو کمرے میں بند کردینا اس خاتون کی پرانی روایت [illegible]

ان دنوں نانی جان نے ہمیں قید کر رکھا تھا اور اس زنداں کی چابی وہ اپنے قبضے میں رکھتی تھیں یا پھر ایک ممی کے پاس تھی۔ ہر روز ہمیں نانی جان کی شعلہ بار نگاہوں اور [illegible] اس نوعیت کے سوالوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

صبح دانت مانجھے تھے؟

نماز پڑھی تھی؟

کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے تھے؟

کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھی تھی؟

کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا تھا؟

باتھ روم کی صفائی کی تھی؟

تم لوگ بالاخانے میں اتنا کیوں جاتے ہو؟

"کسی روز اوپر آکر دیکھوں گی کہ تم لوگ اوپر کیا کرتے ہو؟" وہ اکثر ہمیں

دھمکاتیں۔

ایک روز جب بھیا بالاخانے میں بیٹھے ایک تصویر میں رنگ بھرنے کی تیاری کر رہے تھے' میں رنگ آمیزی کے لئے پانی لینے اوپر سے نیچے اتری تو نانی جان کو کمرے میں موجود پایا۔ وہ زینے کی آڑ میں چھپی کھڑی تھیں۔ میں جونہی نیچے اتری' وہ بڑی سرعت سے آڑ سے نکل کر میرے روبرو آگئیں اور میں ان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"کیا کر رہے ہو تم چاروں اوپر؟" نانی جان نے غصے سے پوچھا۔

"کچھ............ کچھ نہیں۔"

"لڑکی' سیدھی طرح بتاتی ہے یا ماروں ایک طمانچہ۔"

"میں تھر تھر کانپنے لگی۔

"کیا ہو رہا ہے اوپر؟"

"وہ............ وہ............ بھیا............ تصویر بنا رہے ہیں۔"

"جھوٹ مت بولو۔" نانی جان بولیں۔

"سچ کہہ رہی ہوں نانی جان۔"

"خبردار جو مجھے نانی جان کہا۔" وہ غصے سے بولیں پھر انہوں نے کہا۔ "میں دن میں جب آتی ہوں تم لوگ اوپر ہی مرے ہوتے ہو۔ کیا کرتے رہتے ہو؟"

"وہ............ ہم نے ایک باغ بنا رکھا ہے' حارث اور فرحین کے لئے۔" میں ڈرتے ڈرتے بولی۔

باغ!

"جی ہاں' وہاں ہم نے جھوٹ موٹ کے پھول اور جھوٹ موٹ کے جانور سجا رکھے ہیں۔"

"کہاں سے آئے جھوٹ موٹ کے پھول اور جانور؟"

"پھول ہم نے خود بنائے تھے۔ جانور کچھ تو ممی نے خرید کر لا کے دیئے کچھ بھیا نے بنائے ہیں۔"

"کچھ گڑبڑ تو نہیں کرتے ہو تم لوگ اوپر؟" نانی جان نے مجھے بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"کوئی سازش؟ کوئی منصوبہ؟"

"جی نہیں۔"

"تم کانپ کیوں رہی ہو؟" نانی جان بولیں۔ "اوپر یقیناً کچھ گڑبڑ ہو رہی تھی۔"

"مجھے............ مجھے............ میں............ اس لئے کانپ رہی ہوں کہ مجھے............ آپ سے............ ڈر لگ رہا ہے۔"

"ایک بات سمجھ لو تم بھی اور اپنے بہن بھائیوں' خاص طور پر بڑے بھائی کو سمجھا [illegible] اگر کبھی میں نے تم لوگوں کو کوئی معمولی سی بھی گڑبڑ کرتے دیکھ لیا تو زندہ دفن [illegible] گی۔" نانی جان نے مجھے زہر خند نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم تو اوپر بس باغ سجاتے رہتے ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

اگلے روز نانی جان پیتل کے ایک گملے میں لگا سدا بہار کا پودا ہمارے کمرے میں [illegible] اور انہوں نے مجھ سے کہا۔ "لڑکی یہ گملا تم اپنے جھوٹ موٹ کے باغ میں سجا سکتی [illegible]"

بھیا اور میں بحر حیرت میں غوطہ زن ہوگئے۔ بے حس اور ظالم و کٹھور نانی جان سے [illegible] ایک رویئے کی ہمیں ذرا توقع نہ تھی۔ کیا سدا بہار کا یہ پودا ہمارے دن بدلنے کی [illegible] تھی؟

کیا نانی جان ہمارے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کر لینے پر آمادہ ہو گئی تھیں؟

"شکریہ نانی جان!" شدت جذبات سے میری آواز بوجھل ہو گئی تھی۔

"بس............ بس۔" نانی جان نے نخوت سے کہا اور میں ان کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

☆=======☆=======☆

[illegible] اس زنداں میں قید رہنا تھا' مجھے کچھ اس طرح قرار آگیا تھا جیسے مرنے والے کے [illegible] کو صبر آجایا کرتا ہے۔ میں ہر صبح اس امید کے ساتھ آنکھ کھولتی کہ شاید آج کا دن [illegible] دے کہ نانا جان مر گئے ہیں مگر............ دن پر دن گزرتے چلے جا رہے تھے۔

بھیا اور میں سر جوڑ جوڑ کر نانا جان کے مرنے کی دعائیں مانگتے۔ ہم حارث اور [illegible] کے ننھے ننھے ہاتھ بلند کروا کے ان سے بھی یہ دعا منگواتے مگر............

[illegible] کمرے اور بالا خانے سے باہر کی دنیا سے ہمارا تعلق اس بری طرح منقطع تھا [illegible] ہمارے کمرے میں کیلنڈر نہ ہوتا تو شاید ہم دن' تاریخ' مہینہ اور موسم کا حساب [illegible] رکھ پاتے۔ ہر روز میں کیلنڈر پر ایک تاریخ نشان زدہ کر دیتی اور انہی نشانات [illegible] میں نے باہر کے موسموں کا حساب کتاب رکھا ہوا تھا۔

[illegible] موسم بہت خاموشی سے بیت گیا۔

موسم گرما دبے پاؤں آپہنچا۔

پھر خزاں آگئی اور بالاخانے میں لگے باغ کے گملوں میں لگے اصلی پودوں پر خزاں کے ناگوار اثرات مرتب ہونے لگے۔ پھول کھلنا بند ہوگئے۔ سبز پتوں کی رنگت تبدیل ہونے لگی۔ ٹہنیوں کی شادابی جاتی رہی۔ باغیچے میں آراستہ مصنوعی گل بوٹوں نے اصلی پودوں کی تبدیل شدہ کیفیت سے میل کھانے سے انکار کردیا۔ چنانچہ ہم نے باغ میں آراستہ مصنوعی پھول ہٹادیئے اور سبز پتیوں والے مصنوعی بوٹوں کو زرد اور بھورے پتوں والے بوٹوں میں تبدیل کردیا۔ بالا خانے کی دیواروں پر آویزاں موسم بہار کا منظر پیش کرتی تصاویر کو بھیا نے موسم خزاں کی عکاس تصویروں سے بدل دیا۔ اس خزاں رسیدہ باغ میں پرندوں اور خوش رنگ تتلیوں کا بھلا کیا کام رہ گیا تھا سو ہم نے انہیں بھی ہٹالیا اور یوں ہمارا وہ باغ خزاں رسیدہ دکھائی دینے لگا۔ جاڑوں کا موسم شروع ہوتے ہی حارث اور فرحین کو نزلہ کھانسی کی شکایت رہنے لگی۔ ممی نے ہمیں نزلہ' کھانسی اور بخار کی دوائیں لادیں۔ دن چھوٹے ہونے لگے اور راتیں لمبی۔ گذشتہ موسم سرما میں فراہم کردہ لحاف اور کمبل جو ہم نے بالا خانے میں رکھ دیئے تھے' ہم نیچے لے آئے۔ شام ہوتے ہی میں حارث اور فرحین کو کمبل یا لحاف میں دبکا دیتی۔ ان کی خاطر مجھے اور بھیا کو بھی جلدی بستر پر جانا پڑتا۔ ممی کے لائے ہوئے خشک میوہ جات انہیں ٹونگاتے ہوئے میں انہیں کہانیاں سنائے جاتی۔ صبح جب دن نکل آتا تو ہم چاروں بالاخانے میں چلے جاتے۔ وہاں فرنیچر کے ڈھیر میں [illegible] سے متعدد پرانے گدے [illegible] ان گدوں کو بالا خانے کی کھڑکیوں کے قریب اوپر تلے رکھ کر ایک اونچی سی مچان بنالی تھی۔ ہم اس پر حارث اور فرحین کو چڑھا کر خود بھی اس پر بیٹھ جاتے اور ادھ کھلی کھڑکیوں پر پڑی چقوں کی تیلیوں کے جھروکوں سے در آنے والی سورج کی کرنوں سے ندیدوں کی طرح خود کو تاپنے لگتے۔ حالانکہ سورج کی کرنوں سے سرد ہواؤں کے تھپیڑے زیادہ آتے مگر ہم کھڑکیوں کے تھوڑے کھلے پٹ بند نہ کرتے کیونکہ روزانہ کھڑکیوں کا کھلنا اور بند ہونا گھر کے ملازمین کو متجسس کرسکتا تھا۔ علاوہ ازیں باہر کی دنیا سے ہمارا موہوم سا رابطہ انہی جھروکوں کے طفیل تو قائم تھا۔ چقوں کی تیلیوں سے جھانک کر ہم دور بہت دور آسمان کو زمین پر بڑے والہانہ انداز میں جھکتے اور ہر صبح اور ہر رات سیٹی بجاتے ہوئے چھک چھک کرتی گزرنے والی ریل گاڑی کے ڈبوں سے آتی روشنیوں کو دیکھ سکتے تھے یا پھر کبھی کبھی آسمان کی بیکراں وسعتوں میں پرواز کرتا کوئی پرندہ یا ہوائی جہاز دکھائی دے جاتا' ورنہ تو لمبے چوڑے تججے کے باعث ہم زمین سے تقریباً کٹ کر ہی رہ گئے تھے۔

جاڑوں بھر ہمارا یہی معمول رہا کہ جب تک بالاخانے میں ایک رمق حرارت کی امید رہتی' ہم اپنی اس مچان پر بیٹھے رہتے۔ وہیں بیٹھ کر بھیا اور میں چھوٹوں کو پڑھاتے اور اور لیٹ کر بھیا مطالعہ کرتے۔ ان دونوں کو متحرک اور فعال رکھنے کی خاطر بھیا اور میں ان کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے۔ فرحین چالاک تھی۔ ہر بار نئی جگہ پر جاچھپتی' اس لئے اسے ڈھونڈنے کے لئے کچھ تگ و دو کرنا پڑتی جبکہ حارث صندوق کے پیچھے دبک کر بیٹھ جاتا اور بھیا اور میں اس کی سادہ لوحی پر ترس کھاتے ہوئے اسے نظرانداز کرکے فرحین کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے۔

چھٹی والے دن ممی بھی بالاخانے میں آکر ہمارے ساتھ بیٹھ جاتیں اور حارث اور فرحین کو خوش کرنے کی خاطر آنکھ مچولی میں شریک ہوجاتیں۔ میں نے ممی کی اس مجبوری سے بڑی خاموشی سے مفاہمت کرلی تھی کہ نانا جان کے مرنے تک وہ ہمیں اس قید خانے سے باہر نکال لے جانے سے قاصر تھیں۔

جاڑوں کے موسم کا ذکر ہے' ایک روز آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے جب بھیا چور بنے اور انہوں نے فرحین کو خاصی تگ ودو کرکے ڈھونڈ نکالنے کے بعد مجھے اور حارث کو پکارا تو حارث حسب عادت معصومیت سے مسکراتا ہوا ہمارے سامنے نہیں آکھڑا ہوا۔ بھیا نے دوبارہ پکارا........ پھر پکارا........ بار بار پکارا مگر وہ خدا جانے کہاں جادبکا تھا۔ جب کئی مرتبہ پکارنے کے باوجود بھی حارث ہمارے سامنے نہیں آیا اور نہ اس کی طرف سے کوئی آواز [illegible] سنائی ہوئی۔ بھیا اور میں نے [illegible] ایک ایک صندوق' ایک ایک الماری کے پیچھے اسے دیکھ ڈالا۔ فرنیچر کے ڈھیر میں دیکھا کہ کہیں کسی صوفے کے پیچھے' کسی مسہری کے نیچے یا کسی کرسی کی آڑ میں دب کر نہ بیٹھ گیا ہو مگر اس کا کچھ سراغ نہ ملا۔

"ارے کہیں وہ کسی ٹرنک یا الماری میں تو بند نہیں ہوگیا!" بھیا نے کہا اور آن کی آن انہوں نے اور میں نے ان الماریوں کے پٹ کھولنے اور صندوقوں کے ڈھکنے الٹنے شروع کردیئے جو غیر مقفل تھے۔

بھیا کا اندازہ درست نکلا۔

حارث ایک غیر مقفل ٹرنک میں نیم مردہ سی حالت میں ملا۔ اس کی رنگت زرد ہو رہی تھی اور ہونٹ نیلاہٹ مائل ہورہے تھے۔ بھیا اسے اس حالت میں دیکھ کر گھبرا گئے۔ میں روہانسی ہوگئی۔ اسے بازوؤں میں اٹھائے بھیا نے زینے کا رخ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "زری' جلدی سے نیچے چلو اور باتھ ٹب میں گرم پانی بھرو........ مگر زیادہ گرم نہ

ہو۔"

میں لپکی اور بھیا سے پہلے ہی نیچے جا پہنچی۔ غسل خانے میں جا کر میں نے ٹب بھرنے کے لئے نل کھولتے ہوئے غسل خانے کے دروازے سے کمرے میں دیکھا۔ بھیا نے حارث کو بستر پر لٹا دیا تھا اور اس کے نتھنے دبا کر اس کے نیلے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ دھرے اس پر جھکے ہوئے تھے۔ کیا وہ مر چکا تھا؟ اس ایک خدشے نے مجھے سرتاپا لرزا کر رکھ دیا۔

فرحین جو بالا خانے سے ہمارے پیچھے پیچھے لپکی چلی آئی تھی' حارث کی حالت دیکھ کر خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔

میرا دل بھی جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔ کتنی عجیب بات تھی کہ میں پاپا کی موت کے بعد آئے دن اپنے چہیتوں میں سے کسی نہ کسی کے مرنے کا خواب دیکھا کرتی تھی اور حارث اس وقت نیم مردہ حالت میں میری آنکھوں کے سامنے پڑا تھا۔ میں نے اس منظر کی تاب نہ لا کر آنکھیں بند کرلیں اور اتنی سختی سے اپنے جبڑے بھینچ لئے کہ میری کنپٹیاں چٹخنے لگیں۔ میں نے اپنے آنسو پیتے ہوئے خدا سے دعا کی.......... خدایا! حارث کو زندہ رکھنا' ورنہ میں مر جاؤں گی..........

خدا جانے یہ میری دعاؤں کا اعجاز تھا یا بھیا کی حارث کو مصنوعی تنفس دلانے کی کوششوں کا اثر کہ اس کی سانسوں کا سلسلہ بحال ہوگیا۔ بھیا اسے بازوؤں میں اٹھائے باتھ روم کی سمت آئے اور انہوں نے کہا۔ "اس نے سانس تو لینا شروع کردیا ہے۔ اب اس ے بدن و حرارت پہنچانے کی ضرورت ہے۔"

ہم نے بڑی سرعت سے حارث کے کپڑے اتارے اور اسے گرم پانی سے بھرے ٹب میں لٹا دیا۔ پھر بھیا اس کے پاؤں رگڑنے لگے اور میں اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کی ہتھیلیوں کو رگڑنے لگی۔

"ممی!" حارث نے اپنی حالت میں بہتری ہوتے ہی ممی کو پکارا۔ "مجھے اپنی ممی کے پاس جانا ہے۔" نقاہت اس کی آواز سے عیاں تھی۔ "ممی کو بلاؤ.......... میں ممی کی گود میں جاؤں گا۔" پھر اس نے یہی رٹ لگالی۔ وہ بار بار ممی کو پکارے گیا۔ اور ہر بار اس کی صدا میرے دل کو چیرتی چلی گئی۔ میرا جی چاہ رہا تھا' کمرے کی دیواروں پر اتنے مکے برساؤں کہ ان دیواروں کو منہدم کرڈالوں جو میرے معصوم بھائی اور اس کی ماں کے درمیان حائل ہوگئی تھیں۔

میں نے حارث کے ننھے ننھے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبوچ کر اس کے ہاتھوں کو پیار

کرتے ہوئے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "میری جان! تم مجھے اپنی ممی کیوں نہیں سمجھ لیتے؟ میں تمہارے لئے وہ سب کچھ کر گزر سکتی ہوں جو ممی کر سکتی ہیں۔ میں تمہیں اپنی گود میں لٹاؤں گی اور لوری سناؤں گی.......... تمہیں اپنے سینے سے لگاؤں گی اور پیار کروں گی۔"

بھیا جو حارث کے پیروں کی طرف بیٹھے اس کے پیروں کو سہلانے میں مصروف تھے' بھی اس بات پر ہاتھ روک کر مجھے قدرے تعجب سے دیکھنے لگے۔

میری آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے اور میں نے جھک کر اپنے لب حارث کی پیشانی پر دھر دیئے۔ بھیا نے سر جھکا لیا اور دوبارہ حارث کے پیروں کے تلوے رگڑنے لگے۔ میں بھی دوبارہ اس کی ہتھیلیاں سہلانے لگی۔

جب حارث کے چہرے کی رنگت بحال ہوگئی اور اس کے ہونٹوں کی نیلاہٹ پر سرخی غالب آگئی تو بھیا نے جھک کر اسے ٹب سے نکالا۔ اس کے جسم کو تولیے سے خشک کیا پھر ہم نے اسے گرم کپڑے پہنا کر' کمبل میں لپیٹ کر بستر پر لٹا دیا۔ میں نے اسے زبردستی دو بسکٹ کھلائے۔ تھرماس سے ایک پیالی نیم گرم دودھ نکال کر پلایا۔ پھر میں اسے اپنی آغوش میں لے کر بیٹھ گئی اور میں نے اس کے چہرے پر اپنے لبوں سے مہر محبت دیوانہ وار ثبت کرنا شروع کردی اور ایسا کرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں حارث کی بہن نہیں ہوں' ماں بن گئی ہوں۔

حارث کو دوبارہ زندگی کی آغوش میں دیکھنے کے بعد بھیا چپ چاپ زینے سے بالا خانے میں چلے گئے اور فرحین میرے نزدیک بیٹھ کر بہت خاموشی سے حارث کو دیکھنے لگی۔

"باجی! مجھے ممی چاہئے ممی کو بلائیں۔" حارث بولا۔

"جان! میں بھی تو تمہاری ممی ہوں۔"

"نہیں' آپ ممی نہیں ہیں۔ آپ باجی ہیں" وہ منمنایا۔

میں نے جھک کر اس کی پیشانی چومنے کے بعد کہا۔ "بڑی بہن بھی ماں کے برابر ہوتی ہے۔"

حارث متذبذب نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"جان! میں بھی تم سے ممی جتنا پیار کرتی ہوں اور تمہارے لئے وہ سب کچھ کر سکتی ہوں جو تم ممی سے چاہتے ہو۔"

حارث چپ چاپ مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے اپنے دونوں بازو کمبل سے نکال کر میری گردن میں حمائل کردیئے اور اپنا چہرہ میرے سینے میں چھپاتے ہوئے بولا۔ "مجھے نیند

آرہی ہے ممی۔"

میرے اللہ سینے میں ممتا ٹھاٹھیں مارنے لگی۔

اچانک بالاخانے سے کھٹ پٹ اور توڑ پھوڑ کی آوازیں نیچے سنائی دینے لگیں اور میں نے اس خیال سے دم سادھ لیا کہ یہ آوازیں نانی جان یا زیریں منازل پر کسی اور فرد نے سن لیں تو کیا ہوگا؟

کچھ دیر بعد یہ آوازیں تھم گئیں اور بھیا نیچے اتر آئے۔

"کیا کر رہے تھے آپ؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے غیر مقفل صندوقوں کے ڈھکنے توڑ ڈالے ہیں۔" بھیا بولے۔

"اگر یہ شور نیچے کسی نے سن لیا ہوگا تو؟"

"اچھا ہے سن لے۔" بھیا نے سرفروشانہ انداز میں کہا اور میں ان کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

پھر بھیا بھی میرے نزدیک ہی بیٹھ گئے اور بڑی محبت سے حارث کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ میری نظر سنگھار میز کے آئینے کی سمت اٹھی۔ بھیا اور میں اس وقت ڈیڈی اور ممی کی شبیہہ دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر فرحین کو اپنے نزدیک کھینچ لیا اور اسے بھی اپنی آغوش میں دبکاتے ہوئے بھیا سے کہا۔ "آج سے میں ان دونوں کی ممی بن گئی ہوں۔"

بھیا نے اپنا بازو میرے شانوں پر دراز کر دیا اور بوجھل آواز میں بولے۔ "یہ وقت ہماری آزمائش کا وقت ہے اور ہم سے قربانی چاہتا ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو بھلا کر ان دونوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ خدا نے چاہا تو یہ دن بہت جلد گزر جائیں گے پھر ہماری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوگا......... مسرتوں سے بھرپور دور!"

☆------☆------☆

موسم سرما کے تیور خاصے تیکھے تھے۔ بالاخانہ یخ رہنے لگا تھا۔ جسم کو چیر دینے والی سرد ہوا بالاخانے کی نیم وا کھڑکیوں پر پڑی چقوں کے جھروکوں سے بالاخانے میں در آتی اور برودت بالا خانے سے دبے پاؤں ہمارے کمرے میں بھی چلی آتی۔ بھیا کی رائے تھی کہ بالاخانے کی کھڑکیوں کو بند کر دینا چاہئے لیکن میں اس کے حق میں نہ تھی کیونکہ ان کھڑکیوں کے نیم وا پٹ میرے دل کو یہ تسلی دیتے رہتے تھے کہ اس زنداں سے باہر ایک دنیا ہماری واپسی کی منتظر تھی۔

حالانکہ حارث اور فرحین کو میں دن بھر گرم کپڑوں میں ملبوس رکھتی تھی اور سردی

کے بعد سے ہم نے انہیں بالاخانے میں لے جانا بھی ترک کر دیا تھا مگر اس کے باوجود ایک روز حارث کو ٹھنڈ نے آدبوچا۔ اس کا معصوم چہرہ تمتما اٹھا اور وہ سر اور ہاتھ پیروں میں درد کی شکایت کرنے لگا۔ میں نے اسے اسپرین کی ٹکیا دی مگر اس کی حالت میں کوئی افاقہ نہ ہوا۔ شام تک اسے بخار نے بھی آلیا۔

رات کو جب ممی ہمارے کمرے میں آئیں تو وہ بری طرح کھانس رہا تھا اور اس کا سانس ہانپ رہا تھا۔

ممی تھرما میٹر لانے کے لئے کمرے سے باہر چلی گئیں اور جب واپس لوٹیں تو نانی بھی ان کے پیچھے پیچھے تھیں۔ جب ممی نے حارث پر جھک کر تھرما میٹر اس کے منہ میں دیا تو اس نے ممی کو یوں دیکھا جیسے کوئی فرشتہ اس کا نجات دہندہ بن کر آسمان سے اتر آیا ہو۔

اس کا بخار دیکھنے کے بعد ممی نے اسے بخار کی ایک گولی دی پھر اسے اچھی طرح کمبل میں لپیٹ کر اپنی آغوش میں لے کر بیٹھ گئیں۔ دکھ اور پریشانی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ ان کی آنکھوں میں تشویش ہلکورے لے رہی تھی اور ان کے لب دھیرے دھیرے یوں حرکت کر رہے تھے جیسے وہ زیر لب حارث کے اچھا ہوجانے کی دعا مانگ رہی ہوں۔

نانی جان جو چپ چاپ کھڑی تھیں، ممی کے حارث کو اپنی آغوش میں لے کر بیٹھ جانے کے بعد ہمارے کمرے سے چلی گئیں۔

"ممی! درد ہو رہا ہے سر میں۔" حارث نے ممی سے کہا۔

"بیٹا! ٹھیک ہو جائے گا درد۔" ممی نے ہولے ہولے اس کا سر دباتے ہوئے کہا۔

اس رات ممی کافی دیر تک حارث کو لئے بیٹھی رہیں۔ حارث انہیں جانے کی اجازت ہی نہ دے رہا تھا تاہم جب وہ سو چکا تو ممی نے اسے آہستگی سے بستر پر لٹایا اور مائل بہ رخصت ہوئیں۔

"ممی! آج آپ یہیں سو جائیے۔" میں نے ان سے کہا۔

"نہیں بیٹے۔ میں یہاں نہیں سو سکتی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ صبح جب ملازمہ بیڈ ٹی لے کر آئے گی تو مجھے بستر پر نہ پاکر وہ میری عدم موجودگی پر متجسس بھی ہو سکتی ہے اور دوسرے ملازموں کے ساتھ مل کر فسانے بھی تراش سکتی ہے۔"

"میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ اگر حارث کی طبیعت رات کو زیادہ خراب ہو گئی یا اس نے آپ کے پاس جانے کی ضد کی تو............ دن بھر یہ آپ ہی کو یاد کرتا رہا۔"

"ابھی تو سو گیا ہے۔ میں علی الصبح اسے دیکھنے کے لئے آؤں گی۔ رات کو میرا یہاں رکنا ممکن نہیں ہے۔" ممی نے مجھے پیار کیا اور بولیں۔ "میری مجبوری تو تم سمجھ سکتی ہو بیٹا۔"

"آل رائٹ۔" ممی کے لبوں کا میٹھا لمس مجھے اکثر اسی طور بے بس کر دیا کرتا تھا۔

رات کے پچھلے پہر حارث جاگ گیا اور اس نے بے تابانہ ممی کو پکارنا شروع کر دیا۔ میں اسے تھپکتے ہوئے یہ یقین دہانی کراتی رہی کہ صبح ہوتے ہی ممی آجائیں گی۔

صبح ہونے تک حارث کا ٹمپریچر اور بڑھ گیا۔ اس کی ناک بری طرح بہہ رہی تھی۔ سینہ بھاری تھا اور کھانس کھانس کر اس کا حال برا ہوا جا رہا تھا۔ علی الصبح جب نانی جان کھانے کی باسکٹ لے کر آئیں تو ممی بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ وہ ذرا سی دیر کو آئیں اور حارث کو دیکھ کر اور اسے پیار کر کے مجھے اس کی دیکھ بھال کے بارے میں چند ہدایات دے کر چلی گئیں۔

دن بھر سخت پریشانی کے عالم میں گزرا۔ اسے بار بار اپنی آغوش میں سمیٹ کر بیٹھ جاتی مگر میری آغوش میں اسے ماں کی آغوش کی سی خوشبو اور سکون نہ مل پاتا تھا۔

اگلے روز فرحین بھی حارث کے ساتھ بستر پر پڑ گئی۔ دونوں کو شدید کھانسی تھی۔ دونوں کی ناکیں بہہ رہی تھیں اور ہونٹ [illegible] اور ہیں انتہائی پریشان اور دل گرفتہ تھے۔

ہفتہ بھر گزر گیا اور ان دونوں کی حالت بہتر ہونے کے بجائے ابتر ہوتی چلی گئی۔ ممی بھی سخت پریشان تھیں۔ ہمارے کمرے میں ان کی آمد رات کی آمد سے مشروط نہ رہی بلکہ انہیں جیسے ہی موقع ملتا' وہ ان دونوں کو دیکھنے چلی آتیں۔ نانی جان سائے کی طرح ان کے ساتھ ساتھ ہوتیں۔ انہیں ممی کے ساتھ یوں چپکے دیکھ کر مجھے شدید کوفت ہوتی۔

ممی دونوں بچوں کی طرف سے بے حد متفکر تھیں۔ ہفتہ بھر میں ان کی آنکھوں کے گرد حلقے سے پڑ گئے تھے۔ وہ انہیں زکام اور بخار کی دوا دیتیں۔ انہیں اورنج جوس پلاتیں۔ ان کے لئے چکن سوپ بنا کر لاتیں اور زبردستی انہیں پلاتیں۔ وہ جب آتیں' ان کا ٹمپریچر دیکھنا نہ بھولتیں۔

ایک روز فرحین کا بخار ایک سو پانچ درجے تک جا پہنچا اور ایسی نڈھال ہو گئی کہ ممی متوحش ہو گئیں۔ "اوہو! فرحین کو تو اب کسی ڈاکٹر کو دکھانا ہی پڑے گا یا پھر اسپتال لے جانا

ہوگا۔" ممی نے اس کا درجہ حرارت لینے کے بعد کہا۔ نانی جان جو ممی کے ساتھ ہمارے کمرے میں آئی ہوئی تھیں' بولیں۔ "نہ ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت ہے' نہ اسپتال لے جانے کی۔ بچے تو کبھی بیمار ہوتے ہیں۔ اگر سب کی مائیں تمہاری طرح گھبرا جایا کریں تو سارے بچے اسپتالوں میں ہی نظر آئیں۔ ڈاکٹر کیا جانیں کہ بچوں کو ہونے والی ٹھنڈ کا علاج کیونکر کیا جاتا ہے۔ ٹھنڈ لگ جائے تو تین باتیں لازم ہیں۔ بستر میں رہا جائے۔ مائعات کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے اور اسپرین باقاعدگی سے لی جائے اور تم یہی کر رہی ہو تو پھر بھلا ڈاکٹر کے پاس یا اسپتال لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ بڑے بوڑھوں کی کہاوت ہے کہ ٹھنڈ تین دن آنے میں لگاتی ہے' تین دن رہتی ہے اور تین دن واپس جانے میں لگتی ہے۔ چھ سات دن تو ہو ہی چکے' دو تین دن میں یہ بھلے چنگے ہو جائیں گے۔"

نانی جان کے بیان کردہ حساب کے مطابق حارث اور فرحین کو نو دن میں صحت یاب ہو جانا چاہئے تھا مگر انہیں صحت یاب ہونے میں انیس دن لگے۔ بے چاروں کو نہ کسی ڈاکٹر کو دکھایا گیا نہ کوئی خاص نسخہ آزمایا گیا۔ بس زکام اور بخار کی عام ٹکیوں اور کھانسی کے شربت پر ہی رہے۔ ممی ان کی بیماری کے ابتدائی آٹھ دس روز خاصی متفکر رہیں پھر کچھ بے فکر سی ہو کر بے نیازی برتنے لگیں۔ بھیا اور میں دن رات ان کی تیمارداری میں لگے رہے۔ کبھی حارث پانی مانگتا تو کبھی فرحین۔ کبھی ایک رونے لگتا تو کبھی دوسرے کو سنبھالنا اور بہلانا پڑتا۔ بھیا اور میں انہیں کندھے سے لگائے تھپکار [illegible] سو جاتے۔ کھانے پینے سے تو دونوں ہی نے منہ موڑ لیا تھا۔ انہیں جوس یا چکن سوپ پلانے' چھوٹا سا بسکٹ چونگانے کے لئے ہمیں ان کی انتہائی منت سماجت کرنا پڑتی۔ ان کی بخار سے جلتی سرخ آنکھیں دیکھ کر میرا دل بے تحاشا دکھنے لگتا۔ جس علالت کو کسی اچھے معالج کی خدمات سے دو چار دن میں بھگایا جا سکتا تھا' وہ اس قدر طول کھینچ گئی تھی کہ وہ معصوم جانیں بے جان سی ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کے چہروں پر پیلاہٹ اور مردنی چھا گئی تھی۔ آنکھیں حلقوں میں دھنس گئی تھیں۔ کبھی وہ ممی کی طلب میں رونے لگتے اور کبھی انہیں بہتی ہوئی ناک سے جھنجلاہٹ ہونے لگتی۔ کبھی کھانسی بدحال کر دیتی تو کبھی ٹمپریچر آسمان سے باتیں کرنے لگتا اور وہ ہذیانی کیفیت میں بڑبڑانے لگتے اور کبھی سوتے میں ڈر کر اٹھ جاتے۔

بھیا اور میں دن رات ان کی تیمارداری کرتے کرتے خود کو بیمار محسوس کرنے لگے۔ میں دن رات اپنے ننھے منے سے بھائی اور پیاری بہن کی صحت یابی کے لئے خدا سے دعائیں مانگے جاتی۔ ان دو ننھی ننھی خوشیوں کے سوا اور ہمارے دامن میں رہا ہی کیا تھا!

"اللہ میاں جی! آپ ان دونوں کو پہلے کی طرح اچھا بھلا کر دیجئے۔" میں اللہ سے صدق دل سے دعا مانگتی۔

میری دعائیں مستجاب ہوئیں۔ بھیا کی اور میری دن رات کی ریاضت نے آخر کار ثمر پایا۔ حارث اور فرحین صحت یاب ہو گئے مگر بیماری نے انہیں بہت کمزور کر دیا تھا۔ ان کے چہروں سے نقاہت ٹپکتی تھی اور چلنے میں ان کے پاؤں یوں ڈگمگاتے جیسے وہ پہلی مرتبہ چلنا سیکھ رہے ہوں۔ حارث تو فطرتاً تھا ہی خاموش طبع' اس بیماری نے فرحین کو بھی جو دن بھر چہچہاتی رہتی تھی' چپ سی لگا دی تھی۔ جب وہ کسی بات پر مسکراتے تو ان کی مسکراہٹ بڑی پھیکی سی لگتی۔

میں بڑی حسرت سے انہیں دیکھتے ہوئے یہی سوچ جاتی کہ ایسی کون سی تدبیر آزماؤں کہ ان کے چہروں کی پرانی رنگت' ان کے جسموں کی وہ پرانی طاقت اور تقویت' ان کی آنکھوں کی چمک' ان کی مسکراہٹ اور فرحین کے چہچہے دوبارہ واپس لوٹ آئیں۔

بھیا بھی ان کے بارے میں خاصی تشویش میں مبتلا تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی ایسی صورت بنے کہ وہ دونوں پھر پہلے کی طرح نظر آ سکیں تاہم ممی اس سلسلے میں اتنی متفکر نہ تھیں جتنا کہ انہیں ہونا چاہئے تھا' اور ایک روز جب ہم دونوں نے ان کی توجہ حارث اور فرحین کی جسمانی کمزوری کی جانب مبذول کرائی تو وہ بولیں۔ "ان دونوں کو وٹامنز کی ضرورت ہے بلکہ تم دونوں کو بھی۔ میں ایک آدھ روز میں کسی کیمسٹ سے تم لوگوں کو وٹامن کے کیپسول یا کوئی اچھا سا وٹامن سیرپ لا دوں گی۔"

اس روز وہ نئے طلائی جوڑے میں ملبوس تھیں۔ جب سے وہ یہاں آئی تھیں' نت نئے خوبصورت اور خوش رنگ ملبوسات ان کی شخصیت کا حصہ بن گئے تھے۔ ان کے بالوں کا نیا انداز آرائش چغلی کھا رہا تھا کہ وہ ضرور کسی بیوٹی پارلر گئی تھیں۔ ان کے چہرے کی شادابی ان کے چار بچوں کی ماں ہونے سے انکار کرتی محسوس ہوتی تھی۔

"کیا وٹامن کے کیپسول یا سیرپ تازہ ہوا اور دھوپ کا.......... نعم البدل ثابت ہو سکتے ہیں؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا!" ممی نے تیوریوں پر بل ڈال کر مجھے دیکھا۔

میرے جی میں تو آیا' جھبک کر کہوں' میرا مطلب یہ ہے کہ حارث اور فرحین کی علالت کے ابتدائی آٹھ دس روز کے علاوہ آپ نے ان سے اس قدر بے توجہی کیوں برتی؟ مگر میں نے اپنے غصے پر بدقت تمام قابو پاتے ہوئے کہا۔ "حارث اور فرحین کو وٹامنز کی نہیں' تازہ ہوا اور دھوپ کی ضرورت ہے۔"

ممی نے ابرو چڑھا کر پھر مجھے دیکھا اور بولیں۔ "زری! تم میری مجبوریوں اور حالات کو سمجھنے کے بجائے اکثر میری مشکلات میں اضافے کے در پے نظر آتی ہو.......... دکھ دکھ پہنچاتی ہو۔"

"دکھ اور مشکل میں تو ہم ہیں ممی!" میں نے تلخی سے کہا۔

ممی نے ناگواری سے مجھے دیکھا۔

بھیا آگے بڑھے اور انہوں نے مجھے نگاہوں ہی نگاہوں میں میرے اس احتجاجی رویے سے دستبردار ہو جانے کی تنبیہہ کی مگر میں نے ان کی پروا نہ کرتے ہوئے خاصی افروختگی سے ممی سے پوچھا۔ "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ہمیں اس قید خانے میں اور کتنے دن رہنا ہوگا؟"

"زیادہ نہیں۔ بس تھوڑے سے دن اور۔" ممی نے جواب دیا۔ ان کے تیوروں سے یہ اندازہ کرنا محال نہ تھا کہ وہ بڑی مشکل سے اپنے غصے کو دبا سکی تھیں۔

"کتنے دن؟ ایک ماہ؟ دو ماہ؟ یا اس سے بھی زائد؟"

"شاید.........."

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہری سانس کھینچنے کے بعد کہا۔ "جہاں ہم نے اتنے دن گزار دیئے' وہاں کچھ عرصہ اور سہی مگر آپ کو اس دوران حارث اور فرحین کو تازہ ہوا اور دھوپ میں ضرور لے جانا ہوگا۔ آپ کو نانا جان نے گاڑی تو دے ہی دی ہے۔ آپ انہیں باہر گھمانے پھرانے لے جائیے۔ تازہ ہوا اور دھوپ ان کی صحت پر اچھے اثرات ڈالے گی۔ بھیا اور میں یہیں رہیں گے۔ بس آپ ان دونوں کو لے جائیں۔"

"ناممکن ہے یہ۔" ممی نے شعلہ بار نظروں سے مجھے دیکھا۔

"کیوں ناممکن ہے؟"

"کیونکہ ملازم اندھے نہیں ہیں۔ وہ دیکھ لیں گے۔"

"آپ چھٹی والے دن انہیں لے جا سکتی ہیں۔"

"چھٹی والے دن بھی ایک دو نوکر تو ڈیوٹی پر ہوتے ہیں اور جو چھٹی پر ہوتے ہیں' وہ کون سا پہاڑ اور جنگل ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے مجھے دو بچوں کو گاڑی میں بٹھائے جاتے دیکھ لیا تو بات کہیں سے کہیں جا پہنچے گی۔"

"یعنی آپ انہیں باہر نہیں لے جا سکتیں؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو ان کے لئے کیلے ہی لا دیا کریں۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان دونوں کو

کیلے کتنے پسند ہوا کرتے تھے اور ہم لوگ جب سے یہاں آئے ہیں' انہیں کیلے دیکھنے تک کو نہیں ملے۔"

"کیلے تو میں ڈھیروں لادوں گی۔ دراصل بابا کو کیلے بالکل پسند نہیں بلکہ سخت ناپسند ہیں' اس لئے تمہاری نانی جان کیلئے کبھی نہیں منگوا سکتیں۔"

"بہرحال ان دونوں کو پسند ہیں۔ اگر آپ لاکر دے سکیں تو لا دیجئے گا۔"

"ضرور۔" ممی نے کہا پھر ذرا دیر قبل کی برافروختگی کو بھلا کر مجھ سے بڑی محبت سے بولیں۔ "اور تمہیں اپنے لئے کچھ چاہئے؟"

"آزادی!" میں نے بلا خوف کہا۔ "میں اس قید خانے سے رہائی چاہتی ہوں۔ میں ایک کمرے میں بند رہتے رہتے تھک چکی ہوں۔ میں اس کمرے سے باہر جانا چاہتی ہوں۔ میں حارث اور فرحین کو بھی باہر دیکھنا چاہتی ہوں اور بھیا کو بھی۔ آپ ایک گھر کرائے پر لے لیں' خرید لیں.......... یا چرا لیں۔ مگر خدا کے واسطے ہمیں اس گھر سے نکال لے جائیں۔ ہم محنت مزدوری کریں گے' بھیک مانگ لیں گے' مگر قید تو نہ ہوں گے۔"

"زری!" ممی نے لجاجت سے کہا۔ "میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں' تم چاروں کے بہتر مستقبل کے لئے۔ کیا میں تم لوگوں کے لئے تحائف نہیں لاتی؟ کیا میں تمہاری ضروریات کا خیال نہیں رکھتی؟ ٹھیک ہے' مجھے حارث اور فرحین کے لئے کیلے خرید کر لانے کا خیال نہیں آیا مگر اس کے علاوہ تو میں ان کی اور تمہاری پسند کی سبھی چیزیں لاتی رہی ہوں.........."

"کاش! آپ نے ہمیں یہ سب کچھ نہ دیا ہوتا' کھلی اور آزاد فضاؤں میں سانس لینے [illegible] دیا ہوتا۔" میں نے توقف کرنے کے بعد مزید کہا۔ "آپ نے ہم سے یہ کہا تھا کہ ہمیں چند دن یہاں رہنا ہوگا پھر.........."

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں اپنے باپ کا گلا گھونٹ ڈالوں۔" ممی نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا پھر انہوں نے دروازے کا رخ کیا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئیں۔

دروازے کا قفل چڑھانے کی آواز میرے دل کو چیرتی چلی گئی۔ بھیا میرے روبرو آکھڑے ہوئے اور بولے۔ "زری! تم ممی کو کیوں پریشان کرتی ہو؟ کیوں ان سے بدتمیزی کرتی ہو؟ کیوں ان سے ایسی طنزیہ اور جلی کٹی باتیں کرتی ہو؟ ان سے جو کچھ بن پڑتا ہے' وہ ہمارے لئے کرتی تو ہیں.......... کیا یہ کم ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے بچ بچا کر چوری چھپے ہم سے ملنے آتی ہیں اور تم انہیں اپنے سوالوں سے عاجز کر دیتی ہو۔ یوں جیسے تمہیں ان پر بھروسا ہی نہیں۔ کیا تمہیں ان کی مشکلات کا اندازہ ہے؟ کیا تمہارے خیال میں

انہیں یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہوگی کہ ان کے چار بچے ایک کمرے میں قید ہیں؟ کیا وہ ہماری ضرورتوں کا خیال نہیں رکھتیں؟ کیا وہ ہمارے لئے نئے نئے کپڑے نہیں لاتیں؟"

"نئے کپڑے!" میں نے تلخی سے کہا۔ "نہیں چاہئیں مجھے نئے کپڑے۔ اس قید میں کون بیٹھا ہے ہمارے نئے کپڑے دیکھنے کو؟ بس ایک وہ بڑی بی آجاتی ہیں جو اتفاق سے ہماری نانی جان ہیں اور وہ تو.......... ہمیں نئے کپڑوں میں ملبوس دیکھنے کے بجائے چیتھڑوں میں دیکھ کر زیادہ خوش ہوں گی۔"

خیر تم ممی کو زیادہ پریشان مت کیا کرو' ورنہ مجھے ڈر ہے کہ وہ ہمارے پاس آنا ہی چھوڑ دیں گی۔"

"ان کے آنے یا نہ آنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے گھائل لہجے میں کہا۔

"تمہیں نہ پڑتا ہوگا مگر مجھے پڑتا ہے۔" بھیا کی آواز میں لرزش تھی۔ میں نے پلٹ کر ان کی آنکھوں میں دیکھا وہاں نمی لہرا رہی تھی۔

بھیا کو ممی سے ہمیشہ سے بہت محبت رہی تھی۔ ممی کو وہ کسی دیوی کی طرح چاہتے تھے۔

اور مجھے بھیا سے بہت پیار تھا۔

سو میں نے ہمیشہ کی طرح ان کے جذبات کے احترام میں ہتھیار پھینک دیئے۔

☆------☆------☆

حارث اور فرحین کی علالت کے بعد سے میں انہیں اپنے دائیں بائیں لے کر سونے [illegible]

ایک رات حارث سوتے سے اٹھ بیٹھا اور اس نے مجھے جھنجوڑنا شروع کر دیا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور میں نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے" وہ منمنایا۔

"کاہے سے؟" میں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"ہوا سے۔"

"ہوا سے!"

"ہاں" وہ بولا۔ "ہوا زور زور سے چل رہی ہے۔ اس سے بولیں' کہیں اور چلی جائے۔"

"جان' ہوا کو تو بس اللہ میاں کہیں اور بھیج سکتے ہیں' میں نہیں بھیج سکتی۔"

"اچھا تو پھر اللہ میاں سے کہیں' ہوا کو کہیں اور بھیج دیں' حارث کو ہوا سے ڈر لگ

رہا ہے۔"

"مگر حارث کو ہوا سے ڈر کیوں لگ رہا ہے؟" میں نے بھیا کی طرف دیکھا جو ہماری آوازوں سے جاگ چکے تھے۔

"کیونکہ ہوا حارث کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔"

ایک عجیب سے خیال نے میرا دل بے اختیار اپنی مٹھی میں دبوچ لیا۔ میں نے حارث کو اپنی آغوش میں دبوچ کر اس کے سر کو چومتے ہوئے کہا۔ "میری جان! تم ڈرو مت باجی تمہارے پاس ہے۔"

اس نے اپنا چہرہ میرے سینے میں چھپالیا پھر دھیرے سے منمنایا۔ "باجی' کہانی سنائیں۔"

میں نے اسے چار بچوں اور ان کی ممی ڈیڈی کی کہانی سنانا شروع کردی جو ایک آرام دہ اور خوبصورت گھر میں رہا کرتے تھے۔ اس گھر میں ایک باغ بھی تھا جہاں بیج بیج کے پھول کھلتے تھے جو موسم بہار میں آپ ہی کھل اٹھتے اور خزاں میں آپ ہی مرجھاتے۔ جہاں اونچے اونچے درخت تھے اور ان درختوں میں جھولے پڑے تھے۔ جہاں بیج بیج بھونکنے والا ڈوگی تھا اور میاؤں میاؤں کرنے والی مانو.......... جہاں چڑیاں چوں چوں کرتی تھیں اور پرندے گیت گاتے تھے۔ جہاں کمروں کے دروازے میں قفل نہ لگائے جاتے تھے اور کھڑکیوں پر ہمہ وقت پردے نہ گرے رہتے تھے۔

کہانی سنتے سنتے حارث سو گیا۔

میں نے اسے اپنی آغوش سے [illegible] کرتے ہوئے بھیا کی جانب دیکھا۔ وہ میری سمت ہی دیکھ رہے تھے۔ ان کا چہرہ گہری سنجیدگی اور بردباری کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ میرا دل بے تحاشا دکھنے لگا۔ وقت نے ہمیں ہماری اصل عمروں سے کتنا آگے لے جاکر کھڑا کیا تھا۔ بھیا کی پندرہویں سالگرہ چند ہفتے قبل ہی تو منائی گئی تھی اور ان کی سالگرہ پر فقط ایک کیک اور آئس کریم کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ممی نے ان کی سالگرہ پر انہیں پولو رائیڈ کیمرا اور سنہری کلائی گھڑی بطور تحفہ دی تھی اور وہ بہت خوش ہوئے تھے۔ ممی کے ہاتھوں بھیا کتنی آسانی سے خوش ہوجایا کرتے تھے؟

کاش وہ سمجھ سکتے کہ ہماری ممی اب ویسی نہیں رہی تھیں جیسی وہ ڈیڈی کے زمانے میں ہوا کرتی تھیں۔ کیا وہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ ممی کتنی بدل گئی تھیں؟ اب تو انہوں نے روزانہ ہمارے کمرے میں آنے کے بجائے وقفہ دینا شروع کردیا تھا۔

☆-------☆-------☆

ہمارے پاس شمسی کیلنڈر تو تھا مگر قمری دنوں کا ہم کوئی حساب کتاب نہ رکھ پائے تھے۔ ماہ صیام کب شروع ہوا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ ستائیسویں روزے کو ممی نے ہمیں بتایا کہ دو یا تین روز بعد عید آرہی تھی۔

عید! ہم حیران رہ گئے کہ دو یا تین دن بعد عید آرہی تھی اور ہمیں خبر ہی نہ تھی۔ گزشتہ عیدوں کی یادوں نے میرے دل کو اپنی مٹھی میں دبوچ لیا۔ وہ عیدیں جو ڈیڈی کے انتقال سے پہلے ہماری زندگی میں آئی تھیں۔ کتنی تیاریاں اور کتنا اہتمام ہوا کرتا تھا۔ چاند رات کو ڈیڈی ہمیں بازار لے جاتے۔ ممی کو اور مجھے کلائیاں بھر بھر کانچ کی چوڑیاں پہنواتے۔ جب سے فرحین دنیا میں آئی تھی وہ بھی اپنا حصہ بنانے لگی تھی۔ چوڑیاں پہننے کے بعد ممی پہلے میرے ہاتھوں پر مہندی لگواتیں پھر اپنے ہاتھوں پر۔ رات بھر رت جگا رہتا۔ عید کا دن ہمارے لئے اپنے اپنے دامن میں ڈھیروں خوشیاں سمیٹے آتا۔ ممی اور ڈیڈی ہمیں نہ صرف عیدی دیتے بلکہ تحائف بھی۔ عید کا دن جس کی تیاریاں مہینہ بھر جاری رہا کرتی تھیں یادگار دن گزرتا اور بہت سی خوشگوار یادیں اپنے پیچھے چھوڑ جاتا۔

گو اس بار عید دبے پاؤں اور قدرے سوگوار سی آرہی تھی مگر پھر بھی ہم اس کے استقبال کی تیاریوں میں لگ گئے۔ اپنے محدود وسائل میں ہمیں اپنے چہیتوں کے لئے عید کے تحائف تیار کرنے تھے اور وہ بھی حزم واحتیاط کے ساتھ کہ جن کے لئے ہم تحائف تیار کرنے جارہے تھے انہیں پہلے سے خبر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حارث اور فرحین کے لئے ہم نے ان کے سوجانے کے بعد رات کی تنہائی میں کپڑے اور روئی کے کھلونے تیار کئے۔ حارث کے لئے سفید اور نرم سی بج بس لی آمھوں لی جلد ہم نے موتی ٹانکے تھے۔ جبکہ فرحین کے لئے ہم نے گڑیا بنائی جس کے چہرے کے نقوش بھیا نے رنگوں سے ابھارے۔ ممی کے لئے میں نے بیلا اور گلاب کی ننھی ننھی کاغذی کلیاں بنا کر انہیں گجرے کی صورت موٹے دھاگے میں پرو دیا۔ بھیا کے لئے میں نے باتھ روم میں چھپ چھپ کر ایک رومال کاڑھا جبکہ بھیا نے میرے لئے خدا جانے کب اور کہاں چھپ کر گتے کا ایک جیولری بکس بنایا اور اس پر آبی رنگوں سے بڑے دلکش نقش و نگار بنائے۔ ایک دوسرے کے لئے ان تحائف کا عقدہ ہم پر عید کے دن کھلا۔

انتیسویں روزے کو بھیا نے مجھ سے کہا۔ "ہمیں نانی جان کے لئے بھی کوئی تحفہ تیار کرنا چاہئے۔"

"نانی جان کے لئے!" میں نے بھیا کے الفاظ قدرے استعجاب سے دہرائے۔

"ہاں۔"

"کیا آپ مذاق کر رہے ہیں؟"

"نہیں۔" بھیا بولے۔ "میں پوری سنجیدگی کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں۔ آخر وہ ہماری نانی ہیں اور ان کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں اپنے گھر میں رہنے کو جگہ دے رکھی ہے اور بلاناغہ ہمیں ناشتہ اور دو وقت کا کھانا پہنچاتی ہیں۔ انہیں عید کا تحفہ دے کر ہم ان کے ان احسانات کی شکر گزاری ظاہر کرسکتے ہیں اور کیا عجب کہ ہمارا تحفہ نانی جان کے دل کو ہمارے لئے برمانے میں کامیاب ہوجائے اور ہم ان کی محبت جیت لیں۔"

"ناممکن۔" میں نے کہا۔ "وہ بہت سخت دل کی عورت ہیں۔"

"آزما لینے میں کیا حرج ہے؟"

چنانچہ ہم نے مسلسل کئی گھنٹے کام کرکے نانی جان کے لئے ایک تحفہ تیار کیا۔ بالاخانے میں سے گتے کا ایک بڑا ٹکڑا تلاش کرکے ہم نے اس پر سفید کپڑا چڑھایا اور اس پر ایک باغ کی نقشہ کشی کی۔ میرے پاس گل سازی کا سامان تو تھا ہی۔ بھیا نے دفتی پر چڑھے کپڑے پر روغنی رنگوں سے گھاس' درختوں اور پودوں کے تنے اور شاخیں بنا دیں۔ میں نے سبز مخمل کی ننھی ننھی پتیاں کاٹیں اور شاخوں کو ان سبز پتوں سے لدا پھندا دیا۔ پھر سرخ' زرد اور فیروزی مخمل کے پھول تراش کر پھل بھی درختوں اور پودوں پر چپکا دیئے۔ سرخ اور جامنی رنگ کی ساٹن کی تتلیاں تراشیں اور انہیں پھلوں پر رقصاں دکھایا۔ روئی سے پرندوں کے نقوش ابھارے اور انہیں آبی رنگوں سے رنگ دیا۔ پرندوں کی آنکھیں [illegible] اس فن پارے کو ہم نے ایک کاغذ میں لپیٹ کر اس پر رنگین ڈوری باندھ دی۔ بھیا نے ایک تہنیت نامہ بنایا اور اس پر جلی حروف میں۔ "نانی جان کو ہم چاروں کی طرف سے عید مبارک" لکھ کر اس تہنیت نامے کو کاغذ میں لپٹے تحفے پر چپکا دیا۔

گو ہم نے اپنے طور پر عید کے استقبال کی تیاریاں انتیس کو مکمل کرلی تھیں مگر چاند تیس کا ہوا۔ غنیمت ہوا کہ انتیس کی شب ممی نے ہمیں آکر بتایا کہ چاند دکھائی نہیں دیا تھا' ورنہ شاید ہم رات بھر چاند کی بابت متذبذب رہتے اور بالاخانے کی کھڑکیوں پر پڑی چقوں کے جھروکوں سے آسمان کو تکتے رہتے۔

اگلی رات چاند رات تھی۔ اس رات ممی نصف شب کے وقت لدی پھندی سلے سلائے نئے ملبوسات اور نئے جوتے لائی تھیں۔ فرحین کے اور میرے لئے ہمارے عید کے جوڑوں کے ہم رنگ چوڑیاں بھی تھیں۔ ہیئر بینڈز اور ہیئر کلپ بھی۔ میرے لئے دلکش مصنوعی زیورات بھی تھے۔ ممی مہندی کون بھی لائی تھیں جس سے انہوں نے پہلے

ہاتھوں پر بیل بوٹے بنائے پھر فرحین کی ننھی ننھی ہتھیلیوں پر نقش و نگار بنائے جو گہری نیند سو رہی تھی۔

صبح جب ہم بیدار ہوئے تو ہمارے کمرے میں ممی کی جانب سے ہمارے لئے خوبصورت تحائف موجود تھے جو وہ ہمارے سونے کے بعد رات کو ہمارے کمرے میں رکھ گئی تھیں۔ حارث اور فرحین کے لئے رنگ برنگے خوبصورت کھلونے تھے۔ بھیا کے لئے [illegible] اور میرے لئے میک اپ بکس!

فرحین کے جاگ جانے کے بعد جب میں نے اس کو باتھ روم میں لے جاکر اس کا ہاتھ منہ دھلوایا تو وہ اپنے ہاتھوں پر مہندی لگی دیکھ کر پہلے تو متعجب ہوئی پھر بہت مسرور [illegible] دینے لگی۔

عید کی صبح جب نانی جان حسب معمول کھانے کی باسکٹ لے کر ہمارے کمرے میں آئیں تو ہم لاکھ ہمت کرنے کے باوجود انہیں عید مبارک نہ کہہ سکے۔ عید کے دن بھی ان کے چہرے پر وہی سختی' درشتی اور غیریت کا احساس تھا۔ وہ کھانے کی باسکٹ میز پر رکھ کر واپس جانے لگیں تو میں' بھیا کی آنکھ کا اشارہ پاکر نانی جان کو عید کا تحفہ پیش کرنے کو آگے بڑھی۔

بھیا نے یہ ذمے داری مجھے اس لئے تفویض کی تھی کہ انہیں اس امر کا بخوبی احساس تھا کہ نانی جان انہیں ڈیڈی سے ان کی انتہائی مشابہت کے سبب ناپسند کرتی تھیں۔ [illegible] نانی جان جانے جانے [illegible] ہیں۔ میں ان کے نزدیک گئی اور میں نے کاغذ میں لپٹا وہ تحفہ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ.......... .... آپ.......... کے.......... لئے.......... ہماری طرف سے.......... عید کا.......... تحفہ ہے۔"

نانی جان کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ انہوں نے خشونت سے مجھے دیکھا اور اس تحفے کو جو ہم نے بڑی محنت اور لگن سے ان کے لئے تیار کیا تھا اور جسے میں بصد احترام ان کی خدمت میں پیش کرنے کو آگے بڑھی تھی' شرفِ قبولیت بخشے بغیر کمرے سے نکل گئیں اور حسب معمول دروازہ مقفل کردیا۔

نانی جان کے اہانت آمیز رویے نے مجھے رنج اور دل گرفتگی کی ایسی شدید کیفیت سے دوچار کردیا کہ میں بھیا کی جانب دیکھنے کی بھی ہمت نہ کرپائی۔ میں نے ہاتھوں میں پکڑا وہ تحفہ جو ہم نے بڑی چاہت اور اس امید کے ساتھ بنایا تھا کہ شاید ہمارا تحفہ نانی جان کے دل کے بند کواڑوں پر دستک دینے میں کامیاب ہوجائے' نیچے پھینکا اور دیوانہ وار

پیروں تلے روندنے لگی۔ بھیا آگے بڑھے اور انہوں نے میرے بازو دبوچتے ہوئے کہا۔
"بیوقوف لڑکی! یہ کیا کر رہی ہو؟"
جذبات کی شدت سے میرا جی بھر آیا اور میں اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر گھٹ گھٹ کے رونے لگی۔
"اسے ہم اپنے کمرے میں سجا لیتے۔ تم نے خواہ مخواہ اسے برباد کردیا۔" بھیا نے بڑے ملال سے اس پامال شدہ تصویر کو دیکھا۔
میرے آنسو تھمے تو میں نے بھیا سے کہا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا نا...... نانی جان بہت سخت دل ہیں۔"
"کوئی بات نہیں۔" بھیا نے میرا شانہ بزرگانہ انداز میں تھپتھپاتے ہوئے مجھ دلاسا دیا اور بولے۔ "تم اپنا دل چھوٹا مت کرو۔ اب ہمیں کم از کم یہ افسوس تو نہیں ہوگا کہ ہم نے نانی جان کی جانب ہاتھ بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔"
میں بھیا کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ کتنی وسیع القلبی کے ساتھ وہ دوسروں کی خامیوں اور کوتاہیوں کو نظرانداز کرسکتے تھے جبکہ میں یک طرفہ سمجھوتے اور مفاہمت کے لئے شاذ ہی آمادہ ہوپاتی تھی۔
ناشتے کے بعد میں نے حارث اور فرحین کو نہلا دھلا کر ان کو عید کے نئے کپڑے پہنائے پھر بھیا کو نہانے دھونے اور تیار ہونے کا موقع دیا بعد ازاں خود تیار ہوئی اور ہم بے تابانہ ممی کا انتظار کرنے لگے۔
صبح نے دوپہر کا چولا پہنا' سہ پہر ہوئی...... پھر شام بھی آگئی۔ ہم ممی کا انتظار کرتے رہے مگر شام تک ہمارا یہ انتظار لاحاصل رہا۔ جھٹ پٹا چھاتے ہی میرا جی بھر آیا
"یہ کیسی عید ہے بھیا کہ ڈیڈی تو اتنی دور جاچکے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ان کی ایک جھلک نہیں دکھا سکتی اور ممی اس گھر میں ہوتے ہوئے بھی ہم سے عید ملنے نہیں آئیں۔ صبح سے نئے کپڑے پہنے ہم اس قید خانے میں بیٹھے ہیں اور ممی کا انتظار کر رہے ہیں۔"
بھیا نے آگے بڑھ کر میرے سر پر ہاتھ دھر دیا اور بولے۔ "خدا نے چاہا تو ہم اگلے برس ایسی دھوم دھام سے عید منائیں گے کہ اس عید کی کسر پوری ہوجائے گی۔"
"کون جانے' اگلے برس کیا ہو۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔
"حوصلہ رکھو۔" بھیا نے مجھے دلاسا دیا۔
ممی رات کو اس وقت ہمارے کمرے میں آئیں جب حارث اور فرحین ان کے

انتظار سے تھک کر سوچکے تھے۔ وہ زمردی رنگ کے جوڑے میں ملبوس تھیں۔ ہم رنگ ہائی ہیل سینڈلوں نے ان کے قامت میں نمایاں اضافہ کردیا تھا۔ انہوں نے زمرد جڑے زیورات پہن رکھے تھے۔ ان کی زلفوں کی آرائش دیدنی تھی۔ گہرے میک اپ نے ان کے جام حسن کو دو آتشہ بنا دیا تھا۔ وہ غضب کی حسین لگ رہی تھیں۔
"عید مبارک بچو!" ممی نے بہت بڑا سا چرمی تھیلا اٹھائے ہمارے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔
"عید مبارک!" بھیا نے جواباً کہا۔
"اتنی دیر سے آئی ہیں آپ!" میں نے ممی کو شاکی نگاہوں سے دیکھا۔
"صبح سے مہمانوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ فرصت ملتے ہی یہاں آئی ہوں۔"
"حارث اور فرحین تو مایوس ہو کر سو بھی چکے!"
ممی نے جھک کر باری باری دونوں کو پیار کیا پھر ہم سے پوچھا۔"عید کے تحفے پسند آئے تم لوگوں کو؟"
"بہت۔" بھیا بولے۔
"اور تمہیں زری؟ تمہیں اپنا تحفہ پسند آیا؟"
"جی...... اچھا ہے۔"
"تمہیں عیدی بھی تو دینی ہے ابھی۔" ممی نے کہا پھر وہ اس صندوق نما مستطیل
[illegible]
اور عیدی دینا بے کار ہوتا سو میں تم چاروں کے لئے عیدی کے طور پر ایسی چیزیں لے آئی ہوں جو تمہیں یقیناً پسند آئیں گی۔"
غیر معمولی گنجائش کے اس تھیلے میں سے انہوں نے حارث کے لئے ایک بینجو فرحین کے لئے گڑیا گھر' بھیا کے اور میرے لئے خوشبویات نکالیں پھر مسکراتے ہوئے بولیں۔
"اب ایک مشترکہ تحفہ ہے تم چاروں کے لئے...... بوجھو' بھلا کیا ہے؟"
بھیا سوچ میں پڑ گئے۔
میں نے اس پہیلی کو بوجھنے میں ذرا دلچسپی ظاہر نہ کی۔
ممی نے جھک کر بڑی احتیاط سے گتے کا ایک ڈبا تھیلے سے نکالا اور اس ڈبے میں سے چھوٹے سائز کا ایک پورٹیبل ٹی وی برآمد ہوتے دیکھ کر میں بھی اپنی مسرت اور آنکھوں کی چمک کو پنہاں نہ رکھ سکی۔

"کہو' پسند آیا تحفہ؟" ممی نے باری باری ہم دونوں کو دیکھا۔
"تھینک یو ممی!" بھیا نے کہا۔
"کیا ہمیں ٹی وی آن کرنے کی اجازت ہوگی؟" میں نے پوچھا۔
"کیوں نہیں۔"
"جہاں زور سے بولنے' اونچی آواز میں ہنسنے یا رونے کی اجازت نہ ہو' جہاں کمرے میں بھی دبے پاؤں چلنا پڑتا ہو اور آواز پیدا کرنے والے جوتے استعمال کرنے کی ممانعت ہو' وہاں ٹی وی چلانے کی اجازت بھلا کیونکر دیں گی نانی جان؟"
"آواز دھیمی رکھنا۔" ممی رساں لہجے میں بولیں۔
"ہم تو اتنی پابندیوں والے ماحول میں ٹی وی سیٹ کی فرمائش کرنے کی ہمت بھی نہیں کرپاتے تھے۔ آپ نے اتنی ہمت کیسے کرلی؟" بھیا نے پوچھا۔
ممی کے لبوں پر بڑی جاں فزاں مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر انہوں نے کہا۔ "یہ ٹی وی سیٹ تمہارے نانا جان نے مجھے میرے بیڈ روم کے لئے عید کے تحفے کے طور پر منگوا کر دیا ہے' میں اسے تم لوگوں کے لئے لے آئی۔"
"اور اگر انہیں پتا چل گیا کہ ٹی وی سیٹ آپ کے استعمال میں نہیں ہے؟"
"انہیں پتا چل ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ بے چارے تو دوسرے کی مدد کے بغیر اپنے بستر پر سے ہل جل بھی نہیں سکتے۔ میرے کمرے میں بھلا کیونکر آئیں گے؟"
"اور اگر انہوں نے کسی ملازم سے پوچھ لیا؟"
"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بفرض محال پوچھ بھی لیں تو میں کہہ سکتی ہوں کہ میں نے اسے سنبھال کر رکھ دیا ہے۔" ممی نے کہا۔ "خیر تم اس الجھن میں مت پڑو۔ بس اتنا خیال رکھنا کہ ٹی وی دھیمی آواز میں چلایا جائے۔"
"حارث اور فرحین تو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔" بھیا یہ کہتے ہوئے اٹھے اور پھر انہوں نے ٹی وی دھیمی آواز میں لگادیا۔
"کیا بات ہے زری؟ کیا تمہیں اپنے عید کے کپڑے پسند نہیں آئے جو تم اتنی چپ چپ سی ہو۔" ممی نے مجھ سے پوچھا۔ "عید کے دن تو بچوں کو خوش دکھائی دینا چاہئے۔"
"عید!" میں نے دل ہی دل میں بڑے دکھ سے سوچا' کیا عید ایسی بھی ہوتی ہے!"
"کیا بات ہے بیٹے؟" ممی اپنے بازو پھیلائے میری سمت بڑھیں اور مجھے انہوں نے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔
"زری آج بہت اُداس ہے۔" بھیا بولے۔

"بیٹا!" ممی نے میری پیشانی چومنے کے بعد کہا۔ "خدا نے چاہا تو آئندہ عید تم اتنی مسرتوں کے ساتھ مناؤ گی کہ لوگ دیکھیں گے اور رشک کریں گے۔"
"زری کی اداسی کا آج ایک خاص سبب ہے۔" بھیا نے کہا۔
"وہ کیا؟"
"ہم نے نانی جان کے لئے عید کا تحفہ بڑی محنت سے تیار کیا تھا۔ نانی جان کو پیش کیا تو وہ اسے بے دردی سے ٹھکرا کر چلی گئیں۔ زری کو اس بات کا بہت رنج ہوا' اس لئے یہ آج زیادہ اداس ہے۔"
"اپنی نانی جان کی باتوں پر تم دل چھوٹا مت کیا کرو۔ وہ غصے کی تیز ضرور ہیں مگر دل کی بری نہیں۔ اچھا ذرا میں بھی تو دیکھوں وہ تحفہ۔"
"وہ تو زری نے اسی وقت توڑ پھوڑ ڈالا تھا۔"
"تھی کیا چیز؟"
"ایک سینری۔"
"اوہو! برا کیا۔ مجھی کو دے دیتیں۔ میں اپنے کمرے میں آراستہ کرلیتی۔"
"زری! ممی کا تحفہ کہاں رکھا ہے؟"
میں آہستہ سے ممی کے بازوؤں کے حصار سے نکلی اور میز کی دراز میں سے ممی کا تحفہ عید نکال کر میں نے انہیں پیش کردیا۔ ممی نے اسے کھولا اور کاغذی کلیوں کا وہ گجرا دیکھ کر بہت خوش ہوئیں جو ہم نے ان کے لئے بنایا تھا۔
"اچھا یہ بتاؤ کہ شیر خورما تم لوگوں کو پسند آیا؟"
"شیر خورما!" بھیا نے قدرے استعجاب سے کہا۔
"ہاں' یہاں آنے کے بعد میں نے پہلی مرتبہ کچن میں جاکر کچھ بنایا تھا۔ امی' پاپا اور تمام مہمانوں کو بہت پسند آیا۔ تمہیں کیسا لگا؟"
"ہمیں تو دیکھنے تک کو نہیں ملا!"
"اچھا!" ممی کو حیرت ہوئی۔ "حالانکہ میں نے گزشتہ رات ہی بنا کر رکھ دیا تھا تاکہ صبح سویرے تم لوگوں تک پہنچ جائے۔ خیر کوئی بات نہیں; کل گھر میں ایک بڑی دعوت ہے۔ اس ضیافت کے لئے باورچی شیر خورما بھی بنائیں گے۔ میں تمہارے لئے ضرور بھجواؤں گی۔"
"شاید عید ملن پارٹی ہو رہی ہے۔" بھیا نے استفہامیہ انداز میں کہا۔
"بظاہر تو عید ملن پارٹی ہی ہوگی لیکن دراصل اس ضیافت کے توسط سے پاپا اپنے

احباب و اقارب پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مجھ سے ناراضگی دور کرکے مجھے دوبارہ اپنے سایہ عاطفت میں لے چکے ہیں اور ہاں' ایک بڑی خوشخبری بھی سن لو تم لوگ۔" ممی کی آنکھوں میں بے اندازہ چمک اور لبوں پر مسرت عود کر آئی اور انہوں نے کہا۔"عید کی چھٹیوں کے بعد پاپا اپنے وکیل کو طلب کررہے ہیں۔ انہوں نے موجودہ وصیت نامہ منسوخ کرکے نئی وصیت تیار کروانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ وہ اپنی تمام املاک ماسوا اس بڑے گھر کے میرے نام کررہے ہیں۔ یہ گھر تمہاری نانی جان کی زندگی میں ان کا رہے گا مگر ان کی موت کے بعد یہ گھر بھی میری ملکیت بن جائے گا بلکہ امی کی موت کے بعد تو مجھے اس گھر کے علاوہ امی کی طرف سے بھی بہت کچھ ملے گا۔ تمہاری نانی جان اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہیں اور انہیں اپنے والد کی طرف سے جو ترکہ ملا تھا' اس کی مالیت کروڑوں میں بنتی ہے اور اس کا تمہارے نانا جان کی املاک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"یعنی آپ مستقبل میں ایک دولت مند خاتون بننے جارہی ہیں۔" بھیا بولے۔

"چار دولت مند بچوں کی ماں۔" ممی نے مسکرا کر کہا۔

"ممی!" بھیا نے بڑی لجاجت سے کہا۔ "کیا ہم کل والی دعوت دیکھ سکتے ہیں؟"

ممی کو غالباً اتنی بڑی فرمائش کی توقع نہیں تھی۔ وہ بے ساختہ چونکیں اور انہوں نے بھیا کی اس فرمائش کو یکسر مسترد کردیا۔

"پلیز!" بھیا گڑگڑائے۔

"نہیں بیٹا! کسی نے دیکھ لیا تو بڑی مشکل ہوجائے گی۔"

"آپ [illegible] ہم اسے چوری چھپے [illegible] کوئی نہیں [illegible] دیکھ سکے گا۔"

"نہیں۔"

مگر بھیا نے ہار نہیں مانی اور ان کا اشارہ پاکر میں بھی ان کی اس خواہش میں شریک ہوگئی۔ ممی انکار کرتی رہیں' متردد رہیں لیکن ہم نے ان کی اتنی منت سماجت کی کہ بس ان کے قدموں میں لوٹ جانے کی کسر رہ گئی۔

ہمارے بے حد اصرار نے بالآخر ممی کو مجبور کردیا۔ مگر انہوں نے شرط رکھی کہ صرف بھیا اور میں ہی اس ضیافت کا دور دور سے نظارہ لے سکیں گے۔ حارث اور فرحین کو اجازت نہ ہوگی۔

ہم نے ممی کی شرط بلاتردد تسلیم کرلی۔

اگلی صبح جب حارث اور فرحین نے نیند سے بیدار ہونے پر کمرے میں ٹی وی دیکھا

[illegible] بے حد خوش ہوئے اور ہم نے رات کے انتظار میں دن جس قدر بے قراری سے کاٹا' اس کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا۔

☆------☆------☆

اگلی رات گیارہ بجے کے لگ بھگ ممی ہمارے کمرے میں آئیں۔ انہوں نے سرخ [illegible] زیب تن کر رکھا تھا اور جھلمل کرتے زیورات کی ضوپاشی نے ان کے حسن کو قیامت بنا دیا تھا۔ حارث اور فرحین گہری نیند سو رہے تھے۔ بھیا اور میں ممی کے منتظر تھے۔

"مہمان آچکے ہیں کھانا شروع ہونے ہی والا ہے۔ کھانے کے بعد موسیقی کا پروگرام ہے۔ میں بمشکل موقع نکال کر یہاں آسکی ہوں۔ تم لوگ جلدی سے میرے ساتھ چلو' میں تمہیں ایک ایسی جگہ پہنچا دوں گی جہاں سے تم چھپ کر نظارہ کرسکتے ہو۔ مگر دیکھو' زیادہ دیر وہاں مت رہنا۔ تھوڑی دیر وہاں رہنا پھر اپنے کمرے میں واپس چلے آنا کیونکہ کمرے کا دروازہ میں لاک کرکے نہیں جاؤں گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حارث اور فرحین کی آنکھ کھل جائے اور تم دونوں کو کمرے میں نہ پاکر باہر نکل آئیں۔ تم لوگ زیادہ دیر وہاں مت ٹھہرنا اور اپنے کمرے میں آکر دروازہ اندر سے بند کرکے سو رہنا۔ گو محفل موسیقی شب بھر جاری رہے گی مگر میں موقع پاتے ہی اوپر آؤں گی اور کمرے کا دروازہ لاک کردوں گی۔"

"ہماری عدم موجودگی میں اگر کوئی اور اوپر آگیا اور اس نے ہمارے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھ لیا تو؟" بھیا نے خاصی دور اندیشی دکھائی۔

"اس کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ رہے ملازمین تو وہ سب کے سب تو اختتام تقریب [illegible] فرصت نہ ملے گی۔ اگرچہ مہمانوں کی خاطر تواضع کے لئے ہم نے بیرے بلوا رکھے ہیں مگر دوسرے ڈھیروں کام ہیں جو گھر کے ملازموں کو انتہائی مصروف رکھیں گے۔"

میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ خدایا! کتنی بڑی اور پُراہتمام ہوگی وہ ضیافت جس کے لئے بیرے بلوائے گئے تھے۔

کمرے سے نکلنے سے پہلے ہم نے ممی کے ایما پر کینڈل بلب بھی آف کردیا اور کمرے میں بالکل تاریکی چھاگئی۔ پھر ممی نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور ہم دونوں دبے پاؤں ان کے ساتھ باہر نکل آئے۔ طویل راہداری میں ایک مدقوق سا بلب روشن تھا۔ ممی نے دروازہ بند کیا پھر اپنے سینڈلوں کی ایڑیاں اونچی کئے پنجوں کے بل آگے بڑھنے لگیں۔ ہم دونوں نے چونکہ کینوس کے جوتے پہن رکھے تھے' اس لئے کھٹ پٹ کا احتمال نہ تھا۔ ان کی معیت میں ہم اس گول زینے تک پہنچے جس سے بہت پہلے اوپر آئے تھے اور پھر

اسی زینے سے نیچے تک پہنچے۔ تاریکی میں تھم کر ایک دیوار کی اوٹ سے ہم نے دور رنگ ونور کے اس مسحور کن منظر کو دیکھا جو دور وسیع وعریض سبزہ زار پر رقصاں تھا۔ خدایا! کیسا نظر افروز اور جان پرور منظر تھا۔

ممی نے ہمیں زینے کی آڑ میں کھڑا کردیا اور دبی آواز میں ہمیں ہدایت کی۔ "بس یہاں سے کھڑے دیکھتے رہو۔ آگے مت بڑھنا اور تھوڑی دیر بعد اسی زینے سے اوپر چلے جانا۔"

"ٹھیک ہے۔" بھیا نے دھیرے سے کہا۔

"دیکھو بہت احتیاط سے۔" ممی نے جتایا۔

"آپ فکر نہ کریں۔"

"میں تو پچھلے زینے سے اوپر جاؤں گی اور پھر اگلے زینے سے نیچے پہنچوں گی تاکہ کسی کی توجہ اپنی طرف نہ مبذول ہو سکے۔ تم لوگ احتیاط رکھنا۔"

پھر ممی تاریکی میں ہوتی عقبی زینے سے اوپر چلی گئیں لیکن کچھ ہی دیر بعد ہم نے اپنی خوبرو اور دلکش ممی کو رنگ ونور کے اسی سیلاب میں موجزن پایا۔

"ممی کتنی اچھی لگ رہی ہیں۔" بھیا بولے۔

"ہاں، بہت اچھی۔"

کھانا شروع ہو چکا تھا اور باوجود یہ کہ ہم اس ضیافت سے بہت دور تھے، اشتہا انگیز مہک ہمیں بے چین کیے دے رہی تھی۔ باوردی بیرے لپک لپک کر مہمانوں کی خاطر تواضع کر رہے تھے [illegible]

دھیما دھیما سازینہ بج رہا تھا۔

"بریانی کی کیسی اچھی خوشبو آرہی ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ندیدی!" بھیا ہنس دیئے۔

"خدا جانے، ممی کو ہمارے لئے شیر خورما لانا یاد رہتا ہے یا نہیں۔" میں نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"اگر ان بہت سارے پیٹوؤں سے بچا، تب نا! ذرا دیکھو تو، کیسے ہڑپ ہڑپ کھا رہے ہیں!"

"تھوڑا سا آگے چلیں؟"

"چلو۔" بھیا فوراً آمادہ ہو گئے۔

تاریکی میں چھپتے چھپاتے، قدم بہ قدم آگے بڑھتے، جابجا رکتے ٹھہرتے، بصد احتیاط

ہم رنگ ونور کے اس سیلاب کے خاصے نزدیک جا پہنچے اور قمقموں سے آراستہ گھنے جھاڑوں کے عقب میں چھپ کر اس دلربا نظارے کو جو قربت کی وجہ سے بالکل واضح ہو گیا تھا، دیکھنے لگے۔ اب ہم اتنے نزدیک تھے کہ بہ آواز بلند باتیں کرتے مہمانوں کی باتیں بھی سن سکتے تھے۔

ہماری نگاہیں مستقل ممی کا پیچھا کر رہی تھیں۔ کتنی دلربا لگ رہی تھیں وہ! مہمانوں کی نگاہیں انہی پر جمی تھیں۔ سازینے کی دھیمی دھیمی لے نے فضا کو رومان پرور بنا دیا تھا۔ تقریب میں شامل ایک خوبرو اور خوش پوش مرد ہماری نگاہوں سے زیادہ ممی کا پیچھا کرنے میں مصروف تھا۔ ممی بھی اس پر ملتفت دکھائی دے رہی تھیں۔ میرا بس چلتا تو میں اس شخص کو گولی مار کر ختم کردیتی۔ مجھے کسی قیمت پر گوارا نہ تھا کہ میرے ڈیڈی کے بعد کوئی اور مرد ممی کی طرف نظر اٹھائے یا ممی کسی اور سے التفات برتیں۔ ممی کو میں اپنے ڈیڈی کی امانت سمجھتی تھی اور انہیں ڈیڈی کی یادوں سے وفا نبھاتے دیکھنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر کو ممی اور مذکورہ شخص ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور مجھے وحشت نے آلیا۔ خدا جانے وہ دونوں کہاں غائب ہو گئے تھے! میں ان کی تلاش میں اپنی نظریں دوڑا ہی رہی تھی کہ ہم نے چاندی جیسے بالوں والے ایک گورے چٹے مگر نحیف ونزار باریش بڑے میاں کو دو باوردی نرسوں کے جلو میں وھیل چیئر پر بیٹھے، تقریب میں آتے دیکھا۔ وھیل چیئر کے عقب میں ممی اور وہ شخص پہلو بہ پہلو مسکراتے ہوئے یوں چلے آرہے تھے جیسے وھیل چیئر پر بیٹھے شخص [illegible] کو لینے گئے تھے۔ یک بیک مجھے احساس ہوا کہ وھیل چیئر پر بیٹھے پُروقار بڑے میاں اور ممی میں حیرت انگیز مشابہت تھی۔

"بھیا! یہ کہیں نانا جان تو نہیں ہیں؟" میں نے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھا۔

"لگتا تو یہی ہے۔"

"مگر ممی کے ساتھ یہ آدمی کون ہے؟ میرا جی چاہ رہا ہے کہ اسے گولی مار دوں۔"

"بندوق ہے تمہارے پاس؟"

"کاش ہوتی!"

اچانک تقریب میں شریک ایک جوڑا رنگ ونور کے اس سیلاب سے دو کرسیاں کھینچ کر ان جھاڑوں کے نزدیک آ بیٹھا جن کے عقب میں چھپے ہم نظارہ کر رہے تھے۔

"توبہ! میں تو کھڑے کھڑے تھک گئی۔" عورت نے کہا۔

"یار! اب تم بوڑھی ہو گئی ہو۔" مرد بولا۔

"خبردار جو مجھے بوڑھی کہا۔ شیریں سے تقریباً دو برس چھوٹی ہوں میں۔"

"جھوٹ........"

"جھوٹ کی کیا بات ہے۔" عورت نے برا مانتے ہوئے کہا۔ "ہمارے میٹرک کے سرٹیفکیٹس میں ہماری پیدائش کی تاریخیں دیکھ لو۔"

"یار! ویسے شیریں کیا کمال کی عورت ہے۔ پندرہ سولہ برس بعد اسے دیکھا ہے مگر پہلے سے زیادہ حسین پایا ہے۔ اہل محفل کی نظریں اسی پر جمی ہیں۔"

"تمہاری بھی تو اسی پر جمی تھیں' اسی لئے میں تمہیں وہاں سے ہٹا کر یہاں لے آئی۔ تھکن کا تو میں نے یونہی بہانہ کیا تھا!"

"اچھا تو یہ بات تھی!"

"جناب!"

"بہت حاسد ہوتی ہے عورت ذات۔"

"اور بہت بدنیت ہوتی ہے مرد ذات! جہاں کوئی عورت دیکھی' اپنی آنکھوں کو سینکنا شروع کردیتے ہیں!"

"بابا' کیوں اتنا جل رہی ہو؟ شیریں کو ایک میں ہی تو نہیں' سارے مرد دیکھ رہے تھے۔ سچ پوچھو تو وہ ہے ہی دیکھنے کی چیز۔"

مجھے اس آدمی پر سخت غصہ آنے لگا کیا حق پہنچتا تھا اسے ممی کے بارے میں ایسی چھچھوری باتیں کرنے کا؟

"کیا میں بری ہوں؟" عورت جل کر بولی۔ "تم مردوں کا وہی حساب ہے کہ گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے۔"

"مجھے تو علی ضیاء پر رشک آرہا ہے۔" مرد بولا۔ "ذرا دیکھو تو' سالا کیسا سائے کی طرح شیریں کے ساتھ ساتھ پھر رہا ہے۔"

"یہ کئی اعتبار سے اس کا حق بنتا ہے۔ اول تو وہ شیریں کے مرحوم بھائی کا دوست رہا ہے۔ دوسرے وہ شیریں کا دیرینہ عاشق ہے۔ تیسرے ہنوز کنوارا ہے۔ شیریں کی شادی کے بعد وہ دل برداشتہ ہو کر امریکا چلا گیا تھا اور اس نے شادی نہ کرنے کا عہد کرلیا تھا۔ قسمت کی بات ہے کہ شیریں بیوہ ہوگئی۔ جیسے ہی علی ضیاء کو یہ خبر پہنچی' وہ لاس اینجلس سے یہاں چلا آیا۔ سنا ہے کہ شیریں کی اس سے کافی پینگیں بڑھ چکی ہیں اور شیریں کے والد اس امر پر بہت مطمئن ہیں۔"

مرد نے ایک گہری سانس کھینچی اور بولا۔ "یار شیریں کے بڑے بھائی کے دوست تو ہم بھی ہوا کرتے تھے اور شیریں کے عاشقوں میں بھی شامل تھے مگر ہم نے اس کے گھر سے

چلے جانے کے بعد شادی کرنے کی غلطی کرلی۔ یہ معلوم ہوتا کہ شیریں سولہ برس بعد بیوہ ہو کر اسی گھر میں واپس لوٹے گی تو ہم ہرگز یہ غلطی نہ کرتے اور ہنوز کنوارے ہوتے۔ مجھے تو علی ضیاء سے حسد محسوس ہو رہا ہے۔ کیا حسین اور دولتمند اسامی ملی ہے اسے!"

"اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔" عورت شگفتہ لہجے میں بولی۔

"اگر تمہاری تھکن میں کچھ افاقہ ہوگیا ہو تو واپس چلیں؟"

"تاکہ تم اپنی آنکھیں سینک سکو!"

"دل جل رہا ہے دل۔"

عورت ہنس دی اور اٹھتے ہوئے بولی۔ "چلو۔"

دونوں کے جانے کے بعد میں نے بھیا سے کہا۔ "سنی آپ نے ان دونوں کی باتیں؟"

"ہاں۔" بھیا بولے۔

"میرا خیال ہے' اب ہمیں واپس چلنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حارث اور فرحین میں سے کوئی جاگ کر کمرے سے باہر نکل آئے۔"

"چلو........"

چنانچہ ہم نے جھاڑوں کے پیچھے چھپتے چھپاتے تاریکی کا رخ کیا اور زینہ چڑھ کر اپنے کمرے تک جا پہنچے۔ کمرے کا دروازہ کھول کر ہم اندر داخل ہوئے تو حارث اور فرحین کو گہری نیند سوتے پایا۔

بھیا اور میں چپ چاپ اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ تقریب میں شریک اس جوڑے کی گفتگو نے میرے ذہن کو بہت بوجھل کردیا تھا۔ ممی کے نام کے ساتھ ڈیڈی کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام سننا میں گوارا ہی نہیں کرسکتی تھی۔

تادیر میں دل گرفتہ سی چت پڑی رہی پھر میں نے کروٹ لے کر بھیا کی جانب دیکھا' وہ بھی چت پڑے چھت کو تک رہے تھے۔

"بھیا!" میں نے انہیں پکارا۔

"ہاں؟" وہ چونکے۔

"آپ سوئے نہیں؟"

"نیند نہیں آرہی۔"

"کیوں؟"

"بس یونہی۔"

"آپ ممی اور علی ضیاء کے بارے میں سوچ رہے ہیں نا؟"

بھیا تڑپ کر اٹھے اور میرے پاس آبیٹھے۔

"کیا ممی دوسری شادی کرلیں گی؟" میں نے بڑی دل گرفتگی سے کہا۔

بھیا نے ایک گہری سانس کھینچی۔

"اگر ممی نے اس شخص سے شادی کرلی تو پھر ہم چاروں کا مستقبل کیا ہوگا؟ جب ہمارے سگے نانا اور نانی نے ہمیں قبول نہیں کیا تو ایک غیر آدمی ہمارا سوتیلا باپ بن کر ہمیں کب قبول کرے گا؟ کاش ڈیڈی نہ مرے ہوتے!" میرا جی بھر آیا۔

بھیا نے اپنا ہاتھ میرے سر پر دھردیا۔ آپ ہی آپ میرا سر ان کے شانے سے جالگا۔ ان کے شانے پر سر رکھ کر میں جتنا رو سکتی تھی، روئی۔ بھیا میرا سر تھپک کر مجھے دلاسا دینے کی کوشش کرتے رہے۔

میرے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوگیا تو میں سیدھی ہو بیٹھی۔ بھیا کچھ دیر سر جھکائے کسی گہری سوچ میں غرق بیٹھے رہے پھر انہوں نے کہا۔ "زری! موقع غنیمت ہے۔ آج ذرا میں اس گھر کا چکر لگا آؤں۔"

"نہیں۔" میں نے گھبرا کر بھیا کا بازو تھام لیا۔

"دیکھو، یہ ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہمیں اپنے بچاؤ اور اپنی بقا کے لئے کسی روز اس گھر سے فرار ہونے کی ضرورت درپیش آجائے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہم کس راستے سے فرار ہوسکتے ہیں۔ مجھ [illegible] دو۔"

"اگر آپ پکڑے گئے تو؟"

"انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا۔ تم دروازہ اندر سے بند نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پڑ کر سوجاؤ اور میں باہر کھڑا رہ جاؤں!"

میں نے بھیا کی بہت منت سماجت کی اور انہیں ان کے ارادے سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ کسی صورت نہ رکے۔ ان کے جانے کے بعد میں دم سادھ کر پڑگئی اور ان کی بخیریت واپسی کی دعائیں مانگنے لگی۔ دعا مانگتے مانگتے میری آنکھ لگ گئی۔

میں گہری نیند میں تھی کہ کسی نے مجھے بری طرح جھنجھوڑا۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ ممی میرے سامنے کھڑی تھیں اور شعلہ بار نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ باتھ روم کا چوپٹ کھلا دروازہ ظاہر کررہا تھا کہ ممی بھیا کی تلاش میں باتھ روم دیکھ چکی تھیں۔

"عارف کہاں ہے؟" ممی نے پوچھا۔

"بھیا!" میں نے خائف نظروں سے بھیا کے بستر کی جانب دیکھا۔ بستر پر بھیا کی جگہ [illegible]ی تھی۔

"اوہ!" ممی نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا پھر دیوار گیر گھڑی کی طرف نظر اٹھا کر [illegible]۔ "غضب خدا کا سوا تین بج رہے ہیں۔ محفل برخواست ہوا ہی چاہتی ہے اور وہ [illegible] باہر ہے......... خدایا! کہاں ڈھونڈوں میں اسے!"

ممی تقریباً روہانسی ہو رہی تھیں۔ وحشت کے اس عالم میں انہوں نے دروازے کا [illegible] لیا مگر تب ہی یک بیک دروازہ کھلا اور بھیا نے سرعت سے کمرے میں داخل ہو کر [illegible] بند کردیا لیکن جونہی ان کی نظر ممی پر پڑی وہ ٹھٹک گئے اور خائف نظر آنے لگے۔

ممی آگے بڑھیں اور انہوں نے ایک زور دار تھپڑ بھیا کے رخسار پر جڑتے ہوئے [illegible] "تم سے میں نے کہا تھا کہ تم بس تھوڑا سا وقت ہی کمرے سے باہر گزارو گے مگر تم [illegible] میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ آئندہ میں تمہارا کبھی اعتبار نہیں کروں گی۔"

بھیا کے رخسار پر پڑنے والے ممی کے تھپڑ سے میرے دل پر چوٹ لگی۔ بھیا ہم [illegible]وں میں ممی کے سب سے زیادہ چہیتے رہے تھے اور قبل ازیں ممی نے انہیں کبھی پھول [illegible] چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا۔ کجا زوردار تھپڑ! بھیا کے چہرے کے تاثرات اور ان کی [illegible] آنکھوں میں ڈولتی نمی سے عیاں تھا کہ انہیں ممی کے اس فعل سے ازحد رنج پہنچا تھا۔

ممی کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ غصے کی جگہ ان کے چہرے پر خفت نے [illegible]ل۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بھیا کے شانے پر دھرتے ہوئے کہا۔ "آئی ایم سوری، بیٹا!" [illegible] لہجے میں غصے اور ملامت کے بجائے ملائمت تھی۔ انہوں نے بھیا کا چہرہ اپنے [illegible] ہاتھوں میں لے کر انہیں پیار کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! تمہاری ذرا سی غلطی اور بے [illegible] میری ساری ریاضت پر پانی پھیر سکتی ہے۔ تم نہیں جانتے کہ مجھے کتنی احتیاط سے [illegible] لینا پڑ رہا ہے۔ میں ایک گہری کھائی پر تنے تار پر چل رہی ہوں۔ ذرا سی چوک مجھے [illegible]ئیوں میں دھکیل سکتی ہے۔ یہ احتیاط مجھے تمہارے بہتر مستقبل کے لئے برتنا پڑ رہی [illegible]۔" ممی نے توقف کیا پھر قدرے تشویش سے بولیں۔ "یہ بتاؤ، تمہیں کسی نے دیکھا تو [illegible]؟"

بھیا نے نفی میں سر ہلایا۔ ان کے چہرے پر ہنوز تناؤ اور دکھ تھا۔ "مجھے معاف کردو [illegible] کہ میں غصے میں تم پر ہاتھ اٹھا بیٹھی۔" ممی نے لجاجت سے کہا۔

بھیا ٹکر ٹکر ممی کا منہ تکنے لگے۔

"مجھے نیچے مہمانوں میں واپس جانا ہے مگر جانے سے پہلے میں تمہیں مسکراتے ہوئے

دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھ سے غصے میں جو حرکت سرزد ہوئی اس کا مجھے بہت افسوس ہے........ خدا کی قسم بہت افسوس ہے۔"

ممی کے اصرار پر بھیا کو بادل ناخواستہ سہی مگر مسکرانا پڑا۔

"تھینک یو!" ممی نے بھیا کی پیشانی چومی اور پھر مائل بہ رخصت ہوئیں۔ جاتے جاتے انہوں نے کہا۔ "دعوت کا کھانا میں تمہیں صبح خود پہنچاؤں گی۔"

"باسی کھانا!" میں نے جی ہی جی میں سوچا۔

کمرے سے نکلنے کے بعد ممی نے حسب دستور قفل چڑھا دیا۔ بھیا اپنی مسہری کے کنارے بیٹھ گئے۔

میں بھیا کی طرف بڑھی اور میں نے کہا۔ "دیکھ لیا اپنی ممی جان کو جن پر آپ جان چھڑکتے ہیں! مارنے کی کسر رہ گئی تھی' آج انہوں نے یہ کسر بھی پوری کر دی۔ آپ میری بات مانیں یا نہ مانیں' ممی بہت بدل گئی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں زری' مائیں اولاد کو مارا ہی کرتی ہیں........ ویسے بھی غلطی میری تھی۔ خدانخواستہ کوئی مجھے دیکھ لیتا تو بڑی گڑبڑ ہو جاتی۔"

میں بھیا کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ خدا جانے کس قسم کی محبت تھی انہیں ممی سے کہ ممی کی کسی زیادتی پر انہیں کوئی شکوہ نہ ہوتا۔

کیا محبت اتنی بہری' اتنی اندھی ہو سکتی ہے!

[illegible]

"نہیں۔"

"پکا یقین ہے؟"

"بالکل۔"

میں بھیا کے نزدیک بیٹھ گئی اور میں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ "اچھا آپ یہ بتائیں کہ آپ نے کیا کچھ دیکھا؟"

"پورا گھر دیکھ ڈالا۔" بھیا بولے۔

"کیا کیا ہے اس گھر میں؟ میرا مطلب ہے کتنا بڑا ہے؟"

"مت پوچھو کتنا بڑا ہے۔" بھیا نے لحظہ بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ "گھر کیا ہے' محل ہے۔ بہت بڑا........ بہت ہی بڑا........ کمرے ہی کمرے۔ ایک دو نہیں کئی بڑے بڑے ہال' اور اتنے قیمتی اور دیدہ زیب فرنیچر اور نوادرات سے آراستہ ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ لائبریری میں ہزارہا کتابیں بھی ہیں' کیا بتاؤں کیا کچھ ہے۔"

میرے اصرار پر بھیا نے مجھے اس گھر کے چپے چپے کا تفصیلی احوال اس طرح سنایا کہ میری نظروں کے سامنے تصویر سی کھینچ دی۔ انہوں نے نانا جان کے اس محل نما گھر کا ایک ایک حصہ دیکھ ڈالا تھا۔ حد تو یہ تھی کہ نانا جان کی علالت گاہ میں بھی جھانک آئے تھے۔ نانا اپنی علالت کے سبب تقریب سے اپنے کمرے میں لوٹ آئے تھے۔ ایک نرس ان کی نگرانی کو جاگ رہی تھی جبکہ دوسری کرسی پر اونگھ رہی تھی۔ بقول بھیا کے' نانا جان اور ان کی دو نرسوں کے علاوہ چونکہ کوئی ذی نفس گھر کی نچلی منزلوں پر موجود نہ تھا۔ چنانچہ بھیا چھپتے چھپاتے سارا گھر کھنگال آئے تھے۔

"نانا جان کے مرنے کے بعد ہم لوگ اس محل میں بڑے ٹھاٹ سے رہا کریں گے۔" بھیا کی آنکھوں میں ناقابل بیان چمک تھی۔

"خدا کرے نانا جان جلدی مر جائیں۔" میں نے بے رحمی سے کہا اور اپنی اس بے رحمی پر مجھے آپ ہی حیرت ہوئی۔ میں تو پاؤں تلے چیونٹی کے مر جانے سے بھی رنجور ہونے والوں میں سے تھی۔

کیا انسان اتنا بے رحم اور خود غرض بھی ہوتا ہے؟

آنے والے وقت نے ثابت کیا کہ اس سے بھی زیادہ!

"بھیا! ایک بات بتائیں سچ سچ۔" میں نے بھیا کی زبانی اس محل نما گھر کا احوال سننے کے بعد کہا۔

"[illegible]"

"کیا یہ گھر ہمارے اس گھر سے زیادہ خوبصورت ہے جس میں ہم چاروں ممی اور ڈیڈی کے ساتھ رہا کرتے تھے اور آزاد تھے؟"

اس گھر کی یاد آنسو بن کر میری آنکھوں میں تیر گئی تھی۔ بھیا نے میری کیفیت تاڑ لی۔

"زری۔" انہوں نے میرے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے کہا۔ "یہ گھر شاندار ضرور ہے مگر ہمارے اس چھوٹے سے گھر کی طرح خوبصورت نہیں۔"

☆------☆------☆

بعض سائنسی ایجادات انسان کے لئے مخصوص حالات میں واقعی نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا کرتی ہیں۔ ہمارے کمرے میں چھوٹے سے پورٹیبل ٹیلی ویژن کی آمد ہماری کال کوٹھڑی میں ایک ایسی کھڑکی کھل جانے کے مترادف ثابت ہوئی جس کے ذریعے ہم باہر کی دنیا میں بسنے والوں کی زندگیوں میں جھانک سکتے تھے۔ ان گنت 'بیمار' بوڑھے اور معذور لوگوں کی طرح ہم بھی ٹیلی ویژن نشریات کا وقت ہونے سے بہت پہلے ہی ٹی وی پر نظریں جما کر بیٹھ جاتے بلکہ حارث اور فرحین تو اکثر ٹی وی اسکرین پر فقط جھلملاہٹ دیکھنے ہی بیٹھ جاتے۔ ٹی وی انٹینا کی عدم موجودگی کے سبب کبھی کبھی نشریات صاف اور واضح نظر نہ آتیں مگر بقول بھیا جو کچھ نظر آ رہا ہوتا یا سنائی دے رہا ہوتا وہ بھی نعمت سے کم نہ تھا۔

ممی کی ہدایت کے بموجب ہمیں ٹی وی کی آواز بہت دھیمی رکھنا پڑتی۔ اتنی دھیمی کہ ہمیں سننے کے لئے ٹی وی کے بہت نزدیک ہو کر بیٹھنا پڑتا۔ ٹی وی نشریات کے آغاز سے اختتام تک ہم سکرین پر نظریں جمائے بیٹھے رہتے اور ممی سے زیادہ ٹی وی کے موجد کے ممنون احسان ہوتے۔ ویسے نانی جان نے شروع شروع میں کافی ناک بھوں چڑھائی۔ وہ ممی پر بھی بہت خفا ہوئیں کہ انہوں نے ایک ایسی چیز ہمارے کمرے میں پہنچا دی تھی جس کی آواز ملازمین خانہ کو چونکا سکتی تھی مگر ممی نے انہیں اطمینان دلا دیا تھا کہ ٹی وی کی آواز کبھی اتنی اونچی نہیں کی جائے گی کہ کمرے سے باہر جا سکے۔ نانی جان نے دھمکی دے رکھی تھی کہ اگر کبھی انہوں نے ٹی وی نشریات کی آواز کمرے سے باہر پہنچتے پائی تو وہ ٹی وی وہ ہمارے کمرے سے اٹھا لے جائیں گی۔ چنانچہ ہم اس امر کا پورا خیال رکھ رہے تھے کہ نانی جان کو وہ سائنسی معجزہ جس کے طفیل ہمارا رابطہ باہر کی دنیا سے قدرے بحال ہو گیا تھا' ہمارے کمرے سے اٹھائے جانے کا موقع نہ ملے۔

ٹی وی ہمارا رفیق' دمساز' غمگسار اور معلم بن گیا۔ ٹی وی سے ہم نے بہت کچھ سیکھا۔ ہمارے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوا۔ ہم نئے الفاظ کے صحیح تلفظ' معنی اور مفہوم سے واقف ہوئے۔ ہمیں صفائی اور حفظان صحت کے اصولوں کی اہمیت سے آگاہی ہوئی۔ ہم

نے مختلف کارآمد مشغلے اور مفید چٹکلے سیکھے۔ میں نے آرائش خانہ اور گرہستی کے طور طریقے سیکھے۔ سلائی کڑھائی کے اسباق لئے۔ گل سازی کے نئے انداز سیکھے۔ یہ جانا کہ کچن اور باتھ روم کی صفائی میں کن امور پر بطور خاص توجہ رکھنی چاہئے۔ ہم نے بہت معمولی اور بہ آسانی دستیاب ہو جانے والے خام مال سے عمدہ اور کارآمد چیزیں بنانا سیکھیں۔ حارث اور فرحین نے ٹی وی پر بچوں کے لئے پیش کئے جانے والے موسیقی کے پروگراموں سے گانا سیکھا۔ ہر ہفتے وہ ایک دو نئے گیت سیکھ لیتے اور ہفتہ بھر انہیں گنگناتے پھرتے۔ فرحین کی آواز اچھی تھی جبکہ حارث کو سُر سمجھنے کا سلیقہ تھا۔ ہر نئی دھن فرحین کی نسبت وہ جلدی سمجھ اور سیکھ لیتا۔

ٹی وی کے اشتہارات سے ہمیں بازار میں آنے والی نوع بنوع اشیا کا علم رہنے لگا۔ حارث اور فرحین ممی سے ہر روز نت نئی فرمائشیں کرنے لگے۔

مذکورہ فائدوں سے قطع نظر ٹی وی بینی سے ہمیں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مخصوص واقعات و حالات کو سمجھنے اور مسائل و مشکلات کا سامنا کرنے کی اہلیت پیدا ہوا۔ بقول بھیا کے میں کمال کے جذباتی ڈائیلاگ بولنے لگی۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے مخصوص حالات نے مجھی کو نہیں بھیا کو بھی ذہنی اور جذباتی اعتبار سے ہماری اصل طبعی عمروں سے بہت آگے لے جا کھڑا کیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میں حارث اور فرحین کی بڑی بہن نہیں ماں تھی اور بھیا بھی شاید خود کو ان کا ڈیڈی تصور کرنے لگے۔ بزرگی کے اس احساس نے حارث اور فرحین کے لئے ہمارے رویوں میں انتہائی ذمے داری اور محبت و شفقت پیدا کر دی تھی۔ حارث اور فرحین جب ماں کی گہری آغوش کی تلاش میں میری آغوش میں آ دبکتے تو میری آغوش میں آپ ہی آپ گرمی آ جاتی۔

مخصوص حالات کے باعث غیر معمولی جذباتی اور نفسیاتی بالیدگی سے قطع نظر ہم جسمانی بالیدگی کے اعتبار سے بڑی شوریدہ سر صورت حال میں سے گزر رہے تھے۔ ہمیں آپ ہی آپ ٹاک ٹوئیاں مارنا پڑتیں' کوئی راہ سجھانے والا دکھائی نہ دیتا۔

ممی کا تو اب یہ عالم ہو گیا تھا کہ تیسرے چوتھے روز ہی ان کی صورت دکھائی دیتی اور وہ بھی ذرا سی دیر کو۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ بنی سنوری رہنے لگی تھیں۔ خوش رنگ نوع بنوع ملبوسات' نئے جوتے' جھلملاتے زیورات' گہرا میک اپ ان کی شخصیت کے لازمی اجزائے ترکیبی بن گئے تھے۔ اگرچہ نانا جان نے نئی وصیت تیار کروا دی تھی اور ممی کو اپنی وصیت میں شامل کر لیا تھا مگر ممی جب آتیں یہی رونا روتی آتیں کہ نانا جان کے

انتقال تک ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔ ایسے میں جب میری نظریں ان کے خوش رنگ قیمتی لباس، جھلملاتے زیورات اور گہرے میک اپ کا جائزہ لینے لگتیں تو وہ میری نظروں کا مطلب سمجھتے ہوئے ذرا خجل ہو کر کہتیں۔ "میرا جی تو نہیں چاہتا یہ سب کچھ پہننے اور بننے سنورنے کو مگر اس گھر کے اسٹیٹس کا ساتھ دینے کو مجھے بادل ناخواستہ یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

☆--------☆--------☆

لمبی اور سرد راتیں اور ٹھٹھرتے ہوئے مختصر دن بالآخر تمام ہوئے اور بالاخانے میں دھرے مٹی کے گملوں میں پودوں نے شادابی کا چولا پہن کر بہار کے استقبال کی تیاری کر لی۔ پھر ایک روز بیلے کی آغوش میں ایک ننھی سی کلی دکھائی دی۔

اُدھر بیلے کی کلی چٹکی، اِدھر میرا دل بجھ سا گیا۔ اس قفس میں ہم یہ دوسرا موسم بہار دیکھ رہے تھے اور بصد حسرت منتظر تھے کہ۔

برگ گل کوئی صبا یاں بھی تو لائے

ڈیڑھ برس سے زائد ہو چکا تھا ہمیں وہاں آئے ہوئے۔ صد شکر کہ کمرے کی، ملازموں کے ہاتھوں ماہانہ صفائی کا سلسلہ چند ماہ پیشتر روک دیا گیا تھا ورنہ وہ بھی ایک تکلیف دہ مرحلہ تھا۔

باہم مل جل کر ہم نے اپنے مصنوعی باغ کو بھی نیا چولا پہنا دیا۔ پودوں کے قدموں میں پڑے یا شاخوں پر اٹکے خزاں رسیدہ اور بھورے پتے ہٹا کر ہم نے شاخوں کو سبز پتوں اور رنگ برنگے پھولوں سے لاد دیا اور تیور شاخوں پر بٹھا دیئے۔ چڑیاں اور تتلیاں، مانو اور ڈوگی دوبارہ وہاں نظر آنے لگے۔

اپریل میں میرا تیرہواں جنم دن آ پہنچا۔ ممی سالگرہ کا کیک اور آئس کریم لانا نہیں بھولیں۔ سالگرہ کے تحفے کے طور پر انہوں نے مجھے "ایمبرائیڈری کٹ" دی اور میری فرمائش پر بعد میں مجھے کڑھائی کی ایک کتاب بھی لا دی۔ یوں مجھے ایک نئی مصروفیت ہاتھ آ گئی۔ شام کو اکثر میں اپنا کڑھائی کا سامان لے کر ٹی وی کے سامنے بیٹھی رہتی۔ میرے کان ٹی وی پر لگے ہوتے اور کڑھائی کرتے ہوئے میں گاہے گاہے ٹی وی اسکرین پر بھی نظر ڈالے جاتی۔

میری سالگرہ کے بعد حارث اور فرحین کی سالگرہ آئی۔ پچھلی مرتبہ کی طرح اس مرتبہ بھی میں نے اور بھیا نے مل جل کر ان دونوں کے لئے تحائف تیار کئے جو ان کے لئے ممی کے تحائف کے مقابلے میں بہت ہی حقیر اور بے وقعت تھے۔ ممی نے فرحین کو

...ی گڑیا لا کر دی تھی جو سوتی جاگتی بھی تھی اور "ممی" کو پکارتی تھی جبکہ حارث کو ...نے منی ویڈیو گیم دیا تھا۔ ممی نے تو مجھے اور بھیا کو بھی ان دونوں کے لئے بازار ...تحائف لا کر دینے کی پیش کش کی تھی مگر ہم نے دونوں کے لئے محدود وسائل میں ...تحائف تیار کرنا زیادہ بہتر جانا تھا۔ فرحین کے لئے ہم نے مخمل کا ایک ننھا سا شولڈر ...تیار کیا تھا جس پر میں نے کڑھائی بھی کی تھی جبکہ حارث کو ہم نے اس کے شوق ...بازی کا سامان بطور تحفہ دیا تھا۔ یہ شوق اسے ٹی وی کے ایک پروگرام کو دیکھ کر ہوا ...اگرچہ حارث اور فرحین کے لئے ہمارے تیار کردہ یہ تحائف بہت معمولی تھے مگر جس ...سے تیار کئے گئے تھے، اس کا اندازہ بھیا اور میں ہی کر سکتے تھے۔

دن لمبے اور گرم اور راتیں چھوٹی ہونے لگی تھیں۔ انہی دنوں ہمیں ممی کی زبانی ...ع ملی کہ نانا جان کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی۔ بھیا اور میں اس خبر سے بے اندازہ ...ور ہوئے۔

"ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ بس اب کسی وقت بھی پاپا اس دنیا سے جا سکتے ہیں۔" ممی ...بوجھل آواز میں بتایا۔

میں نے بظاہر رنجور دکھائی دینے کی کوشش کی مگر میرا دل میری ظاہری کیفیت سے ...ل نہ کھا سکا۔ باطن میں بہت خوش تھی حالانکہ اخلاقی اعتبار سے یہ کتنی سفاکی تھی کہ ...اس بوڑھے شخص کی حالت بگڑ جانے پر خوش ہو رہی تھی جس سے میرا قریبی رشتہ ...تھا۔

پھر [illegible] دن [illegible] ہمارے کمرے میں [illegible] آئیں اور جب آئیں تو [illegible] ...بہت اداس لہجے میں کہا۔ "پاپا کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔"

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟" بھیا نے پوچھا۔

"ڈاکٹروں کو جو کہنا تھا کب کا کہہ چکے، اب تو نرسیں ان کی سانسیں گن رہی ..." ممی نے کہا پھر وہ بھیا کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولیں۔ "پاپا کے جاتے ہی تم ...ک باہر ہو گے۔"

پھر ممی ہمارے کمرے سے چلی گئیں۔

ممی ہفتہ بھر تک ہمارے پاس نہیں آئیں تاہم نانی جان بدستور کھانا پہنچاتی رہیں۔ ...ا جی چاہتا کہ ان سے نانا جان کا حال پوچھیں مگر ہمت نہ کر پاتے۔

میں دن بھر گنگناتی پھرتی۔ ہم بند دروازوں کے وا ہو جانے کا بیتابی سے انتظار کر ...ہے تھے۔

پھر ایک روز ممی کھڑے کھڑے ہمارے کمرے میں آئیں اور ہمیں یہ خبر سنا کر گئیں کہ نانا جان کی حالت سنبھل گئی تھی اور وہ جاتے جاتے پلٹ آئے تھے۔

ممی کے جانے کے بعد حارث اور فرحین کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر میں گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔

اس روز ڈیڈی مجھے بہت یاد آئے۔ کتنا پیار کیا کرتے تھے وہ ہمیں۔ کیا خبر تھی کہ وہ اتنی جلدی دنیا سے چلے جائیں گے اور ہمیں اتنی کٹھنائیوں سے گزرنا پڑے گا۔ ڈیڈی تو ہمیں ہر دکھ' ہر مصیبت سے دور اور محفوظ رکھا کرتے تھے مگر ان کے بعد.......... ہم کیسے دکھوں میں گھر گئے تھے!

ہر صبح ہم اس امید کے ساتھ بیدار ہوتے کہ شاید آج کا دن ہمیں اس زنداں سے نجات دلوا سکے۔ ہم بیم و رجا کی حالت میں تھے۔ چونکہ ہماری رہائی نانا جان کی موت سے مشروط تھی اس لئے ہم اٹھتے بیٹھتے ان کے مرنے کے دعائیں مانگا کرتے تھے اور کتنے خوش تھے ہم نانا جان کی حالت بگڑ جانے کی خبر سننے کے بعد سے مگر افسوس کہ ان کی حالت سنبھل گئی تھی۔

اس شب میں نے دیوار پر لٹکے کیلنڈر پر جون کی اٹھارہ تاریخ پر X کی علامت بنائی تو مجھے یوں لگا جیسے میرا دل کٹ گیا ہو۔

پونے دو برس سے ہم ایک ہی کمرے میں محصور تھے۔

☆-------☆-------☆

[illegible] مردہ قدموں سے آگے بڑھتا چلا جائے۔

اس قید خانے میں محصور ہوئے ہمیں تیسرا برس شروع ہو چکا تھا۔ ہمارے کمرے کی دیواروں پر تین کیلنڈر تھے۔ پہلا کیلنڈر ہم اپنے ہمراہ لائے تھے' باقی دو سال بہ سال ممی نے ہمیں لا کر دیئے تھے۔ پہلے کیلنڈر پر اکتوبر کی گیارہ تاریخ کے بعد سے سال کے اختتام تک تمام تاریخیں نشان زد تھیں۔ دوسرا کیلنڈر آغاز تا اختتام گھائل تھا۔ تیسرے کیلنڈر کے گیارہویں مہینے کی بس چند ہی تاریخیں اپنے سینے پر X کی علامت کا زخم سہنے سے بچی ہوئی تھیں۔

ہمارے نانا جان جئے چلے جا رہے تھے۔ کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا جیسے وہ یونہی جئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہم انتظار کی صلیب پر لٹکے لٹکے دم توڑ دیں گے۔

اس گھر میں ہمارے آنے کے بعد شروع شروع تو کچھ عرصہ تک گھر کے ملازم نانی

[illegible] نگرانی میں ماہ بہ ماہ ہمارے کمرے کی صفائی کے لئے آتے رہے پھر خدا جانے نانی [illegible] کیا تدبیر آزمائی کہ ماہانہ صفائی ستھرائی کا یہ سلسلہ ترک ہو گیا اور ہم نے شکر ادا [illegible] تک یہ سلسلہ قائم رہا' صورت یہ رہی کہ جس روز نانی جان کو کمرے کی صفائی [illegible] ہوتی وہ ہمارے کپڑوں لتوں' جوتوں' برتنوں اور استعمال کی چھوٹی موٹی چیزوں کو [illegible] میں بند کرواتیں اور الماری مقفل کر دیتیں۔ جو سامان الماری میں نہ آ سکتا وہ ہم [illegible] میں پہنچا دیتے۔ باتھ روم سے برش' ٹوتھ پیسٹ' صابن' شیمپو سب کچھ ہٹا دیتے۔ [illegible] ہمیں حکم دیتیں کہ ہم بالاخانے میں رکھے پرانے گدوں' قالینوں وغیرہ کو کمرے [illegible] اتنا جھاڑیں جھٹکیں کہ ان کی گرد ہمارے کمرے کے فرنیچر' قالین اور دیواروں پر [illegible] اور یوں نظر آئے جیسے مہینوں سے کمرے کی صفائی ہی نہ کی گئی۔ گرد باتھ روم [illegible] دروازے سے باتھ روم کے فرش پر بھی جم جاتی جسے ہم نانی جان کے حکم پر پہلے [illegible] کر چکے ہوتے تھے۔

جس دن ملازموں کو ہمارے کمرے میں صفائی کے لئے آنا ہوتا' نانی جان کے حکم کے [illegible] ہم کھانے کی باسکٹ لے کر صبح ہی بالاخانے میں چلے جاتے۔ پانی بھی جگ میں بھر [illegible] ساتھ لے جاتے۔ نانی جان ہمیں بالاخانے میں بھیجنے کے بعد زینے سے اوپر بالاخانے کے [illegible] دروازے پر تالا لگا دیتیں۔ جب تک صفائی نہ ہو جاتی ہم دم سادھے بالاخانے میں بیٹھے [illegible]۔ اس معمول کا ترک ہو جانا بھی خدا کا کرم تھا۔

[illegible]

[illegible] بھی گزر جاتے۔ میں اکثر جھنجلا کر شکوہ کرتی تو وہ نانا جان کی تیمارداری میں اپنی [illegible] مصروفیت کا بہانہ بناتیں۔ اپنی بے چارگی اور بے بسی کا قصہ سنا کر ہمیں متاثر کرنے کی [illegible] کوشش کرتیں۔

"ممی آخر کتنے دن اور ہم یہاں بند رہیں گے؟" میں جھنجلا کر کہتی۔

"بس بیٹا تھوڑے دن اور۔"

"تازہ ہوا اور دھوپ نہ ملنے سے حارث اور فرحین کی صحت روز بروز خراب ہوتی [illegible] جا رہی ہے۔ ان کے چہروں کی رنگت زرد ہو گئی ہے اور ان کی نشوونما متاثر ہو رہی ہے۔ [illegible] اتنے بڑے اور تندرست نظر نہیں آتے جتنا کہ انہیں دکھائی دینا چاہئے۔"

"میں جانتی ہوں.......... تم سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں مگر کیا کروں میں بھی [illegible] مجبور ہوں۔" ممی بظاہر بڑی نرمی سے کہتیں مگر ایسے میں ان کی نگاہوں میں میرے لئے [illegible] عجیب سی نفرت ہوتی۔

میرے لئے یہ اندازہ کرنا دشوار نہ تھا کہ ممی میری جانب سے ہونے والے آ
دن کے اس احتجاج کے سبب مجھے ناپسند کرنے لگی تھیں بلکہ سچ تو یہ تھا کہ ان کی نگاہ
میں مجھے اپنے لئے نفرت دکھائی دینے لگی تھی۔ میں ممی سے جب بھی اس حبس بے جا
خلاف احتجاج کرتی بھیا ممی کی حمایت میں میری راہ میں کھڑے ہو جاتے اور مجھے یہ
کرانے کی کوشش کرنے لگتے کہ ممی واقعی مجبور اور بے بس تھے۔

مجھے بھیا پر حیرت ہوتی۔ کیا وہ نہیں دیکھتے تھے کہ ممی بدل چکی تھیں بلکہ بہت
چکی تھیں؟ مجھ سے تو خیر وہ میری سرکشی کے سبب متنفر ہو چکی تھیں مگر بھیا' حارث او
فرحین کے لئے بھی ان کی نگاہوں میں وہ محبت دکھائی نہ دیتی تھی جو کبھی نظر آیا کرتی
تھی۔ اب وہ حارث اور فرحین کو اپنی آغوش میں سمیٹ کر نہ بیٹھتیں بلکہ دور دور سے
بات کرتیں۔ وہ ہمارے کمرے میں آتیں تو یوں جیسے کوئی شہنشاہ اپنے مفتوحہ علاقوں کے
معائنے کو آیا ہو۔

نہ جانے بھیا کو یہ سب کچھ کیوں دکھائی نہ دیتا تھا اور کیوں وہ ممی کے رویئے میں
رونما ہونے والی غیر معمولی تبدیلیوں کو محسوس نہ کرتے تھے؟

ممی کے ساتھ ساتھ نانی جان کا رویہ بھی ہمارے ساتھ دن بہ دن اہانت آمیز ہوتا چلا
گیا۔ وہ ہمیں اس قدر حقارت سے دیکھتیں جیسے ہم انسان نہیں کیڑے مکوڑے تھے۔
حارث اور فرحین کو تو خیر انہوں نے کبھی مخاطب ہی نہ کیا۔ بھیا کو اور مجھے جب بھی
مخاطب کرنا ہوتا تو علی الترتیب۔ "اے لڑکے! لڑکی!" کہہ کر مخاطب کیا کرتیں۔

نانی نے یوں تو ہمارے ساتھ بہت سی زیادتیاں کیں اور بہت ستم توڑے لیکن ان
کے ایک ستم کا محض تصور ہی آج بھی مجھے روح فرسا محسوس ہوتا ہے۔

اس زنداں میں ہماری قید کے تیسرے برس کی دوسری سہ ماہی کے دوران میرے
سر میں نہ جانے کہاں سے ایک جوں چڑھ گئی جس نے میرے سر میں ایسی ہلچل مچائی کہ
میں ممی سے باریک کنگھی کی فرمائش کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ممی نے کنگھی لا کر دینے میں
خاصی تاخیر کی اور اس دوران سر میں چڑھی جوں نے جو یقیناً کسی بیرونی وسیلے سے میرے
سر تک پہنچی تھی' میرے سر میں ڈھیروں لیکھیں کر دیں جنہوں نے میرے سر میں آگ سی
مچا دی۔ ممی کی فراہم کردہ کنگھی سے میں نے اپنے سر سے جوں تو نکال لی' چند لیکھیں بھی
کنگھی کے دانتوں میں پھنس کر نکل آئیں مگر سر صاف نہ ہوا۔ میں نے ممی کو اپنا سر دکھا
کر اس سلسلے میں ان کی مدد حاصل کرنا چاہی تو انہوں نے سر میں ہاتھ ڈالتے ہی چھوڑ دیا
اور گھن کھا کر منہ بناتے ہوئے بولیں۔ "بہت لیکھیں بھر گئی ہیں تمہارے سر میں تو'

کہاں سے ہوا؟"

"معلوم نہیں۔" میں نے کہا۔ "ہو سکتا ہے چند دن قبل کمرے کی صفائی کے
دوران کسی ملازمہ کے سر سے گر گئی ہو یا پھر دھوبی کے ہاں سے دھل کر آنے والی کسی
چادر یا تکئے کے غلاف پر چڑھ کر آ گئی ہو اور میرے سر میں چڑھ گئی ہو۔"

"توبہ توبہ۔" ممی نے کہا۔ "یہ تو سب کے سر میں ہو جائیں گی۔"

"آپ صاف کر دیں۔" میں نے لجاجت سے کہا۔

"نہیں بھئی میں یہ کام نہیں کر سکتی۔ مجھے تو گھن آ رہی ہے۔"

ممی کے جانے کے بعد بھیا نے مجھ سے کہا۔ "تم فکر نہ کرو' میں صاف کر دوں گا
تمہارا سر۔"

مگر بد قسمتی سے ممی نے نانی جان کو یہ خبر جا سنائی اور وہ اسی روز ایک قینچی اور
ماچس کی ایک ڈبیا لئے ہوئے کمرے میں آئیں۔ ماچس کی ڈبیا میز پر رکھنے کے بعد انہوں
نے مجھ سے کہا۔ "لڑکی' باتھ روم میں چلو' میں تمہارے بال کاٹوں گی پھر تم انہیں خود جلا
دینا۔"

اپنے لانبے سیاہ چمکیلے بالوں کے کاٹے جانے کا خیال ہی میرے لئے روح فرسا تھا۔
میں نے نانی جان سے بے حد لجاجت کہا۔ "نہیں نانی جان' میں اپنے بال نہیں کٹواؤں گی۔"

"کتنی مرتبہ کہا ہے کہ مجھے نانی جان مت کہا کرو۔" نانی جان غرا کر بولیں۔ "دیکھتی
ہوں کیسے نہیں کٹواؤ گی۔"

نانی جان نے قینچی اٹھائی اور میری طرف بڑھیں۔

"میں نہیں کٹواؤں گی۔" میں نے سہم کر کہا اور سمٹ گئی۔

"آپ اس کے بال نہیں کاٹ سکتیں۔" بھیا میری مدد کو آگے بڑھے۔

"اچھا!" نانی جان نے تیوری چڑھا کر بھیا کو دیکھا اور مجھ پر جھپٹ کر میرے بال
مٹھی میں جکڑ لئے۔ میں بلک بلک کر رونے لگی اور مجھے روتا دیکھ کر حارث اور فرحین بھی
رونے لگے۔

نانی جان نے قینچی کھولی لیکن تب ہی بھیا نے آگے بڑھ کر نانی جان کا ہاتھ پکڑ لیا اور
بولے۔ "میں آپ کو زری کے بال نہیں کاٹنے دوں گا۔"

نانی جان لاکھ ہماری بزرگ سہی مگر بھیا نے یوں پوری قوت سے ان کی کلائی دبوچی
کہ وہ بے بس ہو کر رہ گئیں اور انہوں نے میرے بال چھوڑ دیئے۔

"لڑکے' چھوڑ میرا ہاتھ۔"

"میں ہاتھ تو چھوڑ دوں گا مگر آپ زری کے بال نہیں کاٹیں گی ورنہ.........."
"ورنہ کیا کر لے گا تو؟" نانی جان نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا۔
"ورنہ میں قینچی آپ کے ہاتھ سے چھین کر کموڈ میں ڈال دوں گا۔"
"اچھا' تیری یہ مجال!" نانی جان نے کہا۔
"آپ زری کے بال نہیں کاٹیں گی کیونکہ ڈیڈی کو اس کے بال بہت پسند تھے۔" یہ کہتے ہوئے بھیا نے نانی جان کی کلائی چھوڑ دی۔
نانی جان پیچھے ہٹیں اور انہوں نے قینچی میز پر رکھنے کے بعد بھیا کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب تم خود اس کے بال کاٹو گے۔"
"ہرگز نہیں۔" بھیا نے جارحانہ انداز میں کہا۔
"ٹھیک ہے۔" نانی جان معنی خیز انداز میں مسکرائیں اور اس سے وہ مجھے کسی جادوگرنی سے کم نہ دکھائی دیں۔ "میں رات کو پھر آؤں گی۔ اگر میں نے اس کے بال کٹے ہوئے نہ دیکھے تو پھر میں تم چاروں کا کھانا بند کر دوں گی۔"
پھر نانی جان نے دروازے کا رخ کیا اور دروازہ کھولنے سے قبل انہوں نے پلٹ کر ہماری طرف دیکھا۔ ان کی مسکراہٹ گہری پڑ گئی تھی۔ "اس کی کھوپڑی سے بال اتار کر جلا ضرور دینا تاکہ جوئیں بھی راکھ ہو جائیں۔" نانی جان نے بہت حقارت سے مجھے دیکھا۔
نانی جان تو یہ کہہ کر رخصت ہو گئیں اور میں خائف ہو کر بھیا کو دیکھنے لگی۔
"کیا بات ہے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" بھیا نے پوچھا۔
"میں اپنے بال نہیں کٹواؤں گی۔" میں رو دینے کو تھی۔
بھیا آگے بڑھے اور انہوں نے میرے سر پر محبت سے ہاتھ دھر کر کہا۔ "میں اپنی بہن کے بال کاٹنے والے کے ہاتھ توڑ دوں گا۔"
"آپ نہیں کاٹیں گے نا میرے بال؟" میں نے حوصلہ پا کر کہا۔
"کیا تم مجھے اتنا احمق اور ذلیل سمجھتی ہو؟" بھیا بولے پھر انہوں نے کہا۔ "البتہ جوئیں میں صاف کر دوں گا۔"
پھر بھیا مجھے بالاخانے میں لے گئے اور نہ صرف بھیا بلکہ حارث اور فرحین بھی اپنے ننھے منے ہاتھوں سے میرے سر سے لیکھیں نکالنے میں جت گئے۔ مسلسل کئی گھنٹے یہ دیدہ ریزی جاری رہی یہاں تک کہ بقول بھیا کے میرا سر لیکھوں سے بالکل پاک ہو گیا۔
رات کو جب نانی جان نے ہمارے کمرے کا چکر لگایا تو میں اپنی ریشمی زلفوں کو شیمپو سے دھو کر مزید چمکائے بیٹھی تھی۔ نانی جان نے نہایت خشمگیں نظروں سے پہلے مجھے اور

بھیا کو دیکھا۔ "تم نے نہیں کاٹے نا اس کے بال!" نانی جان نے بھیا کو گھورا۔
"ہم نے زری کا سر بالکل صاف کر دیا ہے۔" بھیا نے کہا۔
"اپنے باپ کی طرح کمینے ہو تم لوگ۔" نانی جان کی نگاہوں سے نفرت ٹپک رہی تھی۔
"آپ ہمارے ڈیڈی کو کچھ نہ کہیں۔" بھیا تڑپ کر بولے۔
"میری مرضی میں جو آئے گا' کہوں گی اور سن لو' حکم عدولی کی سزا کہ کل سے تمہارا کھانا بند۔" باسکٹ اٹھا کر وہ ہمارے کمرے سے نکل گئیں اور انہوں نے حسب معمول دروازہ باہر سے مقفل کر دیا۔
"اگر انہوں نے سچ مچ ہمارا کھانا بند کر دیا تو کیا ہو گا بھیا؟" میں نے بھیا سے کہا۔
"فکر مت کرو۔ ہمارے پاس بسکٹ کے دو ڈبے اور چاکلیٹ کا پورا پیکٹ موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے آج کا باقی بچ جانے والا کھانا باسکٹ میں چھوڑ دینے کے بجائے سنبھال کر رکھ لیا ہے۔ کل کا دن تو گزر ہی جائے گا۔ پھر ممی آ ہی جائیں گی۔"
"اور اگر نہ آئیں تو؟" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔
"کیوں نہیں آئیں گی' ضرور آئیں گی۔" بھیا بولے۔ "پرسوں تو وہ حارث اور فرحین کے لئے اسٹوری بکس لانے کا وعدہ کر گئی ہیں۔"
"ممی کا وعدہ!" میں نے طنز سے کہا اور اس سے میرا دل بری طرح دکھ رہا تھا۔
[illegible]
کہا۔
ممی کے وعدوں پر کم از کم میں تو اب قطعاً بھروسہ نہ کر سکتی تھی۔ ان کے وعدوں پر بھروسہ کرنا خود کو فریب دینے کے مترادف تھا۔ جس قفس میں انہوں نے ہمیں اس وعدے کے ساتھ رکھا تھا کہ فقط چند دن ہمیں وہاں رہنا ہو گا' اس میں قید ہوئے ہمیں ڈیڑھ برس ہو چکا تھا اور ممی ہمیں اب بھی اسی وعدے پر رکھے ہوئے تھیں کہ بس چند روز اور ہمیں وہاں رہنا تھا۔ ادھر نانا جان عدم کو سدھارے' ادھر آزادی نے ہمارے ماتھے کو چوم کر دو جہان کی نعمتیں ہمارے قدموں میں ڈھیر کر دینا تھیں۔ بھیا نے ممی کے نہ صرف اس وعدے پر بھروسہ کر لیا تھا بلکہ اس سے پہلے بھی وہ ان کے ہر وعدے پر اعتبار کرتے رہے تھے۔ ممی کے وعدوں پر سے میرا اعتبار قطعاً اٹھ چکا تھا۔ بھیا ان لوگوں میں سے تھے جو محبت کے ہاتھوں بخوشی لٹ پٹ جانا گوارا کر لیتے ہیں جبکہ میں شاید ان لوگوں میں سے تھی جو محبت کے ہاتھوں اپنے استحصال کی اجازت نہیں دیتے اور "لو اور دو" کے اصول کے تحت

محبت کرتے ہیں۔

☆--------☆--------☆

اگلے روز سے نانی جان کی جانب سے ہمیں مقررہ راشن کی فراہمی روک دی گئی۔ بھیا نے تھوڑی سی تشویش ظاہر کی جبکہ میں بہت پریشان ہوئی۔ گذشتہ روز کا تھوڑا سا بچا ہوا کھانا' بسکٹ کے دو ڈبے اور چاکلیٹ تو ایک وقت کا بھی کھاجانہ تھے۔ ہو سکتا ہے بھیا بھی مجھی جتنے پریشان ہوئے ہوں لیکن انہوں نے اپنی پریشانی کو مجھ پر عیاں نہ ہونے دیا ہو۔

صبح ناشتے کے وقت ہم نے گذشتہ روز کی باقی ماندہ اشیاء پر گزارا کیا۔ دوپہر کو ہم نے بسکٹ کا پہلا ڈبا کھولا۔ بھیا اور میں نے ایک ایک بسکٹ لیا اور اسی کو ذرا ذرا چوستے رہے جبکہ ڈبے میں موجود باقی تمام بسکٹ حارث اور فرحین کو کھلا دیئے۔ صد شکر کہ نانی جان نے کھانا ہی بند کیا تھا' باتھ روم کے نلوں میں آنے والا پانی بند نہیں کیا تھا ورنہ شاید پہلے ہی دن ہماری حالت غیر ہو جاتی۔

رات کو بسکٹ کا دوسرا ڈبا کھولا گیا۔ بھیا اور میں نہ صرف ہاتھ کھینچے رہے بلکہ ہم نے اس خدشے کے تحت کہ کیا عجب نانی جان کل بھی کھانا نہ دیں اور ممی بھی نہ آئیں، پانچ چھ بسکٹ بچا کر رکھ لئے۔ چاکلیٹ تو حارث اور فرحین دن بھر میں ختم کر ہی چکے تھے۔

ہمارا خدشہ غلط ثابت نہیں ہوا۔ نانی جان اگلی صبح بھی کھانے کی باسکٹ نہیں لائیں۔ بچے ہوئے بسکٹوں میں سے میں نے حارث اور فرحین کو ایک ایک بسکٹ ناشتے کے وقت دیا اور پھر انہیں بہت سارا پانی پلا دیا۔ میرا خیال تھا کہ بہت سا پانی پی لینے سے وہ اپنا پیٹ خالی محسوس نہیں کریں گے۔ ایک ایک بسکٹ دوپہر کو دیا اور ایک ایک رات کے وقت۔

ممی اپنے وعدے کے مطابق نہیں آئیں۔

اگلی صبح سے حارث اور فرحین کا بھی مکمل فاقہ شروع ہو گیا۔ دوپہر تک دونوں بھوک سے نڈھال ہو کر پڑ گئے۔ میری اپنی آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں اور اپنی آنتوں کی اس کیفیت کے حوالے سے میں بھیا کی حالت کا اندازہ بھی کر سکتی تھی حالانکہ وہ اپنی کیفیت کو چھپا رہے تھے۔ شام تک دونوں بچے نیم جان ہو گئے اور ان کی آنکھوں میں نقاہت ڈولنے لگی۔

رات کو بھیا اور میں بہت دیر سر جوڑے یہی سوچتے رہے کہ اگر نانی جان کل بھی کھانا نہ لائیں اور ممی بھی نہ آئیں تو ہم دو ننھی جانوں کی بھوک کی تسکین کا سامان کیو کر

کریں گے؟

اس رات میں تمام رات ابھی سوتے ابھی جاگتے والی کیفیت سے دوچار رہی۔ میں نے عجیب و غریب خواب دیکھے۔ میں نے دیکھا جیسے حارث اور فرحین ہم سے بچھڑ گئے ہیں اور ہم دونوں یعنی بھیا اور میں ان کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ انہیں تلاش کرتے کرتے ہم ایک گھنے اور تاریک جنگل میں جا پہنچتے ہیں اور ان دونوں کو دیوانہ وار پکارتے پھرتے ہیں۔

پھر اسی گھنے اور تاریک جنگل میں ہمیں ایک گھر بنا دکھائی دیتا ہے جس کی دیواریں اینٹوں کے بجائے ڈبل روٹی کے ٹکڑوں کی بنی ہیں۔ ڈبل روٹی کے ٹکڑوں کو باہم جوڑنے کے لئے مکھن اور پنیر استعمال کیا گیا ہے۔ اس گھر کی چھت کھپریل سے مشابہ ہے لیکن [illegible] بسکٹوں کی بنی ہے۔ گھر کے دروازے اور کھڑکیاں چاکلیٹ سے بنائے گئے ہیں۔ گھر کے باہر پیپرمنٹ چیونگ گم کی باڑ کھڑی ہے اور اس باڑ کی آڑ میں رنگ برنگے پھولوں کے پودے کھڑے ہیں جو درحقیقت سات مختلف ذائقوں والی آئس کریم کے بنے ہوئے ہیں۔ حارث اور فرحین کی تلاش میں بھیا اس گھر کے اندر جانے کا ارادہ کرتے ہیں مگر میں منع کرتی ہوں اور انہیں' ان کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہوں اور کہتی ہوں۔ "نہیں اندر مت جانا! یہ ایک جال ہے! ہم اس گھر کے اندر گئے تو پھنس جائیں گے!"

[illegible] اندر گئے ہیں۔ میں اندر جاؤں گا تاکہ حارث اور فرحین [illegible] ہے! آؤ' تم بھی میرے ساتھ چلو۔"

ہم اندر داخل ہوتے ہیں تو ہمیں ڈبل روٹی' مکھن اور پنیر سے بنے ہوئے فرنیچر سے [illegible] ایک کمرہ دکھائی دیتا ہے۔ صوفوں پر چاکلیٹ سے بنے ہوئے کشن رکھے نظر آتے [illegible]

اس گھر کے باورچی خانے میں ایک بدصورت جادوگرنی کھڑی ملتی ہے جس نے حارث اور فرحین کو ان کے ملائم بالوں سے پکڑ رکھا ہوتا ہے اور ان کے تکے بنانے کے لئے انہیں آگ پر سینکنے کی تیاری کر رہی ہوتی ہے۔ وہ دونوں انتہائی خوفزدہ دکھائی دے رہے ہوتے ہیں۔

[illegible] منظر دیکھ کر چلا پڑتی ہوں۔ ظالم جادوگرنی مجھے روتے دیکھ کر اپنا منہ کھولتی [illegible] لگتی ہے۔ اس کے لمبے لمبے نکیلے دانت اسے اور بھی کریہہ الصورت بنا دیتے [illegible] ہوئے اپنا منہ اتنا پھاڑ دیتی ہے کہ اس کے حلق کے غدود تک دکھائی دینے

لگتے ہیں۔

میں اس جادوگرنی سے حارث اور فرحین کو چھوڑ دینے کی استدعا کرتی ہوں مگر انہیں بدستور دبوچے رکھتی ہے۔ تب ہی اچانک ممی نظر آتی ہیں۔

ممی نے بہت خوبصورت لباس زیب تن کر رکھا ہے اور ان کے لانبے سیاہ بال کھلے ہوئے ان کی پشت پر لہرا رہے ہیں۔ ممی ہم دونوں کی جانب بڑھتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی لانبی سیاہ زلفیں سانپوں کی طرح بھیا اور میرے گرد لپٹتی چلی جاتی ہیں اور سانپوں کے پھن ہمارے گلے تک آ پہنچتے ہیں۔

"میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" ممی کہتی ہیں۔

میں چیختی ہوں' چلاتی ہوں اور خود کو ممی کی سیاہ زلفوں کے سانپوں کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرتی ہوں اور بالآخر اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتی ہوں۔

میں اس گھر سے نکل بھاگتی ہوں اور گھنے جنگل میں دوڑتی چلی جاتی ہوں یہاں تک کہ میں دوڑتے دوڑتے ایک تالاب میں جاگرتی ہوں جو پانی کے بجائے خون سے بھرا ہوا ہے۔ میں اس خون میں نہا جاتی ہوں۔ تالاب کی مچھلیاں اور جنگل کے جانور قہقہے لگانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں۔ "دیکھو! دیکھو اس لڑکی کو!" میں اس تالاب سے نکل کر ان کے قہقہوں سے دور بھاگ جانے کی کوشش کرتی ہوں مگر ناکام رہتی ہوں اور وہ سب مجھ پر ہنستے ہیں اور ہنستے ہیں۔ "تم اب ہمیں نہیں جاسکتیں!"

میں متوحش ہو کر اٹھ بیٹھی۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ بھیا' حارث اور فرحین گہری نیند سو رہے تھے۔ میں نے اپنے نزدیک سوئی فرحین کا پیٹ ٹٹولا۔ اس کا پیٹ خالی تھا اور پچکا پڑا تھا۔ میرا جی بھر آیا۔ فرحین کی پیشانی کو چوم کر میں دوبارہ لیٹ گئی۔ نیند میری آنکھوں سے بھاگ چکی تھی۔ تادیر میں آنسو بہاتی رہی۔

اگلی صبح پھر نہ نانی جان آئیں نہ کھانے کی باسکٹ۔

حارث اور فرحین کا بھوک سے برا حال تھا اور وہ کچھ کھانے کو مانگ رہے تھے مگر ہمارے پاس انہیں دینے کو کچھ نہ تھا۔ بھوک کے مارے بھیا کا منہ بھی اتر گیا تھا اور میرا بھی برا حال تھا۔ ممی بھی نہیں آئیں۔

رات کو نانی جان ذرا دیر کو آئیں اور پھر خالی ہاتھ آئیں۔ انہوں نے پہلے مجھے اور بھیا کو گھورا اور بولیں۔ "دیکھتی ہوں کب تک بال نہیں کاٹے جائیں گے۔"

اگلا دن پھر فاقے میں گزرا۔ حارث اور فرحین نے گردن ڈال دی تھی۔ رات تک ہم نے ممی کی راہ دیکھی لیکن جب وہ نہیں آئیں تو میں نے قینچی اٹھائی اور بھیا سے کہا۔ "میرے بال کاٹ دیجئے۔"

"نہیں۔" بھیا بولے۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔"

"حارث اور فرحین بھوک سے مرجائیں گے بھیا۔" میں بلک بلک کر رو دی۔

"ممی آجائیں گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کب؟ کب آئیں گی ممی؟ کیا ان کے مرنے کے بعد؟" میں نے بھوک سے نیم جاں پڑے حارث اور فرحین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج اور دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے ممی رات کو کسی وقت آجائیں۔"

مگر ممی نہیں آئیں۔

رات کے پچھلے پہر میں دبے پاؤں اٹھی اور میں نے باتھ روم میں جاکر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال کاٹنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی سی دیر میں میری صورت بگڑ کر رہ گئی۔

صبح کو آنکھ کھلنے پر جب بھیا نے میرے کٹے ہوئے بال دیکھے تو ان کے چہرے پر ایسا کرب امنڈ آیا جو میں نے پہلے کبھی ان کے چہرے پر نہیں دیکھا تھا۔ حارث اور فرحین بستر پر پڑے ٹکر ٹکر دیکھتے رہے۔ وہ بھوک سے اتنے نڈھال ہو چکے تھے کہ جب میں نے [illegible]

"باجی' بھوک لگی ہے۔" دونوں نے ایک ہی بات کہی۔

میں خود کو مجرم محسوس کر رہی تھی۔ نہ میرے سر میں جوئیں ہوتیں نہ ان ننھی سی جانوں پر یہ عذاب گراں نازل ہوا ہوتا۔

دوپہر تک ہم اسی آس میں رہے کہ شاید نانی جان آجائیں اور میرے بال کٹے ہوئے دیکھ کر ان کی انا کی تسکین ہو جائے اور وہ ہمیں کھانا لا دیں لیکن نانی جان نہیں آئیں۔ دوپہر کو بھیا بالاخانے میں گئے اور وہاں سے پودوں کے پتے توڑ لائے جنہیں میں نے خوب اچھی طرح دھویا اور پھر بچوں کو کھلانے کی کوشش کی مگر پہلا پتا چباتے ہی انہوں نے منہ بنانا شروع کر دیا۔

"انہیں نمک اور کالی مرچ چھڑک کر کھلاؤ۔" بھیا نے مشورہ دیا۔

میں نے بھیا کے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کی مگر یہ ترکیب کارگر نہ ہوئی اور دونوں بری طرح ابکائیاں لینے لگے۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ وہ پتے میں چبا جاؤں مگر یہ

خیال حارج رہا کہ جب وہ ننھی ننھی سی جانیں بھوکی تھیں تو میں اپنے پیٹ کی آگ بھلا کس منہ سے بجھالیتی۔

بھیا دوبارہ بالاخانے میں گئے اور ایک چوہے دان میں سے نہ جانے کتنے پرانے ڈبل روٹی کے چند چھوٹے چھوٹے نیالے ٹکڑے نکال لائے جنہیں خوب اچھی طرح دھونے کے بعد ہم نے حارث اور فرحین کو کھلا دیا مگر اس سے کیا خاک تسکین ہوتی!

☆-------☆-------☆

ہمیں اپنے مقررہ راشن سے محروم ہوئے ہفتہ بھر ہو رہا تھا۔ نانی جان نے ہمیں نہ صرف اشیائے خورد و نوش کی فراہمی بند کر رکھی تھی بلکہ ماسوا ایک دفعہ کے' ہمارے کمرے میں بھی نہ آئی تھیں۔ بستر کی چادریں اور تکیوں کے غلاف بھی میلے ہو چلے تھے۔ واشنگ پاؤڈر موجود تھا۔ میں چاہتی تو اپنے اور بہن بھائیوں کے استعمال میں رہنے والے کپڑوں کی طرح بستروں کی چادریں اور تکیوں کے غلاف بھی دھو کر بالاخانے میں ڈال کر سکھا سکتی تھی مگر مسلسل فاقہ کشی نے نیم جان بلکہ سچ تو یہ تھا کہ تقریباً بے جان کر رکھا تھا۔

ہم صبح اٹھتے' دانت صاف کرتے' ہاتھ منہ دھوتے اور سادہ پانی پی کر چپ چاپ بستر پر پڑ جاتے۔ چلنے پھرنے کی طاقت معدوم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ حارث اور فرحین کی آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔ پیٹ بالکل چپک کر رہ گئے تھے۔ صبح کو جب میں ان کا منہ دھلانے کے لئے انہیں باری باری غسل خانے میں لے جاتی تو کمزوری سے ان کی ٹانگیں کانپ رہی ہوتیں۔ وہ ٹکر ٹکر ہمیں دیکھے جاتے اور صبح سے رات تک سینکڑوں مرتبہ یہ سوال کرتے کہ ممی کب آئیں گی۔ میں ان کے اس سوال پر بھیا کو دیکھتی' اور بھیا سر جھکا لیتے۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی ان کے اس سوال کا جواب نہ دے پاتا۔ ٹی وی نشریات کا آغاز ہوتے ہی میں ٹی وی بہت دھیمی آواز میں کھول دیتی۔ اختتام نشریات تک ٹی وی چلتا رہتا اور ہم خالی خالی نگاہوں سے ٹی وی اسکرین پر متحرک تصاویر کو تکے جاتے یا پھر ہم پر بھوک سے غشی طاری ہو جاتی۔

حارث اور فرحین جب بھوک سے بلبلانے لگتے تو میرا کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔ آج بھی جب حارث کی بھوک سے ڈوبتی ہوئی آنکھیں مجھے یاد آتی ہیں تو میرا دل پھوڑے کی طرح دکھنے لگتا ہے۔ بھوک سے ان کا تڑپنا اور رونا یاد کر کے میں آج بھی بے کل ہو جاتی ہوں اور مجھے اپنی روح گھائل محسوس ہوتی ہے۔

حارث اور فرحین کو بھوک سے بلبلاتے دیکھ کر میں بارہا اتنی مضطرب ہوئی کہ میں نے اپنے کمرے کا بند دروازہ دھڑدھڑانے یا کھڑکیوں پر پڑے پردے سرکا کر روئی! روئی!

[illegible] بلند کرنے کے لئے بارہا کمر باندھی............ لیکن بھیا ہر بار آڑے آ جاتے۔

"پاگل ہوئی ہو کیا؟" وہ مجھے جھنجھوڑ کر کہتے۔ "خدا جانے ممی کس قسم کے حالات [illegible] دوچار ہیں............ یقیناً کوئی غیر معمولی بات ہے جو وہ نہیں آئیں ہمارے پاس............ [illegible] ضرور آئی ہوتیں۔"

"آپ حارث اور فرحین کی حالت نہیں دیکھ رہے؟ دھوپ اور تازہ ہوا کے بغیر ان کی صحت پہلے ہی اچھی نہ تھی۔ کھانا نہ ملنے سے ان کی حالت اور تباہ ہو گئی ہے۔"

"خدا نے چاہا تو آج ممی ضرور آ جائیں گی۔"

آج مسلسل کل میں بدلتی چلی گئی۔ ممی کو نہ آنا تھا' نہ آئیں۔ کئی روز ہو چکے تھے [illegible] منہ میں کھیل تک اڑ کر نہ گئی تھی۔ ہم چاروں ہی گردنیں ڈالے پڑے تھے۔ [illegible] میں موت کی سی خاموشی تھی۔ دو دن سے ہم نے ٹی وی بھی نہ کھولا تھا۔ بھوکے [illegible] بھلا کتنے دن خود کو بہلایا جا سکتا تھا؟ میں چپ چاپ پڑی تھی اور بھیا بھی چھت پر [illegible] لگائے گم صم سے لیٹے تھے۔

"باجی............ ممی............ کب............ آئیں............ گی؟" حارث نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

میرے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ میں بھیا کی جانب دیکھ کر رہ گئی۔ [illegible] ایک بھیا اٹھے۔ انہوں نے الماری میں سے اپنا جیبی چاقو نکالا پھر حارث کے نزدیک [illegible] حارث کو اٹھا کر بٹھایا اور اپنی کلائی کو ایک مخصوص مقام پر گھاؤ دیا اور اپنی زخمی [illegible] وہ سمجھایا مگر بھیا نے اسے اپنی کلائی سے نکلا لہو پینے پر [illegible] کر دیا۔ پھر وہ فرحین کی طرف آئے۔ انہوں نے کلائی کے گھاؤ کو چاقو سے ذرا اور [illegible] اور فرحین کو بھی اپنا لہو پلانے لگے۔

میں دم بخود پڑی یہ منظر دیکھتی رہی۔ بھیا نے اپنی تکلیف مجھ پہ ظاہر نہ ہونے دینے [illegible] اپنے لب باہم بھینچ لئے تھے۔ پھر بھیا نے اپنی کلائی میری جانب بڑھائی اور اپنا لہو [illegible] پر اصرار کرنے لگے مگر میں نے اپنے دونوں ہاتھ سختی سے اپنے منہ پر دھر لئے [illegible] گھٹی آواز میں کہا۔ "خدا کی قسم! میں ہرگز منہ نہ لگاؤں گی۔"

"تھوڑا سا۔" بھیا خوشامدانہ آواز میں بولے۔

"نہیں۔"

"میری اچھی بہن۔"

"ہرگز نہیں۔" میں روہانسی ہو گئی اور میں نے کہا۔ "اگر آپ نے زیادہ اصرار کیا تو

میں چلا دوں گی۔"

میری جانب سے مایوس ہو کر بھیا نے حارث اور فرحین کو پھر اپنا لہو چٹانے کی کوشش کی مگر مجھے خائف دیکھ کر وہ دونوں بھی خوفزدہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ بھیا نے فرسٹ ایڈ بکس کھولا اور اپنی کلائی کے گھاؤ کی مرہم پٹی آپ ہی کرنے لگے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ میں ان کے زخم پر پھاہا ہی دھر دیتی۔

جب بھیا اپنی کلائی پر پٹی باندھ کر میرے پاس آ بیٹھے تو میں نے کہا۔ "مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے اب ہم اس کمرے میں بھوک سے دم توڑ دیں گے۔"

"نہیں۔" بھیا بولے۔ پھر انہوں نے قدرے توقف سے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اگر وہ ظالم بڑھیا کل بھی ہمارے لئے کھانا نہیں لائی اور ممی بھی نہیں آئیں تو ہم اپنے بستروں کی چادروں کو آپس میں باندھ کر کمند بنائیں گے اور بالا خانے کی کھڑکی سے زمین تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"حارث اور فرحین تو بہت چھوٹے ہیں' وہ بھلا کیونکر نیچے اتر سکیں گے؟" میں نے تشویش ظاہر کی۔

"حارث کو میں اپنی پیٹھ سے باندھ لوں گا اور فرحین کو تم باندھ لینا۔ ہم انہیں اپنے ساتھ لے کر نیچے اتر جائیں گے۔ تم فکر نہ کرو انشاء اللہ' ہم بخیریت نیچے پہنچ جائیں گے کل اپنے اس منصوبے پر ہم رات کی تاریکی ہی میں عمل کر پائیں گے۔"

"تو پھر آج رات ہی کیوں نہیں؟"

"ابھی ہم ممی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے' آج آ جائیں!"

مگر ممی اس رات بھی نہیں آئیں۔

میں نے تڑکے بھیا کو جگایا اور اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے پر انہیں اکسانے کی کوشش کی تو وہ بولے۔ "صبح ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں ہے۔ بڑی بی یا ان کے کسی نوکر نے دیکھ لیا تو ہم مزید مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔"

"آپ صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ آپ آج کا دن اور ممی کے انتظار میں گنوانا چاہتے ہیں؟"

بھیا نے شاکی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولے۔ "زری! تم ممی کے بارے میں نہ جانے اتنا تلخ رویہ کیوں رکھتی ہو۔ وہ بے چاری نہ جانے کس مشکل میں گرفتار ہوں گی!"

میں نے خاموشی سادھ لی۔ میں جانتی تھی کہ ممی کے بارے میں بھیا کے جذبات اس خاموش شہید کے جذبات سے کم نہ تھے جو اپنے سینے پر کوئی تمغہ سجانے کی تمنا نہیں

...

صبح ہو جانے پر جب حارث جاگا اور اس کا منہ ہاتھ دھلوانے کے لئے اسے باتھ روم میں لے جانے کی کوشش کی تو وہ میرے ہاتھوں میں آ گیا۔ اس نے آنکھیں پلٹ دیں اور اس کے سانس کی رفتار مجھے سہمانے لگی۔ فرحین اگرچہ سو رہی تھی مگر اس کے چہرے پر چھائی ہوئی مردنی چغلی کھا رہی تھی کہ اس کی حالت بھی حارث سے چنداں مختلف نہ تھی۔

"باجی.......... ہوا.......... ہوا سے کہیں.......... چلی جائے.......... ہوا کو بھگا دیں.........." حارث نے مردہ سی آواز میں کہا۔

میں نے سہم کر اسے اپنی آغوش میں دبکا لیا۔

"ممی.......... کو.......... بلائیں۔"

"جان! میں.......... میں ہوں تمہاری ممی۔"

"نہیں.......... آپ.......... ممی.......... نہیں.......... باجی ہیں.......... باجی.......... ممی.......... کب ملے.......... گا؟"

اس کا سوال میخ کی طرح میرے دل میں اترتا چلا گیا۔ میں بے تابانہ اس کا سر چومنے لگی اور میرے آنسو اس کے بالوں کو بھگونے لگے۔ بھیا غالباً اس منظر کی تاب نہ لا کر بالا خانے میں چلے گئے۔

[illegible]

اور ایک پلیٹ اور چاقو لے کر اوپر چلے گئے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر رہی کہ وہ اوپر کیا کر رہے ہیں۔ تقریباً نصف گھنٹے بعد بھیا پلیٹ میں تازہ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لئے دوبارہ نیچے اترے۔ انہوں نے خون آلود گوشت کے ٹکڑوں کو باتھ روم میں دھویا پھر پلیٹ لئے میرے نزدیک آ کھڑے ہوئے اور مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولے۔ "حارث کو یہ کھلا دو۔"

"یہ کہاں سے آیا؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"بالا خانے میں ایک کتاب رکھی ہے جس میں لکھا ہے کہ اگر بھوک سے مر جانے کا اندیشہ ہو تو مردار کھانا بھی جائز ہے۔" بھیا نے کہا پھر وہ میرے چہرے کے تاثرات کا بغور جائزہ لیتے ہوئے بولے۔ "چوہوں کا گوشت دنیا کے کئی حصوں میں کھایا جاتا ہے۔"

"چوہوں.......... کا گوشت!" میں نے جھرجھری سی لے کر کہا۔

"میں نے تازہ شکار کئے ہیں۔"

مجھے بری طرح ابکائی آئی اور میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ دھر لیا۔

"ایسے کام نہیں چلے گا زری۔" بھیا بولے۔ "حارث اور فرحین کی حالت تشویش ناک ہو چکی ہے۔ انہیں گوشت کے ان ٹکڑوں پر نمک اور کالی مرچ چھڑک کر کھلانے کی کوشش کرو تاکہ ان میں کچھ تو دم آئے' ورنہ اگر یہ دونوں بھوک سے یونہی غشی میں پڑے رہے اور آج بھی ہمیں کھانا فراہم نہ کیا گیا تو ہم اپنے رات والے منصوبے کو کیونکر عملی جامہ پہنا سکیں گے۔ کمند کے ذریعے ہم نے یہاں سے فرار کا جو منصوبہ بنایا ہے' وہ درحقیقت ایک ایمرجنسی ہوگی۔ ہم زمین پر صحیح سلامت بھی پہنچ سکتے ہیں اور ذرا سی چوک یا کمزوری کے نتیجے میں اتنی بلندی سے زمین پر گر کر شدید زخمی بھی ہو سکتے ہیں' بلکہ مر بھی سکتے ہیں۔ اس ایمرجنسی سے گزرنے کے لئے تھوڑی بہت طاقت بھی ان دونوں کے جسم میں ہونی چاہئے اور خود ہمارے جسم میں بھی۔ اٹھو شاباش.......... تھوڑا سا انہیں کھلاؤ.......... تھوڑا سا تم بھی کھاؤ۔"

کچا گوشت اور وہ بھی چوہوں کا!

میں نے جھرجھری سی لے کر کہا۔ "نہیں.......... میں اسے ہاتھ بھی نہ لگاؤں گی۔ آپ اسے لے جا کر کموڈ میں ڈال دیں اور بہا دیں۔"

"پاگل مت بنو۔" بھیا نے آنکھیں نکالیں اور بولے۔ "زندہ رہنے اور یہاں سے فرار حاصل کرنے کے لئے تمہیں یہ گوشت ان دونوں کو بھی کھلانا ہوگا اور خود بھی کھانا ہوگا۔"

میں نے زور سے ابکائی لی۔

"دیکھو' پہلے میں کھا کر دکھاؤں گا تمہیں۔" بھیا نے کہا پھر میز کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "نمک اور کالی مرچ کہاں ہے؟"

مجھے پھر ابکائی آئی۔ میرا پیٹ خالی نہ ہوتا تو شاید میں نے قے کر دی ہوتی۔

بھیا میز کی طرف بڑھے اور انہوں نے پہلے تو نمک دان اٹھا کر گوشت پر نمک چھڑکنے کی کوشش کی پھر پسی ہوئی کالی مرچوں والی شیشی اٹھا کر اسے جھٹکنا شروع کیا مگر ان میں کچھ ہوتا تو نکلتا۔ نمک اور کالی مرچ تو حارث اور فرحین کئی روز قبل ہی ختم کر چکے تھے۔

دونوں شیشیوں میں سے کچھ برآمد نہ ہوتے دیکھ کر بھیا نے بے چارگی سے میری طرف دیکھا پھر بولے۔ "کوئی بات نہیں۔ ہم یونہی کھائیں گے۔" اور پلیٹ میں سے ایک بوٹی اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اور انگوٹھے میں دبا کر بڑے نڈر [illegible]

[illegible]کھوں کے سامنے جھلانے لگے۔

"خدا کے واسطے بھیا۔" اب کی بار مجھے اتنے زور سے ابکائی آئی کہ لگا' آنتیں الٹ کر حلق میں آ پھنسیں گی۔ میں نے حارث کو بستر پر لٹایا اور اپنے منہ پر ہاتھ دھرتی باتھ روم کی طرف بھاگی۔ باتھ روم کا دروازہ بند کئے کتنی ہی دیر میں واش بیسن پر جھکی ابکائیاں لیتی رہی۔ پیٹ خالی ہونے کے باعث آنتیں بری طرح کھنچ رہی تھیں۔

جب میں باتھ روم سے نکلی تو دیکھا' بھیا صبح نو کی تفسیر بنے کھلے پڑے تھے اور ان کی نظریں میز پر رکھی' اس باسکٹ پر جمی تھیں جسے دیکھنے کو ہماری آنکھیں ترس گئی تھیں۔

"کون لایا؟" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"بڑی بی رکھ کر گئی ہیں۔" بھیا نے جواب دیا۔

"نانی جان؟"

"ہاں۔"

کھانے کی وہ باسکٹ جس کی دید کو ہماری آنکھیں ترس گئی تھیں' مجھے اس وقت دنیا کی خوبصورت ترین شے اور عظیم ترین نعمت محسوس ہو رہی تھی اور میرے ذہن میں کئی سوالات ابھر رہے تھے۔ آج ہی کیوں؟ نانی جان گزری کل یا پرسوں بھی تو کھانا پہنچا سکتی تھیں؟ آج عین اس وقت لانے کا سبب کیا تھا جب بھیا جی چوہوں کا کچا گوشت کھانے [illegible] کی جانب سے نانی جان کے ذریعے ہماری بروقت امداد تھی؟

میں نے باسکٹ کا ڈھکن اٹھایا اور دونوں تھرماس باری باری کھول کر دیکھے۔ ایک میں دودھ تھا دوسرے میں سوپ۔ میں نے دو علیحدہ علیحدہ پیالیوں میں تھرماس میں سے سوپ انڈیلا اور ایک پیالی چمچ کے ساتھ بھیا کو تھمائی' دوسری خود سنبھالی اور بھیا سے کہا۔

"آپ فرحین کو پلایئے' میں حارث کو پلاتی ہوں۔"

بھیا فرحین کے نزدیک جا بیٹھے اور اسے چمچے سے سوپ پلانے لگے۔ میں ایک ایک چمچ سے سوپ حارث کو پلانے لگی۔ دونوں نے سوپ اسی اضطرار کے ساتھ پیا جیسے بھیا کی [illegible] سے خون چاٹا تھا۔ سوپ پینے سے جب ان کو قدرے تقویت پہنچی تو پھر ہم نے انہیں سینڈوچ ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھلایا۔ حارث تو اتنے دھیرے دھیرے منہ چلا رہا تھا جیسے کوئی شیر خوار بچہ پہلی دفعہ ٹھوس غذا کھانا سیکھ رہا ہو۔

بعد ازاں بھیا نے اور میں نے ایک ایک سینڈوچ اور دو دو گھونٹ سوپ لیا۔ اگرچہ

کھانے پینے کو کافی تھا اور ہمیں بھوک بھی بہت لگ رہی تھی لیکن بھیا اور میں دونوں اس ڈر سے کھانے پینے میں احتیاط برت رہے تھے کہ کہیں اشیائے خورد و نوش کی یہ فراہمی عارضی نہ ہو۔ یہ طے تھا کہ اگر فراہمی مستقل جاری رہی بھی تو ہم خشک اور جلد نہ خراب ہونے والی خوردنی اشیاء برے وقت کے لئے ذخیرہ کر کے رکھا کریں گے۔

اس روز باسکٹ میں کیلے بھی تھے اور ایک ڈھکن بردار پیالے میں چار گلاب جامنیں بھی تھیں جن پر پسی ہوئی سفید شکر لگی ہوئی تھی۔ قبل ازیں کھانے میں میٹھے کا کوئی اہتمام نہ ہوا کرتا تھا۔ اس روز کھانے کی باسکٹ میں مٹھائی کی موجودگی کو ہم نے نانی جان کی جانب سے معافی مل جانے کا اشارہ سمجھا۔ غالباً اس طرح وہ ہمیں خوش کرنا چاہتی تھیں۔

فاقہ کشی کے وہ چند دن بھیا کی اور میری زندگی کا اہم موڑ ثابت ہوئے۔ اس سے پہلے ہم بچوں کے بڑے بہن بھائی ہوا کرتے تھے اور وقت پڑنے پر ان کے جھوٹ موٹ کے ڈیڈی اور ممی بھی بن بیٹھتے تھے مگر ان چند دنوں نے ہماری قلبی کیفیتوں کو یکسر بدل دیا۔ اب ہم جھوٹ موٹ کے ممی ڈیڈی نہ رہے تھے' بلکہ پوری سنجیدگی سے ان کے والدین بن گئے تھے۔ وہ ہمیں اپنے جگر گوشے اور اپنی اولین ذمہ داری محسوس ہونے لگے تھے۔ ہم نے اپنی زندگیاں ان کے لئے وقف کر دیں۔ ہمارا جینا' ہمارا مرنا اب انہی کے لئے تھا۔

[illegible] کا جزو لازم بن گئیں تاہم ممی نہیں آئیں۔ نانی جان حسب سابق کھانے کی باسکٹ صبح سویرے ہمارے کمرے میں پہنچا دیتیں مگر وہ ہماری طرف دیکھنے سے اجتناب کرتیں۔ وہ نگاہیں نیچی کئے کمرے میں داخل ہوتیں۔ بھری ہوئی باسکٹ میز پر رکھ دیتیں اور گذشتہ روز والی باسکٹ جو خالی ہو چکی ہوتی تھی' وہ واپس لے جاتیں۔ ہم ان سے ممی کے بارے میں پوچھنا چاہتے کہ وہ کہاں تھیں اور ہمارے پاس آنا کیوں ترک کر بیٹھی تھیں مگر نانی جان کی خاموشی اور جھکی ہوئی نگاہیں ہمیں اس کی اجازت نہ دیتیں۔ میرا جی چاہتا پھوٹ پھوٹ کر رو پڑوں اور نانی جان کی توجہ حارث اور فرحین کی طرف مبذول کراؤں جو کھانے کی فراہمی بحال ہونے کے باوجود روزبروز لاغر سے لاغر تر ہوتے چلے جا رہے تھے اور ان کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔

اب یہ بات ڈھکی چھپی نہ رہی تھی کہ ممی کو ہمارا کوئی خیال نہ رہا تھا۔ وہ ہم سے قطعاً بے نیاز ہو گئی تھیں۔ اگر انہیں ہماری پروا ہوتی تو وہ کچھ کہے سنے بنا اس طرح غائب

...ہو تیں۔

بھیا اب ممی کے بارے میں زیادہ بات نہ کرتے بلکہ اگر میں بھی ممی کا ذکر چھیڑتی تو ...خوبصورتی سے کوئی دوسرا موضوع چھیڑ دیتے۔ انہوں نے اپنے سرہانے رکھی ...میں جڑی ممی کی تصویر چپ چاپ ہٹا دی تھی اور اسے اوندھا کر کے الماری کے ...خانے میں رکھ دیا تھا۔ میں جانتی تھی کہ بھیا کو ممی پر مجھ سے کہیں زیادہ اعتبار اور ...تھا۔ اس بھروسے کو ٹھیس پہنچنے سے انہیں شدید اذیت ہوئی تھی۔ وہ ان دنوں یقیناً ...ناقابل بیان کرب سے گزر رہے تھے اور اس کرب و اذیت کی چھاپ ان کے چہرے ...دیکھی جا سکتی تھی۔

بھیا اب پہلے کی طرح ہنس مکھ اور زندہ دل نہ رہے تھے بلکہ بہت چپ چپ اور ...رہنے لگے تھے۔ حارث اور فرحین کی روز بروز بگڑتی صحت اور زرد روئی کے بارے ...انہیں انتہائی تشویش تھی۔ ممی کے بارے میں وہ بہت کم بات کرتے۔ میں بھی احتیاط ...تی۔

ایک رات جب حارث اور فرحین سو چکے تھے اور ہم دونوں جاگ رہے تھے' میں ...بھیا سے جو چھت پر نگاہیں مرکوز کئے نہ جانے کیا سوچ رہے تھے' پوچھا۔ "بھیا! آپ ...خیال میں ممی کہاں چلی گئی ہیں؟"

وہ چونکے انہوں نے چھت پر سے اپنی نگاہیں ہٹا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ [illegible]"

"اب اتنی لاتعلقی بھی نہ برتیں۔ کچھ تو اندازہ ضرور ہو گا۔"

"ہو سکتا ہے' بیمار ہوں۔"

"ممی بہت کم بیمار ہوا کرتی ہیں۔"

"ہو سکتا ہے' ناناجان کی جائیداد کی دیکھ بھال یا حساب کتاب کے سلسلے میں کہیں گئی ...ہوں۔"

"اگر ایسا ہے تو انہیں جانے سے قبل ہمیں بتا تو دینا چاہئے تھا کہ میں اتنے دن کے ...جا رہی ہوں۔ اتنے دن بعد لوٹوں گی' تاکہ ہم لوگ ان کے لئے اتنے بے چین اور ...ن نہ ہوتے۔"

بھیا کچھ نہیں بولے۔ بس مجھے گہری نظروں سے دیکھ کر رہ گئے۔ ان کی آنکھوں میں ...ی امنڈ آئی تھی اور وہ قدرے مضطرب دکھائی دینے لگے تھے۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"ہوں۔"

"کیا آپ ممی سے اب بھی اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی کہ آپ پہلے کیا کرتے تھے؟ اور کیا آپ ان پر اب بھی اسی طرح اعتبار کرتے ہیں؟"

بھیا نے شاکی نگاہوں سے میری طرف دیکھا پھر گھائل لہجے میں بولے۔ "اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ممی کے بارے میں کچھ الٹی سیدھی بکنے لگوں گا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ وہ ہماری ماں ہیں اور ڈیڈی کے بعد ان کے سوا ہمارے پاس ہے ہی کیا؟ وہ اس وقت جہاں بھی ہوں گی' ان کا دھیان ہماری طرف ہی ہو گا اور جب وہ واپس ہمارے پاس آئیں گی تو اتنے دنوں تک غائب رہنے کا ان کے پاس یقیناً کوئی مدلل جواز ہو گا۔"

بھیا کے لہجے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس سے اپنے دل میں ایک چبھن اور دُکھن محسوس کر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی ہوئی سرخی ان کے باطنی کرب کی غماز تھی۔ مجھے افسوس ہوا کہ کیوں میں نے ممی کا ذکر چھیڑ کر انہیں رنجور کر دیا تھا۔ اپنی اس غلطی کی تلافی کی مجھے بس ایک ہی صورت سوجھی کہ موضوع بدل دوں' سو میں نے ایسا ہی کیا۔

ممی کو ہمارے کمرے میں نہ آئے دو ماہ ہو چکے تھے۔ ہمیں ان کے بارے میں کچھ خبر نہ تھی کہ وہ اتنے دنوں کہاں غائب تھیں؟ کیا کر رہی تھیں؟ اور ایسی کن مصروفیات میں گھری ہوئی تھیں کہ انہیں پلٹ کر ہماری خبر لینے تک کی فرصت نہ مل رہی تھی۔

[illegible]
سرکانے کی ممانعت تھی اور کافی عرصے تک ہم اس حکم کے پابند بھی رہے لیکن پھر ہم نے پردوں کی اوٹ سے تاکا جھانکی شروع کر دی تھی۔ باہر جھانکنے پر نظر ہی کیا آتا تھا!

اس رات بلاتوقف بارش ہوتی رہی تھی۔ بھیا اور میں حسبِ معمول صبح سویرے بیدار ہوئے۔ نماز پڑھی پھر میں اپنی سکریپ بک اور رنگین تصاویر والے وہ رسائل لے کر بیٹھ گئی جن میں سے تصاویر تراش کر میں ان دنوں سکریپ بک میں اپنے خوابوں کا گھر سجانے میں مصروف تھی۔ اسکریپ بک کے صفحات پر میں اپنے خوابوں میں بسے اس گھر کے مختلف حصوں کی نقشہ کشی کر رہی تھی۔ جس قسم کے گھر میں' میں اس قفس سے رہائی پانے کے بعد رہنے کی آرزو مند تھی۔

میں اسکریپ بک کھولے اور رسائل کی ورق گردانی کرتے ہوئے جاگتی آنکھوں مستقبل کے سپنے دیکھ رہی تھی جبکہ بھیا کھڑکیوں کے پردے دونوں ہاتھوں سے دائیں بائیں سرکائے کھڑکیوں کے بند شیشوں سے اپنی پیشانی ٹکائے اپنی سوچوں میں گم کھڑے

...علی الصباح گزرنے والی ریل گاڑی سیٹی بجاتے ہوئے جا چکی تھی اور نانی جان کے ...وقت ہو رہا تھا۔

"بھیا! نانی جان کے آنے کا وقت ہو رہا ہے' پردے برابر کر دیں۔" میں نے کہا۔

بھیا نے نہ منہ سے کچھ کہا نہ اپنی جگہ سے کوئی حرکت کی۔

"پردے برابر کر دیں' کوئی دیکھ لے گا۔" میں دوبارہ بولی۔

"دیکھ لے' میں پروا نہیں کرتا۔"

بھیا کے جارحانہ تیوروں نے مجھے قطعاً حیران نہیں کیا۔ ممی کے نہ آنے سے وہ ...الجھے ہوئے تھے۔ اگرچہ انہوں نے اس سلسلے میں اپنے جذبات پر پہرے بٹھا رکھے ...گر ان کی نگاہوں میں ہلکورے لیتی اداسی گواہی دیتی کہ ممی کے رویئے نے انہیں دکھ ...پایا تھا مگر وہ اس محبت سے دستبردار نہ ہوئے تھے جو ممی کی بابت ان کے دل میں ...تھی۔ ان کی تمام امیدیں' خواب اور وفاداریاں اس عورت کے دم سے وابستہ تھیں ...ہماری ماں تھی۔

انہیں ہمارے کمرے میں آئے دو ماہ سے زائد گزر چکے تھے۔ کیا انہیں احساس نہ ...اس قفس میں ایک ایک دن گزارنا ہمارے لئے کوہ گراں عبور کرنے کے مترادف ...وہ جہاں بھی تھیں کیا انہیں ہماری کوئی فکر نہ تھی؟ کیا انہیں یقین تھا کہ ان کی اس ...بے نیازی کی بابت کم از کم بھیا کوئی شکوہ نہ کریں گے؟ کیا وہ یہ سمجھتی تھیں کہ
[illegible] سکتے؟

"بھیا! پلیز پردے چھوڑ دیجئے اور کھڑکی کے پاس سے ہٹ جایئے۔" میں نے منت ...لہجے میں کہا۔

"چپ ہو جاؤ۔" بھیا نے خاصی ناگواری اور بیزاری سے کہا۔ "میں ان پابندیوں ...آ چکا ہوں' زری! آخر کب تک ہم ان پابندیوں میں رہیں گے؟ کب تک اس ...میں مقید رہیں گے؟ کب تک اپنی پسند کا کھانا کھانے سے محروم رہیں گے؟ کب تک ...انہیں مقررہ راشن پر ٹرخاتی رہیں گی؟ کب تک ہم اس بوڑھے کے مرنے کے ...میں دھوپ' روشنی' ہوا اور آزادی جیسی نعمتوں سے محروم رہیں گے؟ کتنے ستم کی ...کہ ہمارے وہ سنہرے دن جو آزاد فضاؤں میں اپنے مستقبل کی تیاری میں گزرنے ...تھے' اس قید خانے میں گزر رہے ہیں! آخر کب ہم اس قید خانے سے نکل کر ...یہی سلسلہ دوبارہ شروع کر پائیں گے؟" بھیا کی آواز لحظہ بہ لحظہ زندھتی چلی گئی۔ ...میرا بھی بھر آیا۔ میں نے اسکریپ بک اور رسائل سمیٹے اور بھیا کے نزدیک جا

کھڑی ہوئی اور ان کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ "یہاں سے نکل کر ہم یہاں گزارے ہوئے ایک ایک دن کی قیمت وصول کریں گے۔"

"کیسے؟"

"ہم بہت دل لگا کر تعلیم حاصل کریں گے۔ خوشیوں کو اُچک اُچک کر چھینیں گے۔"

تب ہی دروازہ یک بیک کھلا اور نانی جان اندر داخل ہوئیں۔ کبھی کبھی وہ قفل میں اتنی آہستگی سے چابی گھماتی تھیں کہ ہمیں خبر ہی نہ ہوتی تھی اور پھر وہ یک بیک دروازہ کھول کر چھاپہ مار انداز میں کمرے میں داخل ہو کر ہمیں اسی طرح چونکا دیتیں جیسے اس وقت چونکا دیا تھا۔ بھیا کو کھڑکی کے پردے ہٹائے دیکھ کر نانی جان کی آنکھوں میں شدید غصہ اُمنڈ آیا مگر بھیا قطعاً خائف نہ ہوئے۔

"اے لڑکے! پردے چھوڑو اور کھڑکی کے پاس سے فوراً ہٹو۔" نانی دھاڑیں۔

بھیا نے ناگواری سے انہیں دیکھا اور بولے۔ "میرا نام لڑکا نہیں' عارف ہے۔ آئندہ آپ مجھے لڑکا کہہ کر مخاطب مت کیجئے گا۔ میرا نام لیجئے گا۔"

"ہونہہ!" نانی جان نے انتہائی نفرت اور حقارت سے بھیا کو دیکھا اور ان کی طرف تھوکتے ہوئے بولی۔ "تمہارا نام لیتی ہے میری جوتی۔"

بھیا نے پردے چھوڑ دیئے اور بڑے جارحانہ انداز میں قدم اٹھاتے نانی جان کے روبرو جا تھمے اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے۔ "ایک بات بتایئے۔ آپ ہم سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں؟"

"کیونکہ تم اس شخص کی اولاد ہو جس نے ہمارے خاندان کی ناموس پر دھبہ لگایا تھا۔" نانی جان نے نفرت سے کہا۔

"ہمارے والدین نے جو کچھ کیا' اس کے ذمہ دار ہم نہیں۔" بھیا بولے۔

میں انتہائی خوفزدہ ہو رہی تھی۔

"بکواس بند کرو۔" نانی جان نے آنکھیں نکالیں۔

مگر بھیا قطعاً خائف نظر نہ آئے بلکہ بڑی دلیری سے بولے۔ "آپ کو اپنے خاندان کی ناموس کے داغدار ہو جانے کا بہت ملال ہے مگر اپنی اس غیر اخلاقی حرکت پر کوئی دکھ نہیں کہ آپ نے اپنی بیٹی کے بچوں کو فاقوں مار دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔"

"بھیا! خاموش ہو جایئے۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔ نانی جان کے چہرے کے تاثرات مجھے لرزا دینے کو کافی تھے۔ "پلیز! اب اور کچھ نہ کہئے گا۔"

مگر بھیا تو پہلے ہی اپنی حد سے بہت زیادہ آگے بڑھ چکے تھے۔ نانی جان نے دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ نانی جان کے تیور میرے کان میں سرگوشی کر گئے تھے کہ وہ اس مرتبہ ہم پر فاقہ کشی مسلط کرنے سے زیادہ عذاب نازل کرنے جا رہی تھیں اور دروازے سے نکلنے کے بعد قفل نہ لگانا اس امر کا غماز تھا کہ وہ ابھی غضبناک ہو کر پلٹیں گی۔

"یہ آپ نے کیا کیا بھیا؟" میں تقریباً رو ہی تو دی۔

حارث اور فرحین جاگ گئے تھے اور خائف دکھائی دے رہے تھے۔

"زری!" بھیا نے میز پر سے کھانے کی باسکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں کو لے کر ہمیں بالا خانے پر چلا جانا چاہئے۔ بڑی بی اوپر نہ آسکیں گی۔"

ابھی ہم حارث اور فرحین کو لے کر زینے کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ نانی جان آ گئیں۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ بہت غضبناک ہو کر آئی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں چمڑے کی ایک بیلٹ تھی جو وہ غالباً کمرے کے باہر کہیں آس پاس ہی سے لے کر آئی تھیں۔

"جلدی کرو۔" بھیا نے انہیں دیکھتے ہی ہم تینوں کو ہدایت کی۔

"اگر تم نے اوپر جا چھپنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا' کھانا دوبارہ بند کر دوں گی۔" نانی جان نے دھمکی دی۔

فاقوں کے گوشت کا تصور میرے قدم جکڑ لینے کے لئے کافی تھا۔ بھیا بھی تھم گئے۔

[illegible]

نانی پھر حارث اور فرحین کو دیکھا جو خوف سے باہم چمٹ گئے تھے اور کھانے کی باسکٹ زینے کے قریب رکھ دی۔

نانی جان نے آگے بڑھ کر ان کی قمیض کا کالر پکڑ لیا اور انہیں کھینچ کر مسہری پر لے آئیں۔ بھیا چاہتے تو مزاحمت کر سکتے تھے مگر انہوں نے نانی جان کی دھمکی کے پیش نظر ایسا نہیں کیا۔ بھیا کو مسہری پر ڈال کر نانی جان نے چمڑے کی بیلٹ ان پر تازیانے کی صورت برسانا شروع کی۔ بھیا ہر وار پر تڑپتے رہے' میرا دل کٹتا رہا۔ حارث اور فرحین سہم کر چمٹ گئے اور رونے لگے مگر نانی جان کی ڈانٹ نے انہیں چپ کرا دیا۔ نانی جان کو نہ بھیا پر رحم آیا اور نہ ان ننھی ننھی سی جانوں پر۔ وہ وار پر وار کر رہی تھیں اور آہ و بکا کی اجازت نہ دے رہی تھیں۔

بھیا کو ادھیڑ ڈالنے کے بعد نانی جان میری طرف مڑیں اور انہوں نے مجھے حارث

اور فرحین کی گرفت سے کھینچ کر قالین پر پٹخ دیا اور دیوانہ وار مجھ پر بیلٹ برسانے لگیں۔ بھیا نے مجھے بچانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے بھیا کو دوبارہ نشانہ ستم بنا لیا اور انہیں بے سدھ کر دینے کے بعد پھر مجھ پر اپنی بہیمیت آزمانے لگیں۔ حارث اور فرحین جو نانی جان کی ڈانٹ سے سہم چکے تھے' گھٹ گھٹ کر رو رہے تھے اور زینے کی آڑ میں دبک گئے تھے۔ نانی جان مجھے دیوانہ وار مار رہی تھیں اور کھل کر رونے کی اجازت نہ دے رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے اتنا مارا کہ میں بے حال ہو گئی۔ میرا ہونٹ بری طرح پھٹ گیا اور خون میرے گریبان کو تر کرنے لگا۔

"باجی کو بچالیں......... باجی کو بچالیں بھیا۔" حارث اور فرحین میرے منہ سے خون نکلتے دیکھ کر چلانے لگے۔

"چپ ہو جاؤ بدبختو۔" نانی نے انہیں ڈانٹا اور وہ سہم کر ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

"نانی جان۔" میں نے کہا۔ "خدا کے ہاں دیر ہے' اندھیر نہیں۔ وہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے اور انصاف کرتا ہے۔ ایک دن آئے گا جب آپ ہم سے بھی زیادہ بے بس ہوں گی اور اسی طرح تڑپیں گی جیسے آج آپ ہمیں تڑپنے پر مجبور کیے دے رہی ہیں۔"

اپنی اس جرأت رندانہ کی مجھے مزید سزا بھگتنا پڑی۔ نانی جان نے میرا سر اس بری طرح دیوار سے دے مارا کہ میری آنکھوں کے آگے ستارے ناچنے لگے۔

"ظالم عورت! بس کر! بس کر!" [illegible]

آنکھوں کے آگے ناچتے ستارے ڈوب گئے اور مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔

جب مجھے ہوش آیا تو بھیا ایک تولئے کو گرم پانی میں بھگو بھگو کر میرے چہرے اور بازوؤں پر پڑے نیل کی ٹکور کر رہے تھے۔ میرا پورا جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ بھیا کے چہرے پر بھی نیل تھے۔

"آئی ایم سوری زری۔" بھیا نے دھیرے سے کہا۔ "اگر میں تمہارا کہنا مان کر کھڑکی کے پاس سے ہٹ جاتا تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ میری وجہ سے تمہیں بہت تکلیف اٹھانا پڑی۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے بمشکل اپنے بازو کو حرکت دی اور بھیا کی آنکھ کے نیچے رخسار کی ہڈی پر ابھرے اودے سے نشان کو چھوتے ہوئے کہا۔ "آج نہیں تو کل' یہ تو ہونا تھا۔ غلطی کسی کی بھی ہوتی' نانی جان کے نزدیک تو ہم سبھی قابل نفرین ہیں۔ کیا یہ غنیمت نہیں کہ بچے ان کے تشدد سے محفوظ رہے ہیں۔"

حارث اور فرحین میرے نزدیک ہی سہمے ہوئے سے بیٹھے تھے۔ ان دونوں کو بھیا اور میں کم و بیش اسی طرح پیار کرتے اور عزیز رکھتے تھے جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو رکھا کرتے ہیں۔

وقت نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا اور کیا سے کیا بنا دیا تھا!

☆-------☆-------☆

بالاخانے میں بے شمار چوہے تھے۔ بھیا اکثر و بیشتر ایک دو کو اپنے جوتے سے نشانہ بنا لیتے تھے۔ مردہ چوہوں کو کموڈ میں ڈال کر پانی کا زوردار ریلا بہا دیا جاتا اور یوں کمرے [illegible] میں مرے ہوئے چوہوں کے سڑنے کا احتمال نہ رہتا۔

ایک روز چوہے دان میں اٹکے ڈبل روٹی کے ٹکڑے کی لالچ میں ایک موٹا تازہ چوہا اندر آ کر پھنسا کہ اس کا پنجہ چوہے دان کے دروازے میں دب کر بری طرح کچلا گیا۔ [illegible] اتفاق حارث اور فرحین نے یہ منظر دیکھ لیا اور وہ چوہے دان میں پھنسے ہوئے [illegible] کی نہ صرف رہائی بلکہ چارہ گری کے بھی آرزو مند ہوئے۔ بھیا کو ان کی پریشانی اور [illegible] کے پیش نظر نہ چاہتے ہوئے بھی زخمی چوہے کی چارہ گری کرنا پڑی۔ وہ بالاخانے کا [illegible] اور آخری خوش قسمت چوہا تھا جس کو مارنے کے بجائے اس کی چارہ گری کی گئی [illegible]۔ اس کا پنجہ اس بری طرح زخمی ہو گیا تھا کہ وہ بے چارہ بھاگنے دوڑنے کے قابل نہ [illegible]۔ [illegible] کے ننھے سے پنجے کی مرہم پٹی کے باوجود بھی جب وہ چلنے سے قاصر رہا اور [illegible] کے پائے کی آڑ میں دبک کر بیٹھ گیا تو بھیا نے حارث سے کہا۔ "بھئی حارث میاں! [illegible] اس مریض کو تو کسی اچھے سے اسپتال میں داخل کرانا پڑے گا۔"

"ہم باہر تو نکل ہی نہیں سکتے' اسے اسپتال میں کیسے داخل کرا سکتے ہیں۔" حارث [illegible] بولا۔

بھیا نے کچھ اس طرح میری طرف دیکھا جیسے کہتے ہوں اب تو ہمارے چھوٹے بھی [illegible] سمجھدار ہو گئے ہیں کہ ہمیں عقل دینے لگے ہیں۔

"باہر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" بھیا نے بڑی محبت سے حارث کا سر تھپتھپاتے [illegible] کہا۔ "ہم اس مریض کے لئے اسی کمرے میں اسپتال بنائے دیتے ہیں۔"

بھیا بالاخانے سے ایک پنجرہ اٹھا لائے اور اس کے گرد باریک جالی کا ایک زنگ آلود [illegible] کر اسے اتنا محفوظ بنا دیا کہ اگر چوہا پنجرے کی سلاخوں کے درمیان سے نکلنے کی [illegible] کرے تو نکل نہ پائے۔ اس پنجرے میں ایک چھوٹی سی پیالی میں ڈبل روٹی اور پنیر [illegible] ننھے ٹکڑے ڈال کر رکھ دیئے تھے۔ فرحین نے ایک پیالی میں پانی بھی لا دھرا اور

ہم دونوں خوب ہنسے کہ ہم نے اس سے قبل کسی چوہے کے لئے کھانا ہی نہیں بلکہ پال بھی یوں اہتمام نہ ہوتے دیکھا تھا۔

زخمی چوہا حارث اور فرحین کی دلچسپی کا مرکز بن گیا تھا۔ وہ دن بھر پنجرے میں جھانکی کرتے رہتے۔ اس کی کھانے کی پیالی میں ڈبل روٹی' پنیر اور بسکٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالتے رہتے مگر گلاب جامن اس کے حصے میں کبھی نہ آئی کیونکہ حارث کو میٹھے سے اتنی رغبت تھی کہ وہ اکثر ہمارا حصہ بھی کھا جاتا بلکہ اکثر و بیشتر ہم اس کی اس رغبت کے پیش نظر اپنے حصے سے خود ہی دستبردار ہو جایا کرتے تھے۔ گنتی کی چار ہی گلاب جامنیں ہوا کرتی تھیں۔ چوہے کی خاطر مدارات کے ساتھ دونوں نے کئی مرتبہ بھیا سے اس کے زخمی پنجے کی مرہم پٹی کروائی۔

حارث اور فرحین ٹی وی پر بچوں کے لئے پیش کی جانے والی کارٹون فلموں کے انتہائی شوقین ہونے کے باعث "مکی ماؤس" سے بخوبی تعارف رکھتے تھے۔ انہوں نے زخمی چوہے کا نام بھی "مکی" رکھ دیا تھا۔ مکی بھی ان سے خاصا مانوس ہو گیا تھا۔ جب وہ دونوں پنجرے پر لپٹی جالی سے تاکا جھانکی کرتے تو وہ اپنی منی منی گول گول آنکھیں گھما کر اپنے ان دوستوں اور مداحوں کو دیکھنے لگتا۔

حارث اور فرحین تو مکی کے ایسے دیوانے ہوئے کہ انہوں نے بھیا سے مجھ سے علیحدہ علیحدہ اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ مکی کو پالنا چاہتے ہیں۔ بھیا کو یا مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ہم تو بس کسی بھی طرح [illegible] چاہتے تھے۔ ہم ان کی ہر خوشی میں خوش تھے۔

یوں ہمارے کمرے میں ایک باضابطہ مکیں کا اضافہ ہو گیا۔ مکی عام چوہوں میں شامل نہ رہا جو بالاخانے میں بے مہار اِدھر سے اُدھر دوڑتے پھرتے تھے اور اکثر رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے زینے سے ہمارے کمرے میں بھی آ جایا کرتے تھے بلکہ وہ حارث اور فرحین کا پالتو چوہا بن گیا تھا اور اس اعتبار سے اپنی برادری کا مقتدر ترین چوہا قرار پا گیا تھا۔

حارث اور فرحین دن بھر مکی کی سیوا میں لگے رہتے اور ان کا دھیان بٹا رہتا۔ اب وہ پہلے کی طرح بہانے بہانے سے ممی کو یاد کر کے رونے نہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔

ممی کا کچھ پتہ نہ تھا۔ کبھی کبھی تو ہمیں یوں لگتا جیسے ممی اب کبھی بھی ہمارے کمرے میں نہیں آئیں گی!

☆------☆------☆

وہ جاڑوں کی ایک شام تھی۔ ٹی وی حسب معمول بہت دھیمی آواز میں چل رہا تھا۔

[illegible] درمیان میں رکھے حارث اور فرحین اس کے دائیں بائیں بیٹھے ٹی وی پر بچوں کا ایک پروگرام بڑے انہماک سے دیکھ رہے تھے۔ گاہے گاہے وہ مکی کی خیر خبر بھی لے لیتے۔ بھیا اور میں کمرے سے بالاخانے کو جانے والے زینے کے دامن میں بیٹھے اس مسئلہ پر انتہائی سنجیدگی سے غور و خوض کر رہے تھے کہ آخر کب تک ہم رہائی کے انتظار میں قید رہیں گے؟ ہم دھیمی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے۔ بھیا سے باتیں کرتے ہوئے میری نظریں بار بار حارث اور فرحین کی طرف اٹھے جا رہی تھیں اور انہیں دیکھ کر میرا دل بے تحاشا دکھ رہا تھا۔

ہمیں اس زنداں میں قید ہوئے تیسرا برس پورا ہونے کو آیا تھا اور ان تین برسوں میں حارث اور فرحین کے قدوں میں برائے نام اضافہ ہوا تھا۔ بہ اعتبار جسامت میں بھی وہ ویسے ہی دکھائی دیتے تھے جیسے یہاں آئے تھے۔ سر البتہ بہ اعتبار جسامت خاصے بڑے نظر آتے تھے۔ آنکھیں حلقوں میں دھنس گئی تھیں۔ چہروں کی رنگت بالکل زرد ہو گئی تھی اور وہ ہنستے ہوئے بھی پژمردہ نظر آیا کرتے تھے۔ رنگت تو خیر بھیا کی بھی شاداب نہ رہی تھی۔ وہ بھی زرد زرد ہو گئے تھے تاہم ان کی جسمانی کیفیت اس درجہ تشویش انگیز نظر آتی تھی جتنی کہ ان دونوں بالخصوص حارث کی تھی۔

"ذرا دیکھئے تو بھیا! حارث اور فرحین کتنے کمزور اور زرد زرد ہو گئے ہیں۔" میں نے بھیا سے باتیں کرتے ہوئے ان کی توجہ ان دونوں کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔

[illegible] روشنی اور تازہ ہوا کی ضرورت ہے۔

میں نے ایک سرد آہ کھینچتے ہوئے بہت بے بسی سے چہار اطراف نظر دوڑائی اور گھٹی گھٹی آواز میں بصد حسرت کہا۔ "کہاں سے لائیں ہم ان کے لئے تازہ ہوا اور سورج کی روشنی؟"

بھیا ازحد ملول نظر آنے لگے۔ میرا دل پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا اور آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک ریلا اُمنڈ آیا تھا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دوں لیکن میں اس دل کے درد کو دل ہی دل میں گھونٹ لینے پر مجبور تھی۔ ممی پر مجھے غصہ بھی آ رہا تھا اور ان سے نفرت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ کیسی ماں تھیں وہ! میرا دل ہرگز یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ ممی یہ نہ جانتی ہوں کہ چھوٹے بچے تو پودوں کی مانند ہوتے ہیں.......... انہیں سورج کی روشنی اور تازہ ہوا نہ ملے تو وہ کملا جایا کرتے ہیں۔

بھیا نے مجھے دل گرفتہ دیکھا تو وہ سرک کر میرے نزدیک ہو گئے اور انہوں نے میرے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے کہا۔ "جب ہم یہاں سے نکل کر باہر جائیں گے

تو یہ ٹھیک ٹھاک ہو جائیں گے۔ ہم ان کا اتنا خیال رکھیں گے' اتنا خیال رکھیں گے' ا[illegible]
توجہ دیں گے ان پر کہ اس قید خانے میں گزارے ہوئے دنوں کا ازالہ کر دیں گے۔"

"خدا جانے کب نکلیں گے ہم اس قید خانے سے اور.......... نکلیں گے بھی
نہیں؟ یا یہیں دم توڑ دیں گے.......... ممی تو ایسی غائب ہوئی ہیں کہ ان کا تو کچھ اتہ پتہ [illegible]
نہیں۔"

تب ہی دروازے کے قفل میں چابی گھمانے کی آواز سنائی دی۔ بھیا نے میر[illegible]
شانوں پر سے اپنا بازو کھینچ لیا اور میں جلدی جلدی اپنی آنکھیں پونچھ کر دروازے کی سمت
دیکھنے لگی۔

دروازہ کھلا اور ممی اودے رنگ کی مہین ریشمی ساڑھی میں ملبوس کمرے میں داخل
ہوئیں۔ ان کے بال کھلے ہوئے تھے۔ چہرے پر غازہ و سرخی کی تہ تھی۔ جھلمل کرتے
زیورات نے ان کے حسن کی آب میں قابل رشک اضافہ کر رکھا تھا۔ وہ بے حد مسرور
اور تازہ دم دکھائی دے رہی تھیں اور خاصی لدی پھندی آئی تھیں۔

"کیسے ہو میرے بچو!" ممی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کہا۔

بھیا اور میں اپنی جگہ دم بخود رہ گئے اور مجھے یہ دیکھ کر خاصی حیرت ہوئی کہ حارث
اور فرحین ممی کو دیکھ کر چونکے ضرور مگر اپنی جگہ پر جوں کے توں بیٹھے رہے۔ ممی کو غالباً
اس قسم کے ردعمل کی توقع نہ تھی۔ انہوں نے وہ تمام اسباب جو وہ لے کر آئی تھیں
مسہری پر رکھ دیا اور ہماری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "اوہ! کیا تم لوگ مجھے دیکھ کر خوش
[illegible] ہوئے۔" پھر وہ شانے اچکاتے ہوئے بولیں۔ "خیر میں اتنے دنوں بعد تم سب کو دیکھ
کر بہت خوش ہوئی ہوں.......... اور.......... میں تم چاروں کو یاد بھی بہت کرتی
رہی.......... ذرا آؤ تو تم لوگ' دیکھو میں کتنے اچھے تحفے لے کر آئی ہوں تمہارے لئے۔"

بھیا اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کڑے تیوروں سے کہا۔ "پہلے تو آپ ہمیں یہ
بتائیں کہ آپ اتنے دنوں سے تھیں کہاں؟"

"اوہ میری جان! کیا بتاؤں تمہیں کہ میں کہاں تھی۔" ممی اپنے دونوں بازو وا کئے
یقیناً بھیا کو سینے سے لگا لینے کو آگے بڑھیں مگر بھیا نے انہیں اس کی اجازت نہ دی اور
الٹے قدموں دو سیڑھیاں چڑھ کر ان سے اور بھی دور ہٹ گئے۔ ممی کچھ خفیف سی ہو
گئیں لیکن ہمیشہ کی طرح انہوں نے اپنی اصل کیفیت کو مترشح نہ ہونے دیا اور بولیں۔
"بس بیٹا مجھے وقفے وقفے سے دو مرتبہ یہاں سے جانا پڑا اور ہر بار میں اتنی عجلت میں گئی کہ
مجھے تم لوگوں سے مل کر جانے اور کچھ بتانے کا موقع نہیں مل سکا مگر میں نے تم چاروں کو

[illegible] انتہائی مصروفیات میں بھی بری طرح یاد کیا۔ تم لوگ اچھے تو ہو نا؟ تمہیں کوئی تکلیف تو
[illegible] ہوئی نا؟"

[illegible]کلیف! مجھے یوں لگا جیسے ایک تیغ میرے دل میں اترتی چلی گئی ہو۔ کاش! میں ممی کو
[illegible] کہ ہماری تو روحیں تک گھائل ہو چکی تھیں۔

"آپ کتنی ہی عجلت میں کیوں نہ تھیں' آپ کو چاہئے تھا کہ ہمیں اعتماد میں لے کر'
[illegible] بتا کر جاتیں کہ آپ کہاں جا رہی تھیں اور کتنے دنوں کے لئے جا رہی تھیں۔"

"عارف۔" ممی نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ "یہ تم نہیں بول رہے ہو' تمہارے
[illegible] میں کسی اور کی زبان رکھ دی گئی ہے۔"

ممی کی نگاہیں بھیا کے چہرے سے ہٹ کر مجھ پر آ جمیں جیسے کہتی ہوں بالآخر تم نے
[illegible] فرمانبردار بیٹے کو ورغلا ہی دیا نا میرے خلاف۔ پھر وہ حارث اور فرحین کو دیکھنے
لگیں۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" بھیا نے ممی کے خیال کو یکسر رد کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا مجھے بہت ہی ایمرجنسی میں جانا پڑا' ورنہ میں تم سے ملے بغیر ہرگز نہ جاتی۔"

"ایک منٹ.......... فقط ایک منٹ کو آپ ہمارے پاس آ کر ہمیں یہ بتا کر جا سکتی
تھیں کہ آپ کہیں جا رہی ہیں۔" بھیا نے تلخی سے کہا پھر دائیں انگشت شہادت سے
[illegible] پر پڑے ممی کے لائے ہوئے تحائف کی جانب خاصی تحقیر سے اشارہ کرتے ہوئے
[illegible]
[illegible] کا ازالہ کر سکتے ہیں جو ہم اس قید خانے میں بھگت چکے ہیں.......... یا بھگت رہے
[illegible] کیا آپ کے یہ تحائف ہمیں ہمارے وہ سنہری دن لوٹا سکتے ہیں جو ہم نے اس زندان
[illegible] گزارے ہیں؟ بے شک کبھی آپ کے لائے ہوئے تحائف ہمیں مسرور اور مسحور کر
[illegible] تھے مگر اب ہمیں ان تحفوں میں کوئی دلکشی محسوس نہیں ہوتی کیونکہ پانے کے
[illegible] میں کھونے کا احساس اب بڑھ چکا ہے۔"

"عارف! یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم؟" ممی نے شاکی نگاہوں سے بھیا کو دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میری یہ تلخ مگر سچی باتیں آپ کو بری لگ رہی ہیں۔ میں بڑا ہو
[illegible] ممی.......... تحفوں سے نہیں بہلایا جا سکتا مجھے۔ بالاخانے میں رکھی آپ کے
[illegible] کی کتابوں نے نہ صرف میرے ذخیرۂ الفاظ میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے بلکہ وہ
[illegible] شعور عطا کر دیا ہے جو برسوں کے تجربے کے بعد ملتا ہے۔"

"عارف!" ممی گڑگڑائیں۔ انہوں نے حارث اور فرحین کو دیکھا پھر مجھے پھر بھیا کی

ممی ہم چاروں کے لئے مغربی انداز کے سلے سلائے ملبوسات کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں لائی تھیں۔ بھیا کے لئے وہ چند نئی کتابیں لائی تھیں۔ حارث کے لئے گٹار، فرحین کے لئے پھر ایک نئی گڑیا اور میرے لئے ذاتی استعمال کی چند چیزوں کے علاوہ ہم سب کے لئے چاکلیٹ کا بہت بڑا سا ڈبہ۔

"باجی! کیا اب ممی کبھی نہیں آئیں گی؟" فرحین نے چاکلیٹ کھاتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں نہیں آئیں گی؟ ضرور آئیں گی۔"

"تو پھر ممی کیوں کہہ رہی تھیں کہ اب میں نہیں آؤں گی؟"

"جان! تم اس وقت چاکلیٹ کھاؤ اور بس۔" میں نے فرحین کا سر پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

بھیا ہمیں دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کی چمک چغلی کھا رہی تھی کہ ممی پر ان کا اعتماد از سرنو بحال ہو چلا تھا۔ کاش، وہ سمجھ سکتے کہ ممی کے تحائف دراصل اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش تھے کہ اب انہیں ہم سے کوئی خاص رغبت نہ رہی تھی۔ کاش، وہ اندازہ کر سکتے کہ ممی کی زندگی میں ہماری وہ اہمیت نہ رہی تھی جو کبھی ہوا کرتی تھی۔ ہم تو شاید بالاخانے میں آزادانہ زقندیں لگاتے چوہوں سے بھی زیادہ ناگوار موضوع بن گئے تھے ان کے لئے۔

بھیا نے چاکلیٹ کا ڈبا میری طرف بڑھایا تو میں نے انہیں شاکی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "جی نہیں، مجھے نہیں چاہئے۔ آپ ہی شوق فرمائیں اپنی والدہ صاحبہ کی اس سوغات سے۔"

بھیا نے ڈبا مجھ سے پرے کھینچ لیا اور مسکراتے ہوئے بولے۔ "اچھا تو آپ بالاخانے میں جا کر اپنی قسمت کو کوسیں اور روئیں۔" انہوں نے توقف کیا۔ ایک نئی چاکلیٹ بار کھولی اور بولے۔ "جاؤ، یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟ جا کر دیواروں سے سر ٹکراؤ! آہ و زاری کرو! ہم تو اس وقت تک یہاں بیٹھے رہیں گے جب تک نانا جان فوت نہیں ہو جاتے اور اس وقت تک چاکلیٹ کا یہ ڈبا بھی ہضم ہو چکا ہو گا۔"

مجھے تاؤ ہی تو آ گیا۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ بھیا واقعی ممی سے بددل ہو چکے تھے مگر نہیں، وہ تو وقتی ابال تھا جس کے بیٹھتے ہی وہ مجھے پھر ممی کے وہی سعادت مند بیٹے دکھائی دے رہے تھے۔

ممی میرے لئے جو ملبوسات اور دیگر چیزیں لائی تھیں، انہیں میں نے نیچے ڈالا اور بری طرح قدموں سے رَوند ڈالا۔ بھیا نے مجھے باز رکھنے کی کوشش کی مگر غصہ کی شدت

بالا کئے دے رہی تھی۔ حارث اور فرحین ہکا بکا مجھے دیکھ رہے تھے۔

"پاگل ہوئی ہو کیا؟" بھیا نے مجھے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"ہاں ہاں، میں پاگل ہو گئی ہوں۔" میں نے چلا کر کہا۔ "مجھے نفرت ہے ممی سے! آپ سے! بلکہ اپنے آپ سے بھی! کبھی کبھی تو میں اللہ سے اپنی موت کی دعا مانگنے لگتی ہوں۔ اس کمرے میں زندہ درگور ہو جانے سے تو سچ مچ مرجانا ہی بہتر ہے۔"

جذبات کی شدت میں میں اور بھی نہ جانے کیا کیا کچھ کہہ گئی۔ بھیا دم بخود کھڑے رہ گئے۔ حارث اور فرحین سہم کر سمٹ گئے تھے۔ پھر میرا کچھ بس نہ چلا تو میں اپنا چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ کر زینے کی طرف لپکی اور دیوانہ وار اوپر چڑھتی چلی گئی۔

رنج و صدمے کی شدت نے مجھے اس وقت اس بری طرح دبوچ رکھا تھا کہ میرا جی چاہ رہا تھا، بالا خانے کی کھڑکی سے نیچے کود جاؤں لیکن میں نے سوچا، اگر میں مر گئی تو ممی اور نانی جان تو میری نعش کو شناخت کرنے سے انکار کر دیں گی بلکہ کچھ عجب نہیں کہ گھر کے ملازموں سے یہ پوچھیں کہ یہ کون دیوانی لڑکی تھی جو گھر کی چھت پر سے نیچے چھلانگ لگا کر مر گئی۔

لیکن ایک دوسرا امکان بھی میرے خیالات کی زد میں آ گیا اور میں نے سوچا کہ نیچے چھلانگ لگانے کی صورت میں اگر میں مرنے کے بجائے ٹوٹ پھوٹ گئی تو پھر مجھے معذوری کی زندگی بسر کرنا ہو گی۔ معذوری عارضی بھی ہو سکتی تھی، دائمی بھی۔

پھر مجھے حارث اور فرحین کا خیال آ گیا [illegible] خیال کون رکھے گا؟ بے شک بھیا تھے مگر کہاوت تو یہ ہے کہ بڑی بہن بھی ماں سمان ہوتی ہے۔ بڑے بھائی کو ماں سمان کبھی نہیں کہا گیا۔

ان دو معصوم جانوں کا خیال جن کی میں ان دنوں ماں کا فریضہ سرانجام دے رہی تھی، میرے پیروں کی زنجیر بن گیا۔ میں کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر ایک گدے پر جا بیٹھی۔ بالاخانے میں اندھیرا در آیا تھا اور میں اپنے گھٹنوں کو باہم ملائے ان پر اپنا سر دھرے بہت مغموم اور دل گرفتہ بیٹھی تھی کہ مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں سر اٹھائے بغیر بھی بتا سکتی تھی کہ وہ بھیا کے قدموں کی آہٹ تھی۔ وہ میرے نزدیک آ بیٹھے اور انہوں نے میرے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اوپر آنے میں دیر اس لئے ہوئی کہ میں حارث اور فرحین کو اوپر نہیں لانا چاہتا تھا۔" انہوں نے توقف کیا پھر بوجھل آواز میں بولے۔ "آئندہ کبھی ان کے سامنے ایسی بات مت کرنا جس سے انہیں دکھ پہنچے۔"

"میں نے ایسی کون سی بات کی ہے؟" میں نے کہا۔

"اپنے مرنے کی۔"

میں نے چونک کر اپنا سر گھٹنوں پر سے اٹھایا اور بھیا کو دیکھا۔ "کیا وہ دونوں کچھ کہ رہے تھے؟"

"وہ بہت سی باتیں اپنی زبان سے نہیں کہتے مگر ان کی آنکھیں بہت کچھ کہہ جاتی ہیں.......... پگلی! ذرا سوچو تو' ان کا ہمارے سوا اور رہا ہی کون ہے؟ وہ ممی سے زیادہ تم سے پیار کرنے لگے ہیں۔ آج جب ممی ہمارے کمرے میں آئیں تو وہ دونوں انہیں یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی اجنبی عورت ہو۔"

"مگر آپ تو بدستور انہیں اپنی ڈارلنگ ممی سمجھے ہوئے ہیں۔" میں نے طنزاً کہا۔

"کیا میں نے کچھ کم باتیں سنائیں انہیں؟"

"وہ فقط ایک عارضی ابال تھا۔"

بھائی کچھ نہیں بولے۔

"کیسی ماں ہیں وہ کہ انہوں نے میرے بال کٹے ہوئے دیکھے اور یہ تک نہیں پوچھا کہ کیا ہوا؟ اتنے دنوں بعد آئیں اور انہوں نے حارث اور فرحین کو پیار تک نہیں کیا۔"

"زری!" بھیا نے بڑی نرمی اور دلسوزی سے کہا۔ "جب کسی فرد کے نزدیک اس کی اپنی ذات مرکز توجہ [illegible] جائے تو پھر وہ [illegible] سے [illegible] توجہ [illegible] کرتا ہے۔"

"اپنی اولاد سے بھی؟" میں نے بڑے دکھ سے کہا۔

"ہاں' اپنی اولاد سے بھی۔" بھیا بولے۔ "تم کیا سمجھتی ہو کہ میں اندھا یا احمق ہوں کہ ممی کے طرز عمل کو نہیں سمجھتا۔ میں جانتا ہوں کہ ان کے نزدیک ان کی اپنی ذات سب سے زیادہ اہم ہے۔ ہم اور تم ثانوی حیثیت اختیار کر گئے ہیں مگر تم میں اور مجھ میں فرق یہ ہے کہ میں نے اپنے دل کو اس تکلیف دہ حقیقت پر ٹھہرا لیا ہے کہ ممی کی جانب سے ہمیں کچھ مل جائے تو غنیمت ہے' ورنہ شکوہ و شکایت فضول ہے جبکہ تم اس تلخ حقیقت کو اب تک قبول نہیں کر سکی ہو۔"

بھیا کی دانائی حالات' واقعات اور ان موٹی موٹی کتابوں کا ثمر تھی جن میں وہ اکثر اپنی بصیرت کو الجھائے رکھتے تھے۔ نوجوانی کی عمر میں وہ بزرگانہ دانشمندی کا مظاہرہ کر کے اکثر میرے ڈوبتے دل کو اسی طور سہارا دیا کرتے تھے جیسے کہ انہوں نے اس وقت کیا تھا۔

"حارث اور فرحین کیا کر رہے ہیں؟"

"انہیں تو میں کھانا کھلا کر بستر پر لٹا آیا ہوں [illegible]

[illegible] تھی کہ کیا باجی مرجائیں گی؟"

[illegible] بے پناہ خفت نے آلیا۔

"آئندہ کبھی ان کے سامنے یوں مشتعل نہ ہونا۔ ان کے دل ہی کتنے سے [illegible]" بھیا نے مجھے سمجھایا۔

"میں انہی کے لئے تو پریشان رہتی ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس قید خانے میں [illegible] ہوئے انہیں کچھ ہو جائے گا۔ میں انہیں اس زنداں سے باہر زندہ لوگوں کے [illegible] مسکراتے اور زندگی کا لطف اٹھاتے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"آؤ نیچے چلیں۔ وہ دونوں ہمارے منتظر ہوں گے۔"

میں بھیا کے ہمراہ نیچے پہنچی تو ان دونوں نے مجھے ویسی ہی خائف نظروں سے دیکھا [illegible] میں نے انہیں ممی کو دیکھتے پایا تھا۔

میں خود کو ان کا مجرم تصور کرنے لگی۔ محبت کی ایک منہ زور لہر میرے دل میں اٹھی [illegible] میں نے اپنے بازو ان دونوں کے لئے وا کر دیئے۔

میں بن بیاہے ہی ممتا کے انمول جذبے سے آشنا ہو چکی تھی۔

☆------☆------☆

ممی دس روز تک ہمارے پاس نہیں آئیں اور یہ دس دن بھی ہمیں ایک طرح کی [illegible] محسوس ہوئے۔ یہ خیال انتہائی تکلیف دہ تھا کہ ممی اس گھر میں ہوتے ہوئے بھی [illegible] بے خبر جیتے [illegible] تھا جیسے ہم ان [illegible] سے جنم لینے والی اولاد نہیں بالاخانے میں بند چوہے تھے۔

دس روز بعد جب وہ ہمارے کمرے میں آئیں تو ہم نے ان سے کوئی شکوہ شکایت [illegible] کے بجائے بڑی سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔ ہمیں ڈر تھا کہ اگر ہم نے ان کی دس [illegible] غیر حاضری کا شکوہ کیا یا پچھلی مرتبہ کی طرح اس مرتبہ بھی احتجاج اور سرکشی کا رویہ [illegible] کیا تو وہ پھر اسی طرح ہمارے لئے ایک نئی سزا تجویز کر کے چلی جائیں گی اور کچھ [illegible] نہیں کہ اس بار تو وہ دس روز میں پلٹ آئی تھیں' آئندہ پلٹیں ہی نہیں چنانچہ جب [illegible] آئیں تو ہم نے شکایات و حکایات کے دفاتر مقفل رکھے اور اپنے مقدر کے لکھے پر شاکر [illegible] کا مظاہرہ کیا۔

اس میں شک نہیں کہ ممی سے ہم بددل اور ان کے نامناسب طرز عمل کے شاکی [illegible] ہو چکے تھے مگر یہ بھی ایک تکلیف دہ حقیقت تھی کہ ہمارے دل سے ممی کی محبت

رہی تھی۔ علاوہ ازیں وہی تو ہمارے دل میں اس امید کو زندہ رکھنے کا ذریعہ تھیں کہ نانا جان کے مرتے ہی ہماری زندگی کا نقشہ یکسر پلٹ جائے گا۔

دس روز کی غیرحاضری کے بعد جب وہ ہمارے کمرے میں آئیں تو ہم نے مسکرا کر ان کا استقبال کیا۔ چاہنے کے باوجود ہم نے ان سے اس مد میں کوئی شکوہ نہیں کیا کہ میاں کی طویل غیرحاضری کے بعد انہوں نے پھر ہم پر دس روز کی دوری کیوں مسلط کر دی تھی؟ ہم نے انتہائی سعادت مندی کا مظاہرہ کیا اور ایک بار پھر اپنے اس طرز عمل کی معافی چاہی جس کا مظاہرہ ہم نے پچھلی مرتبہ کیا تھا۔ انہوں نے اس امر پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا کہ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور ہم بقول ان کے "اچھے بچے" بن گئے تھے۔ ہمیں مؤدب اور فرمانبردار پا کر انہوں نے کہا۔ "اب میں تمہیں وہ خوشخبری سنانے والی ہوں جو تمہاری بدتمیزی کے سبب پچھلی مرتبہ نہ سنا سکی تھی۔"

ہم پُراشتیاق نگاہوں سے ممی کی طرف متوجہ تھے۔

"اچھا تم لوگ خود بوجھنے کی کوشش کرو کہ کیا خوشخبری ہو سکتی ہے۔" ممی مسکرا کر بولیں۔

"نانا جان آخری سانسیں لے رہے ہیں۔" بھیا بولے۔

"نہیں بھئی۔"

"انہیں ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا ہے۔"

"[illegible]"

تادیر وہ یہ خوشخبری ہم ہی سے بجھوانے کی کوشش کرتی رہیں اور جب ہم نے اپنی شکست تسلیم کر لی تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ "میں نے تمہارے لئے ایک نئے ڈیڈی کا بندوبست کر لیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" بھیا نے پوچھا۔

"بھئی میں نے شادی کر لی ہے۔"

یہ انکشاف ہمارے لئے بم کے دھماکے سے کم نہ تھا۔

میں نے بھیا کی جانب دیکھا' وہ ہکا بکا دکھائی دے رہے تھے۔

میرے اپنے دل کی حالت بھی غیر تھی۔ ممی کو میں ڈیڈی کی مقدس امانت سمجھا کرتی تھی۔ اس امانت میں خیانت کا انکشاف روح فرسا تھا۔ مجھے اپنے قفس سینہ میں دکھ کا سرمئی پرندہ بے طرح پھڑپھڑاتا ہوا محسوس ہوا جو میرے سینے کو چیر کر باہر نکلنے کے درپے نظر آتا تھا۔ اپنے آنسو دل میں اتار لینے کو میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ یہ خیال کہ

... ہمارے مرحوم باپ کی مقدس امانت نہیں رہی تھیں بلکہ ایک دوسرے آدمی کی ... چلی تھیں' مجھے کچوکے دے رہا تھا۔

... نے ہماری کیفیت کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ اپنے نئے ڈیڈی کو ... کرو گے۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

بھیا نے گھائل مگر معنی خیز نگاہوں سے میری جانب دیکھا پھر گھٹی گھٹی آواز میں ممی ... پوچھا۔ "ان کا نام کیا ہے ممی؟"

"علی ضیاء۔" ممی نے مسکرا کر بتایا۔

بھیا نے اور میں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور ہمیں وہ شخص یاد آ گیا جسے ... بہت پہلے اس گھر میں ہونے والی ایک ضیافت میں ممی کی عنایت سے چوری چھپے ... کے دوران ممی کے ساتھ ساتھ سائے کی طرح لگے دیکھا تھا۔

"علی ضیاء میرے بڑے بھائی کے دوست ہوا کرتے تھے اور مجھ سے شادی کرنا ... تھے مگر میں نے انہیں ٹھکرا کر تمہارے ڈیڈی سے شادی کر لی تھی۔ علی ضیاء ... ہو کر امریکا چلے گئے تھے اور انہوں نے تاعمر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن ... انہیں یہ خبر ملی کہ میں بیوہ ہو گئی ہوں اور دوبارہ اپنے والدین کے گھر آ گئی ہوں تو وہ ... لوٹ آئے۔ میرے بابا انہیں بہت پسند کیا کرتے تھے چنانچہ انہوں نے مجھے علی ... سے شادی کا پابند کر دیا۔ بابا کی خوشی کی خاطر میں نے ان کی بات مان لی۔ شادی بہت ... میں ہوئی اور شادی کے دو روز بعد ہی مجھے تمہارے نئے ڈیڈی کے ساتھ ہنی مون پر ... پڑا۔ پہلے تو ایک ڈیڑھ ماہ ہم اندرون پاکستان ہی گھومتے رہے پھر ایک دو روز کو یہاں ... اور بیرون ملک چلے گئے۔ مجھے تم لوگوں سے ملنے کی مہلت بھی نہیں ملی مگر میں ... جہاں بھی گئی تمہاری یاد میرے ساتھ ساتھ رہی۔ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ ہم یورپ ... کے اور بس مگر علی مجھے امریکا تک کھینچ لے گئے۔"

کچھ دیر کو خاموشی چھا گئی اور اس دوران ممی حارث اور فرحین کو پیار کرنے میں مصروف رہیں۔ میں نے بھیا کو دیکھا تو ان کی آنکھوں میں مجھے درد تیرتا نظر آیا۔

"کیا آپ نے انہیں ہمارے بارے میں بتایا؟" میں نے ممی سے پوچھا۔

"نہیں۔" ممی نے بے ساختہ چونک کر کہا اور ان کی آنکھوں میں ناگواری ہلکورے ... لگی کہ میں نے ہمیشہ کی طرح پھر ایک غلط سوال داغ دیا تھا۔ پھر وہ بولیں۔ "ابھی تو ... بتایا ہے لیکن جیسے ہی بابا مر جائیں گے میں انہیں تم لوگوں کے بارے میں بھی بتا دوں ... اور وہ اتنے اچھے آدمی ہیں کہ اس امر پر ذرا بھی معترض نہ ہوں گے کہ میں نے

شادی سے قبل یا شادی کرتے وقت انہیں کیوں نہیں بتایا کہ میرے چار بچے بھی ہیں۔ وہ واقعی بہت اچھے آدمی ہیں' تم لوگ انہیں یقیناً بہت پسند کرو گے۔"

میرے جی میں تو آیا کہ کہوں کہ یہ کیا غیر اخلاقی حرکت ہے کہ آپ نے ایک شخص سے شادی کرتے وقت اس سے یہ چھپایا کہ آپ اپنے مرحوم شوہر کے چار بچوں کی ماں بھی تھیں مگر بھیا نے مجھے نگاہوں ہی نگاہوں میں چپ رہنے کی ہدایت کی اور ممی کے احتساب کے لئے خود آگے بڑھ گئے۔

"ممی! آپ نے دوسری شادی کیوں کی؟" انہوں نے ممی سے پوچھا۔

ممی ان کی طرف یوں دیکھنے لگیں جیسے انہوں نے کوئی احمقانہ سوال کر دیا ہو پھر بولیں۔ "کیونکہ مجھے اس کا حق تھا۔"

"مگر ہم آپ کو ڈیڈی کے نام پر جیتے دیکھنا چاہتے تھے۔"

ممی حارث اور فرحین کے پاس سے اٹھیں اور بھیا کے نزدیک جا کھڑی ہوئیں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بھیا کے شانے پر دھر دیا اور بولیں۔ "جب تک تمہارے ڈیڈی زندہ رہے میں انہی کی رہی اور ان کی موت کے بعد میں نے لمبے عرصے تک ان کا سوگ منایا مگر میں اپنی ساری زندگی ایک مردہ شخص کے نام پر تو نہیں لگا سکتی تھی نا۔ ہر عورت کی طرح مجھے بھی سہارے کی ضرورت تھی سو میں نے ایک مرد کا سہارا لے لیا جس سے اگرچہ میں اتنی محبت تو نہ کر پا رہی ہوں جتنی کہ مجھے تمہارے ڈیڈی سے تھی لیکن یہ احساس مجھے تقویت دیتا ہے کہ وہ ایک ایسا مخلص شخص ہے جس نے میری خاطر تمام شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

بھیا شاکی نگاہوں سے ممی کو دیکھ رہے تھے۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہو مجھے؟ کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے؟"

"نہیں.......... نہیں تو.........." بھیا نے بڑے حوصلے سے مسکرانے کی کوشش کی پھر بھیگی ہوئی آواز میں بولے۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے' میں تو بہت خوش ہوں۔"

"واقعی؟" ممی نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی ہاں' میں بہت خوش ہوں کہ آپ تنہا نہیں رہی ہیں۔"

ممی نے منہ اوپر کر کے چھت کی طرف دیکھا اور بولیں۔ "شکر ہے۔" پھر انہوں نے روئے سخن میری طرف کر لیا۔ "زری' تم کیا کہتی ہو بیچ اس مسئلے کے؟"

"میں.......... میں تو بھیا سے بھی زیادہ خوش ہوں ممی۔" میں نے اپنے آنسوؤں کو پیتے ہوئے کہا۔

ممی کا بایاں ہاتھ اپنی گردن تک جا پہنچا اور وہ جگمگ کرتے ہار کو بڑی نزاکت سے [illegible] ہوئے بولیں۔ "میں اتنی خوش ہوں کہ بتا نہیں سکتی۔"

میرے سینے میں دکھ کا پرندہ بے تابانہ پھڑپھڑا رہا تھا۔

بھیا کے چہرے پر بھی دل گرفتگی کے سائے لرزاں تھے مگر ممی مسکرا رہی تھیں۔ کیا اپنی خوشیوں میں مگن ہو کر لوگ اتنے خودغرض' اتنے اندھے بھی ہو جایا کرتے [illegible]

اس شب حارث اور فرحین کے سو چکنے کے بعد بھیا نے مجھ سے کہا۔ "زری' اب [illegible] کرنا پڑے گا۔"

"کیا؟" میں نے استفہامیہ نگاہوں سے بھیا کی طرف دیکھا۔

"اب تک تو اس امید پر تھے کہ نانا جان کے مرتے ہی ہمیں اس قید خانے سے رہائی [illegible] جائے گی لیکن اب ایک نئی صورت حال ہمارے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔ ممی نے [illegible] کر لی ہے اور اس شخص سے ہماری موجودگی کو چھپایا ہے۔ نانا جان کے انتقال تک تو [illegible] اسے ہمارے بارے میں بتائیں گی ہی نہیں۔ ان کے انتقال کے بعد وہ نہ جانے کتنا [illegible] لیں اس شخص کو ہمارے بارے میں بتانے کو اور خدا جانے وہ ہمیں قبول کرنے پر [illegible] ہو بھی یا نہ ہو۔ اب انتظار کرنا فضول ہے۔ ہمیں جلد از جلد اس قید خانے سے نکل [illegible] جانا ہے۔"

"[illegible] کے ذریعے؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"نہیں۔" بھیا نے توقف کیا پھر بولے۔ "اس وقت کی بات اور تھی جب ہم نے [illegible] کے ذریعے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس وقت میری سوچ یہ تھی کہ اس کمرے [illegible] بھوکا مرجانے سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا کہ ہم کمند کے ذریعے فرار ہونے کی کوشش [illegible] خواہ گر کر زخمی ہو جائیں یا مر ہی کیوں نہ جائیں لیکن اب ہم اپنی جانوں کو داؤ پر [illegible] بغیر بہ حفاظت اور بہ خیر و عافیت فرار کی سوچیں گے۔ کمند کے ذریعے شاید تم اور [illegible] تو یہاں سے نکل سکتے ہیں لیکن حارث اور فرحین کے لئے اس میں خطرہ ہی خطرہ [illegible] ہمیں کوئی محفوظ طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔"

"مثلاً؟"

"یہ آرام سے سوچیں گے۔ مگر یہ طے ہے کہ آج کے بعد ہم نانا جان کی موت کے [illegible] میں اس قید خانے میں اپنے سنہری دن تاریک نہیں کریں گے۔ ہمیں باہم مل جل کر [illegible] کرنا ہوگا۔ تم اور میں کوئی ایسی تدبیر سوچیں گے جس کے ذریعے ہم یہاں سے

بحفاظت فرار ہو سکیں۔" پھر بھیا نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا۔ "میں قسم کھاتا ہوں آج' اس لمحے کے بعد میں ممی کی کسی یقین دہانی' کسی وعدے پر اعتبار نہیں کروں گا۔"

میرا دل نورستہ گلاب کی صورت کھِل اٹھا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں بھیا۔" میں نے اپنا ہاتھ بھیا کی طرف بڑھا دیا۔ بھیا نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرا دیئے مگر ہماری آنکھوں میں آنسو لرزاں تھے۔ خدا جانے یہ خوشی کے آنسو تھے یا اس دکھ کے کہ ہمارے دلوں میں ممی کی محبت معدوم ہو چکی تھی۔

☆------☆------☆

اگلے روز بھیا نے صبح ہی مجھ سے کہا۔ "زری! آج میری حجامت تو بنا ڈالو۔"

اس زنداں میں ڈالے جانے کے بعد سے میں یہ فریضہ بھی باقاعدگی سے سرانجام دیا کرتی تھی۔ کسی حجام کے پاس جانے کا سوال ہی نہ تھا۔ حارث اور فرحین کے بالوں کی تراش خراش بھی میں ہی کرتی۔ بھیا نے شروع شروع میں ایک دوبار کوشش کی تھی مگر ان کی کوشش کے نتیجے نے ہر مرتبہ یہ ثابت کیا کہ ان کے مقابلے میں' میں زیادہ اچھی آرائش زلف کر سکتی تھی چنانچہ عرصہ سے ان تینوں کے بالوں کی تراش خراش کا فریضہ مجھی کو انجام دینا پڑتا تھا۔

جب میں بھیا کے بال کاٹنے بیٹھتی تو وہ آئینہ اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور مجھے ہدایات جاری کئے جاتے۔ میں کنگھا اور قینچی ہاتھ میں لئے [illegible] روشنی میں ان کے بال تراشے جاتی۔

حارث اور فرحین کے بالوں کی تراش خراش کے دوران بھی بھیا مجھے ہدایات دیئے جاتے مگر میں کنگھا اور قینچی اپنے ہاتھ ہی میں رکھتی کہ زلف تراشی کے معاملے میں وہ خاصے کورذوق واقع ہوئے تھے۔

اس روز جب میں بالاخانے میں بھیا کے بال تراشنے بیٹھی تو فرحین اور حارث بھی ہمارے قریب آ بیٹھے۔ حارث اپنا گٹار اٹھا لایا تھا اور فرحین کِکی کا پنجرہ۔ کِکی کی مسلسل آؤ بھگت کر کے ان دونوں نے اسے اس حد تک مانوس کر لیا تھا کہ اب اکثر فرحین اسے پنجرے سے نکال کر اپنی گود میں لے کر بیٹھ جاتی اور حارث اپنی پتلون یا نیکر کی جیب میں ڈبل روٹی' بسکٹ یا پنیر کے ٹکڑے ڈال کر کِکی کو بھی اپنی جیب میں ڈال لیتا۔ کِکی لذت دہن کے ساتھ ساتھ گاہے گاہے اس کی جیب سے سر نکال کر اپنی گول گول ننھی منی آنکھوں سے یہ دیکھے جاتا کہ کارخانہ دنیا تو ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔

فرحین تو کِکی کو پنجرے سے نکال کر اپنی گود میں لے کر بیٹھ گئی اور حارث نے گٹار بجاتے ہوئے وہ گیت گانا شروع کر دیا جو اس کی اپنی تخلیق تھا۔

میں باہر جانا چاہتا ہوں
میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں
میں گھر اچھا سا بناؤں گا
اور اس گھر کی چھت پر سے میں
سورج اور چاند کو دیکھوں گا
میں باہر جانا چاہتا ہوں
میں باہر جانا چاہتا ہوں

حارث کی آواز مجھے اپنے دل سے آرپار ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ جب تک میں بھیا کے بال تراشنے میں مصروف رہی' حارث اپنا تخلیق کردہ گیت بہت ڈوب کر گاتا رہا۔ اس گیت کے بیچ میں فرحین نے جو کِکی کو اپنی گود میں لئے بیٹھی تھی' شاکی لہجے میں کہا۔ "باجی! آپ کو پتا ہے ممی نے کِکی کو پیار نہیں کیا۔"

"ممی نے دیکھا نہیں ہو گا۔" میں نے کہا۔

"جی نہیں' انہوں نے دیکھا تھا۔"

میں ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔ میں کیونکر بتاتی اسے کہ ممی تو ہمارے لئے بالکل اجنبی' ناآشنا بن کر رہ گئی تھیں جن سے محبت کرنا ہماری مجبوری تھی۔

اس تلخ حقیقت سے آگہی کتنا کٹھن مرحلہ تھا کہ کسی موت ہی ہمارے پیاروں کو ہم سے دور نہیں لے جاتی بلکہ اکثر ان کی خودغرضی بھی انہیں ہم سے چھین لیا کرتی ہے۔

"باجی! ممی ہمارے پاس اب روز روز کیوں نہیں آتیں؟" فرحین کو حسب عادت بڑا مشکل سوال سوجھا۔

"بھیا' آپ دیجئے اس کے سوال کا جواب۔" میں نے بھیا سے آہستہ سے کہا۔

"تم میرے پاس آؤ میں بتاتا ہوں۔" بھیا نے فرحین سے کہا۔

فرحین کِکی کو لئے بھیا کے قریب آ بیٹھی تو بھیا نے کہا۔ "بات یہ ہے گڑیا رانی کہ ممی آج کل بہت خوش ہیں اور جب آدمی خوش ہوتا ہے تو اسے اپنی خوشی کے سوا کچھ یاد نہیں رہتا........ سمجھ گئیں نا؟"

فرحین نے اثبات میں سرہلا دیا مگر اس کا چہرہ گواہی دے رہا تھا کہ وہ بھیا کی بات کو ابھی بھی نہ سمجھ پائی تھی۔

"چلئے جناب، آپ کی حجامت بن گئی اب آپ جلدی سے نیچے جایئے اور اس سے پہلے کہ بال آپ کو کاٹنے لگیں، آپ غسل کر لیجئے۔"

بھیا نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور بولے۔ "تھینک یو ڈیئر سسٹر...... کبھی نہ بھلائے جا سکیں گے۔"

میری آنکھوں میں نمی تیر گئی۔

☆------☆------☆

بھیا اور میں باہم مل جل کر خاصی سوچ بچار اور صلاح مشورے کے بعد [illegible] قید خانے سے فرار کے منصوبے کی نقشہ کشی کر چکے تھے۔ دو معصوم بچے ہمارے ساتھ [illegible] اور ان کی خاطر ہم کوئی ایسی راہ فرار ہرگز اختیار نہ کرنا چاہتے تھے جس میں خدا نخواستہ انہیں کوئی گزند پہنچنے کا احتمال ہوتا۔ تجربے نے ثابت کر دیا تھا کہ بھرے پیٹ والے [illegible] کی سوچ جارحانہ نہیں ہوتی۔ دروازے کے راستے فرار زیادہ محفوظ طریقہ تھا۔

مگر بلند و بالا مضبوط دروازے کو کھولنے کے لئے ہمیں چابی درکار تھی اور چابی کا حصول بلاشبہ ایک ٹیڑھا مسئلہ تھا۔ نانی جان کے پاس اس دروازے کی جو چابی تھی وہ چابیوں کے ایک گچھے میں پڑی تھی۔ نانی جان چابیوں کے اس گچھے کے سلسلے میں اتنی [illegible] رہا کرتی تھیں کہ ان کے گچھے میں پڑی چابی کو پار کر لینا بعید از امکان بات تھی۔

البتہ ممی اس سلسلے میں قدرے بے پروائی کا مظاہرہ کیا کرتی تھیں۔ وہ ہمارے کمرے کی چابی واحد حالت میں رکھتیں۔ کمرے میں داخل ہو کر [illegible] کے بعد وہ چابی [illegible] بڑی بے نیازی سے میز پر ڈال دیتیں اور جب تک ہمارے پاس رہتیں چابی وہیں پڑی رہتی۔

فرار کا منصوبہ بنانے کے بعد ہماری نظریں ممی کی تحویل میں رہنے والی چابی پر لگ گئیں۔ ہم اس چابی کو چرانے کے حق میں ہرگز نہ تھے کیونکہ ممی کے ہمارے کمرے میں آنے کے بعد اس چابی کے کمرے سے باہر جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ کمرے میں ہی ادھر ادھر البتہ ہو سکتی تھی اور ڈھونڈنے پر اس کا ملنا یقینی ہوتا مگر اسے چرا لینا ممی کے دل میں شکوک و شبہات کو جنم دینے کے مترادف ہوتا۔ چنانچہ ہم نے چابی چرانے کے بجائے اس کی نقل بنا لینا زیادہ بہتر اور محفوظ طریق کار تصور کیا۔ نقل تیار کرنے کا انوکھا طریقہ ہم ٹی وی پر ایک فیچر فلم میں دیکھ چکے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ٹی وی نے ہمیں نہ صرف حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت دی بلکہ بہت کچھ سکھایا۔

کئی روز ہم ممی کی چابی کی گھات میں لگے رہے۔ بالآخر ہمیں ممی کی چابی سے فائدہ

[illegible] موقع مل گیا۔

ان دنوں ممی کچھ زیادہ ہی خوش تھیں۔ ان کے نئے شوہر علی ضیاء انہیں موسم بہار [illegible] بار پھر یورپ لے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس شام بھی وہ خاصے خوشگوار [illegible] ہمارے کمرے میں داخل ہوئیں۔ دروازہ بند کر کے انہوں نے چابی میز کی طرف [illegible] اور لہراتی بل کھاتی مسہری پر نیم دراز ہو گئیں۔ حارث بالاخانے میں بیٹھا کوئی نیا گیت [illegible] تھا اور اس دھن کو گٹار پر بجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ فرحین زینے پر بیٹھی اپنی [illegible] کھیل رہی تھی۔ منی کو حارث اپنے ساتھ ہی اوپر لے گیا تھا۔ میں دھلے کپڑوں کی [illegible] میں مصروف تھی اور بھیا منہ سے ایک کتاب لگائے بیٹھے تھے۔ کمرے میں ممی کے داخل ہوتے ہی ہماری توجہ ان کی طرف مبذول ہو گئی۔ ممی کے آتے ہی ہماری دیگر [illegible] کو یک بیک بریک سا لگ جایا کرتا تھا۔

"ممی آپ کب جا رہی ہیں یورپ؟" میں نے دزدیدہ نگاہوں سے میز پر پڑی چابی کی [illegible] دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ممی سیدھی ہو کر بیٹھیں اور انہوں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ "مارچ میں۔"

یوں تو میں نے ممی کے سامنے اسی روز سپر ڈال دی تھی جب وہ بطور سزا دس روز [illegible] ہمیں اپنی صورت دکھانے سے محروم رکھنے کے بعد ہمارے کمرے میں آئی تھیں۔ مگر [illegible] کی دوسری شادی کی خبر سننے کے بعد بھیا نے اس زنداں سے فرار کی جو قسم کھائی تھی [illegible] مجھ میں [illegible] مطمئن [illegible] کر رہا تھا کہ اب [illegible] جھگڑا فساد یا احتجاج کرنے سے فائدہ!

ان دنوں ممی کے غیر معمولی طور پر مسرور دکھائی دینے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہم [illegible] میں ممی کی اطاعت گزار بچی بن گئی تھی۔ ہم ممی پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ اگر ہمیں اگلے تین برس بھی اس زنداں میں رہنا پڑا تو ہم ایک حرف شکایت بھی زبان پر نہ لائیں گے۔ رہے حارث اور فرحین تو وہ بیچارے کس گنتی میں تھے۔ انہیں تو ممی بہت ہی بے ضرر سی مخلوق سمجھتی تھیں۔

"تمہیں وہاں سے کوئی خاص چیز منگوانی ہے تو بتا دینا۔"

"ممی آپ خود ہی اتنی اچھی چیزیں لے آتی ہیں میں بھلا کیا بتاؤں گی۔" میں نے چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

ممی اٹھیں اور انہوں نے میرے نزدیک آ کر میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ چند [illegible] بڑی محبت سے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ "زری! میں تمہیں ایسی ہی سعادت مند بیٹی

دیکھنے کی متمنی تھی۔"

"مجھ سے جو گستاخیاں ہوئی ہیں مجھے معاف کر دیجئے۔" میں نے کہا۔

ممی نے میری پیشانی چوم لی۔

پھر وہ فرحین کی طرف بڑھیں اور زینے پر اس کے نزدیک جا بیٹھیں۔ "ہاں جی!
ہو رہا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

فرحین یوں سمٹ گئی جیسے اس سے اس کی ماں نہیں کوئی اجنبی عورت مخاطب ہو۔
حارث اور فرحین دونوں ہی ممی سے شرمانے اور کترانے لگے تھے۔ وہ تو مجھے ماں کہا
کرتے تھے۔

"یہ بتاؤ اب کی مرتبہ ہم تمہارے لئے کیا لائیں؟"

"کچھ بھی نہیں۔" فرحین منمنا کر بولی۔

ممی مسکرا دیں اور پھر انہوں نے بالاخانے آنے والے دھیمے سروں کی طرف کان
لگاتے ہوئے قدرے بے یقینی سے پوچھا۔ "کیا یہ حارث گا بجا رہا ہے؟"

"جی۔"

"ارے! لگتا ہے یہ تو کافی اچھا بجانے لگا ہے مگر اسے سمجھاؤ کہ اور آہستہ بجایا
کرے۔ آواز اس کمرے تک نہیں پہنچنی چاہئے۔"

"ممی آپ خود ہی سمجھا دیں نا اسے۔"

"چلو میں سمجھا دیتی ہوں۔" ممی اٹھ کھڑی ہوئیں اور انہوں نے بالاخانے کا رخ
کیا۔ بھیا نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے آنکھ مار کر مجھے ممی کے پیچھے
بالاخانے کی طرف جانے کا اشارہ دیا اور میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا۔ فرحین بھی
ہمارے ساتھ ہو لی۔ بھیا نے کہا۔ "بھئی میں بھی باتھ روم سے ہو کر آ رہا ہوں اوپر۔"

حارث نے ہمیں دیکھتے ہی گانا بجانا روک دیا۔

"بیٹا! تم تو بہت اچھا بجانے لگے ہو۔" ممی نے کہا۔

"تھینک یو۔" حارث بولا۔

"مگر تھوڑا سا اور دھیمے بجایا کرو۔"

"جی اچھا۔"

"حارث! ممی کو اپنا نیا گیت تو سناؤ۔"

حارث شرمانے لگا اور یہ کتنے دکھ کی بات تھی کہ وہ ممی سے شرما رہا تھا۔

"سناؤ بھئی۔" ممی نے کہا اور اوپر تلے دھرے گدوں پر ٹک گئیں۔

میں حارث کے نزدیک جا بیٹھی اور میں نے اس کے کمزور شانوں پر اپنا بازو دراز
کرتے ہوئے کہا۔ "سناؤ میری جان۔"

میں ممی کو زیادہ سے زیادہ وقت بالاخانے میں ٹھہرائے رکھنا چاہتی تھی تاکہ بھیا اپنا
کام آرام سے کر سکیں۔

میرے اصرار پر حارث نے گٹار کی سنگت پر وہ گیت دھیمے سروں میں گنگنانا شروع
کیا جو اس نے ایک روز قبل ہی مجھے پہلی مرتبہ سنایا تھا۔

کتنا اچھا ہو رات ختم ہو جائے
کتنا اچھا ہو دن نکل آئے
کتنا لطف آئے اگر برس جائے مینہ
اور پھر دھوپ بھی نکل آئے
زور اور شور سے ہوائیں چلیں
اور میں اپنے گھر کی کھڑکی سے
بارش اور دھوپ کا ملن دیکھوں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے کھیلوں میں
دوستوں کو بتاؤں جا کر میں
دیکھو میں کتنا خوش ہوں' کتنا خوش

میرا خیال تھا کہ ممی حارث کا یہ گیت جو اس کی اپنی تخلیق تھا' سن کر ملول ہو جائیں
گی [illegible] مگر میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ جونہی حارث
کی انگلیاں تھمیں اور لب ساکت ہوئے ممی نے تالی بجا کر بڑی خوش دلی سے مسکراتے
ہوئے اسے داد دینا شروع کر دی۔

تب ہی بھیا بھی مسکراتے ہوئے اوپر آ پہنچے۔

میں نے اپنے آنسو اپنے آنچل میں جذب کر لئے۔

بھیا کی مسکراہٹ غماز تھی کہ وہ اپنا کام بہ حسن و خوبی کر آئے ہیں۔

ممی کے جانے کے بعد بھیا نے مجھے لکڑی کا وہ مستطیل ٹکڑا دکھایا جس پر انہوں نے
تالے سے کمرے کی چابی کے چھ سات خاکے اتار رکھے تھے۔ وہ لکڑی کی کم از کم دو تین
چابیاں تیار کرنا چاہتے تھے تاکہ ایک ٹوٹ جائے تو دوسری تیسری کام آ سکے حالانکہ
بالاخانے سے لوہے کے مضبوط ٹکڑے کی دستیابی مشکل نہ تھی جسے تراش کر چابی بنائی جا
سکتی مگر چونکہ لوہے کو کاٹنا دشوار ہوتا' چنانچہ بھیا نے سخت لکڑی کے ایک ٹکڑے سے چابی

تراشنے کی تدبیر سوچی تھی۔ اگرچہ نرم لکڑی کو کاٹنا زیادہ آسان ہوتا مگر بھیا نے لکڑی ٹوٹ جانے کے احتمال سے سخت لکڑی استعمال کی تھی۔

تین دن تک بھیا دیوانہ وار لکڑی کے اس ٹکڑے پر بنے خاکوں کی تراش خراش میں جتے رہے۔ بالاخانے ہی سے انہوں نے آری اور ریتی تلاش کی ہوئی تھی۔ بھیا لکڑی پر بنے خاکے تراشتے پھر انہیں گھس گھس کر بار بار دروازے کے قفل میں آزماتے رہے۔ تین چار خاکے تراش خراش کے دوران ہی ناکارہ ہو گئے۔ تین چابیاں بالکل صحیح سلامت تیار ہو گئیں۔

جب پہلی چابی نے درست کام دکھایا تو بھیا کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ انہوں نے زقند لگائی اور ہم تینوں کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"اب سارے دروازے کھل جائیں گے زری۔" انہوں نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"پگلی! رونے کی بھلا کیا بات ہے۔ یہ تو جشن منانے کا موقع ہے۔" بھیا نے کہا۔

"یہ آنسو بھی خوشی کے آنسو ہیں بھیا۔" وفور جذبات سے میری آواز گھٹ گئی تھی۔

بھیا اور میں اس فقید المثال کامیابی پر ناچتے، مسکراتے اور گنگناتے پھر رہے تھے اور ہمارے جڑواں بھائی بہن حیران تھے کہ کیا ایک چوبی چابی بھی انسان کو اس حد تک مسرور کر سکتی ہے کہ وہ مارے خوشی [illegible]

اب ہمارے پاس ایک نہیں تین تین چابیاں تھیں جو ہمارے قید خانے کا دروازہ کھول سکتی تھیں مگر اس دروازے کا کھل جانا ہی کافی نہ تھا۔ نانی جان کے گھر سے نکل بھاگنے کے بعد فوری طور پر ہمیں اپنے پرانے شہر کراچی کا رخ کرنا تھا۔ میں تو اس حق میں تھی کہ ہمیں کسی نئی جگہ جانا چاہئے مگر بھیا کا خیال تھا کہ انجانی جگہ پر زیادہ مشکلات ہوں گی، ہمیں کراچی جانا چاہئے۔

ہم بے ٹکٹ سفر کرتے ہوئے پکڑے جانے کا خطرہ ہرگز مول نہ لینا چاہتے تھے کہ وہ کنوئیں سے نکل کر کھائی میں جا پڑنے کے مترادف ہوتا۔

سفری اخراجات سے قطع نظر زندگی کی بے شمار احتیاجات ہمارے پیش نظر تھیں۔ بھیا اور میں ہی ہوتے تو دروازے کی چابی بن جانے کے بعد ہم کچھ نہ سوچتے اور اس قید خانے سے نکل بھاگتے مگر دو معصوم بچے ہماری اولین ذمے داری بنے ہوئے تھے۔ یہاں

[illegible] کے بعد ہم انہیں غیر یقینی حالات کے رحم و کرم پر نہ چھوڑنا چاہتے تھے۔ یہ طے پا [illegible] یہاں سے نکلنے کے بعد بھیا محنت مزدوری، نوکری چاکری کر کے ہماری کفالت [illegible] جبکہ میں خاتونِ خانہ بن کر امور خانہ داری سنبھالوں گی اور ہم باہم مل جل کر [illegible] اور فرحین کو ایک تابناک مستقبل دینے کی کوشش کریں گے۔

مگر نانی جان کے گھر سے نکلنے اور ایک نئی جگہ جا پہنچنے کے بعد ہمیں سر چھپانے کو [illegible] طور پر کوئی ٹھکانہ چاہئے تھا اور بھیا کو کام ملنے تک روٹی کی ضمانت۔ دینے والا تو خیر [illegible] بھی کیڑے کو رزق پہنچاتا ہے مگر ہم دو بچوں کے ساتھ کے خیال سے غیر معمولی [illegible] اور دوراندیشی کا دامن تھامے ہوئے تھے۔

[illegible] دروازے کی چابیاں بھیا نے بالاخانے میں ڈھیر پرانے اسباب کے بیچ چھپا دیں اور [illegible] بولے۔ "بس اب تھوڑی سی رقم کا بندوبست کرنا ہے تاکہ یہاں سے نکلنے کے بعد [illegible] طور پر کوئی معاشی پریشانی نہ ہو۔"

"رقم کہاں سے آئے گی؟" میں نے پوچھا۔

"میں چوری کروں گا۔" بھیا نے کچھ اس طرح کہا جیسے چوری کرنا بھی کوئی بہت ہی [illegible] اور لائق فخر کام ہو۔

"چوری کریں گے! مگر کیسے؟ کہاں سے؟"

"تم دیکھتی رہو۔"

پھر یوں ہوا کہ ہمیں ممی کی شبانہ مصروفیات کے بارے میں خاصا تجسس رہنے لگا۔ [illegible] انہیں یہ بتانے میں کوئی ضرورت نہ سمجھتیں کہ کس رات ان کا کیا پروگرام تھا؟ اپنے نئے [illegible] کے ساتھ وہ کہاں جائیں گی اور کتنی دیر باہر رہیں گی؟ جس رات ہمیں ممی کے [illegible] میں یہ معلوم ہوتا کہ وہ رات کو دیر تک گھر سے باہر ہوں گی اس روز شام پڑتے ہی [illegible] گھر کے اگلے رخ پر واقع دیوار سے کان لگا کر بیٹھ جاتے۔

میں بھی اپنی سماعت کو مستعد کر دیتی۔

ہم چوکنا بیٹھے رہتے۔

ادھر نیچے گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دیتی ادھر بھیا اپنی مہم پر نکلنے کی تیاری [illegible] کر دیتے۔ جونہی گھر کی بیشتر بتیاں گل ہو جاتیں اور سناٹا چھا جاتا، بھیا لکڑی کی چابی [illegible] جو وہ بالاخانے سے شام ہی کو لے آئے ہوتے تھے، بہت آہستگی سے کمرے کا دروازہ [illegible] کھولتے اور دبے پاؤں تاریک راہداری میں نکل جاتے۔ میں ان کی بخیریت واپسی کے لئے [illegible] کے حضور گڑگڑانے لگتی۔

ہم اپنے ڈیڈی کے زمانے سے ممی کی اس عادت سے واقف تھے کہ روپے پیسے کے بارے میں وہ بہت بے پروا واقع ہوئی تھیں۔ پیسے اور زیورات کو کبھی تالوں میں نہ رکھتیں بلکہ ان کا پرس اکثر سنگھار میز پر اور زیورات سنگھار میز کی دراز میں کھلے پڑے رہا کرتے۔ ہمیں یقین تھا کہ ممی کی یہ عادت ہنوز برقرار ہوگی چنانچہ بھیا نے اول روز سے اپنی توجہ ممی کے کمرے پر ہی مرکوز رکھی۔ ان کے پہلے دورے ہی نے ہمارے اس یقین پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ ممی روپے پیسے اور زیورات کے معاملے میں ہنوز ویسی ہی بے پروا تھیں۔

بھیا جتنی بار بھی گئے خالی ہاتھ نہیں لوٹے۔ ممی کے کمرے میں ان کے مختلف بٹوؤں اور ان کے شوہر کی پتلونوں کی جیبوں سے انہیں ہمیشہ ہی کچھ نہ کچھ ملتا رہا۔ بھیا بقول ان کے 'مناسب حد میں رہتے ہوئے ہاتھ صاف کرتے۔ وہ جو کچھ بھی لاتے اسے ہم بالاخانے کے ایک غیر مقفل ٹرنک میں ایک پوٹلی میں باندھ کر رکھ دیتے۔

پھر رات کے وقت ممی کی گھر سے باہر آمدورفت کچھ کم ہو گئی۔

ایک شام بھیا نے ممی سے پوچھا۔ "کیا بات ہے ممی' آج کل آپ کہیں آجا نہیں رہی ہیں کیا؟"

"کیوں؟" ممی نے چونک کر کہا۔ "تم یہ بات کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ آج کل آپ بڑی باقاعدگی سے ہمارے پاس آ رہی ہیں۔"

"اوہ!" ممی مسکرائیں پھر انہوں نے کہا۔ "بھئی بات یہ ہے کہ آج کل ہم نے باہر [illegible] میرے کمرے میں آئے دن پیسے چوری ہونے لگے ہیں۔ مجھے تو خیر خبر بھی نہ ہوتی کیونکہ میں کبھی پیسے گن کر رکھنے کی عادی نہیں رہی' کوئی بھی چور بڑے آرام سے میرے بٹوے میں موجود رقم پر ہاتھ کی صفائی دکھا سکتا ہے مگر علی اس سلسلے میں خاصے محتاط واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے نوٹ کیا کہ کوئی آئے دن ان کے بٹوے اور جیبوں پر ہاتھ صاف کر جاتا ہے۔ ہمارے کمرے میں ملازموں کے سوا اور کوئی آ جا ہی نہیں سکتا یقیناً کسی ملازم کو چوری کرنے کی بری لت پڑ گئی ہے۔ ہم دونوں آج کل چور کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کی مہم پر ہیں اور اسی لئے باہر آنا جانا کم کر رکھا ہے۔ جسے چوری کی لت پڑ چکی ہے وہ تو بہر صورت آئے گا اور پھر آئے گا۔ رات کو ہم دیر تک کمرے کا دروازہ کھلا اور بتی بند رکھتے ہیں اور سوتے بنے رہتے ہیں۔ جس روز بھی چور پکڑا گیا اس کی خیر نہیں کیونکہ اس گھر سے ہر ملازم کو اتنا ملتا ہے کہ کسی کو چوری کرنے کی ضرورت ہونی ہی نہیں چاہئے۔"

اب بھیا کو محتاط ہو جانا چاہئے تھا۔

اور وہ ہو بھی گئے۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم نے اس زنداں سے فرار کا منصوبہ ترک کر دیا۔ ہم نے ایک ہی جست میں اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا اور بہت جلد کیونکہ ہم چاروں آئے دن اتنے بیمار رہنے لگے تھے کہ کبھی کبھی تو کوئی غیبی آواز مجھے اپنے کانوں میں یہ سرگوشی کرتی محسوس ہونے لگی کہ اگر ہم نے دیر کر دی تو یہ قید خانہ ہی ہمارا مدفن بن جائے گا۔

یوں تو ہم میں سے ہر ایک کی صحت روز بروز بگڑتی جا رہی تھی لیکن حارث کی صحت سب سے زیادہ متاثر ہو رہی تھی۔ حالانکہ اب تو ہمیں کھانا پینا پہلے سے زیادہ اچھا اور افراط سے ملنے لگا تھا۔ نانی جان کھانے پینے کا سامان بہت ہی وافر مقدار میں لاتی تھیں۔ اب وہ سوپ کے بجائے اورنج جوس تھرماس میں بھر لاتیں جو ہم سب ہی شوق سے پیتے' وہ چیز بسکٹ' ڈبل روٹی' مکھن اور پنیر کے علاوہ کوئی نہ کوئی سوکھی پھل بھی ضرور ہوتا اور گلاب جامنیں تو گویا ہمارے کھانے کا جزو لازم بن گئی تھیں۔ حارث جو میٹھے کا بڑا شوقین تھا' ان میں سب سے زیادہ حصہ بٹاتا اور سب سے زیادہ بیمار بھی وہی رہتا۔

دھوپ اور تازہ ہوا سے محرومی نے ہمیں آئے دن کا روگی بنا دیا تھا۔ بخار' پیٹ میں درد' مروڑ اور الٹیاں ہمیں حال سے بے حال کئے دے رہی تھیں بالخصوص حارث تو بالکل [illegible] آئے دن اسے زکام بھی ہو جاتا' ناک بہنے لگتی اور سینہ بھاری ہو جاتا اور وہ بے دم سا ہو کر بستر پر پڑ جاتا۔

جب میں اسے بستر پر نڈھال پڑے دیکھتی تو میرا دل بیٹھنے لگتا۔ ایک انجانی سی آواز میرے کان میں چپکے چپکے سرگوشی کرتی۔ "زری! تم لوگ یہاں سے جتنی جلد نکل سکتے ہو نکل جاؤ۔"

میں اپنی آنکھیں موند لیتی اور لبوں کو باہم بھینچ کر خدا سے بہت گڑگڑا کر دعا کرتی۔

"یا اللہ! میرے بہن بھائیوں کو زندہ اور سلامت رکھ اور ہمیں اس زنداں سے نکال کر کسی ایسی جگہ پہنچا دے جہاں دھوپ اور تازہ ہوا پر پہرے نہ ہوں' جہاں دروازے کبھی مقفل نہ کئے جاتے ہوں............ رحم کر مولا............ رحم کر۔"

حارث اور فرحین کی گرتی ہوئی صحت کی فکر میرے اعصاب پر اس حد تک مسلط ہونے لگی کہ میں رات کو اکثر ہول کر اٹھ بیٹھتی اور اپنے نزدیک لیٹی فرحین کے سینے پر نظریں مرکوز کر کے یہ دیکھنے لگتی کہ وہ سانس تو لے رہی تھی۔ کبھی میں اپنے بستر سے اٹھ

کر دبے پاؤں بھیا کی مسہری پر ان کے ساتھ لیٹے حارث کو وحشت زدہ نگاہوں سے دیکھ لگتی۔ ان کے بے رونق چہرے اور نحیف و نزار جسم مجھے سہمانے لگتے۔

حارث اور فرحین کی خاطر ہم جلد از جلد وہاں سے نکل لینا چاہتے تھے اور اسی خیال سے ہم وہاں نکلنے سے قبل کوئی بڑی واردات بھی کر گزرنا چاہتے تھے۔ بڑی واردات کر گزرنے کی تجویز میں نے بھیا کے سامنے رکھی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ می زیورات ان کی سنگھار میز کی درازوں میں اسی بے پروائی سے پڑے رہتے تھے جو می کی عادت ثانیہ تھی اور جب اس شام می نے جتایا کہ وہ اور ان کے شوہر اس چور کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کی فکر میں تھے جو آئے دن ان کے کمرے میں چھوٹی چھوٹی وارداتیں کر رہا تھا اور اسے پکڑنے کے لئے انہوں نے ان دنوں اپنے سارے زیورات اسی طور باہر نکال کر ڈال رکھے تھے جیسے کسی چوہے کو پکڑنے کے لئے چوہے دان میں پنیر کا ٹکڑا اٹکا دیا جاتا ہے تو اس رات میں اور بھیا آئندہ کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کو تا دیر سر جوڑے بیٹھے رہے۔ اسی سوچ بچار کے دوران مجھے بڑی واردات کر گزرنے کی تدبیر سوجھی۔

"بھیا! میرا خیال ہے اب روز روز وارداتیں کرنے کا خطرہ مول لینے کے بجائے ایک ہی بڑی واردات کر گزریں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب می جس رات بھی باہر جائیں ان کے سارے زیورات سمیٹ [illegible]۔"

"بہت عمدہ خیال ہے!" بھیا پھڑک اٹھے۔

بڑی واردات کر گزرنے کی تجویز سے بھیا کے متفق ہو جانے کے بعد ہم مناسب موقع کی تاک میں لگ گئے۔

ہم نے دو سفری تھیلوں میں ضروری اسباب ٹھونس ٹھانس کر ان تھیلوں کو بالا خانے کے ایک بڑے صندوق کے پیچھے چھپا دیا تھا۔ بس اب ہمیں اس دن کا انتظار تھا جب می ہمیں یہ بتائیں کہ فلاں شب وہ تا دیر جاری رہنے والی فلاں تقریب میں جا رہی ہیں۔ اس رات ہم می کو ان کے تمام ان قیمتی زیورات سے محروم کرنے جا رہے تھے جو ان کی سنگھار میز کی درازوں میں کھلے پڑے ہوں گے۔ واردات کرتے ہی ہمیں رات کی تاریکی میں اس زنداں سے نکل بھاگنا تھا۔

بالآخر وہ مبارک ساعت آ پہنچی جب ایک روز دوپہر کے وقت می ہمارے کمرے میں ہوا کے ایک جھونکے کی مانند داخل ہوئیں اور بہ مشکل پانچ منٹ بعد ہی واپسی کا قصد

"می! لگتا ہے آپ بہت جلدی میں ہیں؟" بھیا نے کہا۔

"دراصل آج رات ہم لوگ ایک شادی میں جا رہے ہیں۔ علی شام کے لئے لباس [illegible] رہے تھے، میں موقع غنیمت جان کر تم لوگوں سے ملنے چلی آئی۔"

"سردی بہت ہے آپ کوئی گرم سوئٹر یا شال وغیرہ ضرور لے لیجئے گا، خدا جانے [illegible] ہو جائے۔" میں نے کہا۔

"ہاں وہ تو ضرور لینا پڑے گا کیونکہ آج کل تو شادی کی کسی تقریب سے بارہ ایک [illegible] رات سے پہلے واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" می بولیں ان کی نگاہوں سے [illegible] لئے وہ پیار جھلک رہا تھا جو زبانِ حال سے کہہ رہا تھا۔ "میری بیٹی کو میرا کتنا خیال [illegible] ہے!"

ادھر می کمرے سے گئیں ادھر بھیا نے تکئے کا ایک غلاف اتار کر مسہری کے گدے [illegible] دبا دیا۔ اس غلاف میں وہ می کے وہ تمام زیورات بٹور لانا چاہتے تھے جو ان کی [illegible] میز پر کھلے پڑے ہوں گے۔

مگر ابھی سہ پہر شام کا چولا پہن رہی تھی کہ حارث کو سردی سے بخار چڑھ آیا اور اس نے الٹیوں پر الٹیاں شروع کر دیں۔ بھیا نے دواؤں کے صندوقچے میں سے قے [illegible] کرنے والی گولیاں دیں، مگر اسے کچھ افاقہ نہ ہوا بلکہ طبیعت بگڑتی ہی [illegible] گئی۔

رات ہوتے ہوتے حارث ہاتھوں میں آ گیا۔ ایک طرف اس کا بخار آسمان سے [illegible] کر رہا تھا تو دوسری طرف الٹیوں نے اسے نڈھال کر رکھا تھا اور پسینہ تھا کہ کہتا تھا [illegible] آج کے بعد پھر نہ آؤں گا۔ درد سے ہڈیاں اس بری طرح چٹخے جا رہی تھیں کہ وہ [illegible] رہا تھا۔

میں کبھی اس کا پسینہ پونچھتی، کبھی اس کی الٹی صاف کرتی، کبھی اس کے کپڑے بدل کرتی، کبھی اس کے ہاتھ پاؤں دبانے لگتی اور بھیا بے چارے وقفے وقفے سے درد کم [illegible] اور قے روکنے والی گولی لے کر کھڑے ہو جاتے۔

بھیا اور میں بار بار بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے۔ ہماری سمجھ میں نہ آ رہا [illegible] کیونکر حارث کی تکلیف کو رفع کریں۔ بھیا نے اپنی مہم پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا [illegible] کیونکہ اگر وہ اس مہم سے کامیاب لوٹتے بھی تو حارث کو اس حالت میں لے کر کہاں جا[illegible]۔ ہمیں حارث کی زندگی اس زنداں سے بھاگ نکلنے سے زیادہ عزیز تھی۔

حارث کو تڑپتا دیکھ کر فرحین سہمے جا رہی تھی۔ اس رات جب اس کے سونے کا وقت ہوا تو وہ بھیا کی مسہری کے قریب آکھڑی ہوئی جس پر میں حارث کے قریب ہی تھی۔

"کیا بات ہے گڑیا' آپ سو کیوں نہیں رہیں؟" میں نے فرحین سے پوچھا۔

"باجی' میں حارث کے پاس لیٹ جاؤں؟" فرحین نے بڑی عاجزی سے کہا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ اس سے قبل تو فرحین نے کبھی حارث کے پاس لیٹنے کی خواہش نہ کی تھی پھر آج کیوں؟

میں نے اسے حارث کے نزدیک ہی لٹا دیا۔

رات بھر حارث شدید تکلیف اور بے چینی سے دوچار رہا۔ بھیا اور میں پلک جھپکائے بنا جاگتے رہے۔ حارث بار بار ممی کو پکارتا رہا اور میرا دل کٹتا رہا۔ تین ساڑھے تین بجے کے لگ بھگ جب اس نے نقاہت کے غلبے سے گردن بالکل ہی ڈال دی اور میں رونے لگی تو بھیا نے کہا۔ "میں ممی کو بلا لاتا ہوں۔"

"نہیں۔" میں نے بے ساختہ کہا۔ "یوں تو انہیں ہمارے اس دروازے کی چابی کی موجودگی کا علم ہو جائے گا۔"

"تو پھر کیا کریں؟"

"صبح کا انتظار۔"

[illegible]

علی الصباح حسب معمول دروازہ کھلا۔ نانی جان باسکٹ اٹھائے کمرے میں داخل ہوئیں اور اسے میز پر رکھ ہی رہی تھیں کہ میں نے انہیں بڑی لجاجت سے پکارا۔

وہ پلٹیں اور انہوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "کتنی بار سمجھانا پڑے گا کہ جب تک میں ہمکلام نہ ہوں مجھے مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں؟"

"حارث بہت بیمار ہے نانی جان۔ اسے کل سے بخار ہے اور الٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ رات بھر اس کی طبیعت بہت خراب رہی ہے۔ اسے ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت ہے۔"

نانی جان نے بڑی رعونت اور بے اعتنائی سے حارث کی طرف دیکھا جس کے چہرے کے سوا باقی سارا جسم سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا پھر کچھ کہے سنے بنا کمرے سے باہر نکل گئیں اور قفل چڑھا دیا۔

"اب خواہ کچھ بھی ہو' مجھے ممی کو بلانے کے لئے جانا ہی پڑے گا۔" بھیا بولے۔

"نہیں! خدا کے واسطے ایسی غلطی مت کیجئے ورنہ شاید ہم کبھی بھی اس قید خانے

نکل پائیں گے۔"

سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

چپکے چپکے رونے لگا۔

دیر بعد دروازہ کھلا اور نانی جان کے ساتھ ممی بھی کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ خوابی میں آئی تھیں۔

ممی! حارث بہت بیمار ہے۔ اسے ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت ہے۔" میں نے ممی آمیز لہجے میں کہا۔

نے قریب آکر اس کی پیشانی چھوئی پھر چادر میں سے اس کی سوکھی کلائی نکال کر رفتار دیکھنے لگیں۔ کچھ دیر ٹکٹکی باندھے اس کے چہرے کو دیکھتی رہیں جس پر پھیلی ہوئی تھی پھر وہ نانی جان کی طرف پلٹیں اور دونوں ہم سے کچھ فاصلے پر کھڑی چپکے چپکے کھسر پھسر کرنے لگیں۔ نانی جان سے کھسر پھسر کرتے ہوئے ان کی نظریں اس مسہری کی طرف اٹھتی رہیں جس پر حارث نیم جان سا پڑا تھا اور ہم تینوں ملال و ملگی کی تصاویر بنے اردگرد بیٹھے تھے۔

کچھ دیر نانی جان سے کھسر پھسر کرنے کے بعد ممی گہری سوچ میں حارث کے پاس آ بیٹھیں۔ ان کے چہرے سے یوں لگتا تھا جیسے سخت کشمکش میں ہوں اور کوئی فیصلہ نہ کر پا

[illegible]

میں کچھ دیر چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی پھر میں نے کہا۔ "آپ کیا سوچ رہی ہیں حارث کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیے۔"

"ٹھہرو' ذرا سوچ لینے دو مجھے۔" ممی بولیں۔

"کیا سوچ لینے دوں۔" میں نے غصہ سے کہا۔ "آپ کیسی ماں ہیں کہ آپ کا بیٹا موت کے دہانے پر پڑا ہے اور آپ کہتی ہیں مجھے سوچ لینے دو.......... یہی سوچ رہی ہیں نا کہ اگر بستر مرگ پر پڑے نانا جان کو یہ پتہ چل گیا کہ آپ کے بچے بھی ہیں جن میں ایک لب مرگ ہے تو وہ اپنی وصیت کو پھر تبدیل کر دیں گے.......... اور اگر آپ کے شوہر نامدار کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ فقط اس کی بیوی ہی نہیں بلکہ چار بچوں کی ماں بھی ہیں تو وہ آپ کا دم بھرنا چھوڑ دے گا بلکہ کچھ عجب نہیں کہ آپ ہی کو چھوڑ دے۔ مگر میں اتنا ہی جانتی ہوں کہ میں اپنے بھائی کو آپ کی خودغرضی کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گی۔ اگر آپ اسے ڈاکٹر کے پاس نہ لے کر گئیں تو میں چیخ چیخ کر اس گھر کی دیواروں کو سر پر اٹھا لوں گی۔ میں چلا چلا کر بستر مرگ پر پڑے نانا جان' آپ کے شوہر' گھر کے ملازموں

اور ہمسایوں کو سنا دوں گی کہ ہماری ماں اور نانی نے برسوں سے ہمیں اس قید خانے میں بند کر رکھا ہے۔"

یکایک ممی کا بازو اٹھا' ہوا میں لہرایا اور انہوں نے ایک زوردار طمانچہ میرے گال پر رسید کرتے ہوئے کہا۔ "ذلیل! کمینی! تو ہمیشہ میرے لئے پریشانی اور اذیت کا سبب بنی رہی ہے۔"

پہلی بار ممی نے مجھ پر اس قدر بے دردی سے ہاتھ اٹھایا تھا۔ میرا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دوں لیکن رونا کمزوری اور بزدلی کا اظہار ہوتا اور میں اس وقت کمزور نہ ہونا چاہتی تھی۔

"آپ اگر حارث کو فوراً ڈاکٹر کے پاس نہ لے گئیں تو سچ کہتی ہوں کہ اس گھر کو سر پر اٹھا لوں گی۔"

اب کی بار ممی نے یکے بعد دیگرے دو تھپڑ میرے رخساروں پر جڑے۔ وہ تیسرا تھپڑ رسید کرنے کو تھیں کہ میں نے ان کا ہاتھ پوری قوت سے پکڑ لیا اور جارحانہ تیوروں سے بولی۔ "اب ماریئے آپ مجھے۔"

بھیا درمیان میں نہ آ گئے ہوتے تو بات یقیناً بہت بڑھ جاتی۔ "خدا کے واسطے زری ہوش اور عقل سے کام لو۔ حارث کے لئے مشکلات پیدا نہ کرو۔" بھیا نے مجھے سمجھایا پھر وہ ممی سے مخاطب ہو کر بولے۔ "ممی! آپ حارث کو ڈاکٹر کو دکھانے کا بندوبست کیجئے۔"

"یاد رکھئے حارث کو کچھ ہو گیا تو ہم [illegible] انتقام لوں گی جو آپ کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔" میں نے ادب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے چلا کر کہا۔

"اوہو! آہستہ کوئی سن لے گا۔" نانی جان نے کہا۔

"سن لے' میں پروا نہیں کرتی۔"

میرے جارحانہ تیور دیکھ کر نانی جان نے ممی سے کہا۔ "شیریں! لڑکی غلط نہیں کہہ رہی ہے۔ بچے کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑے گا۔"

"امی! تھوڑی دیر میں علی جاگ جائیں گے پھر جب تک وہ گھر سے باہر نہیں چلے جاتے تب تک تو میں حارث کو کہیں بھی نہیں لے جا سکتی۔" ممی نے نانی جان سے کہا۔

نانی جان نے میری طرف دیکھا اور برسوں میں پہلی مرتبہ قدرے رسانیت سے بولیں۔ "تم فکر نہ کرو۔ اگر تمہاری ماں نہ لے گئی تمہارے بھائی کو ڈاکٹر کے پاس تو میں لے کر جاؤں گی۔"

میرے لئے یہ سمجھنا محال نہ تھا کہ نانی جان کا یہ بدلا ہوا رویہ میری زبان بندی کا ہے۔ حارث کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کی اس چال پر انہیں ایسی کھری کھری سناتی کہ وہ پانی پانی رہ جاتیں۔

دن بھر ہم ان کے اس وعدے کی آس لگائے ان کی راہ تکتے رہے۔ حارث کو ہنوز ابکائیاں اور الٹیاں ختم نہیں ہو گئی تھیں۔ اس کے پیٹ میں بچا ہی کیا تھا؟ صبح سے رات تک غشی طاری رہی اور ہم تینوں اس کے نزدیک سوگوار بیٹھے رہے۔ کئی مرتبہ میرا جی چاہا کہ دروازہ دھڑ دھڑا ڈالوں یا کھڑکیاں کھول کر چلانے لگوں اور نانی جان اور ممی کی سازش کا قصہ زور زور سے بیان کرنا شروع کر دوں مگر بھیا نے مجھے ایسا کرنے سے باز رکھا۔

نانی جان اور ممی رات گیارہ بجے کے لگ بھگ ہمارے کمرے میں آئیں۔ انہوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ممی نے کچھ کہے سنے بنا حارث کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور اپنی چادر میں چھپا کر دروازے کی سمت پیش قدمی کی۔

فرحین تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔ "باجی.......... بھیا.......... حارث کو مت جانے دو۔" وہ بے تابانہ کہہ رہی تھی۔

"ٹھہریئے' میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔" میں نے ممی سے کہا۔

وہ پلٹیں اور انہوں نے مجھے گھور کر دیکھتے ہوئے دو ٹوک انداز میں کہا۔ "نہیں۔"

"ہاں ممی' زری کو ساتھ لے جایئے۔ اگر حارث کو اسپتال میں داخل کرنا پڑ گیا تو زری اس کی دیکھ بھال کو اس کے پاس رہ لے گی۔ حارث اس سے مانوس بھی بہت ہے۔"

"حارث کی ماں میں ہوں یہ نہیں۔" ممی نے جواب دیا۔

"ماں یا ماں کے نام پر دھبا؟" میں نے بڑی تلخی سے سوچا۔

فرحین مچلتی رہ گئی اور میں تڑپتی رہ گئی۔ ممی مجھے ساتھ لے کر نہیں گئیں۔

رات آنکھوں میں کٹی اور حارث کے بارے میں ہمیں کوئی خبر نہ ملی۔ میں اس کی صحت یابی کے لئے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگتی رہی۔

خدایا میری کنواری ماتا کو ٹھنڈی رکھنا۔

اگلی صبح نانی جان خلاف معمول ہمارے لئے کھانے پینے کا سامان نہیں لائیں اور ہمیں اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ ہم تو فقط یہ جاننا چاہتے تھے کہ حارث کہاں ہے اور کیسا تھا؟

میں نے بھیا اور حارث کے بستر کی چادر تبدیل کی۔ سرہانے ایک گلدان
مصنوعی پھول آراستہ کیے تاکہ جب حارث واپس آئے تو پھول خواہ مصنوعی ہی سہی
کا استقبال کریں۔

دن بھر کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ فرحین' بھیا اور میں دروازے پر نظر
جمائے بیٹھے رہے۔ ہمیں نانی جان' ممی اور حارث کا انتظار تھا۔

دروازہ رات گئے کھلا۔ نانی جان اور ممی ہمارے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ممی
چہرہ اترا ہوا تھا۔

"حارث کیسا ہے ممی؟" بھیا نے پوچھا۔

ممی نے ایک سرد آہ کھینچی پھر انہوں نے کہا۔ "اسے نمونیہ ہو گیا' اسپتال
ڈاکٹروں نے اسے بچانے کی بہت کوشش کی مگر وہ.........."

"کیا ہوا اسے؟" میں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ممی کی طرف دیکھا۔

"وہ اپنے ڈیڈی کے پاس چلا گیا ہے۔"

میرے منہ سے ایک چیخ نکلی۔

"آہستہ کوئی سن لے گا۔" نانی جان بولیں۔

"خدایا! یہ کیسا ظلم ہے کہ ہم اپنے پیارے کی موت پر رو بھی نہیں سکتے۔" میں
نے دکھ سے سوچا۔

بھیا کی آنکھوں میں سرخی اُمنڈ آئی تھی اور وہ بہت ... [illegible]
... [illegible] میں اور میں نے فرحین کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔
"میری جان' بھائی اللہ میاں کے پاس چلا گیا ہے۔"

بھیا ہماری طرف بڑھ آئے اور انہوں نے اپنے پنجوں کے بل بیٹھ کر ہم دونوں کو
اپنی بانہوں کے حصار میں سمیٹتے ہوئے کہا۔ "صبر کرو۔"

"کیوں؟ کیوں صبر کریں؟" میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔

کیوں؟

کیوں کر؟

یہ ہماری زندگی کے دو بڑے سوال تھے۔

"کیا میں حارث کی تدفین میں شریک ہو سکتا ہوں؟" بھیا نے پوچھا۔

"اسے تو آج صبح دفن کر دیا گیا۔ وہ تو کل رات ہی چل بسا تھا۔"

"اور آپ ہمیں آج خبر دے رہی ہیں۔" میرے دکھ پر غصہ غالب آ گیا۔

کی کچھ نہیں بولیں۔

"دفن کہاں کیا تھا آپ نے اسے؟"

"ہم نے ایک رفاہی ادارے کو فون کر دیا تھا' انہوں نے تمام انتظامات کیے۔"

"آپ نے یہ تو نہیں بتایا ہو گا انہیں کہ اس کی ماں آپ ہیں۔" بھیا نے تلخی سے

"بتا بھی دیتی تو کیا فرق پڑتا۔"

"ایسی سنگدل ماں خدا کسی کو نہ دے۔" میں یہ کہنے کو لب کھولنا چاہتی تھی مگر بھیا
میرا سر اپنے سینے سے لگا کر سرگوشی میں کہا۔ "کچھ کہنا سننا فضول ہے زری۔" سو میں
رہی۔ مگر میرے دل میں ایک تیز دھار خنجر ہمیشہ کے لئے اتر چکا تھا۔

☆--------☆--------☆

حارث کیا گیا ہمارے روز و شب دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئے۔ فرحین نے
گٹار' اس کا بینجو' اس کے کھلونے کمرے کے ایک گوشے میں سجا لئے تھے اور دن بھر وہ
ان کے پاس بیٹھی رہتی۔ کمی یا تو پنجرے میں بند اس کے نزدیک ہی ہوتا یا پھر اس کی گود
میں یا آس پاس گھوم رہا ہوتا۔ سچ ہے انسانوں سے تو جانور اچھے جو وفا تو کرتے ہیں۔
فرحین بہت اداس رہنے لگی تھی۔ اس نے کھانا پینا بھی بہت کم کر دیا تھا۔ میں اسے
یوں دیکھ کر ہولے جاتی۔ یہ وہم میرے دل کو مٹھی میں دبوچ لیتا کہ کہیں حارث کے بعد
[illegible]

مجھے حارث یاد آتا تو یوں لگتا جیسے میرا سینہ شق ہو جائے گا اور دل مرغ بسمل کی
صورت پھڑپھڑاتا ہوا باہر آ گرے گا۔ اس کے تخلیق کردہ گیتوں کے المیہ بول میری روح
پر زخم لگائے جاتے۔ چھوٹی سی عمر میں وہ کتنی خوبی سے اپنے درد دل کو الفاظ میں بیان
کرنے لگا تھا اور موسیقی سے محبت اور سُروں کو سمجھنا تو جیسے اس کے خمیر میں شامل تھا۔
گٹار اور بینجو اس نے آپ ہی بجانا سیکھا تھا اور کس خوبی سے بجاتا تھا۔

جس روز بھیا نے مجھ سے کہا۔ "زری' ہم نے یہاں سے جانے کے لئے جو سامان
پیک کیا تھا اس میں سے حارث کی چیزیں تو اب نکال ہی دو۔" اس روز تو مجھے یوں لگا جیسے
میرے سینے میں دل پھٹ گیا ہو۔

اس رات میں نے خواب میں دیکھا جیسے میں لق و دق صحراؤں' گھنے جنگلوں اور
بیابانوں میں حارث کو دیوانہ وار پکارتی روتی پھر رہی ہوں۔ اسے تلاش کرتے کرتے میں
ایک سرسبز و شاداب باغ میں جا پہنچی ہوں۔ وہاں مجھے حارث نظر آ جاتا ہے۔ وہ بہت

خوش ہے اور اس کے ہاتھوں میں ایک خوش رنگ گلدستہ ہے جسے وہ مجھے ہی دینا
ہے کہ سرسبز درخت پر کسی خوش گلو پرندے کی چہچہاہٹ سنائی دیتی ہے اور ہم اس
طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اچانک اس باغ کی روش پر ایک شخص کھڑا دکھائی دیتا
پہلے تو ہمیں مسکرا کر دیکھتا ہے پھر اپنی بانہیں حارث کی طرف پھیلاتے ہوئے اپنے
پنجے کے بل وہیں روش پر بیٹھ جاتا ہے۔ میں حارث کا ہاتھ تھامے اس شخص کی طر
بڑھتی ہوں اور اسے بغور دیکھنے لگتی ہوں۔

یکایک مجھے احساس ہوتا ہے کہ وہ شخص کوئی اجنبی نہیں بلکہ وہ ہمارے ڈیڈی
یہ احساس مجھے خواب میں بھی یہ تقویت بخشتا ہے کہ حارث ڈیڈی سے جا ملا ہے اور
اسے بقیہ راستہ تنہا طے نہیں کرنا پڑے گا۔

پھر ڈیڈی میری طرف دیکھتے ہیں مگر ترحم یا افسوس سے نہیں بلکہ فخر و انبساط
میں حارث کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیتی ہوں اور حارث مسکراتے ہوئے اپنا
دوسرے ہاتھ میں پکڑا گلدستہ مسکراتے ہوئے ڈیڈی کو دے دیتا ہے۔

میں ڈیڈی اور حارث کو خدا حافظ کہتی ہوں اور نہ جانے کہاں جانے کو مڑ لیتی ہوں
جب میری آنکھ کھلی تو میری آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور بھیا میرے نزدیک کھڑے
ہوئے کہہ رہے تھے۔ "نہ جانے کیسے الٹے سیدھے خواب دیکھا کرتی ہو تم! رو بھی رہی
تھیں ہنس بھی رہی تھیں اور نہ جانے کس کو خدا حافظ بھی کہہ رہی تھیں؟"

میں نے بھیگی آنکھ... احساس ہوا کہ بھیا تو ہو بہو
ڈیڈی کی تصور تھے۔ ڈیڈی بھی اپنی جوانی میں بالکل بھیا جیسے ہی رہے ہوں گے۔

اس خواب کے بعد مجھے جیسے حارث کی طرف سے قرار سا آگیا۔ اس خیال
میرے دل کو بڑی ڈھارس ملی کہ حارث دوسرے جہان میں تنہا نہیں تھا بلکہ ڈیڈی اس
کے ساتھ تھے۔

☆-------☆-------☆

مارچ کے آخری دن تھے۔

حارث کی موت سے پہلے ممی نے ہمیں بتایا تھا کہ مارچ میں وہ علی ضیاء کے ساتھ
ایک بار پھر سیر و تفریح کے لئے یورپ جائیں گی۔

حارث کی موت کے بعد بھیا نے مجھ سے کہا۔ "اب ممی یورپ جانے کا پروگرام
ملتوی کر دیں گی۔"

"آپ سے کس نے کہا؟"

"کسی نے بھی نہیں۔"

"تو پھر آپ کو کیسے پتا؟"

"بعض باتیں بغیر کسی کے کہے یا بتائے ہی سمجھ میں آ جاتی ہیں۔" بھیا نے توقف کیا
ولے۔ "حارث کی موت کا غم ممی کو یقیناً اپنا پروگرام ملتوی کرنے پر مجبور کر دے گا۔
ل ضیاء سے کوئی بھی بہانہ کر لیں گی۔"

مجھے یقین نہ آیا کہ ایسا ہو گا۔

دراصل ممی کے رویئے نے مجھے ان سے اس حد تک متنفر کر دیا تھا کہ ان کے
میں کوئی بھی اچھی بات مشکوک محسوس ہوتی تھی۔

مارچ کے آخری دن تھے۔

حارث کی موت کے بعد ممی بلاناغہ ہمارے پاس آتی رہی تھیں مگر دو دن سے نہ
کہاں غائب تھیں۔ فرحین کی روز بروز گرتی ہوئی صحت اور خود ہماری آئے دن کی
نے ہمیں اس قید خانے سے انتہائی متنفر کر دیا تھا۔ اگرچہ خواب میں حارث کو ڈیڈی
پرد کر کے مجھے بڑی حد تک قرار آگیا تھا لیکن اب بھی اکثر رات کی تنہائیوں میں اس
آنسو بن کر میری آنکھوں سے بہہ نکلتی۔ اپنی ماں سے اس کے جیتے جی محروم ہو
والے اس چھوٹے سے لڑکے کو میں بھلا کیونکر بھول سکتی تھی جو اپنے بڑے بھائی
ادھر اُدھر ہوتے ہی مجھ کو مما کہنے سے نہ چوکتا۔ شروع شروع میں دو ایک مرتبہ جب
نے بھیا کے سامنے مجھے مما کہا تو بھیا نے اسے منع کر دیا تھا کہ وہ مجھے مما نہ کہا
۔۔۔ تب سے وہ بے چارہ مجھے بھیا کے سامنے مما کہنے سے ڈرنے لگا تھا۔ لیکن جونہی
بھیا کو ادھر اُدھر پاتا مجھے مما کہہ کر میری آغوش میں آ دبکا کرتا تھا۔ اس ننھے سے دل
بچے کا درد مجھے اس کی زندگی میں بھی دل گرفتہ اور ملول کر دیا کرتا تھا اور اس کی
کے بعد تو گویا اس کے دل کا دکھ میرے دل کو دبوچ کر بیٹھ گیا تھا۔ میں اسے خواب
ڈیڈی کے حوالے کر کے بظاہر مطمئن ہو گئی تھی مگر بباطن اب بھی بے قرار تھی۔

آخر بھیا نے اس بڑی واردات کو کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا جو حارث کی موت کے
ہم نے اتنے دن سے ملتوی کر رکھی تھی۔

اس شب جونہی نیچے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی' بھیا نے تکئے کا غلاف
اور اپنی اس بڑی اور اس سلسلے کی آخری مہم پر نکلنے کی تیاری کرنے لگے۔ میرا دل
رہا تھا۔

"بھیا! ہو سکتا ہے گاڑی میں ممی اور ان کے میاں نہ گئے ہوں' کوئی اور گیا ہو۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً نانی جان یا ہو سکتا ہے نانا جان کو اسپتال لے گئے ہوں۔"

"ہاں، ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر آپ یہ خطرہ کیوں مول لے رہے ہیں۔ اگر آپ پکڑے گئے تو؟"

"اگر ممی نے پکڑا تو شور مچادوں گا اور سب کو بتادوں گا کہ اوپر میری دو بہنیں [illegible] مقید ہیں اور اگر کسی اور نے پکڑا تو بھاگ لوں گا اور موقع پاتے ہی پھر تم سے آملوں گا"

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"

"پگلی، ڈرنے کی کیا بات ہے۔ خطرہ مول لئے بغیر بات نہ بنے گی۔" بھیا نے [illegible] سمجھایا۔

بھیا کے جانے کے بعد میں دم سادھ کر فرحین کے نزدیک ہی لیٹ گئی۔ میرا [illegible] اندیشوں اور خدشات سے ہول رہا تھا اور میری چشم تصور مجھے عجیب ہولناک منظر [illegible] رہی تھی۔ کبھی میں انہیں تاریک راہداریوں میں دیوانہ وار بھاگتے دوڑتے دیکھتی۔ کبھی پھٹی پھٹی آنکھوں اور پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ کسی ستون کی آڑ میں چھپنے کی کو[illegible] کرتے دکھائی دیتے۔ کبھی میری چشم تصور کے سامنے یہ منظر ناچنے لگتا کہ بھیا می[illegible] زیورات چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے ہیں۔ علی ضیاء انہیں پولیس کے حوالے کر[illegible] کے لئے پولیس کو فون کر رہا ہے۔ ممی یوں انجان بنی کھڑی ہیں جیسے بھیا سے کوئی تعلق [illegible] [illegible] نادم و شرمسار کھڑے ہیں۔ [illegible] سے ان کی فطری محبت ہمیشہ کی طرح ان کے آڑے آگئی ہے اور وہ ممی کے شوہر [illegible] سامنے ممی سے اپنے تعلق کا اعلان نہیں کر پا رہے ہیں۔

اسباب راہ ہم نے تیار کر رکھا تھا۔ دو سفری تھیلے زینے سے اوپر بالاخانے کی چوکھ[illegible] پر دیوار کی آڑ میں دھرے تھے۔ بھیا کے کامیاب ہو کر واپس آتے ہی ہمیں دونوں [illegible] اٹھا کر فرحین کو گود میں لاد کر وہاں سے نکل پڑنا تھا اور صبح کی ٹرین سے ہمیں کراچی روا[نہ] ہو جانا تھا۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا میرے دل پر طاری وحشت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ بھیا بغیر کسی غیر معمولی وجہ کے اتنی دیر باہر نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ میں رخت سفر تیار کئے اس امید کا دامن تھامے بیٹھی تھی کہ جیسے ہی [وہ] کامیاب و کامران ہو کر لوٹیں گے ہم اس زنداں پر دو حرف بھیج کر وہاں سے نکل [لیں] گے۔

[بھیا] پو پھٹنے سے کچھ دیر قبل واپس لوٹے اور اس وقت تک میں خوف اور وحشت [سے نیم] بہاں ہو چکی تھی۔ تکیے کا وہ غلاف جسے وہ ممی کے زیورات سمیٹ کر اس میں [لانے کی] غرض سے اپنے ہمراہ لے گئے تھے، تقریباً سپاٹ حالت میں ان کی بغل میں دبا ہوا [تھا۔ ان] کے چہرے سے مایوسی اور ملال عیاں تھا۔

"[خیر]یت تو ہے اتنی دیر کہاں لگائی آپ نے؟"

[بھی]ا ایک سرد آہ کھینچ کر رہ گئے۔

"زیورات لے آئے آپ؟" میں نے انتہائی بیتابی سے پوچھا۔

انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیوں؟"

"زیورات تو سب گئے۔"

"کہاں؟"

"کچھ تو ممی یقیناً اپنے ساتھ لے گئی ہوں گی اور باقی اپنی واپسی تک کسی محفوظ جگہ [رکھ] کر گئی ہوں گی کیونکہ وہ تمام زیورات لے کر سفر پر نکلنے کی حماقت تو ہرگز نہیں کر [سکتی تھیں۔]"

"[سف]ر پر؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔" بھیا نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "ممی اپنے شوہر کے ساتھ یورپ [illegible] [گئی ہو]ئی ہیں۔"

"کب؟"

"گزشتہ شام۔"

"آپ کو کیسے معلوم؟"

"[ب]س معلوم ہو ہی گیا۔"

"پتا تو چلے کہ کیسے معلوم ہوا؟"

"سنو گی؟"

"ہاں، کیوں نہیں؟"

بھیا اپنی مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئے اور میں بھی ان کے نزدیک ٹک گئی۔

بھیا نے بتایا۔

"میں جب ممی کے کمرے میں داخل ہوا تو کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ٹارچ میرے [پاس] تھی۔ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سب سے پہلے تو میں ایک بلند و بالا چوبی الماری میں

موجود زیورات کے اس مخصوص لاکر سے قیمتی زیورات سمیٹنے کو آگے بڑھا جسے کھولنے کے لئے مخصوص ہندسوں کو ملانا پڑتا ہے اور بہت پہلے ایک مرتبہ ممی اپنے کمرے کی آرائش کی زبانی نقشہ کشی کرتے ہوئے باتوں ہی باتوں میں ہمیں اپنے زیورات کے لاکر کے مخصوص عدد بھی غالباً اسی لئے بتا گئی تھیں کہ انہیں ہماری طرف سے کوئی کھٹکا نہ تھا۔ ان عدد کو آزما کر میں نے ایک گذشتہ واردات کے دوران اس کا لاکر کو کھول کر دیکھا تھا۔ اس لاکر میں زیورات کے ان گنت مخملیں ڈبے دھرے تھے جن میں سے میں نے دو تین کھول کر دیکھا تو میری آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔ انگوٹھیوں کے ایک ڈبے میں پہلو بہ پہلو اوپر نیچے' قطار در قطار اتنی بہت سی انگوٹھیاں تھیں کہ میں حیران رہ گیا تھا۔ آج میں الماری کھولی تو لاکر مجھے پہلے ہی سے کھلا ہوا ملا۔ میں نے لاکر دیکھا تو وہ بالکل خالی پڑا ہوا تھا۔

"لاکر کو خالی دیکھ کر میں سنگھار میز کی طرف مڑا اور میں نے جلدی جلدی سنگھار میز کی درازیں کھنگالنا شروع کیں کیونکہ گزشتہ وارداتوں کے دوران میں نے دیکھا تھا کہ ممی اپنے عام استعمال کے زیورات اکثر انہی درازوں میں ڈالے رکھتی تھیں مگر آج وہ بھی غائب تھے۔ سب سے نچلی دراز میں البتہ مجھے وہ دو انگوٹھیاں پڑی ملیں جن میں سے ایک کے بارے میں ممی ہمیں بتایا کرتی تھیں کہ ڈیڈی نے انہیں نکاح کے وقت پہنائی تھی اور دوسری وہ جو ڈیڈی نے انہیں رونمائی میں دی تھی۔ میں نے وہ دونوں انگوٹھیاں اپنی تحویل میں لے لیں۔

"سنگھار میز کی درازوں سے مایوس ہونے کے بعد میں نے ممی کے کمرے کی دیوار وار تلاشی لینا شروع کر دی مگر مجھے کوئی زیور یا رقم نہیں مل سکتی البتہ ڈیڈی کی ایک فریم شدہ تصویر ضرور ملی جسے ایک شیلف پر بڑی بے مہری سے اوندھا کر رکھا گیا تھا۔

"ممی کے کمرے سے مایوس ہونے کے بعد مجھ پر ایسی کوفت طاری ہوئی کہ میں نے نانی جان کے کمرے میں جا کر ان کے اثاثوں پر ہاتھ صاف کرنے کا فیصلہ کیا۔ دبے پاؤں میں ان کے کمرے تک جا پہنچا۔ ان کے کمرے کی بتی جل رہی تھی اور جب میں نے ان کی کھڑکی سے ان کے کمرے میں جھانکا تو وہ مصلے پر بیٹھی ہاتھ بلند کئے بہ آواز بلند کہہ رہی تھیں۔ "اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دے۔" انہیں جاگتے پا کر میں اس قدر جھنجلایا کہ میں نے وہیں کھڑے کھڑے فیصلہ کر لیا کہ بستر مرگ پر پڑے نانا جان کا کمرہ تلاش کروں اور ان کے سامنے جا کھڑا ہوں اور انہیں بتا دوں کہ میں ان کا نواسا ہوں اور ان کی بیٹی کے ان چار بچوں میں سے ایک ہوں جنہیں ان کی۔ قسمتی نے چار سے تین

...واروں سے چیک چیک کر' پنجوں کے بل چلتا' تاریک اور نیم تاریک راہداریوں میں اس ایک کمرے کی تلاش میں دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا جس میں کینڈل ...لیم سی روشنی بکھری ہوئی ہو۔ ایک عمر رسیدہ شخص بستر مرگ پر پڑا ہو اور اس ...ں نرس کرسی پر بیٹھی اونگھ رہی ہو۔ باوجودیکہ میں ایک بار نانا جان کا کمرہ دیکھ ...کی بار ان کا کمرہ ڈھونڈنا دشوار ہوا البتہ ایک نیم روشن کمرے کی کھڑکی سے اندر جھانکنے پر مجھے ایک نوجوان مرد اور عورت بیٹھے باتیں کرتے دکھائی ...ورت منہ بنا کر کہہ رہی تھی۔ "بڑی مصیبت ہے' جب تک بڑھیا کے بیٹی داماد ...یں آ جاتے ہمیں ہفتے میں دو دن رات کو بھی یہیں رہنا پڑا کرے گا۔" مرد نے ...بخت شکر کر کہ ہفتہ کے باقی دنوں میں باری باری دوسروں کی ڈیوٹی بھی لگا ...ی۔" عورت نے مرد سے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ بڑھیا کے بیٹی داماد لندن کب پہنچیں ...مرد بولا۔ "کل تک پہنچ جائیں گے۔" عورت منہ بنا کر بولی۔ "دو مہینے بعد واپس ...گئے ہیں مگر مجھے تو یقین نہیں کہ دو مہینے بعد واپس آ جائیں گے۔ شادی کے ...دونوں گھومنے پھرنے ولایت گئے تھے تب ڈیڑھ دو مہینے میں واپسی کا کہہ گئے تھے ...مہینے سے زیادہ باہر رہے۔" مرد نے کہا۔ "اری نیک بخت' اس وقت کی بات یہ ...اول تو دونوں شادی کے بعد پہلی مرتبہ گھومنے پھرنے گئے تھے' دوسری بات یہ کہ ...بی بی کافی عرصہ تک اپنے بیمار باپ کی خدمت کر کے اتنی تھک گئی تھیں کہ تین

[illegible]

...ڈیوٹی پر ایک وقت میں دو دو نرسیں ہوتی تھیں مگر شیریں بی بی کو شاباش ہے کہ ...صاحب کے زیادہ تر کام خود ہی کرتی تھیں۔ واقعی بیٹی ہو تو ایسی۔" عورت بولی۔ ...اس رہنے دو' باپ کی اتنی خدمت شیریں بی بی نے اس لئے کی ہے کہ ان کی جائیداد ...بنا تھا۔" مرد بولا۔ "بھلی مانس! بنا مطلب کے تو آج کل کوئی بھی کسی کو نہیں ..." عورت نے کہا۔ "ہاں یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ علی ضیاء نے بھی شیریں بی بی سے ...کے شادی نہیں کی ہے۔ نہ کام کرتا ہے نہ دھام' آرام سے بیٹھ کر کھاتا ہے۔" ...نے کہا۔ "اپنے بڑے صاحب اتنا مال اور جائیداد چھوڑ کر گئے ہیں شیریں بی بی کے ...ان کی سات پشتیں عیش کریں گی۔" عورت بولی۔ "ویسے جی اپنے بڑے صاحب ...مقابلے میں تو ہیرا تھے ہیرا۔ شریف اور خاندانی آدمی تھے جو نباہ گئے ورنہ اس ...بڑھیا کے ساتھ تو کسی کا بھی گزارا ہونا مشکل ہے۔ مجھے تو بڑے صاحب بہت ہی

یاد آتے ہیں۔ وقت بھی پر لگا کر اڑتا ہے۔ برس بھر ہو گیا بڑے صاحب کو مرے' یوں لگتا ہے جیسے کل ہی کی بات ہے۔"

میں جو بھیا کے اس قدر تفصیلی بیان سے کچھ اکتا رہی تھی' چونک گئی اور میں نے متذبذب لہجے میں کہا۔ "بڑے صاحب.......... یعنی.......... نانا جان؟"

"ہاں' نانا جان۔"

"تو کیا نانا جان..........؟"

"ہاں زری' نانا جان کو مرے ہوئے برس بھر بیت چکا ہے اور اس مرد عورت کے اس بیان کی تصدیق یوں ہوئی کہ رات گئے تک کھڑکی سے کان لگا کر ان کی باتیں سننے کے بعد جب میں اس کمرے میں ان کے بتی گل کر کے لیٹ جانے کے بعد آگے بڑھا تو ان تاریک کمروں میں ٹارچ کی روشنی پھینکنے پر مجھے نانا جان کا کمرہ مل گیا جہاں ویسا آہنی پلنگ نظر آیا جیسے عموماً اسپتالوں میں ہوا کرتے ہیں اور جنہیں بوقتِ ضرورت اونچا نیچا کیا جا سکتا ہے۔ اس پلنگ پر نیلی اور سفید دھاریوں والا گدا دوہرا ہوا رکھا تھا۔ اس خالی پلنگ سے ذرا پرے ایک وہیل چیئر رکھی تھی اور وہ یقیناً وہی وہیل چیئر تھی جس پر ہم نے ضیافت والے دن نانا جان کو بیٹھے دیکھا تھا۔ وہیل چیئر کے سہارے ایک عصا کھڑا تھا جس کے دستے پر چاندی کا خول چڑھا ہوا تھا۔ کمرے میں دو کرسیاں اور ایک چھوٹی سی میز پڑی تھی۔ میں نے اس کمرے میں اپنے کام کی کوئی چیز تلاش کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ یوں مجھے اپنے اس ارادے کے سلسلے میں بھی مایوسی ہوئی کہ میں بستر مرگ پر پڑے نانا جان کے سامنے پہنچ کر انھیں [illegible] سب کچھ بتا دیتا۔

"پھر میں دیوانہ وار تاریک کمروں میں گھس کر ان کی تلاشی لیتا پھرا۔ ان کمروں میں بیش قیمت اور بھاری بھرکم اسباب تو بہت تھا مگر روپیہ پیسہ' زیور یا کوئی ایسی ہلکی پھلکی قیمتی چیز نہ تھی جسے میں چرا سکتا اور جو مستقبل میں ہمارے کام آ سکتی۔ نوادرات بہت تھے مگر بھاری بھرکم اور زیادہ جگہ گھیرنے والے۔ ایک دو چیزیں میں نے اٹھائیں بھی لیکن پھر اس خیال سے واپس رکھ دیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ چیزیں ہمارے کام آنے کے بجائے ہمارے لئے وبال ہی بن جائیں۔ راہ فرار اختیار کرنے والے کو اپنا اسباب مختصر اور ہلکا ہی رکھنا چاہئے۔ میں نے نہ جانے کتنے کمرے چھان مارے مگر کچھ نہ ملا۔"

"ایک بات بتائیے۔ آپ جو کمرہ در کمرہ ٹارچ کی روشنی پھینکتے اور ان کمروں میں گھس کر تلاشی لیتے پھر رہے تھے تو آپ کو ڈر نہیں لگا کیا۔ کوئی آپ کو دیکھ لیتا یا پکڑ لیتا تو؟" میں نے جھرجھری لے کر کہا۔

بھیا نے ایک گہری سانس لی اور پھر بڑی متانت سے بولے۔ "زندگی میں کچھ پانے کے لئے خطرات تو مول لینا ہی پڑتے ہیں' زری۔"

"میں تمام وقت اتنا ڈرتی رہی۔"

"کیوں؟ ڈرنے کی کیا بات؟"

"اگر آپ پکڑے جاتے تو۔" میری آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ تب ہی ریل کے اسٹیشن پر رکنے کی آواز سنائی دی اور میرا دل بجھ سا گیا۔

"آج بھی گاڑی گزر گئی۔" میں نے بصد حسرت کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ کل پھر اسی وقت آئے گی۔"

"کل کا انتظار اب بہت مشکل ہو گیا ہے بھیا۔ ذرا فرحین کو دیکھئے۔ ہر روز اس کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ کبھی کبھی تو میرا دل ہولنے لگتا ہے کہ مارتھا کی طرح فرحین بھی.........." میری آواز گھٹ کر آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"نہیں زری' خدا نے چاہا تو ایسا نہیں ہو گا۔" بھیا نے میرا شانہ تھپتھپا کر مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "ہم کوئی اور نقصان برداشت نہیں کریں گے۔"

ریل گاڑی چھک چھک کرتی چلی گئی۔

"ایک بات بتائیے بھیا۔"

"ہاں۔" بھیا ہمہ تن گوش دکھائی دینے لگے۔

"اگر نانا جان برس بھر پہلے مر چکے ہیں' تو ممی نے یہ بات ہم سے کیوں چھپائی؟"

"بہت سیدھی سی بات ہے زری۔" بھیا نے کہا۔ "اگر ممی ہمیں نانا جان کے انتقال کی خبر سنا دیتیں تو پھر ان کے پاس ہمیں اس کمرے میں بند رکھنے کا کیا جواز رہ جاتا؟"

میری عجیب کیفیت تھی۔ میری سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ جس خبر کے ہم عرصہ دراز سے منتظر تھے' اسے سن کر خوش ہوؤں' ناچوں یا قہقہے لگاؤں.......... یا ممی کی بے حسی پر یا ان کی فریب دہی پر احتجاج کروں اور چلاؤں۔

"اس کا مطلب ہے ممی نے ہمیں دھوکے میں رکھا؟" میں نے آزردگی سے کہا۔

"سراسر دھوکا۔" بھیا نے تائید کی پھر کمرے میں فرحین کی موجودگی کے خیال سے آہستہ سے بولے۔ "ہماری ماں نے ہمیں سراسر دھوکہ دیا۔ وہ ہم سے جھوٹ بولتی رہیں اور ہمیں تاریکی میں رکھا۔ نانا جان کو انتقال کئے برس بھر سے زائد گزر چکا ہے اور ان کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہی ان کی وصیت پڑھ دی گئی تھی مگر ممی نے ہمیں نانا جان کے حال سے بے خبر رکھا۔ انھوں نے یہ خبر ہم سے اس لئے چھپائی کہ انھیں دوسری شادی

جو کرنا تھی اور انھوں نے ہمیں مستقل انتظار کی صلیب پر لٹکائے رکھا' ہمیں اس مجبو
قید خانے میں سڑنے دیا۔ نانا جان کے انتقال کے بعد برس بھر پہلے اگر ہم اس قید خا
سے باہر نکل جاتے تو ہم اتنے کمزور اور لاغر نہ ہوتے جتنے کہ اب ہیں۔ شاید حارث بھ
ہم سے جدا نہ ہوا ہوتا۔"

حارث کا ذکر آیا تو میں رونے لگی۔

"زری! میری بہن!" بھیا نے میرے سر پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ "ان آنسوؤں ک
بچا کر رکھو۔ ابھی تم نے ساری بات کہاں سنی ہے۔ بدترین اور زیادہ رنج پہنچانے والا حص
تو ابھی سننا ہے تمہیں۔"

میں نے بھیگی ہوئی آنکھیں اٹھا کر بھیا کی طرف دیکھا۔ اس سے زیادہ بدترین اور ا
پہنچانے والی بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ ہماری ماں جھوٹی اور دغاباز ثابت ہوئی تھیں۔ و
اتنی بے ایمان تھیں کہ انھوں نے اپنے ہی بچوں کے سنہری دن چرا کر انھیں تاریکیو
میں دھکیل دیا تھا اور اتنی خودغرض کہ اپنے باپ کی جائیداد اور اثاثوں کی وارث بننے
چکر میں انھوں نے اپنے ایک معصوم بچے کو موت کے گھاٹ اتار دینے سے بھی دریغ
کیا تھا۔ اگر حارث کو سورج کی روشنی' تازہ ہوا' کھلی فضائیں اور آزادی میسر ہوتی تو شای
وہ نہ مرتا اور اگر اتنی چھوٹی سی عمر میں مرنا اس کے مقدر میں لکھا ہی تھا تو کم از کم اتنی
بسی اور بے وارثی کے عالم میں نہ مرتا کہ مرنے کے بعد غیروں نے اسے قبر میں اتارا
ہوتا۔

بس میں اور کچھ نہیں سننا چاہتی............ مجھے اور کچھ مت سنایئے گا! میں نے اتن
سن لیا ہے کہ ممی سے مجھے نفرت ہو چلی ہے۔"

"نفرت.........!" بھیا نے بڑے دکھ سے کہا۔ "ابھی تو تم نفرت کے صحیح مفہوم سے
آگاہ ہی نہیں ہو۔ نفرت کے معنی اور مفہوم تو اس وقت تمہاری سمجھ میں آئیں گے جب
تم وہ سب کچھ سن لوگی جو میں نے اس مرد اور عورت کی زبانی سنا اور پھر اپنی عقل سے
غور کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کی۔ مگر اس سے پہلے کہ میں تمہیں وہ سب کچھ بتاؤں
سمجھ لو کہ ہمیں جلد از جلد اور ہر قیمت پر یہاں سے نکلنا ہے۔ باہر نکل کر ہم اپنی زندگیاں
آپ بنائیں گے۔ ہم تینوں ایک دوسرے کی خاطر جئیں گے' ایک دوسرے کی خاطر مریں
گے۔ ہم اپنی منزل کا تعین آپ کریں گے اور راہ کی مشکلات کو ہرگز خاطر میں نہ لائیں
گے۔" بھیا نے توقف کیا پھر بولے۔ "اب حوصلہ اور صبر و ضبط سے وہ تلخ حقیقت سنو جو
میں سن کر آ رہا ہوں۔"

میں دم سادھ کر بیٹھ گئی۔ خدا جانے بھیا کیا بتانے جا رہے تھے۔

"تمہیں یاد ہے زری جب ہم لوگ شروع شروع میں یہاں آئے تو ہمارے کمرے
صفائی کے لئے ملازمین آیا کرتے تھے۔ نانی جان اپنی نگرانی میں کمرے کی صفائی
تھیں اور جب تک وہ صفائی میں مصروف رہتے' بالاخانے کا دروازہ باہر سے مقفل
اور ہم نانی جان کے حکم کے بموجب دم سادھے چپ چاپ بالاخانے میں بیٹھے رہتے۔
رفتہ کمرے کی صفائی کا یہ ماہانہ سلسلہ ترک ہو گیا تھا۔"

"یہ بھی کوئی بھولنے والی بات ہے۔" میں نے کہا۔

"جانتی ہو' نانی جان نے اوپری منزل پر ملازموں کی آمد و رفت پر مکمل پابندی عائد کر
لئے کیا بہانہ گھڑا تھا؟"

میں بھلا کیونکر بوجھ سکتی تھی یہ پہیلی؟ میں نے نفی میں سر ہلا کر اپنی عقل کے
کر اس کی کمزوری تسلیم کر لی۔

"نانی جان نے بالاخانے میں سیکڑوں موٹے موٹے چوہوں کی موجودگی کا ہوا کھڑا کر
اس منزل سے نچلی منزل کو کھلنے والا دروازہ اس جواز کے تحت بند کروا دیا کہ اگر یہ
بند نہ کیا گیا تو بالاخانے کے چوہے زینے کے راستے گھر کی زیریں منزلوں پر بھی پہنچنا
ہو جائیں گے اور اس بہانے انھوں نے ہمارے کمرے کی ماہانہ صفائی کا سلسلہ بھی
کرا دیا۔"

[illegible]

"اسی ملازم اور اس کی بیوی کی باتوں سے۔" بھیا نے کہا اور پھر انھوں نے اس
کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔ "اس عورت کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نانی
سے انتہائی متنفر تھی۔ اپنے شوہر سے باتیں کرتے ہوئے اس نے کہا۔ "بڑھیا کا تو بس
چلتا کہ ہم نوکروں کی جان چوس لے' ذرا دیر کو فارغ بیٹھے نہیں دیکھ سکتی اور طبیعت
کی شکی کہ مجال نہیں کسی پر بھروسا کر جائے۔ جس زمانے میں میری' مائی صدیقاں اور
دمائے کے بیٹے کے ساتھ اوپر والی منزل کی مہینہ صفائی کی ڈیوٹی ہوا کرتی
بڑھیا کا یہ عالم تھا کہ سارا وقت ہمارے سر پر کھڑی رہتی تھی اور حکم چلائے جاتی
سب سے اوپر والا کمرہ یوں بند رہا کرتا تھا کہ جیسے سارا خزانہ وہیں چھپا ہو۔ ہم تین
ہوتے تھے مگر صفائی کرتے کرتے ہم تینوں کی کمریں ٹوٹ جایا کرتی تھیں۔ ایک دن
وہ مہینہ بھر کی کسر نکال لیتی تھیں۔ وہ تو رب نے کرم کیا کہ وہاں اتنے چوہے پیدا کر
کہ بڑھیا نے اوپری منزل اس ڈر سے بند ہی کر دی کہ کہیں چوہے زینے کے راستے

نیچے نہ پہنچنے لگیں۔ ہم تینوں نے تو شکر ادا کیا کہ جان چھوٹی۔" مرد بولا۔ "تمہاری تو جان چھوٹ گئی مگر بے چارے چوہوں کی شامت آ گئی۔ میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا کہ کچھ عرصہ پہلے ایک روز میں دوا والے کی دکان پر سردرد کی گولی لینے گیا تو وہ مجھ سے پوچھنے لگا بھائی ایسے کتنے چوہے ہو گئے تمہاری مالکن کے محل میں جو ان کی بیٹی کو چوہوں کو مارنے کے لئے سنکھیا لے جانے کی ضرورت درپیش آ گئی۔ بعد میں ایک روز اس سلسلے میں چوکیدار سے میری بات ہوئی تو اس نے ہنس کر بتایا کہ بڑھیا تو چوہوں سے اتنی خوفزدہ ہے کہ نوکروں کے کام پر آنے سے پہلے ہی علی الصباح ایک باسکٹ میں کھانا اوپر لے جاتی ہے اور چوہوں کو ڈال آتی ہے اور وہ چوہوں کو مارنے کے لئے یقیناً کھانے میں سنکھیا ملا کر لے جاتی ہوگی۔ الف دین ڈرائیور بھی پاس بیٹھا ہماری باتیں سن رہا تھا' وہ ناک پکڑ کر منہ بناتے ہوئے پوچھنے لگا۔ مردہ چوہوں کی صفائی بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ میں نے کہا' بھائی صفائی تو عرصہ سے بند ہے۔ ڈرائیور بولا' بس تو پھر ایک روز اوپر سے ایسی سڑاند اٹھے گی کہ یہاں رہنا دشوار ہو جائے گا اور کچھ عجب نہیں کہ طاعون پھوٹ نکلے۔"

میں اس وقت تک معاملے کی سنگینی کو محسوس نہ کر پائی تھی۔ بھیا نے مجھے متوجہ ہوتے نہ دیکھا تو وہ بولے۔ "ہاں اب بولو۔ کچھ سمجھ میں آیا تمہارے کہ کیا قصہ ہے؟"

"کچھ زیادہ نہیں سمجھ پائی ہوں۔"

"زری۔" بھیا میرے قریب سرک آئے اور بولے۔ "سنکھیا ایک قسم کا زہر ہوتا ہے۔ سفید ہوتا ہے اور جب اسے پسی ہوئی شکر کے ساتھ ملا لیا جائے تو اس کی کڑواہٹ جاتی رہتی ہے۔" بھیا نے توقف کیا پھر میری آنکھوں میں جھانک کر بولے۔ "اب بھی [illegible] نہیں یا ہیں؟"

"ہاں۔" میرا دماغ گھومنے لگا اور آنکھیں پھیل گئیں۔ کچھ عرصے سے گلاب جامنیں ہمارے کھانے میں بہت باقاعدگی سے شامل تھیں بلکہ ہماری خوراک کا جزو لازم بن گئی تھیں۔ ان پر بھی تو پسی ہوئی سفید شکر چھڑکی ہوئی ہوتی تھی۔

"آپ کا مطلب یہ تو نہیں کہ.......... نانی جان.......... ہمارے لئے.......... گلاب جامنوں پر.........." میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اب تم سمجھ گئی ہو اور بالکل ٹھیک سمجھی ہو۔"

ذرا دیر کو تو میں متوحش ہو گئی اور مجھے یوں لگا جیسے میرا دل دھڑکنا بند کر دے گا لیکن پھر میں نے کچھ دیر غور و خوض کرنے کے بعد کہا۔ "بھیا اگر نانی جان کو ہمیں مارنا ہی [illegible] تھا تو وہ ہمیں ہر روز تھوڑا تھوڑا زہر دینے کے بجائے ایک ہی مرتبہ بہت سارا زہر

[illegible] ہی تو ختم کر سکتی تھیں۔"

"[illegible]یا ایک ایسا زہر ہے کہ اگر اسے کسی ذی روح کو ہر روز تھوڑا تھوڑا سا دیا [illegible] اپنے شکار کو بتدریج گھلاتا ہے۔ سر میں درد کی شکایت رہنے لگتی ہے۔ معدہ [illegible] لگتا ہے۔ بخار اور زکام رہنے لگتا ہے۔ جسم میں خون کی کمی کے سبب رنگ [illegible] لگتا ہے اور جب ہدف موت سے ہمکنار ہوتا ہے تو طویل بیماری کا قصہ اس [illegible] ہوتا ہے۔ وہ گھر میں مرے یا اسپتال جا کر مرے' یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ لمبی [illegible] بعد بالآخر مر گیا ہے۔ اس کی موت کو طبعی سمجھا جاتا ہے حالانکہ اسے مارا گیا ہوتا [illegible] حارث کو مار دیا گیا۔"

"حارث کو!" میرے دل پر گھونسا لگا۔ کیا حارث اس لئے جلدی چلا گیا کہ میٹھے سے [illegible] حد رغبت دیکھتے ہوئے بھیا اور میں اکثر اپنے حصے کی گلاب جامنیں بھی اسی کو [illegible] کرتے تھے؟ میں نے سوچا۔

"ہو سکتا ہے حارث کو اسپتال لے جایا ہی نہ گیا ہو۔ ہم تو قید خانے میں بند تھے' [illegible] معلوم کہ اس کی موت اسپتال میں واقع ہوئی یا لاوارثوں کے کسی مرکز میں۔" بھیا [illegible] سے کہا۔

[illegible] دل رونے لگا۔ "بھیا۔" میں نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "ممی بے ایمان اور [illegible] ضرور ثابت ہوئی ہیں مگر میں ایسا نہیں سمجھتی کہ وہ اس حد تک بے رحم اور ظالم [illegible] ہیں کہ ہمیں مارنے کے لئے نانی جان کو زہر لا کر دیں۔ نہیں بھیا' میرا دل نہیں [illegible]"

"[illegible] عجیب بات ہے زری۔" بھیا نے آزردگی سے کہا۔ "ایک وقت تھا جب میں [illegible] وکالت کیا کرتا تھا تو تم مجھے لعن طعن کیا کرتی تھیں اور آج تم خود ایک تلخ حقیقت [illegible] ممی کی حمایت میں اپنی آواز اٹھا رہی ہو۔"

"ہاں' کیونکہ مجھے یقین نہیں کہ کوئی ماں اس حد تک بھی گر سکتی ہے۔"

"[illegible] جانچ پڑتال کئے لیتے ہیں۔"

"[illegible] مطلب؟"

"آج جب نانی جان کھانے کی باسکٹ لائیں گی تو ہم کلی کو گلاب جامن کا ٹکڑا کھلا کر [illegible]"

"گلاب جامن تو ایک کل کی بھی بچی پڑی ہے جو میں نے سفر کے لئے اٹھا کر رکھ لی [illegible] میں آپ کو ہرگز یہ اجازت نہ دوں گی کہ آپ کلی پر آزمائش کریں۔ کلی' حارث کی

زندہ نشانی ہے اور فرحین بھی اس سے بہت پیار کرتی ہے۔ براہ کرم آپ کوئی اور [illegible]
پکڑیں اور اس پر آزمائش کریں۔"

"دیکھو زندہ چوہا پکڑنا دشوار ہوگا۔ ویسے بھی جب ہم یہاں سے چلے جائیں گے [illegible]
ایک ٹانگ سے معذور ٹکی کی دیکھ بھال کون کرے گا؟"

"ہم اسے اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ اگر وہ گلاب جامن کھانے کے بعد زندہ رہا تو ہم اسے ساتھ [illegible]
جائیں گے اور اگر وہ مر گیا تو ہمیں یہ اطمینان ہو جائے گا کہ ہم اسے بے رحم اور [illegible]
نانی جان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں جا رہے ہیں جو ایک بے زبان لنگڑے چوہے [illegible]
کھانا تو کیا دیں گی' اپنے سگے نواسے نواسیوں کو بھی بھوکا مار دینے سے گریز [illegible]
کرتیں۔"

"نہیں۔" میں نے بھیا کو ٹکی پر آزمائش کرنے کی اجازت نہ دی۔

"سمجھنے کی کوشش کرو زری۔ ہمارے پاس وقت کم ہے اور ہمیں اپنے لئے [illegible]
فرحین کی خاطر یہ آزمائش کرنی ہی پڑے گی۔ ذرا دیکھو تو کیا حالت ہو گئی ہے اس کی؟"

مجبوراً اور بادل ناخواستہ مجھے بھیا کو ٹکی پر اس آزمائش کی اجازت دینی ہی پڑی۔

ٹکی بے چارہ لنگڑاتا ہوا آیا اور اس نے بھیا کی ہتھیلی پر دھرے گلاب جامن کے [illegible]
ننھے ننھے ٹکڑے کھانے شروع کر دیئے جن پر پسی ہوئی سفید شکر چھڑکی ہوئی تھی۔ [illegible]
ننی منی گول گول آنکھوں سے وہ ہمیں بڑے بھروسے اور یقین سے دیکھا کیا۔

نانی جان روزانہ کی طرح اس روز بھی کھانے کی باسکٹ پہنچا گئیں۔ گلاب جامن [illegible]

[illegible] نہ گرانا چاہا۔ فرحین کو البتہ میں [illegible]
زبردستی پیالی بھر دودھ پلایا۔ حارث کے بعد وہ کتنا کم کھانے پینے لگی تھی۔ سُست [illegible]
سی پھرتی یا بستر پر پڑ جاتی۔

ہماری نظریں ٹکی پر لگی تھیں جو چند ہی گھنٹوں میں سُست دکھائی دینے لگا تھا پھر اس [illegible]
پر دورے سے پڑنے لگے اور وہ سخت اذیت میں مبتلا نظر آنے لگا۔ بالآخر وہ اپنے ننھے [illegible]
گلابی پنجوں کو جکڑ کر اپنی پشت کے بل پڑ رہا۔ اس کا جسم اکڑ گیا تھا اور ٹھنڈا بھی پڑ گیا تھا [illegible]
چھوٹی چھوٹی آنکھیں ڈوبنے لگیں اور............ ہم پر یہ تلخ حقیقت آشکار ہو گئی کہ حارث [illegible]
کو ہم سے خدا نے نہیں چھینا تھا!

بھیا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "ہم ٹکی کو کاغذ کے ایک لفافے میں ڈال کر [illegible]
جامنوں کے ساتھ تھانے میں پہنچائیں گے اور تھانے والوں کو سب کچھ بتا دیں گے۔"

"نانی جان کو گرفتار کر لیا جائے گا نا؟"

"ہاں۔" بھیا بولے اور میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ سے نظریں چرانے کی کوشش [illegible]
رہے تھے۔

"مجھے لگتا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" میں نے بھیا
[illegible]

"یہاں سے نکلنے کے بعد بتاؤں گا۔" بھیا بولے۔

"ابھی کیوں نہیں؟"

"بس ابھی نہیں۔"

میں نے اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"کل منہ اندھیرے ہی ہم یہاں سے نکل لیں گے۔" بھیا نے کہا۔

رات بھر ہم جاگتے رہے۔ اندیشے میرے دل کو سہمائے دے رہے تھے۔ سب سے
[illegible] یہ تھا کہ اگر ہم فرار ہوتے ہوئے پکڑے گئے تو کیا ہوگا؟

بھیا نے کہا۔ "کچھ بھی ہو ہمیں ہر قیمت پر یہاں سے نکلنا ہے۔ اس قید خانے میں
[illegible] سسک کر دم توڑ دینے کے بجائے بہادری سے مر جانا زیادہ بہتر ہوگا۔"

[illegible] شب میں نے فرحین کو سوتے سے اٹھایا۔ اس کا منہ ہاتھ دھلا کر کپڑے تبدیل
[illegible] زبردستی تھوڑا سا سوپ پلایا۔ بھیا بالاخانے کی چوکھٹ پر دیوار کی آڑ میں دھرے
[illegible] تھیلے اٹھا لائے۔ حارث کا گٹار اور بینجو بھی ہمارے اسباب سفر میں شامل تھا۔

[illegible] روانگی سے کچھ دیر قبل ہی پہلے سے بتایا کہ ہم وہاں سے جا رہے
[illegible] بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے اس کی آنکھیں کہہ رہی ہوں۔
[illegible] تھا تو اتنی دیر کیوں کی کہ حارث ہم سے پہلے چلا گیا؟"

ہم ممی کو ان کے زیورات سے محروم نہ کر پائے تھے مگر پھر بھی ہم تہی دامن نہ
[illegible] کلائی پر بائیس قیراط سونے کی قیمتی گھڑی تھی جو ممی نے مجھے چودھویں سالگرہ
[illegible] تھی' کانوں میں سونے کی بالیاں تھیں۔ بھیا کی کلائی پر ریمنڈ وائل کی گھڑی بندھی
[illegible] ان کا پولرائیڈ کیمرہ جو ممی ان کے لئے لائی تھیں' سفری تھیلے میں تھا۔ ہمارے پاس
[illegible] وہ انگوٹھیاں تھیں جو ڈیڈی نے ممی کو نکاح کے وقت اور رونمائی میں دی تھیں۔
[illegible] وہ نقد رقم تھی جو بھیا نے ممی کے کمرے میں کئی وارداتوں کے نتیجے میں جمع کی
ہم تہی دامن نہ تھے کیونکہ ڈیڈی کی تصویر ہمارے ساتھ تھی!

[illegible] روانگی سے قبل میں نے بھیا سے خواہش ظاہر کی کہ میں بالاخانے میں جانا چاہتی

ہوں۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ مجھے اوپر لے گئے۔ فرحین ہمارے ساتھ تھی۔

میں نے چہار اطراف نظر دوڑائی۔ اس بالاخانے سے کتنی بہت سی یادیں وا... چکی تھیں۔ باہر بہار کا موسم تھا مگر بالاخانے میں خزاں کا منظر تھا۔ حارث کی موت... ہمیں اتنا اداس اور دل گرفتہ کر رکھا تھا کہ ہم ہر سال کی طرح اس بار بالاخانہ... مصنوعی پھول آراستہ کر کے بہار کا منظر آراستہ ہی نہ کر پائے تھے۔ مٹی کے گملوں میں... پودے بھی ہوا، سورج کی روشنی، کھاد اور پانی نہ ملنے کے باعث جھلس گئے تھے۔

حارث بھی تو ایک ننھا سا پودا ہی تھا جسے پنپنے کے لئے دھوپ، تازہ ہوا اور کھلی فضاؤں کی ضرورت تھی مگر اسے کیا دیا گیا تھا؟ کچھ نہیں!

مجھے یاد آیا جب ہم پہلی بار اس بالاخانے میں آئے تو میں عمر کے بارہویں برس میں تھی، بھیا چودہ سال کے اور ہمارے جڑواں بھائی بہن چار برس سے کچھ زائد......... اب......... میں ایک نوجوان لڑکی تھی۔ بھیا شیو بنانے لگے تھے۔ فرحین آٹھ برس کی ہونے والی تھی اور حارث ماہ و سال کے حساب کتاب سے آزاد ہو چکا تھا!

مجھے حارث کا دھیرے دھیرے گنگنانا یاد آنے لگا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ بڑا ہو کر موسیقار بنوں گا۔ اس کی یاد نے میری آنکھوں کو دھندلا دیا اور مجھے اپنا دل موم کی شمع کی مانند پگھلتا محسوس ہوا۔ ٹارچ کی مدہم روشنی میں، میں نے بالاخانے میں ڈھیر کاٹھ کباڑ میں سے لکڑی کا ایک پترا اٹھایا اور اس کے ایک کونے کو نوک قلم کے طور پر استعمال کرتے ہوئے میں نے بالاخانے کی ایک دیوار پر اپنے ہاتھ کی پوری قوت آزماتے ہوئے یہ عبارت کندہ کر دی۔

جب ہم اس بالاخانے میں پہلی بار آئے تو ہم چار پھول تھے۔

عارف، حارث، فرحین اور زریں!

مگر یہاں سے جاتے ہوئے ہم تین رہ گئے ہیں!

اس عبارت کے نیچے میں نے اپنا نام، تاریخ اور وقت بھی کندہ کر دیا۔

پھر ہم بالاخانے سے اتر کر اپنے کمرے میں آئے۔ بھیا نے بھاری بھرکم سفری... حارث کا گٹار اور بینجو اپنے شانوں پر لٹکائے۔ میں نے فرحین کو گود میں اٹھا کر اس کا... اپنے شانے پر ٹکا لیا۔ آٹھ برس کی عمر میں وہ بہ مشکل چار پانچ سال کی بچی نظر آتی تھی۔ اس کا وزن شاید اتنا ہی تھا یا شاید اس سے تھوڑا سا کم یا تھوڑا سا زیادہ جتنا ساڑھے... برس قبل ہوا کرتا تھا۔ مکی کا مردہ جسم مع گلاب جامنوں کے ایک کاغذی لفافے میں... کے ہاتھ میں تھا۔

...انے دروازے کے قفل میں چابی گھمائی تو میرا دل بے قابو ہو کر دھڑکنے لگا۔ بھیا... گھما کر دروازہ کھولا اور میں فرحین کو گود میں اٹھائے اس زنداں سے باہر نکل... آئی۔

...ام اس عقبی زینے سے نیچے اترے جس سے برسوں پہلے اوپر آئے تھے۔ گھر کا عقبی... بند تھا مگر خوش قسمتی سے فقط کنڈی چڑھی تھی، قفل نہ پڑا تھا۔ بھیا نے آہستہ سے... کھولی پھر ہم آہنی دروازہ کھول کر آگے پیچھے باہر نکل گئے۔

...وف اور وحشت سے میرے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ غالباً یہی کیفیت... بھیا کی بھی ہو رہی ہوگی مگر وہ مرد ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے بڑے حوصلے سے آگے ہی... بڑھتے چلے جا رہے تھے اور بار بار گردن موڑ کر مجھ سے کہتے۔ "جلدی کرو زری، ...آنے ہی والی ہوگی۔ خدانخواستہ ہم اس ٹرین کو نہ پکڑ سکے تو سہ پہر تک انتظار کرنا ...گا۔"

...انی جان کے گھر سے ریلوے اسٹیشن تک کا وہ راستہ پل صراط طے کرنے کے ...برابر ثابت ہوا لیکن بہرحال بالآخر ہم اسٹیشن پر پہنچ ہی گئے اور ہم نے کراچی جانے ...کے ٹکٹ خرید لئے کیونکہ کراچی ہماری جنم بھومی اور خاصا جانا پہچانا شہر تھا۔

...اب تک ہم ٹرین میں سوار نہ ہو گئے میں نانی جان یا ان کے کسی ملازم کے ہاتھوں ...پکڑے جانے کے خوف سے ڈرتی ہی رہی۔ ٹرین میں سوار ہوتے ہی میرے دل پر چھائی... [illegible]

...ٹرین کچھ دیر اس اسٹیشن پر رک کر چھک چھک کرتی اگلی منزلوں کی طرف روانہ ...ہوئی تو میری نگاہیں آپ ہی آپ اپنے کمرے اور بالاخانے کی سمت اٹھ گئیں۔ پردوں کے ...پیچھے ہم کتنی حسرت سے ٹرین کو دیکھا کرتے تھے!

...اچانک ہمارے کمرے کی کھڑکیوں پر پڑے پردے دائیں بائیں سرک گئے اور ہمیں ...ان کے پیچھے نانی جان کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ کھانے کی باسکٹ لے کر ہمارے کمرے میں ...آئی ہوں گی۔ کاش! میں جان سکتی کہ اس وقت ان کے تاثرات کیا تھے۔

"بھیا! مکی کو ہم کہاں پیش کریں گے؟" میں نے نانی جان کا گھر نظروں سے باہر نکل ...جانے کے بعد دوسرے مسافروں کے خیال سے بہت آہستہ سے پوچھا۔

"کراچی کے کسی بھی تھانے میں۔"

"کیا ہم نانی جان کو کراچی کے تھانے اور عدالت میں طلب کروا سکیں گے؟"

"میں اس سلسلے میں کچھ نہیں بتا سکتا بہرحال ہم اپنے مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانے

کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ نانی جان اتنی بری' اتنی ظالم کیوں تھیں؟"

بھیا کچھ نہیں بولے۔

"اچھا اب آپ مجھے وہ بات تو بتایئے جو آپ نے اس قید خانے سے نکل جا
بعد بتانے کا وعدہ کیا تھا۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔

"کراچی پہنچنے کے بعد بتاؤں گا۔"

"نہیں.......... میں کراچی پہنچنے تک صبر نہیں کر سکتی۔"

بھیا سرک کر بالکل میرے نزدیک ہو گئے اور انہوں نے دھیمے سُروں میں کہا۔ "
جان کا قصور بس اتنا ہے کہ وہ گلاب جامنیں کھانے کی باسکٹ میں دیگر اشیائے خوردو
کے ساتھ ہمیں پہنچایا کرتی تھیں۔ انہوں نے ایک گھناؤنے جرم میں مجرم کی اعانت
کی مگر اصل مجرم ممی ہیں۔"

"ممی! اصل مجرم!" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔" بھیا سرگوشی میں بولے پھر انہوں نے آواز کے دھیمے پن کو برقرار
ہوئے کہا۔ "تمہیں یاد ہے ممی شروع شروع میں کہا کرتی تھیں کہ وہ نانا جان کی خفگی
کرنے اور انہیں اپنا وصیت نامہ تبدیل کر دینے کے لئے کچھ بھی کر گزر سکتی ہیں؟"

"ہاں' مجھے یاد ہے۔"

"مجھے ... جان نے ممی سے ... اپنا عاق نامہ منسوخ کر
انہیں دوبارہ اپنے شرعی وارثوں میں شامل کرنے کے عوض ممی کے سامنے کیا شرط رکھی
ہوگی یا ان سے کیا وعدہ لیا ہوگا لیکن میں نے نانی جان کے اس ملازم اور اس کی بیوی کو
اس سلسلے میں گفتگو کرتے ضرور سنا کہ نانا جان نے اپنی موت سے چند روز قبل اپنے
وصیت نامے میں اس شق کا اضافہ کروایا تھا کہ اگر کبھی بھی یہ ثابت ہو گیا کہ ممی کے
شوہر سے ان کے ہاں کوئی اولاد تھی تو وہ فی الفور نانا جان کے ترکے سے محروم قرار پا
گی اور انہیں نانا جان کے پیسوں سے خریدی ہوئی ہر چیز حتیٰ کہ ملبوسات اور زیورات
سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس شق کے مطابق اگر ممی کے دوسرے
شوہر سے بھی ان کے ہاں کوئی اولاد ہوئی تو تب بھی ترکے سے اسی نوعیت کی محرومی ان
مقدر بن جائے گی۔" بھیا نے توقف کیا پھر بولے۔ "ممی کا خیال تھا کہ نانا جان نے انہیں
معاف کر دیا تھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ تو ممی کی ناخلفی کو بھلا سکے نہ ہی انہوں
انہیں معاف کیا بلکہ انہوں نے تو ممی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پابند سلاسل کر دیا۔ سب

ب وہ انہیں تہی دامن کر گئے۔"

واس نہ تھا کہ بلک بلک کر رو دیتی۔ گو نانا جان کے گھر میں آنے کے بعد میرا دل
کے خلاف گواہی دیتا رہا تھا مگر ممی کی جانب سے اس درجہ بہیمیت میرے گمان
ی۔

"اور!" بھیا نے بوجھل آواز میں کہا۔ "میں ہمیشہ ممی سے اندھی محبت کرتا رہا
زود حسی کے باعث ہمیشہ باخبر رہیں۔ اگر میں تمہاری آواز پر شروع ہی میں کان
تو شاید آج حارث بھی ہمارے ساتھ ہوتا۔" پھر بھیا نے اس کاغذی لفافے کو جسے
احتیاط سے سنبھالے بیٹھے تھے اور جس میں ممی اور نانی جان کے جرم کا ثبوت
میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنے مجرموں کے مقدر کا فیصلہ تم سناؤ گی۔"

یں نے اس کاغذی تھیلے کو بڑے دکھ سے دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے اس میں ممی اور
ن کے جرم کا ثبوت نہیں ہمارے گمشدہ سال' ہمارا تعلیمی نقصان' ہمارے ساتھی'
ست اور وہ سنہری دن بند تھے جو ہمارے ہنسنے ہنسانے کے دن تھے مگر تاریکی اور
میں ڈوب گئے تھے۔ اس کاغذی لفافے کے ملفوظات ہمارے دکھوں' صعوبتوں'
' سزاؤں اور اتھاہ مایوسیوں کے گواہ تھے اور سب سے بڑی اور اہم بات یہ کہ وہ
حارث کے قتل کا گواہ تھا۔

اس نفرت سے شدید تر کوئی نفرت نہیں ہوتی جو محبت کے بطن سے جنم
...... جان کے ... ہماری ... اور مقدس محبت تھیں۔ وہ
لئے سب کچھ تھیں۔ ڈیڈی کے بعد تو ہم نے ڈیڈی کے حصے کی محبت بھی ممی کے
میں ڈال دی تھی.......... ممی نے کیا کیا تھا؟ کس بری طرح ہمیں دھوکا دیا تھا؟
آبگینہ دل کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔

میرا دل' میرا دماغ' میرا ذہن' میری روح سب ممی اور نانی جان سے ان کی
وں کا حساب لینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ میں ان دونوں کو سلاخوں کے پیچھے دیکھنا
تھی۔ اسی طرح زنداں میں سسکتے دیکھنا چاہتی تھی جیسے ہم برسوں سسکتے رہے تھے۔
سے حارث کی موت کا بدلہ لینا چاہتی تھی بلکہ ایک حارث ہی کیا' ہم تینوں بھی تو
کے دہانے پر پہنچے ہوئے تھے۔

میں نے ایک مرتبہ پھر اس لفافے کو دیکھا اور بھیا مجھے قدرے بے رحم اور
ل محسوس ہوئے کہ انہوں نے اتنا بھاری بوجھ یک بیک میرے کمزور شانوں پر ڈال
میں بھلا کون تھی فیصلہ کرنے والی؟ فیصلے صادر کرنے والا تو اوپر' بہت ہی اوپر بیٹھا

تھا۔

میں نے ٹرین کی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے اس سب سے بڑے منصف ا
کے بجائے دل سے پکارا اور کہا۔ "اے خدا! تو جہاں بھی ہے اپنی انصاف کی میزان
نانی جان اور ہم چار بہن بھائیوں کے مقدمے کا فیصلہ جلد سنا دے جن میں سے ا
تیرے بہت نزدیک موجود ہے۔"

اپنے اللہ سے اس فریاد کے بعد مجھے وہ دن یاد آنے لگے جب ڈیڈی زندہ
ہماری تھیں' ایک چھوٹا سا مگر بہت پیارا' بہت آرام دہ گھر تھا جہاں نانی جان کے
طرح چپے چپے پر آسائشیں اور شوکت تو نہ بکھری پڑی تھیں مگر بہت سکھ چین اور
تھیں۔

ڈیڈی زندہ رہتے' ممی ہماری رہتیں تو ہماری کہانی کتنی مختلف ہوتی! اور دلربا
آدم و حوا کی کہانی خدا نے لکھی تھی اور کتنی خوبصورت لکھی تھی مگر آدم
کی ایک چھوٹی سی غلطی نے اس کہانی کا حسن ہی بگاڑ دیا۔

ممی نے جس کہانی کا حسن بگاڑا تھا وہ آج نہیں تو کل بصورت خنجر ان کے دل
اتر کر انہیں خون کے آنسو رلانے ضرور جا رہی تھی۔ ٹرین کی کھڑکی سے باہر جھا
ہوئے میری آنکھیں بھیگ گئیں اور میں نے سوچا کبھی ممی ایک گھر کی بے تاج ملکہ
کرتی تھیں۔ ان کے چار بچے تھے جن پر وہ جان چھڑکتی تھیں مگر اب ان کے پاس
میں سے ایک بھی نہ تھا۔ کبھی [illegible] بہت ارفع
اور عظیم باور کیا کرتے تھے اور انہیں ہر اعتبار سے کامل سمجھا کرتے تھے۔ مگر اب وہ
سے محروم ہو چکی تھیں۔ دولت کی محبت نے ان کے دل میں بسی ممتا کو یوں ڈسا تھا کہ
کی ممتا سرد پڑ گئی تھی۔ دولت کی یہ محبت انہیں اولاد سے سدا محروم رکھے گی۔

میں نے سوچا' بس چار دن کی چاندنی ہے پھر ممی کے حسن کی شمع پگھل کر زمین
ہو جائے گی۔ ان کے سیاہ بالوں میں چاندی کی فصل لہلہانے لگے گی۔ ان کی آنکھوں
ستارے ماند پڑ جائیں گے۔ ان کی جوانی' جوانی کا نشہ' دولت اور دولت کا غرور سب
میں مل جائیں گے۔ اور تب.......... ہاں تب شاید ممی کے دل میں ایک ہوک اٹھے گی
ان کی بانہیں مجھے نہ سہی بھیا اور فرحین کو اپنے حصار میں لینے کے لئے ضرور تڑپیں گی۔

میرے دل نے کامل وثوق سے کہا۔ "زندگی قصاص پر یقین رکھتی ہے۔ کبھی
کبھی' کہیں نہ کہیں ممی کا اور ہمارا آمنا سامنا ضرور ہو گا اور تب ہم ایک بار ان کی آنکھوں
میں آنکھیں ڈال کر انہیں پوری نفرت سے دیکھیں گے اور پھر ان کی طرف سے منہ

اتنے دور نکل جائیں گے کہ پھر کبھی سامنا ہونے کا احتمال نہ رہے۔
نے مشکور نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھا' خدا واقعی بہت بڑا منصف ہے!
نے کاغذی لفافہ کھول کر آخری مرتبہ کلی کے مردہ جسم کو دیکھا اور اس سے اس
معافی چاہی جو ہمیں بحالت مجبوری اس کے ساتھ کرنا پڑی تھی پھر میں نے اس
رین کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔
نے کمپارٹمنٹ میں دوسرے مسافروں کی موجودگی سے بے نیاز ہو کر اپنا بازو
شانے پر دراز کرتے ہوئے کہا۔ "زری' جو ہو چکا اسے بھول جاؤ۔ حال سے لطف
اور مستقبل پر نظر رکھو' خوشیاں ہماری منتظر ہیں۔"
ی سے رواں دواں ریل گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے
ک بدل گیا ہو۔ سچ ہے' سارے موسم انسان کے دل سے پھوٹتے ہیں۔
م زندہ تھے اور آزاد تھے.......... زندگی اور آزادی کے احساس نے مجھے آنکھیں
نے کے باوجود مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ بھیا دھیرے دھیرے میرا شانہ تھپتھپانے
الوں نے جھک کر فرحین کو پیار کرتے ہوئے کہا۔ "جانتی ہو ہم کہاں جا رہے

"مارث کے پاس۔" وہ فوراً بولی۔
بھیا نے اور میں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر میں نے فرحین کے بے رونق بالوں کو
[illegible]
وہ آسمان پر ایک باغ میں ڈیڈی کے ساتھ رہتا ہے۔"
"تو پھر ہم کہاں جا رہے ہیں؟" فرحین نے پوچھا۔
"ہم!" بھیا بولے۔ "ہم وہاں جا رہے ہیں جہاں پھول کھلتے ہیں' چڑیاں چہکتی ہیں'
دن کے وقت سورج چمکتا ہے اور رات کو چاند۔"
فرحین کے سفید سفید ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"کراچی پہنچتے ہی سب سے پہلے ہم فرحین کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔" بھیا
سے بولے۔
"اور ہم دونوں خود کو بھی۔" میں نے کہا۔ "کیونکہ ہمیں ایک دوسرے کی خاطر اور
کے لئے جینا ہے۔"
بھیا نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں یوں دبوچ لیا جیسے اس عہد پر مہر ثبت کر رہے

میں نے فرحین کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور اپنے آپ سے عہد کیا کہ
زندگی میں اگر میں نے اپنے دل پر لگے زخموں کی رفوگری کے بعد کبھی شادی کی
بنی تو میں اپنے بچوں کو اتنا تحفظ اور اتنی محبت دوں گی کہ ماں کے مقدس نام پر لگا
مٹ جائے۔

☆------☆------☆

چھک کرتی ریل گاڑی جھومتی ڈولتی اور مختلف اسٹیشنوں پر رکتی رکاتی ہمیں
ل کی سمت اڑائے لئے چلی جا رہی تھی۔
منزل تھی کراچی
م تھا جاڑوں کا
ہم تھے دلگیر!
برس کے ہو چکے تھے اور ڈیڈی کا عکس محسوس ہوتے تھے' میں عمر کے
سال میں تھی۔ فرحین آٹھ برس کی تھی مگر اب بھی بمشکل تین برس کی دکھائی
اسے کسی دردمند ماں کی طرح اپنی آغوش میں سمیٹے میں کھڑکی کے نزدیک بظاہر
تھی مگر بباطن میری کیفیت کسی ٹائم بم سے منسلک فیوز کی سی تھی۔ میں جانتی
میں پھٹ پڑوں گی اور ممی اور نانی جان کی تباہی و بربادی کا سبب بن جاؤں

عمر کے اس دور میں تھی جہاں بہت کچھ پانے کی تمنا ہوتی ہے کچھ کھونے کا
ہوتا۔ متوازی پٹڑیوں پر تیزی سے دوڑتی ریل گاڑی کے ایک پرہجوم ڈبے
ساتھ بیٹھی میں کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے انتہائی دل گرفتگی سے سوچ رہی
ایسی کوئی معجزہ بھیا کو' فرحین کو اور مجھے ہماری زندگیوں کے وہ تین سال' چار ماہ
دن لوٹا سکے گا جو ہم اس زنداں میں کھو آئے تھے؟ کیا دنیا کی کوئی نعمت ہمارے
نقصان کی تلافی کر سکے گی؟
نزدیک بیٹھے بھیا بظاہر بہت پرسکون دکھائی دینے کی کوشش کر رہے تھے مگر
آنکھوں میں بار بار اُمنڈ آنے والی اداسی ان کی اس کوشش کی ناکامی کا پردہ چاک
بار بار وہ میری آغوش میں دبکی فرحین پر جھک کر اسے دیکھنے لگتے اور اس سے
دلاوے کے اطمینان کی آڑ سے جھانکتی اداسی میں تفکر کا رنگ بھی گھلا دکھائی

فرحین مرجھائے ہوئے پھول کے مانند میری آغوش میں پڑی تھی۔ اس [illegible] مدقوق تھا اور آنکھیں گڑھوں میں دھنسی دکھائی دے رہی تھیں۔ سوکھی ہوئی [illegible] والے اپنے پھیکی ہاتھوں میں اس نے میرا دایاں ہاتھ دبوچ رکھا تھا۔ وہ کچھ دیر کو [illegible] کھولتی پھر اس پر غنودگی طاری ہو جاتی۔

میں جی ہی جی میں ممی کو بددعائیں دے رہی تھی جن کی بے مروتی نے ہمیں [illegible] دکھایا تھا کہ ہم اپنی جنم بھومی کی طرف مراجعت تو کر رہے تھے مگر ہمارے دلوں پر [illegible] اور بے یقینی کے سائے لرزاں تھے۔

"خدا کرے ممی آپ کا حسن' آپ کی جوانی مٹ کر رہ جائے۔ آپ کی دولت آپ سے چھن جائے اور آپ کے نوجوان شوہر علی ضیاء کو کوئی دوسری عورت لے اڑے [illegible] آپ سکون اور خوشی کو ترسیں اور آپ کو نہ سکون ملے نہ خوشی۔" میں اپنے آنسوؤں [illegible] دل میں اتارتے ہوئے ممی کو کوس رہی تھی۔

نانی جان کے لئے میرے دل سے یہ بددعا نکل رہی تھی کہ ان کے مرتے وقت [illegible] ان کے حلق میں دو قطرے پانی کے ٹپکانے والا بھی نہ ہو۔

اگرچہ ہم اس زنداں سے بہت دور نکل آئے تھے اور اپنی راہ میں آنے والوں [illegible] خلاف چیخنے چلانے کا حوصلہ بھی پیدا کر چکے تھے پھر بھی ایک بے نام سا خوف دبے پاؤں ہمارے ساتھ ساتھ تھا۔ جب ریل گاڑی کسی اسٹیشن پر رکتی اور کوئی نیا مسافر ڈبے [illegible] سوار ہوتا تو ہم پر ایک اضطراری سی کیفیت [illegible] وقت للنہ۔ ہم اپنے ہم سفروں سے الگ تھلگ بہت محتاط سے بیٹھے تھے۔

روہڑی سٹیشن پر گاڑی رکی تو بھاری بھرکم تن و توش اور پکی رنگت کی حامل [illegible] پختہ عمر عورت اپنے مختصر سے اسباب سفر کے ساتھ ہمارے ڈبے میں سوار ہوئی اور [illegible] زیادہ ہونے کے باعث ہمارے قریب ہی اپنا چھوٹا سا بکس رکھ کر اس پر بیٹھ گئی اور [illegible] میں موجود مسافروں کا جائزہ لینے لگی۔ ہم تینوں کو اس نے اس قدر غور سے دیکھا کہ [illegible] وحشت ہونے لگی۔

روہڑی اسٹیشن سے گاڑی چلے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ فرحین کی طبیعت خراب ہو گئی اور اس نے قے پر قے کرنا شروع کر دی۔

ہم اس افتاد کے لئے قطعاً تیار نہ تھے' اس پر مستزاد ہمارے ہم سفروں کا اظہار ناگواری۔ ہماری پریشانی جو تھی' سو تھی' خفت اس پریشانی سے سوا تھی۔ ہمارے ہم سفروں میں سے کوئی منہ بنا رہا تھا' کوئی بڑبڑا رہا تھا' کوئی پاؤں اٹھا کر سیٹ پر اکڑوں بیٹھ گیا تھا' کوئی

[illegible] گردان کرنے لگا تھا' کسی نے رومال سے ناک اور منہ ڈھانپ لیا تھا۔ چند مسافر [illegible] وں سے اٹھ کر دروازے کے نزدیک جا کھڑے ہوئے تھے۔ بعض کے چہروں پر [illegible] کراہٹ دوڑنے لگی تھی۔

[illegible] بھلا کرے روہڑی سے سوار ہونے والی اس پختہ عمر عورت کا جو اس موقع پر [illegible] فرشتہ رحمت ثابت ہوئی۔ آلائش کی پونچھا پانچھی اور صفائی دھلائی میں ہماری [illegible] دوران وہ ہم سے ہمارے بارے میں ذاتی نوعیت کے استفسارات بھی کرتی رہی۔ [illegible] استفسارات کے جواب میں ہم نے یہ کہانی گھڑی کہ ہمارے والدین کا ایک [illegible] میں انتقال ہو گیا تھا اور اب ہم اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ اپنے ایک چچا کے پاس [illegible] جا رہے تھے۔

[illegible] ہماری کہانی سن کر اس نے انتہائی ہمدردی کا اظہار کیا اور فرحین کی لحظہ بہ لحظہ بگڑتی [illegible] مجھے اور بھیا کو ازحد پریشان دیکھ کر ہمیں دلاسے دیتی رہی۔ پے در پے الٹیوں [illegible] فرحین بہت نڈھال ہو گئی تھی اور اس کی رنگت تشویش ناک حد تک زرد ہو [illegible]

[illegible] ہماری ہمدرد ہم سفر کو حیدر آباد جانا تھا۔ روہڑی سے حیدر آباد پہنچتے پہنچتے فرحین کی [illegible] اتنی خراب ہو چکی تھی کہ اس نے گردن ڈال دی تھی اور اس کے چہرے پر مردنی [illegible] تھی۔ حیدر آباد سٹیشن آنے سے کچھ پہلے ہماری مذکورہ ہم سفر نے فرحین کی حالت [illegible]

[illegible] مشورہ تو یہ ہے کہ تم لوگ حیدر آباد اتر جاؤ اور بہن کو کسی ڈاکٹر کو دکھا کر پھر [illegible] جاؤ۔"

"مگر ہمارے لئے تو حیدر آباد بالکل اجنبی شہر ہے۔ ہم ڈاکٹر کو کہاں تلاش کرتے [illegible]؟" بھیا بولے۔

"اس کی تم فکر نہ کرو' میں ایک بڑے ڈاکٹر کے گھر میں کام کرتی ہوں۔ تم میرے [illegible] اور بہن انہی کو دکھا دینا' بڑے رحمدل اور اچھے آدمی ہیں وہ' اور مولا پاک نے [illegible] ہاتھ میں شفا بھی بہت دی ہے۔"

[illegible] نے نگاہوں ہی نگاہوں میں مجھ سے پوچھا۔ "کیا خیال ہے؟"

[illegible] میں تذبذب میں پڑ گئی۔ اس نے میرا تذبذب تاڑ لیا اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ [illegible] "گھبرانے کی ضرورت نہیں بیٹی' تم مجھ پر بھروسا کر سکتی ہو۔" تب ہی فرحین نے [illegible] ڈالی اور میں نے جھٹ اس کے منہ کے آگے اپنے ہاتھ کی اوک بنا دی مگر اس

کے پیٹ میں بچا ہی کیا تھا جو نکلتا۔

"اتنی الٹیاں ہوئی ہیں بچی کو کہ اس کے تو جسم کا سارا پانی نکل گیا ہوگا۔" مہربان ہم سفر نے کہا۔

"کیا خیال ہے' ہم حیدر آباد اتر جائیں؟" بھیا نے مجھ سے پوچھا۔

"آپ کی مرضی ہے۔"

"بیٹی ایک دوسرے کی مرضی پر مت ٹالو۔ وقت کی نزاکت دیکھو۔ تمہاری بہن کی حالت اچھی نہیں دکھ رہی ہے۔ اسے فوراً کسی ڈاکٹر کو دکھانا ضروری ہے۔ میں نے جو مشورہ دیا ہے انسانی ہمدردی کے تحت دیا ہے ورنہ نہ تو مجھے تم سے کوئی لالچ ہے اور میری نیت میں کوئی فتور ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنے بکس کی جانب مڑی اور اس کو پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے بولی۔ "لو حیدر آباد آ پہنچا' میں تو اپنا سامان اٹھاؤں۔ اللہ تمہاری بہن کی حیات کے ساتھ تمہاری منزل پر پہنچائے۔"

میں نے فرحین کو دیکھا' اس کے چہرے پر چھائی مردنی سے مجھے خوف محسوس ہوا لگا۔ کہیں حارث کی طرح فرحین بھی تو ہم سے جدا ہونے والی نہیں؟ اس خیال نے میرے رگ و پے میں خوف آمیز دکھ کی ایک لہر دوڑا دی۔ "ٹھیک ہے بھیا' ہم ان کے ساتھ حیدر آباد ہی اتر جاتے ہیں۔" میں نے پلک جھپکتے فیصلہ کر لینے کے بعد بھیا سے کہا۔

"ہاں' میرا بھی یہی خیال ہے۔" بھیا فوراً بولے اور ہم حیدر آباد اسٹیشن پر اتر گئے۔

ہماری مہربان ہم سفر نے اسٹیشن سے اپنے مالک کے گھر جانے کے لئے ایک تانگہ لیا اور ہم اس کے ساتھ تانگے میں بیٹھ گئے۔ راستے میں اس نے ہمیں بتایا کہ اس کا نام اللہ رکھی ہے اور وہ سکھر کی رہنے والی ہے۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ برسوں قبل پندرہ برس کی عمر میں اس کی شادی اپنے پھوپھی زاد بھائی سے ہوئی تھی مگر شادی کے چند ماہ بعد ہی اس کا خاوند ایک خاندانی جھگڑے میں مارا گیا تھا۔ تب سے وہ اسی کے نام پر بیوگی گزار رہی تھی حالانکہ اپنے پرایوں نے اس پر دوسری شادی کے لئے بہت دباؤ ڈالا مگر اس نے عہد کر لیا تھا کہ کبھی دوسری شادی نہیں کرے گی۔ جب تک اس کے ماں باپ حیات رہے وہ ان کے پاس رہی مگر ان کے بعد جب کوئی کفیل نہ رہا تو اسے خود کفالت کے لئے کمر ہمت کس لینا پڑی۔ چند سال وہ اِدھر اُدھر محنت مزدوری کرتی رہی پھر کسی خدا ترس شناسا نے اسے ایک ڈاکٹر کے ہاں ملازم رکھوا دیا۔ تب سے وہ اسی ڈاکٹر کی گھریلو خادمہ تھی۔ وہ چند دن کی چھٹی لے کر سکھر میں اپنے اعزا و اقارب سے مل آیا کرتی

اپنے مالک کے بارے میں اس نے بتایا کہ وہ حیدر آباد شہر کے نامور معالجین میں شمار ہوتا اور ایک ہمدرد' مہربان اور رحم دل شخص تھا۔ ان دنوں وہ کراچی میں رہا کرتا تھا' وہ ایک اسپتال میں ملازمت کیا کرتا تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس کی تعیناتی سکھر کے سرکاری اسپتال میں رہی اور انہی دنوں اللہ رکھی کو اس کے کسی جاننے والے نے اس کے گھر میں ملازم رکھوایا تھا پھر ڈاکٹر نے سرکاری ملازمت کو خیرباد کہہ دیا اور حیدر آباد آ گیا جو اس کا آبائی شہر تھا۔ گذشتہ بارہ برس سے وہ وہیں مقیم تھا۔ شہر کے ایک بڑے اسپتال سے بطور سینئر ڈاکٹر وابستگی کے علاوہ اس نے اپنے گھر کے ایک حصے میں دوا خانہ بھی کھول رکھا تھا جہاں وہ شام کے وقت بیٹھا کرتا تھا۔ بیوی کے انتقال کے بعد اس نے دوسری شادی نہیں کی تھی اور طویل عرصے سے مجرد زندگی گزار رہا تھا۔

اللہ رکھی نے تانگہ ایک کوٹھی کے سامنے رکوایا اور ہم اس کے اشارے پر نیچے اتر آئے۔ اللہ رکھی نے کرائے کی ادائیگی کی اور اس دوران میں نے اس کوٹھی پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ کوٹھی کے دو دروازے تھے۔ ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا۔ چھوٹے دروازے پر ایک کرائی بورڈ نصب تھا جس پر "زوہیب میموریل کلینک" درج تھا۔ تانگے والے سے رقم کی فراغت کے بعد ہم نے اس کی معیت میں کوٹھی کے صدر دروازے کا رخ کیا۔ اس نے دروازے کے باہر نصب اطلاعی گھنٹی کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔ "قسمت کے دھنی ہو تم لوگ۔ آج اتوار ہے' ڈاکٹر کی اسپتال سے چھٹی ہوتی ہے۔"

کوٹھی کا دروازہ ایک معمر شخص نے کھولا اور اللہ رکھی کو دیکھتے ہی کھل اٹھا مگر اس کے ساتھ ہمیں دیکھ کر اس کی نظروں میں استفہامیہ کیفیت جھلکنے لگی۔ "ماسی' مہمانوں کو ساتھ لائی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں.......... اپنے ہی بچے ہیں۔" اللہ رکھی نے کہا۔ "اور تو سنا غلامو' ٹھیک تو ہے؟ چوکیدار بابا کدھر گیا؟"

"مولا کا کرم ہے۔" غلامو نے کہا پھر بولا۔ "چوکیدار کو آج بخار چڑھا ہوا ہے' اپنے کوارٹر میں ہے۔"

اللہ رکھی کے ساتھ کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد میں نے پیش منظر پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ سبزہ اور رنگ برنگ نوع بنوع پھول اس پیش منظر کی جان بنے ہوئے تھے۔ وسیع و عریض احاطے میں ایک دو منزلہ عمارت ایستادہ تھی جس کی زیریں منزل کا فرش سطح زمین سے کم و بیش پانچ چھ فٹ کی بلندی پر واقع تھا۔ احاطے میں سبزہ زار پر بید کی

کرسیوں کے درمیان گول میز پڑی تھی۔ زیریں منزل کی تنگ سیڑھیوں سے اوپر برآمدے میں ایک آرام کرسی پر کوئی شخص سفید لباس میں ملبوس بیٹھا تھا۔

"غلامو! اسپتال سے تو ڈاکٹر صاحب کی آج چھٹی ہوگی؟" اللہ رکھی نے غلامو سے پوچھا۔

"ہاں' وہ بیٹھے تو ہیں برآمدے میں۔" غلامو نے برآمدے میں بیٹھے شخص کی جانب اشارہ کیا جو ہماری سمت ہی دیکھ رہا تھا۔ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے بھیا نے تمام اسباب نیچے رکھ دیا۔ اللہ رکھی کی معیت میں ہم برآمدے میں بیٹھے شخص کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ برآمدے میں پہنچنے کے بعد ہم اس سے ذرا پرے ہی رک گئے۔ اللہ رکھی نے زور دار سلام داغتے ہوئے اپنا بکس برآمدے کے مرکزی ستون کی آڑ میں رکھا اور اپنے مالک کے سامنے جا بیٹھی۔

"آ گئیں............ کیسی ہو؟" وہ شخص بولا۔

"اللہ کا شکر ہے' صاحب جی۔"

"یہ بچے کون ہیں؟"

"یہ............" اللہ رکھی نے گردن موڑ کر ہماری جانب ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھا پھر بولی۔ "یہ بے چارے یتیم بچے ہیں صاحب جی۔ اپنے چچا کے پاس کراچی جا رہے تھے۔ راستے میں ان کی چھوٹی بہن کی طبیعت بگڑ گئی۔ بے چاری بچی الٹیاں کر کر کے بالکل نڈھال ہو گئی ہے۔ کراچی پہنچتے پہنچتے اور نڈھال ہو جاتی۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ حیدر آباد ہی اتر جاؤ' بہن کو کسی ڈاکٹر کو دکھا کر پھر آگے جانا۔ بے چارے دونوں بہن بھائی پریشان تھے کہ حیدر آباد انجانا شہر ہے' ہم ڈاکٹر کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔ میں انہیں ترس کھا کر ساتھ لے آئی ہوں صاحب جی۔ یتیم بچے ہیں' ماں باپ دونوں ایک حادثے میں مر گئے۔ اگر آپ ان کی بہن کو دیکھ کر کچھ دوا دارو دے دیں تو بڑا ثواب کا کام ہو گا۔"

وہ شخص کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے میرے کندھے سے لگی فرحین پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ابھی دیکھ لیتے ہیں ہم بچی کو۔"

میں نے سرتاپا اس کا جائزہ لیا' وہ درمیانی عمر کا ایک وجیہہ و شکیل مرد تھا جس کی حرکات و سکنات سے وقار عیاں تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ہماری طرف بڑھ آیا اور اس نے میرے اور بھیا کے نزدیک آ رکنے کے بعد انتہائی ملائمت سے کہا۔ "مجھے ڈاکٹر شعیب کہتے ہیں۔"

میں نے فرحین کو جو میرے شانے سے چمٹی ہوئی تھی' اپنے دونوں بازوؤں پر لے کر ڈاکٹر شعیب کے سامنے کر دیا۔ وہ نقاہت سے نڈھال ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر شعیب نے اس کی دونوں آنکھوں کو باری باری کھول کر دیکھا پھر بھیا سے پوچھا۔ "کتنی الٹیاں ہوئی ہیں؟"

"کئی۔" بھیا نے جواب دیا۔

"صاحب جی اتنی الٹیاں ہوئی ہیں بچی کو کہ میں جانوں' اس کے بدن کا سارا پانی نچوڑ لیا ہے۔" اللہ رکھی نے کہا۔

ڈاکٹر شعیب نے غلامو کو پکارا اور اسے ہدایت کی کہ وہ ہمیں معائنہ گاہ میں لے چلے۔ غلامو ہمیں کوٹھی کے ایک حصے میں واقع "زوہیب میموریل کلینک" کی مقفل معائنہ گاہ تک لے گیا اور قفل کھول کر ہمیں اندر بٹھا دیا۔ ذرا ہی دیر میں ڈاکٹر شعیب بھی معائنہ گاہ میں آ پہنچے اور انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ فرحین کو معائنے کے لئے میز پر لٹا دوں۔ میں نے ان کی ہدایت کے بموجب فرحین کو میز پر لٹا دیا۔ فرحین نے آنکھیں کھولیں اور خود کو ایک اجنبی ماحول میں پا کر کچھ سراسیمہ سی دکھائی دینے لگی لیکن جب اس نے مجھے اور بھیا کو اپنے قریب ہی دیکھا تو اس کی سراسیمگی رفع ہو گئی۔

ڈاکٹر شعیب نے اس کا معائنہ شروع کیا۔ انہوں نے اس کی نبض کی رفتار اور خون کا دباؤ دیکھا' اس کے دل کی دھڑکن سنی' اس کے سینے اور پیٹھ کا معائنہ کیا' اس سے زور [illegible] کھانسنے کو کہا' اس کے ٹخنوں کی ہڈیاں بجا کر دیکھیں اور ٹمپریچر لیا۔

اس دوران بھیا اور میں خاصی تشویش سے یہ ساری کارروائی دیکھتے رہے۔ فرحین کو یوں دیکھ کر میرا دل بے تحاشا دکھ رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی' سارے دکھ ہمارے ہی حصے میں کیوں آ گئے ہیں؟ قسمت ہم پر اتنی نامہربان کیوں ہے؟ کیا موت کا بے رحم ہاتھ امی ابو کی طرح فرحین کو بھی ہم سے چھیننے جا رہا تھا؟

فرحین کے تفصیلی معائنے کے بعد ڈاکٹر شعیب نے اسے خود ہی کمبل اوڑھایا پھر اس پر جھکتے ہوئے بڑی شفقت سے بولے۔ "بیٹا' اطمینان سے لیٹی رہو' میں ذرا آپ کے بھائی اور باجی سے بات کر کے آپ کے لئے دوا لکھ دوں۔"

فرحین بڑی بے چارگی اور معصومیت سے میری جانب دیکھنے لگی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا۔ "گھبراؤ مت' آرام سے لیٹی رہو۔"

پھر ڈاکٹر شعیب نے ہم سے کہا۔ "آپ دونوں ذرا میرے ساتھ آیئے۔" اور ہم ان کے پیچھے پیچھے دوسری طرف مشورہ گاہ میں جا پہنچے۔ "بیٹھیے۔" ڈاکٹر شعیب نے اپنی کرسی

پر بیٹھتے ہوئے ہم سے بھی بیٹھ جانے کو کہا۔ ہم کرسیوں پر ان کے رُوبرو بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر شعیب نے باری باری ہم دونوں کو دیکھا پھر بھیا سے بولے۔ "کیا نام ہے آپ کا؟"

"جی........ میرا نام عارف ہے........ عارف احمد اور یہ میری بہن ہے زریں آصف۔"

"اور اس بچی کا نام؟"

"فرحین........ فرحین آصف۔"

"عارف میاں۔" ڈاکٹر شعیب نے اپنی نظریں بھیا پر مرکوز کرتے ہوئے کہا۔ "بتایئے کہ فرحین کی طبیعت کب سے خراب ہے؟"

"روہڑی سے کچھ آگے خراب ہوئی تھی۔"

"ہوں........ لیکن........ اس کی جسمانی حالت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے جیسے وہ کافی عرصے سے بیمار رہی ہو۔ کیا اس سے پہلے بھی بیماری کا یہ سلسلہ رہا ہے؟"

بھیا نے دزدیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر ڈاکٹر سے بولے۔ "جی نہیں کل تک وہ بالکل تندرست تھی۔"

مجھے اس خیال سے بھیا پر ازحد غصہ آنے لگا کہ وہ فرحین کو موت کے دہانے پر پہنچا دیکھنے کے باوجود ممی کے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ "ڈاکٹر صاحب!" میں نے قدرے احتیاط سے بھیا کی بات کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ "بھیا کو شاید یاد نہیں رہا ہے۔" میں نے بھیا کی جانب دیکھا' انہوں نے نظر کے اشارے اور گردن کی جنبش سے مجھے زبان کھولنے سے باز رہنے کی تلقین کی مگر فرحین کو موت کے دہانے پر کھڑے دیکھ کر میں خاموش تماشائی نہ بنی رہ سکتی تھی۔ فکر مت کیجئے بھیا' میں آپ کی چہیتی ماں پر کوئی آنچ نہ آنے دوں گی' مگر فرحین کو موت کی آغوش میں جانے سے بچانے کے لئے جو کچھ کر سکتی ہوں کر گزروں گی! میں نے جی ہی جی میں کہا اور ڈاکٹر شعیب سے بولی۔ "کچھ عرصے سے فرحین کو آئے دن الٹیوں کا مرض تو لگا ہوا ہے۔"

ڈاکٹر شعیب جو بھیا کو نظروں ہی نظروں میں مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے دیکھ چکے تھے' بولے۔ "عارف میاں' میں آپ کو یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کی بہن کی حالت خاصی تشویش ناک ہے۔ اس کا بلڈ پریشر بہت کم ہے اور وہ خطرناک حد تک خون کی کمی کا شکار معلوم ہوتی ہے۔ صحیح تشخیص کے لئے ضروری ہے کہ آپ میرے استفسارات کا صحیح جواب دیں۔ آپ نے کہا کہ کل تک فرحین بالکل تندرست تھی جبکہ آپ کی بہن بتا رہی ہیں کہ اسے کچھ عرصے سے الٹیوں کا مرض لگا ہوا ہے۔ میں کون سا

… درست سمجھوں؟"

"مجھے یاد نہیں رہا تھا ڈاکٹر صاحب' زریں ٹھیک کہتی ہے۔" بھیا نے قدرے خفت … کہا۔

"ہوں۔" اب ڈاکٹر شعیب یوں سنبھل کر بیٹھ گئے جیسے کسی سراغرساں کو کسی اہم … کی تفتیش میں کوئی اہم نکتہ ہاتھ لگ جائے۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ ابھی … قبل اپنی بہن کو خاموش رہنے کا اشارہ کیوں کر رہے تھے؟"

"نہیں........ نہیں تو ڈاکٹر صاحب........ آپ........ آپ کو........ غلط … .... ہوئی ہے۔" بھیا گھبرا کر بولے۔ ڈاکٹر شعیب کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی … انہوں نے اپنے سامنے رکھے کانچ کے شفاف پیپر ویٹ کو گھماتے ہوئے کہا۔ "جتنی آپ کی عمر ہے' اس سے زیادہ مجھے عملی زندگی کا تجربہ ہے۔ آپ کی گھبراہٹ اور آپ کی … گواہ ہے کہ آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"جی نہیں........ ایسی........ ایسی کوئی بات نہیں۔"

ڈاکٹر شعیب نے بھیا کو دیکھا اور بولے۔ "آپ کے چہرے کے تاثرات آپ کے … سے میل نہیں کھاتے۔"

"ڈاکٹر صاحب! ہم آپ کے پاس اپنی بیمار بہن کے علاج کے لئے آئے ہیں … .... آپ اسے وہاں میز پر چھوڑ آئے ہیں۔ اسے کوئی دوا دیجئے اور ہمیں فارغ …" بھیا نے قدرے ناگواری سے کہا۔

ڈاکٹر شعیب مسکرا دیے۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کے والدین کہاں ہیں؟"

"مر چکے ہیں۔"

"اب آپ کا سرپرست کون ہے؟"

"ہمارے چچا جن کے پاس ہم کراچی جا رہے ہیں۔"

"کیا آپ مجھے اپنے چچا کا فون نمبر یا اتا پتہ بتا سکتے ہیں؟"

"کیوں؟" بھیا نے چونک کر ڈاکٹر کی جانب دیکھا۔

"کیونکہ مجھے ان سے آپ کی بہن کے بارے میں بات کرنی ہے۔" ڈاکٹر شعیب نے … لب مسکراتے ہوئے بھیا کو دیکھا۔

"کیا بات کرنی ہے؟"

"یہی کہ اس کی حالت اچھی نہیں ہے اور اسے اسپتال میں داخل کرایا جانا ضروری …

"تو ان سے بات کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ اسے اسپتال میں داخل کر دیجئے۔"

"اخراجات کون اٹھائے گا؟"

"ہم اور کون؟"

"کتنی رقم ہے آپ کے پاس؟"

"اس سے آپ کو کیا! جو اخراجات ہوں گے' ہم ادا کریں گے۔"

"زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔" ڈاکٹر شعیب کا لہجہ یک بیک بدل گیا۔ "اور سیدھی طرح بتاؤ تم لوگ کون ہو اور کہاں جا رہے ہو؟" ڈاکٹر شعیب کے یک بیک بدل جانے والے لہجے نے بھیا کو ہی نہیں مجھے بھی خائف کر دیا۔ "گھر سے بھاگے ہوئے ہو تم لوگ؟" ڈاکٹر نے کڑک کر پوچھا۔

بھیا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"والدین کہاں ہیں تمہارے؟"

"مر چکے ہیں۔"

"کب؟ کیسے؟"

"کچھ عرصہ قبل ایک کار کے حادثے میں۔"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"ملتان میں۔"

"تمہارے قریبی رشتہ داروں میں کون کون ہے؟"

"صرف ایک چچا۔"

"تمہارے والدین کے انتقال پر وہ کراچی سے ملتان ضرور آئے ہوں گے؟"

"جی آئے تھے۔"

"وہ تم لوگوں کو تبھی اپنے ساتھ کراچی کیوں نہ لے گئے؟"

ڈاکٹر شعیب کے اس سوال پر بھیا اٹک گئے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ڈاکٹر شعیب نے بڑی رسانیت سے کہا۔ "دیکھو صاحبزادے' میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ اڑتی چڑیا کے پر گن سکتا ہوں۔ تم بہن بھائیوں کی عمدہ پوشاکیں' تمہاری کلائی پر بجی بیش قیمت گھڑی' تمہاری بہن کے کانوں میں مرصع ٹاپس' گلے میں ایک نہیں دو دو طلائی لاکٹ اور ہاتھوں میں طلائی چوڑیاں گواہ ہیں کہ تم خدانخواستہ عسرت زدہ نہیں ہو مگر تمہارے مدقوق چہرے اور ناتواں جسم بالخصوص فرحین کی ابتر جسمانی حالت اور تمہاری پریشان حالی

ظاہر ہے کہ تم لوگ بہرحال کسی نہ کسی مصیبت کا شکار ضرور ہو۔ تمہاری بیمار بہن کے جسم میں خون کی اتنی کمی ہے کہ اگر فوری توجہ نہ دی گئی تو مجھے ڈر ہے کہ وہ.......... اس کی حالت متقاضی ہے کہ اسے اسپتال میں داخل کرایا جائے مگر اس سے پہلے کہ میں کسی اسپتال میں اسے داخل کرانے کا بندوبست کروں' میں تم لوگوں کے بارے میں ممکنہ حد تک معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں اپنی بہن کی زندگی عزیز ہے اور تم اس کی بحالی کے سلسلے میں میری مدد حاصل کرنے کے خواہاں ہو تو بہتر ہے کہ تم مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ اور اپنے بارے میں سچ سچ بتا دو کہ کون ہو؟ تمہارے والدین کہاں ہیں؟ تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں ڈاکٹر صاحب' ہمارے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اور ہم اپنے چچا کے پاس کراچی جا رہے ہیں۔" بھیا روہانسے ہو گئے تھے۔

مجھے بھیا پر بلا کا غصہ آنے لگا۔ فرحین کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اسے فوری توجہ کی ضرورت تھی اور بھیا پچھلے نصف گھنٹے سے ڈاکٹر شعیب سے اپنی غلط بیانی پر اڑے ہوئے تھے۔ میں جانتی تھی کہ وہ محض ممی پر کوئی آنچ نہ آنے دینے کی خاطر ایسا کر رہے ہیں۔

بھیا کو دیکھتے ہوئے میں نے سوچا کہ ممی سے ان کی محبت جائے جہنم میں..........

فرحین کو موت اور زندگی کے دوراہے پر دیکھ کر میں خاموش تماشائی نہیں بنی رہ سکتی۔

"ڈاکٹر صاحب! میں آپ کو بتاتی ہوں کہ ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے بھیا سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر شعیب نے چونک کر میری طرف دیکھا اور اس سمے مجھے یقین تھا کہ بھیا مجھے آنکھوں ہی نگاہوں میں زبان بند رکھنے کی تنبیہہ کر رہے ہوں گے مگر میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اپنی بات پوری کرنے تک بھیا کی طرف نہیں دیکھوں گی۔ فرحین کی خاطر تو میں جان تک دے سکتی تھی' اس کے لئے تو میرے دل میں بہن کی محبت نہیں ممتا بھی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب!" میں نے بھیا سے نظریں بدستور چراتے ہوئے سر جھکا کر کہنا شروع کیا۔ "یہ سچ ہے کہ ہمارے والد کا ایک حادثے میں انتقال ہو چکا ہے۔ ڈیڈی کو ہم سے جدا ہوئے چار برس ہونے کو آئے ہیں' ہماری والدہ البتہ زندہ ہیں۔ ہمارے والدین کی شادی ان کی اپنی پسند سے ہوئی تھی اور میرے نانا اور نانی اس شادی کے خلاف تھے۔ ممی کے ڈیڈی کی مرضی سے شادی کر لینے پر ہمارے نانا نے جو ایک امیر و کبیر جاگیردار تھے' انہیں عاق

کر دیا۔ ڈیڈی کی موت کے بعد ممی کے لئے ہم بھائی بہنوں کو تنہا پالنا مشکل ہو گیا تو انہوں نے اپنے والدین کو خط لکھا اور ان کی مدد چاہی۔ ان لوگوں نے ممی کو اپنے گھر آنے کی اجازت دے دی اور ممی نے وہاں جانے کی تیاری کر لی۔

"ہمارے نانا جان کا گھر ملتان میں تھا اور ہم رات کے اندھیرے میں وہاں پہنچے۔ ہماری نانی جان نے اپنے وسیع و عریض گھر کے پچھلے دروازے پر ہمارا استقبال کیا اور ہمیں ایک زینے سے گھر کی بالائی منزل پر واقع ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ممی نے بتایا کہ نانا جان کینسر کے مریض تھے اور کافی عرصے سے بستر پر پڑے ہوئے تھے۔ ممی نے ہمیں سمجھایا کہ ہمیں ایک آدھ روز اسی کمرے میں رہنا ہوگا۔ اس دوران وہ نانا جان کو جو انتہائی [illegible] در آدمی تھے، نرم کرنے کی کوشش کریں گی اور پھر ہمیں ان سے لے جا کر ملوائیں گی۔ ممی نے ہمیں مزید سمجھایا کہ وہ نانا جان کی اتنی خدمت کریں گی کہ وہ ان کی ماضی کی غلطی کو معاف کر کے عاق نامہ منسوخ کر دیں گے اور اپنی وصیت میں نانی جان کے ساتھ ان کا نام بھی شامل کر لیں گے۔ چونکہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں، اس لئے بالآخر نانا جان کا تمام مال و دولت انہی کے حصے میں آئے گا اور ان کے ناطے وہ سب کچھ ہمارا ہوگا۔ غرض ممی نے ہمیں ایسے سنہری خواب دکھائے کہ ہم اس کمرے میں محصور ہو جانے پر مجبور ہو گئے۔

"ممی نے کہا تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک آدھ روز ہمیں اس کمرے میں رہنا ہوگا، پھر ہم نانا جان [illegible] ہوا۔ ایک روز کا وعدہ ہر روز آج سے کل پر ٹلتا رہا اور بالآخر ممی نے انکشاف کیا کہ نانا جان کی موت تک ہمیں اسی کمرے میں بند رہنا ہوگا۔

"نانی جان ہر روز ہمیں اسی کمرے میں کھانا پہنچا جاتیں۔ انہوں نے ہم پر بہت سی پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ ہم کمرے میں زور سے بول نہ سکتے تھے، تیز چل نہ سکتے تھے۔ بھاگ دوڑ، ہنسنا، چیخنا چلانا، سب منع تھا۔ ہم کمرے کی بند کھڑکیوں پر پڑے پردوں کو ہٹا کر باہر تک نہ جھانک سکتے تھے۔ رات کو کمرے میں روشنی بہت مدہم سی ہوتی۔ ہماری زیادہ سے زیادہ آزادی اور تفریح یہ تھی کہ ہم کمرے میں موجود زینے سے اوپر بالاخانے میں جا کر تھوڑا بہت کھیل سکتے تھے مگر وہ بھی احتیاط سے اور شور مچائے بغیر۔

"نانی جان کا رویہ شروع ہی سے کافی سخت رہا۔ وہ جب بھی ہمارے کمرے میں آتیں، ہمیں غصے اور نفرت سے دیکھتیں۔ انہوں نے کبھی ہمیں اس امر کی اجازت نہیں دی کہ ہم ان کے نزدیک ہو کر ان سے بات کر سکیں یا انہیں چھو سکیں۔ جب تک وہ

مخاطب نہ کرتیں، ہمیں ان سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ہم انہیں نانی جان نہ کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم ان کی محبت یا توجہ حاصل کرنے کی توقع ہرگز نہ کریں۔ وہ تالا کھول کر ہمارے کمرے میں آتیں اور کمرے سے نکل کر دروازہ مقفل کر دیتیں۔"

ڈاکٹر شعیب بڑے انہماک سے سن رہے تھے۔

"نانی جان نے ہمارے اوپر کیا کیا مظالم کئے وہ ایک طویل اور دل دکھانے والی داستان ہے۔ ایک مرتبہ میرے سر میں جوئیں ہو گئیں تو نانی جان نے بھیا کو میرے بال کاٹنے کا حکم دیا اور ان کی حکم عدولی پر ہمارا کھانا بند کر دیا۔ یہاں تک کہ بھوک کے مارے ہم بالاخانے کے مردہ چوہوں کا گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ایک روز ایک چھوٹی سی بات پر انہوں نے بھیا کو اور مجھے روئی کی طرح دھنک ڈالا۔ انہوں نے ہم پر ظلم و تشدد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ وہ ہم سے اتنی زیادہ نفرت محض اس لئے کرتی تھیں کہ ڈیڈی نے ان کی بیٹی سے ان کی مرضی کے خلاف شادی کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ڈیڈی ان کے خاندان کی عزت کو خاک میں ملانے کا سبب بنے تھے۔"

بھیا اور ڈاکٹر کے تاثرات سے بے نیاز، میں سر جھکائے اپنی داستان سناتی رہی۔ "نانی جان نے شروع شروع میں تو ہمیں ٹھیک ٹھاک کھانا فراہم کیا لیکن پھر وہ بتدریج [illegible] ہوتا چلا گیا۔ کھانا اکثر باسی، بدمزہ اور معمولی ہوتا۔ کھانے میں کسی میٹھی چیز کا ایسے میں کیا سوال تھا۔ البتہ ممی ہمارے لئے آئے دن تحفے تحائف لے کر آیا کرتی تھیں۔ ان تحائف کے ساتھ وہ بھی کبھی بسکٹ اور چاکلیٹ بھی لے آتیں۔ ہماری سالگرہوں پر ہمیں کیک اور آئس کریم بھی کھانے کو مل جاتی۔

"ہمارے کمرے میں ممی کی آمدورفت کچھ عرصہ بڑی باقاعدگی سے جاری رہی۔ وہ آتیں ہمیں یہی دلاسہ دیتیں کہ بس چند دن کی بات اور ہے۔ نانا جان بس اب کوئی دن میں آخری سانس لینے جا رہے ہیں مگر دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے برسوں میں بدلتے چلے گئے۔ ہمارے کمرے میں ممی کی آمدورفت میں وقفے آنے لگے اور بالآخر ایک بار یہ وقفہ اتنا طویل ہوا کہ جب ممی اس وقفے کے بعد ہمارے نیم تاریک کمرے میں آئیں تو انہوں نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے دوسری شادی کر لی تھی اور وہ اپنے نئے شوہر کے ساتھ ہنی مون منا کر واپس آئی تھیں۔ میرا بس چلتا تو میں ممی کو قتل کر دیتی! انہوں نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ انہیں دوسری شادی کرنا ہی تھی تو ہمیں تو اعتماد میں لیا ہوتا۔ ہنی مون پر جانے سے قبل ہم سے مل کر تو گئی ہوتیں تاکہ ہم ہر صبح انتظار کی

ایک نئی صلیب پر نہ لٹکتے۔ ہنی مون سے واپسی پر ممی ہمارے لئے جو قیمتی تحفے لائی اور عمدہ ملبوسات وہ ہمارے دھوپ' روشنی' تازہ ہوا اور متوازن غذا کو ترسے ہوئے جسموں کو زیب نہ دیتے تھے۔ ممی کی دوسری شادی نے ہمیں ان سے متنفر اور مایوس کر دیا۔

"ممی کی جانب سے مایوس ہو کر میں نے بھیا کو سمجھایا کہ اس تاریک کمرے میں بیٹھ کر نانا جان کی موت کی خبر کا انتظار کرنے اور ممی کے ناطے ان کے بڑے سے گھر اور املاک میں پوری حصے داری کے خواب دیکھنے کے بجائے ہمیں وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ ہم دھوپ' روشنی' تازہ ہوا اور متوازن غذا کو ترس ترس کر مر جائیں گے مگر بھیا آمادہ نہ ہوئے۔ وہ نانا جان کے مرنے کا انتظار کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی موت کے بعد اس قید خانے سے نکل کر وہ اپنی تعلیم دوبارہ شروع کر سکیں اور ڈاکٹر بن سکیں جو ان کے بچپن کا خواب تھا.......... بھیا آپ کی طرح ڈاکٹر بننا چاہتے تھے۔"

"میری طرح ڈاکٹر..........!" ڈاکٹر شعیب نے کہا پھر وہ ایک سرد آہ کھینچتے ہوئے مجھے ترحم سے دیکھ کر بولے۔ "زریں بی بی! بہت افسوس ناک اور ناقابل یقین داستان ہے۔"

"ابھی یہ کہانی ختم نہیں ہوئی ہے ڈاکٹر صاحب۔" میں نے رقت سے کہا۔ "اس داستان کا المناک ترین حصہ تو میں اب سنانے جا رہی ہوں۔ نانا جان بالآخر مر گئے اور مرنے سے قبل انہوں نے عاق نامہ منسوخ کر کے نئی وصیت بھی تیار کروا دی۔ انہوں نے [illegible] وارث [illegible] لیکن ان کی یہ مہربانی مشروط تھی اس امر سے کہ ممی لاولد رہیں گی۔ نانا جان نے وصیت کی کہ ممی ان کے ترکے کی حقدار اس وقت تک رہیں گی جب تک کہ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوتی۔ اگر دوسرے شوہر سے ان کے ہاں کوئی اولاد ہو جاتی ہے تو وہ فوری طور پر نانا جان کے ترکے میں اپنے تمام حصے سے محروم ہو جائیں گی۔ نہ صرف یہ بلکہ اگر کبھی کوئی ثبوت مل گیا کہ پہلے شوہر سے ان کے بطن سے کوئی اولاد تھی تب بھی وہ ترکے میں ملی ہوئی املاک سے محروم قرار پائیں گی۔"

اتنا بتانے کے بعد میں نے ہمت کر کے بھیا کی جانب دیکھا۔ وہ مضطرب اور [illegible] سے بیٹھے تھے اور نظروں ہی نظروں میں مجھے تلقین کر رہے تھے کہ بس' اب اس سے آگے کچھ نہ کہوں مگر فرحین کی خاطر مجھے بہرصورت وہ سب کچھ کہنا تھا۔

"نانا جان کے وصیت نامے کی اس شق نے ممی کو مجبور کر دیا کہ وہ ہم بھائی بہنوں کو اپنی زندگی کی کتاب سے حرفِ غلط کی طرح مٹا ڈالیں چنانچہ ہر روز ہمیں فراہم کئے جانے والے

[illegible] ان میں گلاب جامنیں جن پر پسی ہوئی سفید شکر چھڑکی ہوتی تھی' بڑی باقاعدگی سے شامل ہونے لگیں اور ہم یہ جانے بغیر کہ ان پر چھڑکی ہوئی سفید شکر میں دراصل [illegible] ملا ہوا ہوتا تھا' بڑے شوق سے انہیں کھاتے رہے۔"

"سنکھیا!" ڈاکٹر شعیب نے چونک کر کہا۔

"جی ڈاکٹر صاحب سنکھیا' جو ہمیں اس لئے دیا جا رہا تھا کہ ممی ہم سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔"

"مگر.......... یہ بات اس قدر وثوق سے کیونکر کہہ سکتی ہو تم؟" ڈاکٹر شعیب نے کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ تمہارا وہم ہو۔"

"جی نہیں' یہ وہم نہیں ہے۔ ہمیں واقعی سنکھیا دیا گیا ہے۔"

"ثبوت؟"

"ثبوت۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "جب ہم بھائی بہن [illegible] سست رہنے لگے اور فرحین آئے دن بیمار رہنے لگی تو ہم نے ممی کی طرف سے مایوس ہو کر اس قید خانے سے فرار حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ایک روز جب ممی ہمارے کمرے میں آئیں تو بھیا نے منصوبے کے تحت ان کی چابی چرا کر اس کی نقل تیار کر لی۔"

"کیسے؟"

"لکڑی پر اس کا پنسل سے خاکہ کھینچ کر۔"

"واہ وا!" ڈاکٹر شعیب نے نگاہوں ہی نگاہوں میں بھیا کو ان کی ذہانت کی داد دی۔

"پھر؟"

"ہمارے پاس پیسے تو تھے نہیں چنانچہ لکڑی کی اس چابی سے کمرے کا دروازہ کھول کر [illegible] راتوں تک ہم ممی کے کمرے سے پیسے چراتے رہے۔ پیسا چرانا اس لئے ضروری تھا [illegible] ہم وہاں سے نکل کر اپنے رہنے سہنے کا بندوبست تو کر سکیں۔ پھر ایک روز ہم نے [illegible] بنایا کہ ممی کے قیمتی زیورات ایک ہی ہلے میں چرا کر بھاگ لیا جائے تاکہ روز روز [illegible] جان ہتھیلی پر رکھ کر کمرے سے نکلنے سے نجات ملے مگر بدقسمتی سے جس رات بھیا [illegible] واردات کرنے نکلے اسی رات ہماری ممی اپنے نئے شوہر کے ساتھ سیر و تفریح [illegible] کے لئے بیرون ملک چلی گئیں۔ بہرحال اس رات بھیا نے نانی جان کے ایک نوکر اور نوکرانی کو یہ کہتے سن لیا کہ ان کی مالکن یعنی ہماری نانی جان بالاخانے کے چوہوں کو [illegible] کے لئے انہیں سنکھیا دے رہی تھیں۔ بھیا یہ بات سن کر چونکے کیونکہ بالاخانے میں [illegible] جان کھانا ہمارے لئے لایا کرتی تھیں۔ فرحین کے لئے ہم نے ایک چوہا پال رکھا تھا جو

چوہے دان میں پاؤں دب جانے سے زخمی ہو گیا تھا۔ ہم نے نوکروں کی اس بات کی تصدیق کے لئے اس چوہے کو وہ مٹھائی تجربے کے طور پر کھلا کر دیکھی جو کچھ عرصہ سے ہمارے کھانے کا لازمی حصہ بن گئی تھی۔ چوہا بے چارہ مٹھائی کھانے کے بعد سست پڑتے پڑتے لاغر ہوا پھر بالآخر مر گیا اور اس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ ہمیں واقعی زہر دیا جا رہا تھا۔"

میں نے دزدیدہ نگاہوں سے بھیا کی جانب دیکھا۔ وہ اب اس قدر متوحش اور مضطرب نظر نہ آتے تھے۔ میں نے ان کی چہیتی ممی پر کوئی آنچ نہ آنے دی تھی اور بڑی خوبصورتی سے حارث کی موت کا قصہ گول کر گئی تھی۔

"اس ایک کمرے میں ہم تین سال' چار ماہ اور سولہ دن تک قید رہنے کے بعد [illegible] نکلے ہیں۔" میں نے بڑے دکھ سے کہا۔

"تمہارے چچا نے پلٹ کر تمہاری خبر نہیں لی؟" ڈاکٹر شعیب نے پوچھا۔

"ہم نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔ ہمارے کوئی چچا وچا نہیں ہیں اور اگر ہوتے [illegible] تو سگی ماں سے اعتماد اٹھ جانے کے بعد ہم ان کا اعتبار بھی نہ کرتے۔"

"تو کراچی تم لوگ کس کے آسرے پر جا رہے ہو؟"

"خدا کے آسرے پر!" میں نے بے ساختہ جواب دیا۔

ڈاکٹر شعیب کو گہری نگاہوں سے اپنی طرف دیکھے پا کر میں نے کہا۔ "نانی جان کے گھر سے فرار ہوتے وقت ہمارا ارادہ یہ تھا کہ ہم نانی جان اور ممی کے خلاف قانون کی مدد حاصل کریں گے۔ ثبوت کے طور پر ہم نے مرا ہوا چوہا بھی ساتھ لے لیا تھا لیکن پھر ہم نے اپنا ارادہ بدل دیا کیونکہ ہم اپنی داستان مشتہر کر کے تماشا نہیں بننا چاہتے۔ علاوہ ازیں ہم ایک دوسرے سے جدا بھی نہیں ہونا چاہتے۔ اگر مقدمہ چلے گا تو ہم تینوں کو خدا جانے کہاں کہاں رکھا جائے گا۔ ہم نے اپنے اوپر ہونے والے مظالم کا حساب اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔ ہم دونوں یعنی بھیا اور میں' فرحین کی خاطر جینا اور ہمیشہ اکٹھے رہنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں ڈاکٹر صاحب!" بھیا کے لبوں پر دیر سے لگی خاموشی کی مہر ٹوٹ گئی۔ "آپ فرحین کو صحت یاب کر دیجئے' ہم آپ کے اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ آپ اس کے علاج کے اخراجات کی فکر مت کیجئے گا۔ اس کی خاطر زریں اور میں محنت مزدوری کریں گے۔"

"عارف میاں!" ڈاکٹر شعیب نے کہا۔ "مت بھولو کہ زہر آلودہ گلاب جامنیں تم اور زریں بھی کھاتے رہے ہو۔ تم دونوں کا بھی مکمل طبی معائنہ ضروری ہے۔ ذرا تم

[illegible] میں اپنے چہرے تو دیکھو۔ دونوں کی زرد رنگت اور کمزور جسمانی صحت گڑبڑ کا [illegible] ہے۔ تم کو اچھی غذا' آرام' روشنی اور تازہ ہوا کی ضرورت ہے۔ شاید میں تم [illegible] کچھ مدد کر سکوں۔"

"[illegible] ڈاکٹر صاحب' ہمیں رحم اور ہمدردی کی بھیک نہیں چاہئے۔ بس آپ ہماری [illegible] علاج معالجے میں ہماری مدد کیجئے۔ ہم ساری زندگی مشکور رہیں گے۔"

[illegible] شعیب اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے بھیا کے نزدیک جا کر ان کے شانے پر [illegible] ہوئے کہا۔ "عقل کا تقاضا تو یہ ہے عارف میاں کہ میں زریں بی بی کی کہانی پر [illegible] کے یقین نہ کروں۔ ان کی بیان کردہ داستان ایک من گھڑت فسانہ بھی تو ہو [illegible]......... میری چھٹی حس میری عقل کے اس تقاضے کو رد کرتے ہوئے اس [illegible] اعتبار کر لینے کا مشورہ دیتی ہے۔ تمہارے نحیف و نزار جسموں پر یہ ڈھیلے [illegible] مگر عمدہ ملبوسات' عمدہ جوتے' تمہاری بہن کے زیورات' تم تینوں کی زرد رنگت [illegible] آنکھوں میں خوف اور وحشت کی کیفیت زریں کی بیان کردہ داستان کی صداقت کا [illegible] گئے ہیں۔ یہ کہاوت غلط تو نہیں کہ سچ میں عافیت ہے۔"

[illegible] شعیب کی نرم اور مترنم آواز' دھیمے دھیمے دلسوز لہجے اور دلکش اندازِ گفتگو نے [illegible] مسحور کر دیا۔ قدرے توقف کے بعد انہوں نے بھیا سے مزید کہا۔ "میرے خلوص کو [illegible] اور ہمدردی کی بھیک کہہ کر مت ٹھکراؤ۔" اب ان کے لہجے میں تکلف کی جگہ [illegible]

[illegible] والا کوئی نہیں۔ میری اہلیہ اور بچے کا ایک حادثے میں انتقال ہو چکا ہے۔ اب [illegible] اس گھر میں اپنے ملازموں کے ساتھ رہتا ہوں۔ ایک ملازم غلام علی ہے جسے ہم غلامو [illegible] ہیں۔ چوکیدار بابا ہیں اور اللہ رکھی ہے۔ گھر کی دیکھ بھال یہی تینوں مل جل کر کرتے [illegible] میرا بیشتر وقت اسپتال اور کلینک میں گزرتا ہے۔ رات گئے جب میں کلینک سے [illegible] کر گھر آتا ہوں تو اللہ رکھی میرے لئے کھانا گرم کرنے کو جاگ رہی ہوتی ہے۔ [illegible] اور بابا اپنے کوارٹر میں جا چکے ہوتے ہیں اور غلامو بھی کلینک بند ہونے کے بعد اپنے [illegible] میں جا پڑتا ہے۔ اللہ رکھی مجھے کھانا دے کر اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے اور [illegible] گھر پر موت کا سناٹا چھا جاتا ہے اور جب کبھی اللہ رکھی چھٹی لے کر اپنے عزیزوں [illegible] گھر چلی جاتی ہے تب تو گھر پر اور بھی خاموشی چھا جاتی ہے۔ آج اللہ رکھی کو خدا [illegible] اس ٹرین میں غالباً اس لئے سفر کروایا کہ اس کے توسط سے اللہ کو تم تینوں بہن [illegible] بھائیوں کو یہاں بھیجنا تھا۔ دیکھو' میں بالکل اکیلا ہوں اور مجھے اپنے گھر کا سناٹا دور کرنے کے

لئے لوگوں کی ضرورت ہے۔ شاید خدا نے تم لوگوں کو میری مدد ہی کے لئے بھیجا ہے۔ تم تینوں بہن بھائیوں کو کسی ہمدرد کی ضرورت ہے۔ نوعمری اور ناتجربہ کاری کراچی شہر میں تمہارے لئے نئی مشکلات کھڑی کر سکتی ہے۔ بیمار بہن کے ساتھ تم کہاں پریشان ہوتے پھرو گے؟ اس کی حالت اس لائق نہیں ہے کہ وہ مزید کسی مشکل سے گزر سکے۔ اسے فوری طبی توجہ اور آرام کی ضرورت ہے۔ مجھے ان دنوں اپنے کلینک ایک آدمی کی ضرورت ہے جو میرے کمپاؤنڈر کی معاونت کر سکے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں ملازم رکھ سکتا ہوں۔ زریں بی بی گھر کے کام کاج میں اللہ رکھی کا ہاتھ بٹا سکتی ہیں کیونکہ اس بےچاری کے لئے اتنے بڑے گھر کی صفائی ستھرائی اور باورچی خانے کا کام بہت ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے کوئی مددگار ضرور ہونا چاہئے۔ تم دونوں کی خدمات کے عوض میں تمہیں طعام و رہائش اور معقول ماہانہ تنخواہ کی پیشکش کرتا ہوں۔"

"ہمیں تنخواہ کی ضرورت نہیں' بس آپ فرحین کا علاج کر دیجئے۔" میں نے بھیا کی رضا لئے بغیر ہی کہا۔

"ٹھیک ہے' جیسے تمہاری مرضی۔" ڈاکٹر شعیب مسکرائے پھر انہوں نے بھیا سے پوچھا۔ "عارف میاں' تمہاری کیا مرضی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" بھیا نے ایک گہری سانس کھینچنے کے بعد کہا۔ "فرحین کے صحت یاب ہونے تک ہمیں یہاں رہنا منظور ہے اور اس وقت تک ہم آپ کی ہر خدمت بجا لائیں گے۔"

ڈاکٹر شعیب نے مسکراتے ہوئے بھیا کا شانہ تھپتھپایا پھر بولے۔ "علاج معالجہ تو تم دونوں کا بھی ہو گا ورنہ فرحین کی طرح کسی روز تم دونوں بھی ڈھے جاؤ گے کیونکہ بہرحال تم تینوں ایک ہی جیسی صورتِ حال کا شکار رہے ہو۔"

میرا دل دُکھنے لگا۔ کاش! میں ڈاکٹر شعیب کو بتا سکتی کہ ہم تین نہیں چار بہن بھائی ہوا کرتے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب! فرحین کو دیکھ لوں میں' کہیں وہ پریشان نہ ہو رہی ہو؟" میں نے اجازت طلب انداز میں کہا۔

"چلئے ہم تینوں ہی اس کے پاس چلتے ہیں۔" ڈاکٹر شعیب بولے۔

دوسری جانب میز پر لیٹی فرحین کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ "بائی دی وے' فرحین کی عمر کتنی ہے؟"

"تقریباً آٹھ سال۔"

[illegible]" ڈاکٹر شعیب کے لہجے سے بے یقینی عیاں تھی۔ "وہ کسی صورت بھی چار [illegible] زیادہ کی نہیں لگتی۔"

"ہم اپنے تین سال' چار ماہ اور سولہ دن اس زنداں میں کھو آئے ہیں ڈاکٹر [illegible]" میں نے دکھ سے کہا۔

☆-------☆-------☆

[illegible] فرحین کو ڈاکٹر شعیب نے تقریباً دو ہفتے اسی اسپتال میں داخل رکھا جس سے وہ خود [illegible] تھے۔ مذکورہ اسپتال شہر کا ایک بڑا نجی اسپتال تھا جس میں لیب اور ایکسرے کی [illegible] بھی موجود تھی۔ فرحین کے متعدد کلینکل ٹسٹ ہوئے اور میرے اور بھیا کے بھی [illegible] نے کئی ٹسٹ کروائے۔ فرحین کو ڈاکٹر شعیب نے اسپتال کے پرائیویٹ روم [illegible] رکھا ہوا تھا۔ بھیا اور میں بڑے آرام سے اس کے پاس رہ سکتے تھے مگر ڈاکٹر شعیب [illegible] اس کی اجازت نہ دی۔ ان کا خیال تھا کہ نرس ہم سے زیادہ بہتر طور پر فرحین [illegible] بھال کر سکتی ہے۔

[illegible] ہمارے بارے میں ڈاکٹر شعیب نے اپنے رفقائے کار اور لیبارٹری ٹیکنیشنز کو بتایا کہ [illegible] کے ایک قریبی عزیز کے بچے ہیں اور ہمارے والدین ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے [illegible] اور اب وہی یعنی ڈاکٹر شعیب ہی ہمارے سرپرست تھے۔ ڈاکٹر شعیب نے ان لوگوں کو [illegible] ہم تینوں بھائی بہنوں نے حادثاتی طور پر زہر کھا لیا تھا اور وہ تمام ٹسٹ یہ دیکھنے کے [illegible] رہے تھے کہ زہر نے ہمارے اندرونی نظام پر [illegible]

[illegible] صد شکر کہ ہم تینوں کے بارے میں حتمی کلینکل رپورٹ یہ تھی کہ زہر نے نہ [illegible] ہم دونوں کے بلکہ فرحین کے اندرونی اعضاء کو نقصان نہیں پہنچایا تھا تاہم خون کی [illegible] اور نقاہت کا شکار وہ ہم دونوں کی نسبت کہیں زیادہ تھی۔ ہمیں تو ڈاکٹر شعیب نے [illegible] کی اور کمزوری دور کرنے کے لئے ضروری دوائیں گھر پر لا کر دے دیں۔ فرحین [illegible] اسپتال میں علاج ہوتا رہا۔ ایک نرس اس کی دیکھ بھال پر مستقل مامور رہی۔

[illegible] ڈاکٹر شعیب دوپہر کو اسپتال سے گھر واپس آنے کے بعد کچھ دیر آرام کرتے پھر [illegible] فرحین سے ملوانے کے لئے اسپتال لے جاتے۔ شروع میں ایک دو روز تو وہ نڈھال [illegible] اسپتال کے بستر پر پڑی ملی پھر اس کی حالت سنبھلنے لگی۔ جب ہم اس سے ملنے کے لئے [illegible] تو وہ خوش ہو جاتی لیکن جب ہم ڈاکٹر شعیب کے ایما پر اٹھنے کا قصد کرتے تو وہ واویلا [illegible] لیکن پھر ہمارے سمجھانے بجھانے پر اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ صرف چند دنوں کے [illegible] اسپتال میں داخل ہے اور ہمیں اس کے پاس ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی۔ بالآخر اسے

اسپتال سے رخصت ہونے کے بعد پہلے کی طرح پھر ہمارے ساتھ ہی رہتا تھا۔

میں نے اسے چپکے سے یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ وہ اسپتال کی کسی نرس یا کسی اور … سے نانی جان اور ان کے گھر کی کوئی بات نہ کرے اور اگر کوئی پوچھے تو یہی بتا… ہمارے ممی اور ڈیڈی دونوں مرچکے تھے۔ اس نے پہلے تو حیرانی سے مجھے دیکھا پھر سعاد… مندی سے سرہلا کر ایسا ہی کرنے کا وعدہ کرلیا۔

ڈاکٹر شعیب نے فرحین کے علاج معالجے' اس کی دیکھ بھال اور اس کی دلجوئی … کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ انہوں نے اسپتال کے ایک کمرے میں اس کے لئے … کھلونے جمع کر دیئے۔ ہر روز وہ اس کے لئے ایک تازہ گلدستہ لے کر جاتے اور ا… یوں پیار کرتے جیسے وہ ان کی اپنی اولاد ہی تھی۔

مناسب علاج اور توجہ کا نتیجہ جلد ہی ظاہر ہونے لگا۔ فرحین کی حالت روز بروز … ہوتی چلی گئی۔ اُدھر اسپتال میں اس کا علاج اور دیکھ بھال جاری رہی' اِدھر بھیا کوٹھی کے ایک حصے میں ڈاکٹر شعیب کے ذاتی کلینک میں شام کے وقت ان کے کمپاؤنڈر کی معاو… کرتے رہے اور میں امورِ خانہ داری میں اللہ رکھی کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی رہی۔

فرحین سے ملنے کے لئے اسپتال جانا ہوتا تو میں اس کی دیکھ بھال پر مامور کل وقتی نرس کے اِدھر اُدھر ہوتے ہی اس تلقین کا اعادہ کرنا نہ بھولتی کہ وہ اسپتال میں کسی … ممی' نانی جان یا ان کے گھر کی کوئی بات ہرگز نہ کرے۔

فرحین کو اسپتال … ایک روز … جب میں نے اس کی نرس کے اِدھر اُدھر ہوتے ہی اس تلقین کا اعادہ کیا تو فرحین منہ بنا کر بولی۔ "باجی! آپ روز روز یہی بات کرتی ہیں۔ میں تو کسی سے بھی کچھ نہیں کہتی' بس میں نے ڈاکٹر انکل کو کل ایک بات بتائی تھی نانی جان کے گھر کی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے مسکرا کر ڈاکٹر شعیب کو دیکھا جو قریب ہی بیٹھے تھے۔

"کون سی بات؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے انہیں بتایا کہ میرا بھائی حارث نانی جان کے گھر سے اللہ میاں کے ہاں چلا گیا اور اب وہ ایک اچھے سے پھولوں والے باغ میں ڈیڈی کے ساتھ رہتا ہے۔"

میں دم بخود رہ گئی۔ یہ فرحین نے کیا غضب کر دیا تھا۔ میں نے دزدیدہ نگاہوں سے پہلے ڈاکٹر شعیب کی جانب دیکھا پھر بے بسی سے بھیا کو دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر شعیب مجھے بہت گہری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اس وقت تو ہم سے کچھ نہیں کہا لیکن اسپتال سے گھر واپس لوٹتے ہوئے راستے میں کہا۔ "مجھے فرحین نے آج صبح ہی یہ بات

"…ی؟"

…ا اگلی نشست پر ان کے ساتھ بیٹھے تھے' چونک کر بولے۔ "کون سی بات؟"

"…حارث والی۔" ڈاکٹر شعیب نے یہ کہتے ہوئے اپنے سامنے آویزاں آئینے میں … اور ہمارے تاثرات دیکھنا چاہتے تھے۔ "کیا واقعی کوئی چھوٹا بھائی بھی تھا تم لوگوں … انہوں نے پوچھا۔

"…ں۔" بھیا نے آہستہ سے اعتراف کیا۔

"…ا ہوا تھا اسے؟"

…ا چپ رہے۔

"…اسے بھی یہی ہوا تھا جو فرحین کو...........؟" ڈاکٹر شعیب کا سوال ادھورا ہوتے … بھی مکمل تھا۔

…ا نے اثبات میں سرہلا دیا۔

"اوہ!" ڈاکٹر شعیب نے تاسف کا اظہار کیا اور مزید کچھ نہیں پوچھا۔

…ر ڈاکٹر شعیب کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ہم تین نہیں چار بہن بھائی ہوا کرتے … فرحین نے اپنی معصومیت میں ہماری ایک مشکل رفع کر دی۔ اب ہمارے اور ڈاکٹر … کے درمیان کوئی پردہ' کوئی راز نہیں رہا تھا۔

اس رات جب ڈاکٹر شعیب اپنے کلینک سے فراغت پا کر بھیا کے ساتھ کوٹھی کے … اس دوران ماسی اللہ رکھی مجھے نہ جانے کہاں کہاں کے پرانے مگر دلچسپ قصے سناتے … ان کی اعلیٰ ظرفی کی داد دینا پڑے گی کہ اس نے کبھی ہمارے ذاتی حالات کریدنے … نہیں کی۔ ڈاکٹر شعیب کے ہاتھ منہ دھو کر کھانے کے کمرے میں آنے تک … میں جھٹ پٹ کھانا میز پر چن چکے تھے۔ بھیا اور میں کھانے پر ان کے ساتھ ہی … انہوں نے اول روز سے ہمیں اس کا پابند کر دیا تھا۔ کھانے کے دوران جب … ادھر اُدھر ہوئی تو ڈاکٹر شعیب نے ہم میں سے کسی کو ایک بطور خاص مخاطب کئے بغیر … "حارث کا کچھ علاج وغیرہ کروایا گیا تھا یا نہیں؟"

میں نے چونک کر پہلے ڈاکٹر کی جانب پھر بھیا کو دیکھا۔ وہ کھانے سے ہاتھ کھینچے بیٹھے …

"…ی کروایا تھا۔" میں نے دھیرے سے جواب دیا۔

"…ی بند کمرے میں؟"

"نہیں، ممی اور نانی جان اسے اسپتال لے گئی تھیں، وہاں سے وہ واپس نہیں آ[illegible]
میں نے بوجھل آواز میں کہا۔

"آئی سی!" ڈاکٹر شعیب نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "خدا کا شکر [illegible]
فرحین کو تم لوگ بروقت وہاں سے نکال لائے ورنہ..........!"

"ڈاکٹر صاحب! فرحین زندہ رہے گی نا؟" میری آواز میں موم شمع کی لو [illegible]
ارتعاش تھا۔

"انشاء اللہ!" ڈاکٹر شعیب نے کہا۔

"ابھی اسے اسپتال میں کتنے دن اور رہنا ہوگا؟"

"کچھ زیادہ دن نہیں۔ لانے کو تو ہم اسے کل ہی گھر لا سکتے ہیں مگر اس کی جتنی [illegible]
بھال اسپتال میں کی جارہی ہے، گھر پر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میں ابھی چند روز اسے [illegible]
رکھنے کے حق میں ہوں۔"

"سر، ہمارے پاس کچھ نقد رقم اور کچھ ایسی چیزیں ہیں جنہیں بیچ کر ہمیں اچھے [illegible]
مل جائیں گے۔ آپ کے خیال میں اسپتال کا بل کتنا بنے گا؟" بھیا نے پوچھا۔

"تمہیں اسپتال کے بل کے بارے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے ڈاکٹر صاحب؟"

"بالکل ممکن ہے بشرطیکہ تم لوگ مجھے غیر سمجھنا چھوڑ دو۔"

بھیا چپ ہی نہیں بلکہ تھوڑے سے خفیف بھی ہو گئے۔ [illegible]
فرحین اسپتال سے گھر آ گئی۔ مناسب علاج اور بھرپور دیکھ بھال کے نتیجے میں اس کی
حالت بہت بہتر ہو گئی تھی۔ بھیا اور میں ڈاکٹر شعیب کے انتہائی احسان مند تھے کہ انہوں
نے فرحین کو موت کے منہ سے بچالیا تھا۔

فرحین کی صحت یابی کی خوشی میں ایک شام ڈاکٹر شعیب ہم تینوں کو باہر گھمانے
پھرانے لے گئے اور اس رات انہوں نے ہمیں ایک اچھے ہوٹل میں کھانا کھلایا۔

فرحین کے اسپتال سے آنے کے کوئی چار چھ روز بعد بھیا نے ایک روز مجھ سے
کہا۔ "زریں! فرحین کی حالت اب ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے چلا
جانا چاہئے۔"

"مگر ہم جائیں گے کہاں؟"

"ہم ہمیشہ یہاں بھی تو پڑے نہیں رہ سکتے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ہم یہاں سے نکل کر جائیں گے کہاں؟"

"[illegible] خدا لے جائے۔"

"فرحین کو ساتھ لے کر ہم کہاں دھکے کھاتے پھریں گے؟ اس کی حالت بمشکل تو
[illegible]"

"[illegible] حال سنبھل تو گئی ہے۔ اب وہ اس وقت کے مقابلے میں تو بہت اچھی ہے
[illegible] میں ہم اسے نانی جان کے گھر سے لے کر نکلے تھے اور.......... اس وقت [illegible] تو
[illegible] اس ٹھکانے تھے نہ ذہن کچھ کام کرتا تھا، نہ [illegible] کا پتہ تھا۔ اس وقت کے
[illegible] اب ہم بھی زیادہ بہتر طور پر سوچ سمجھ سکیں گے۔ خدا کا نام لے کر یہاں سے
[illegible] تو کوئی نہ کوئی پناہ گاہ مل ہی جائے گی۔"

"[illegible] لیں، شدید سردی پڑ رہی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ فرحین دوبارہ بیمار پڑ جائے۔
[illegible] اور نازک وہ اب بھی اسی قدر ہے۔"

"تمہارا ارادہ کیا ہے؟"

"میرا ارادہ یہ ہے کہ کسی طرح سردیوں کا موسم یہاں گزار لیا جائے پھر ہم یہاں
[illegible]"

"[illegible]"

"لیکن.........."

"لیکن کیا؟"

"ڈاکٹر شعیب کیا سوچیں گے کہ انہوں نے تو میرے گھر لمبا ہی پڑاؤ ڈال لیا۔ مجھے تو
[illegible]"

"پھر؟" میں فکرمند سی ہو گئی۔

بھیا کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔ "ایسا کرتے ہیں، ڈاکٹر شعیب سے ہم لوگ یہ
[illegible] کہ ہم جانا چاہتے ہیں، اگر انہوں نے ہمیں روکا تو ہم رک جائیں گے اور اگر نہ
[illegible] بہرحال جانا ہی ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

بھیا نے میرا منہ اترے دیکھا تو بولے۔ "دراصل یہ ایک طرح سے ڈاکٹر شعیب کی
[illegible] ہو گی کہ وہ ہم پر اپنی مہربانی اور ہمدردی جاری رکھنا چاہتے ہیں یا اب ہمیں اپنے
[illegible] رخصت کر دینا چاہتے ہیں۔" بھیا نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مجھے تسلی دیتے
[illegible] کہا۔ "جب تمہارا بھائی تمہارے ساتھ ہے تو تمہیں گھبرانے یا فکرمند ہونے کی
[illegible] نہیں۔ ویسے بھی زری، ہمارا یہاں سے نکل جانا بہتر ہی ہوگا کیونکہ نہ تو میں
[illegible] زندگی ڈاکٹر شعیب کے کلینک میں ان کے کمپاؤنڈر کا مددگار بن کر رہنا چاہتا ہوں

اور نہ ہی تم ماسی اللہ رکھی کی معاون بن کر زندگی گزار سکتی ہو۔" بھیا نے توقف کیا
بولے۔ "ہماری منزل یہ نہیں ہے زری۔ ہمیں بہت آگے جانا ہے۔ میں اب بھی
بننے کی تمنا دل میں رکھتا ہوں اور تمہیں بھی زندگی میں بہت آگے، بہت کامیاب
چاہتا ہوں۔ فرحین کو ایک بہتر مستقبل دینے کے لئے ہمیں محنت کرنا ہوگی، قربانیاں
ہوں گی اور ہم یہ سب کچھ کریں گے۔"

"انشاء اللہ!"

فرحین کے لئے ہم دونوں کے جذبات کی کیفیت کم و بیش وہی تھی جو اولاد کے
ماں اور باپ کی ہوا کرتی ہے، چنانچہ ڈاکٹر شعیب کو آزمانے کے لئے جب بھیا نے
جذباتِ شکر گزاری کا اعادہ کرنے کے بعد ان کے گھر سے رخصت ہونے کی اجازت
تو وہ بولے۔ "عارف میاں، میں تو اپنی بیوی عذرا اور بیٹے زوہیب کی ناگہانی موت کے
گزشتہ کئی برس سے تنہا رہ رہا تھا اور اس تنہائی کا عادی ہو چکا تھا مگر تم لوگوں کی آمد
میری ویران زندگی میں پھول کھلا دیئے۔ تم لوگوں کی اس گھر میں آمد سے میں کس قدر
خوش ہوں تم شاید اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ فرحین تو مجھے بالکل اپنی ہی بیٹی محسوس
ہوتی ہے۔ زوہیب کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے ایک ایسی ہی گڑیا بیٹی کی دعا مانگا کرتا تھا
کہ فرحین ہے۔ زوہیب تو خیر نہیں رہا مگر اب جبکہ اللہ نے مجھے فرحین کی صورت
ایک گڑیا بیٹی دے دی ہے تو تم اسے مجھ سے دور لے جانے کی کوشش نہ کرو۔ تم
[illegible]
گا۔"

میرا دل بلیوں اچھلنے لگا کہ میں کون سا وہاں سے جانے کے حق میں تھی۔

"آپ کے خلوص کا بہت بہت شکریہ سر لیکن............" بھیا کہتے کہتے رک گئے۔

"لیکن کیا؟" ڈاکٹر شعیب نے پوچھا۔

"دراصل میں کراچی جا کر کوئی چھوٹی موٹی ملازمت کرنے کے ساتھ اپنی تعلیم کا
سلسلہ بھی دوبارہ شروع کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ کراچی میں مجھے کہیں نہ کہیں
کوئی ایسا کام ضرور مل جائے گا کہ صبح کے اوقات میں، میں پڑھ سکوں اور شام کو ملازمت
کر سکوں۔"

"بھیا ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں، ڈاکٹر صاحب۔" میں نے لقمہ دیا۔

"یہ بتاؤ بہنوں کا کیا بنے گا؟"

"یہ دونوں بھی پڑھیں گی۔"

"اور رہو گے کہاں؟"

"کہیں بھی جھونپڑی ڈال لیں گے سر!"

ڈاکٹر شعیب دھیرے سے مسکرا دیئے پھر بھیا کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے
"میرے عزیز! کراچی میں ایک سے ایک گھاگ آدمی پڑا ہے، خدانخواستہ تم لوگ
کسی آدمی کے ہتھے چڑھ گئے تو بہت برا ہوگا۔ میرے پاس رہو، امان میں رہو
ڈاکٹر شعیب نے توقف کیا پھر بولے۔ "ویسے میں خود بھی تم سے اس سلسلے میں
بات کرنے کا ارادہ رکھ رہا تھا۔"

"کس سلسلے میں؟" بھیا نے چونک کر پوچھا۔

"تمہاری تعلیم کے سلسلے میں۔ تین چار ماہ بعد نئے تعلیمی سال کا آغاز ہونے والا
ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کے لئے گھر پر کسی ٹیوٹر کا بندوبست کر دیا جائے جو تمہیں
داخلے کی تیاری کروائے۔ بائی دی وے، تم لوگوں کا تعلیمی سلسلہ کس کس جماعت
میں منقطع ہوا تھا؟"

"سر! میں تو نائنتھ کلاس میں تھا، زری سیونتھ میں تھی، فرحین اور............"

"مارث۔" ڈاکٹر شعیب نے بھیا کی مشکل آسان کر دی۔

"جی۔" بھیا نظریں چرا کر بولے۔ "ان دونوں نے نرسری جانا شروع ہی کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر شعیب سر ہلا کر بولے۔ "ٹیوٹر کا بندوبست کئے دیتا ہوں جو تم
کو اسکول میں داخلے کی تیاری کرائے۔ عارف میاں! میں سمجھتا ہوں، تین ماہ کافی ہیں
کلاس میں داخلے کی تیاری کرنے کے لئے۔"

"سر نائنتھ کلاس سے تو اسٹارٹ نہیں کروں گا میں۔"

"تو پھر؟"

"میں نویں اور دسویں جماعتوں کا امتحان ایک ساتھ دینے کی کوشش کروں گا۔"

"ٹھیک ہے، دیکھ لیں گے۔"

بھیا نے دزدیدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا پھر ڈاکٹر شعیب سے بولے۔ "سر،
اپنی زندگی خود بنانے دیں............ جانے دیں ہمیں۔"

"پھر وہی بات............"

"سر! آج آپ تنہا ہیں لیکن کل جب آپ شادی کر لیں گے اور آپ کی بیوی اور
بچے ہوں گے تو ہم آپ کے لئے کسی الجھن یا مشکل کا سبب نہیں بننا چاہتے۔"

ڈاکٹر شعیب نے ایک گہری سانس کھینچی پھر بولے۔ "مجھے شادی کرنا ہوتی تو میں

برسوں سے تنہا زندگی نہ بسر کر رہا ہوتا۔ میں شادی نہیں کروں گا۔"
"آپ کو اپنی بیگم اور بیٹے سے بہت محبت تھی سر؟" بھیا نے پوچھا۔
"ہاں' بہت زیادہ۔"
"ان کا انتقال کیسے ہوا تھا؟"
"وہ ایک حادثہ تھا۔" ڈاکٹر شعیب آزردہ نظر آنے لگے پھر انھوں نے سر [illegible]
ہوئے ایک ٹھنڈی آہ کھینچ کر کہا۔ "خیر......... میں تم لوگوں سے' عارف میاں' [illegible]
تم سے ایک اور معاملے پر بھی صلاح لینا چاہتا تھا۔"
"جی سر۔" بھیا ہمہ تن گوش نظر آنے لگے۔
"میں تم تینوں کو اپنی سرپرستی میں لینے کے لئے عدالت میں درخواست گزار [illegible]
ہوں۔ اس سلسلے میں' میں نے ایک وکیل سے بھی مشورہ کیا ہے۔ ہمیں دو چی[illegible]
ضرورت ہوگی۔ تمہارے والد کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ اور والدہ کی رضا کہ انھیں میرے تم [illegible]
کو اپنی سرپرستی میں لینے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"
"ڈیڈی کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ تو ہمارے پاس ہے۔ ہم وہاں سے ڈیڈی کی ہر وہ یادگا[ر]
لائے ہیں جو ہمیں اس قید خانے میں مل سکتی تھی۔" میں نے کہا۔
ڈیڈی کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ اور ہم چاروں کے برتھ سرٹیفکیٹس ممی نے ایک
کیس کی تہ میں چھپا کر رکھے تھے۔ اس زنداں سے فرار ہونے کی تیاریوں کے دوران
سرٹیفکیٹس بس اتفاقاً ہی ہمارے ہاتھ لگ گئے تھے [illegible]
شامل کر لیا تھا۔
"گڈ!" ڈاکٹر شعیب بولے۔ "ایک بڑا مسئلہ تو حل ہوا جس کی مجھے انتہائی فکر تھی
اب رہ جاتا ہے تم لوگوں کی والدہ کی رضا کا مسئلہ۔"
میں نے اپنے جبڑے باہم بھینچ لئے۔ ممی کی رضا؟ گویا ہمیں ان کا چہرہ پھر دیکھنا پڑ[ے]
گا! نہیں' میں ان کی صورت نہیں دیکھنا چاہتی' کبھی نہیں!
ڈاکٹر شعیب نے غالباً میری باطنی کیفیت تاڑ لی۔
"جب میں تمہاری گارجین شپ لینے کے لئے عدالت میں درخواست دوں گا
میرے وکیل کی جانب سے اطلاعِ عام کا اشتہار اخبار میں شائع ہوگا کہ فلاں شخص
اپنے فلاں مرحوم رشتہ دار کے ان تین بچوں کو جن کے نام یہ ہیں اور جن کی والدہ کا نا[م]
یہ ہے' مگر حالیہ اتا پتا نامعلوم ہے' اپنی سرپرستی میں لینے کے لئے فلاں عدالت میں
درخواست گزاری ہے۔ اس سلسلے میں بچوں کی والدہ یا کسی اور متعلق فرد کو کوئی اعترا[ض]

[illegible] عدالت میں اپنا اعتراض جمع کرا دے۔ بصورتِ دیگر یکطرفہ کارروائی عمل میں لائی
[illegible] پھر ہو سکتا ہے کہ عدالت اعتراض جمع کرانے کے لئے وقت کی کوئی حد مقرر
[illegible] اگر اس دوران تمہاری والدہ نے رجوع نہ کیا تو عدالت یہ اطمینان کر لینے کے
[illegible] تم لوگ واقعی میرے کسی عزیز کے بچے ہو' مجھے گارجین شپ دے دے گی۔"
[illegible] اچھل پڑی۔ یہ طریق کار میرے علم میں نہ تھا۔
"سر! اس بات کا ثبوت کیا ہوگا کہ ڈیڈی آپ کے عزیز تھے؟" بھیا نے پوچھا۔
"ایک دو معززین کی شہادتیں کافی ہوں گی اور یہ شہادت دلوانا میرے لئے مشکل نہ
[illegible] میں نے تم تینوں کی بابت اپنے جاننے والوں میں یہی مشہور کر دیا ہے کہ تم میرے
[illegible] عزیز کے بچے ہو۔"
"ممی کورٹ میں آ کر اس کی تردید بھی تو کر سکتی ہیں۔" بھیا کسی وکیل کی طرح
[illegible] رہے تھے۔
"ممی! کورٹ میں آ کر!" میں نے انتہائی تلخی سے کہا۔ "میں شرط لگا سکتی ہوں' ممی
[illegible] پر کورٹ میں آنے کی غلطی نہیں کریں گی۔ ہمیں تو وہ دنیا کی نظروں سے
[illegible] رکھنا چاہتی تھیں۔ وہ بھلا ہم سے اپنا کوئی رشتہ یا کوئی تعلق ظاہر کرنے کے لئے
[illegible] میں آنے کی غلطی کیوں کریں گی! ہم سے اپنا رشتہ تسلیم کر کے وہ اپنے والد کی
[illegible] املاک سے محروم نہ ہو جائیں گی! میں لکھ کر دے سکتی ہوں کہ ممی ہرگز نہیں آئیں
[illegible]
بھیا نے ناگواری سے میری طرف دیکھا اور بولے۔ "وہ ملک میں ہیں ہی کب جو
[illegible] گی؟"
"وہ یہاں ہوں گی تب بھی نہیں آئیں گی۔"
ڈاکٹر شعیب جو ہم بھائی بہن کی بحث بغور سن رہے تھے' بولے۔ "ارے ہاں مجھے
[خی]ال تو رہا ہی نہیں کہ تمہاری ممی تو بیرون ملک گئی ہوئی ہیں۔ کچھ اندازہ ہے کہ ان کی
[illegible] کب تک ہو گی؟"
"جی نہیں۔" بھیا بولے۔
"تب تو اس کارروائی کے لئے ان کی واپسی کا انتظار کرنا پڑے گا۔"
"لیکن ہمیں ان کی واپسی کا علم بھلا کیونکر ہوگا؟" میں نے کہا۔
"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" ڈاکٹر شعیب مسکرا کر بولے۔
میں ان کا منہ دیکھنے لگی۔

"ملتان میں میرے ایک دوست مقیم ہیں۔ ان سے معلومات کروائی جا سکتی ہیں"
"سر! پلیز کسی اور کو ملوث مت کیجئے اس معاملے میں۔" بھیا لجاجت سے بولے
"آپ اب بھی اپنی پیاری ماں پر کوئی آنچ آتے نہیں دیکھنا چاہتے۔" میں نے انہیں دیکھتے ہوئے جی ہی جی میں سوچا۔
"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔" ڈاکٹر شعیب نے توقف کیا پھر بولے۔ "ان کے لئے کچھ عرصہ انتظار کئے لیتے ہیں.......... بھئی ایک آدھ ماہ میں تو ہو جائے گی ان کی واپسی؟"
"کچھ کہا نہیں جا سکتا سر۔"
"پچھلی بار جب وہ گئی تھیں تو تقریباً ساڑھے تین ماہ میں لوٹی تھیں۔"
"کوئی بات نہیں' ہم یہ کارروائی کچھ عرصے کو التوا میں ڈالے دیتے ہیں۔ ویسے تو گارجین شپ سرٹیفکیٹ کے بغیر بھی کام چلایا جا سکتا ہے مگر میں کورٹ سے یہ سرٹیفکیٹ لے لینا اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ خدا جانے کب اور کہاں مجھے یہ ثبوت پیش کرنے کی ضرورت پڑ جائے کہ میں تم لوگوں کا گارجین ہوں۔"
بظاہر کتنی عجیب بات لگتی تھی یہ کہ ممی' جن کی کوکھ سے ہم نے جنم لیا تھا' ہم سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک گھناؤنا کھیل کھیل گئی تھیں۔ ہم سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر انہوں نے نانی جان کی مدد سے ہمیں سنکھیا دینے کی گھناؤنی سازش [illegible] ہمیں [illegible] آپ زندگی کے روئے غلط سمجھ کر ہمیں مٹانے کی نہیں نوچ پھینکنے کی قبیح حرکت کی تھی اور ایک ڈاکٹر شعیب تھے کہ غیر ہوتے ہوئے بھی اپنے بن گئے تھے اور ہمیں اپنانے کے لئے قانونی طریق کار سے گزرنے کو تیار تھے۔
"سر ایک بات کہوں۔" بھیا نے دھیرے سے کہا۔
"کہو۔"
"آپ اگر یہ سب کچھ نہ کریں تو اچھا ہے۔"
"عارف میاں! گارجین شپ میں مستقبل کے خیال سے حاصل کر لینا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ لوگوں کے اسکول میں داخلے کے وقت اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اور ... اور فرحین کی شادی کے وقت اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے' اور بھی بہت سے مواقع ایسے آ سکتے ہیں۔"
خدایا! وہ کتنی دور کی سوچ رہے تھے!
"سر! آپ ہمارے لئے اتنی تکلیف نہ اٹھائیے۔"

"تکلیف!" ڈاکٹر شعیب بولے۔ "عارف میاں! تم لوگوں کے آنے سے مجھے تو ... ملی ہے اور جتنا خوش میں آج کل ہوں' اس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ میری ... ہے کہ تم مجھے غیر نہیں اپنا سمجھو۔ آج میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہیں ... میں کمپاؤنڈر کی معاونت اور زریں بی بی کو ماسی اللہ رکھی کا ہاتھ بٹانے کی ذمہ ... تفویض کرنا تو تم لوگوں کو اس گھر میں روکنے کا بہانہ تھا ورنہ میں نے تو اول روز ... کی زبانی تم لوگوں کی درد بھری داستان سنتے ہی یہ تہیہ کر لیا تھا کہ تم لوگ میرے ... بن کر رہو گے۔ اس سلسلے میں' میں نے ماسی اللہ رکھی کو بھی اول روز ہی اعتماد ... لیا تھا۔"
"آپ کا مطلب ہے کہ آپ نے ماسی کو ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا؟" میں نے ... کر کہا۔
"میں نے اسے بتایا کچھ نہیں' صرف اتنا سمجھایا ہے کہ اگر کوئی بھی اس سے تم ... میرے رشتے کے بارے میں پوچھے تو وہ یہی کہے کہ تم لوگ میرے ایک عزیز ... ہو اور یہ تو تم نے اسے خود ہی بتایا تھا کہ تمہارے والدین انتقال کر چکے ہیں' ماسی ... پوری پوری ہمدردی رکھتی ہے۔" ڈاکٹر شعیب نے قدرے توقف سے بھیا سے ... "کیوں میاں! نہیں جاؤ گے نا مجھے چھوڑ کر؟"
بھیا میری طرف دیکھنے لگے۔
"زریں بی بی! آپ کا کیا ارادہ ہے؟"
"میں.......... میں کیا کہہ سکتی ہوں آپ.......... بھیا سے پوچھئے۔"
"بھیا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی فرحین نے جو خاموش بیٹھی ہماری باتیں سن رہی ... "بھیا ہم کہیں نہیں جائیں گے انکل کو چھوڑ کر۔ بس ہم یہیں رہیں گے۔"
فرحین نے بڑی معصومیت سے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ وہ ڈاکٹر شعیب کا گھر چھوڑ کر ... اور نہیں جانا چاہتی تھی۔
ہم بھی کب جانا چاہتے تھے!

☆------☆------☆

جلد ہی ڈاکٹر شعیب نے ہم تینوں کے لئے ایک ٹیوٹر کا بندوبست کر دیا جو ہمیں آنے ... تعلیمی سال کے آغاز پر اسکول میں داخلے کی تیاری کرانے لگے۔ ہماری زندگی کا سوا ... سال سے زائد گرانقدر عرصہ ممی کی خود غرضی اور بے رحمی کی بھینٹ نہ چڑھ گیا ہوتا ... دنوں بھیا کالج میں ہوتے' میں اسکول کی آخری جماعت میں اور فرحین اور حارث

تیسری یا چوتھی جماعت میں ہوتے۔

اگرچہ اسکولوں میں نئے داخلے شروع ہونے میں ابھی خاصا وقت تھا لیکن ڈاکٹر شعیب نے شہر کے ایک معیاری پرائیویٹ سکول میں بھیا کے داخلے کی بات کر لی۔ ڈاکٹر شعیب کا ارادہ تھا کہ بھیا کو دسویں جماعت میں داخلہ دلوا کر انہیں آئندہ برس نویں اور دسویں جماعتوں کا ایک ساتھ بورڈ کا امتحان دلوایا جائے۔ جس اسکول میں ڈاکٹر شعیب نے بھیا کے داخلے کی بات کی تھی' اس کی انتظامیہ اس بات پر آمادہ تھی کہ اگر بھیا نویں جماعت کے داخلہ امتحان میں کامیابی حاصل کر لی تو وہ انہیں نویں کے بجائے دسویں جماعت میں بیٹھنے کی اجازت دے دیں گے۔ چنانچہ داخلہ امتحان میں بھیا کی بھرپور کامیابی کے لئے ہمارے ٹیوٹر کی زیادہ تر توجہ بھیا کی جانب ہی رہتی' وہ انہیں نویں اور دسویں جماعتوں کا نصاب بیک وقت پڑھا رہے تھے۔

میں چونکہ بھیا کی طرح سائنس پڑھنے میں دلچسپی نہ رکھتی تھی' اس لئے میرے بارے میں ڈاکٹر شعیب' ہمارے ٹیوٹر اور بھیا کی متفقہ رائے یہ ٹھہری کہ میں گھر پر ہی پڑھتی رہوں اور جب میری تعلیم کا ہرج پورا ہو جائے تو پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے نویں اور دسویں جماعت کے بورڈ کے امتحانات میں شرکت کروں۔ جہاں تک فرحین کا تعلق تھا اس کی تعلیم کی تو گویا بنیاد رکھی جانی تھی۔ گو بھیا اور میں اسے اور جب تک حارث حیات رہا' اسے بھی لکھنا پڑھنا سکھانے کی کوشش کرتے رہے تھے مگر ہمارے استاد کر ... [illegible] ... شعیب کا منشا تھا کہ فرحین کو گھر پر مناسب تیاری کے بعد نئے تعلیمی سال کے آغاز پر کسی معیاری انگریزی درسگاہ میں داخل کرا دیا جائے۔ ہمارے ٹیوٹر نے فرحین کو دو چار روز پڑھانے کے بعد اس کے بارے میں اپنی اس رائے کا اظہار کر دیا تھا کہ بلحاظ ذہانت وہ اپنی ہم سن لڑکیوں سے کسی طور کمتر نہ تھی۔

بھیا پہلے کی طرح اب بھی ڈاکٹر شعیب کے کلینک میں کام کرنا چاہتے تھے مگر انہوں نے بھیا کو منع کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اب بھیا کے لئے سب سے اہم کام اور مصروفیت ان کی تعلیم تھی۔ میں بہرحال امورِ خانہ داری میں بدستور ماسی اللہ رکھی کی معاونت کرتی تھی لیکن اب اس گھر کے مختلف امور انجام دیتے ہوئے مجھے پہلے کی طرح اجنبیت' غیریت یا تکلف کا احساس نہ ہوتا بلکہ یوں لگتا جیسے ڈاکٹر شعیب کا گھر ہمارا اپنا گھر ہے اور ہم ہمیشہ سے وہیں رہتے بستے چلے آ رہے تھے۔

ڈاکٹر شعیب اکثر کہتے۔ "تم لوگوں کے آجانے سے میرے گھر میں بہار آ گئی ہے۔"

اور میں اکثر خدا کا شکر ادا کرتی کہ اس نے ہمیں ڈاکٹر شعیب جیسے ہمدرد اور مہربان

... سائے میں پہنچا دیا تھا ورنہ کون جانے ہم کہاں اور کن حالات میں ہوتے؟

ڈاکٹر شعیب کا یہ احسان تو مجھے تا عمر اُن کا مشکور و ممنون رکھنے کے لئے بہت تھا کہ ... فرحین کو موت کے منہ سے بچا لیا تھا۔ جب میں فرحین کو ہنستے مسکراتے اور ... دیکھتی تو مجھے یوں لگتا جیسے اس کا یہ ہنسنا مسکرانا خدا کی ذات کے بعد ڈاکٹر ... کا رہینِ منت تھا۔

یوں تو ڈاکٹر شعیب ہم تینوں پر ہی بہت مہربان تھے لیکن فرحین پر ان کی نظرِ عنایت ... کرتی تھی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ فرحین سے اولاد کی طرح پیار کرتے تھے۔ ... عرصے میں انہوں نے اس کے لئے ڈھیروں ایسی آسائشیں فراہم کر دی تھیں ... فرحین کی عمر کی کوئی لڑکی تمنا کر سکتی تھی۔ ڈاکٹر شعیب کی اس محبت اور مہربانی کے ... کے طور پر فرحین ان کی ایسی گرویدہ ہو گئی تھی کہ بھیا اکثر مجھ سے کہتے۔ "زری' ... فرحین ہم سے زیادہ ڈاکٹر صاحب کی بن گئی ہے۔"

"وہ بھی تو اس سے کتنا پیار کرتے ہیں!" میرا جواب ہوتا۔

ڈاکٹر شعیب کی خواہش پر فرحین انہیں "بابا" کہنے لگی تھی۔ اس کا ڈاکٹر شعیب کو ... شروع میں تو کچھ عجیب سا لگا تھا مگر رفتہ رفتہ اس کی زبان سے ڈاکٹر شعیب ... ادا ہونے والا یہ لفظ بہت بھلا محسوس ہونے لگا۔

ڈاکٹر شعیب کہتے۔ "خدا نے مجھے گڑیا بیٹی دے دی ہے۔"

... فرحین سی ہی گڑیا تھی۔

... ننھی منی گڑیا جس کا چہرہ بلا کا معصوم اور دلفریب تھا مگر جس کا جسم اس کے سر کی ... میں نہ تھا۔

طویل عرصہ تک ایک کمرے میں بند رہنے اور متوازن غذا' دھوپ' روشنی اور تازہ ... محرومی کے باعث فرحین کے جسم کی مناسب نشوونما نہ ہو سکی تھی' اس کا سر تو بڑا ... سر کے مقابلے میں جسم بہت کمزور رہ گیا تھا۔ بروقت علاج اور مناسب توجہ نے ... موت کے منہ سے تو بچا لیا تھا' سنکھیا کے اثرات بھی زائل ہو گئے تھے مگر حیاتین ... مسلسل استعمال کے باوجود اس کے سر اور دھڑ میں ہم آہنگی اور توازن پیدا نہ ہو پا رہا ... طویل مدت تک متوازن غذا' دھوپ' روشنی اور تازہ ہوا سے محرومی کے اثرات اس ... جسم میں یوں پنجے گاڑ کر بیٹھ گئے تھے کہ اس کے چہرے کی دلفریبی اور خوبصورتی کو ... گہنا گیا تھا۔

فرحین کو دیکھ کر میں اکثر سوچتی کہ اگر اس کا سر اور دھڑ غیر متوازن نہ ہوتے تو وہ

کتنی خوبصورت لڑکی ہوتی۔ اپنی موجودہ ہیئت میں تو وہ ابنارمل سی لگتی تھی۔ ہم تو فر[illegible] کی اس ہیئت کے عادی ہو گئے تھے مگر گھر سے باہر اجنبی لوگ اس کی غیر متوازن [illegible] باعث اسے اپنی استہزائیہ مسکراہٹوں اور استعجابیہ نگاہوں کا مرکز بنا لیتے۔ ڈاکٹر شعیب [illegible] اسپتال میں فرحین کے معالجین کی فرحین کی ہیئت کے بارے میں رائے یہ تھی کہ [illegible] گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حالت میں بہتری کے امکانات بھی ہو سکتے تھے اور [illegible] بھی۔ فی الحال تو یہ عدم توازن ایک المیہ ہی تھا۔

فرحین کی اس حالت کی تمام تر ذمہ داری ممی پر تھی۔ اگر وہ ہمیں اس زنداں [illegible] قید نہ رکھتیں' ہم پر دھوپ' روشنی اور تازہ ہوا بند نہ کر دیتیں تو فرحین کی جسمانی [illegible] نما کیوں متاثر ہوتی' اس کی ہیئت کیوں بگڑتی؟ اس کا جسم اس قدر نحیف و نزار کیوں [illegible] اور کیوں اس کے دلکش چہرے سے میل نہ کھاتا؟

ممی نے تو خود غرضی اور بے رحمی کی انتہا کر دی تھی۔ اپنی خوشیوں کی خاطر ا[illegible] نے ہمیں' ہم جو ان کے جگر گوشے تھے' زہر دینے سے گریز نہ کیا تھا۔

"ممی! خدا کرے آپ سے آپ کا حسن' جوانی' تندرستی' دولت اور آپ کا [illegible] شوہر سب کچھ چھن جائے۔" میں اپنے آنسوؤں کو اپنے دل میں اتارتے ہوئے [illegible] بددعا دیتی۔

قسمت ہم پر مہربان ہو گئی تھی۔ زندگی نے تین سال' چار ماہ اور سولہ دن تک [illegible] سے نظر یہ بھی [illegible] کر دی تھی۔ ہم خوش تھے۔ [illegible] عرصے تک محبوس ماحول میں گھٹ گھٹ کر سسکنے کے بعد کھلی فضاؤں میں سانس [illegible] تجربہ بہت جاں افزا تھا۔

ڈاکٹر شعیب کے گھر میں ہم کچھ اس طور رہ رہے تھے جیسے ہمیشہ سے اسی گھر [illegible] رہتے آئے تھے۔ ان کے گھر میں بہت فارغ البالی تھی۔ اشیائے خورد و نوش ہمہ وقت بافراط موجود رہتیں۔ ڈاکٹر شعیب ہمارا بہت خیال رکھتے۔ دو تین مرتبہ اپنے ہمراہ [illegible] کر انہوں نے ہمیں کھلے دل سے شاپنگ کرائی تھی۔ عمدہ ملبوسات' چپلیں' سینڈل' [illegible] جیولری' کاسمیٹکس' فرحین کو انہوں نے اس کی پسند کے متعدد بیش قیمت کھلونے خرید [illegible] دیئے تھے۔ نہ وہ ان سے فرمائش کرتے ہوئے جھجکتی نہ ان سے شرماتی۔ جب وہ گھر [illegible] ہوتے تو "پاپا" کی گردان کیے جاتی۔ ڈاکٹر شعیب اسے انتہائی عزیز رکھتے۔

اس فارغ البالی اور آسائشوں کی فراوانی سے قطع نظر ڈاکٹر شعیب کے گھر [illegible] تحفظ اور امان کا ایک اطمینان بخش احساس میسر تھا۔ شاید ہم کہیں اور ہوتے تو خود [illegible]

[illegible] اور مسرور محسوس نہ کرتے مگر......... کبھی کبھی نہ جانے کون سے نہاں [illegible] جانے کیوں ٹیسیں اٹھنے لگتیں۔ میں اس دکھ کو کوئی نام نہ دے پاتی۔ دیارِ دل [illegible] چھا جاتا اور درد کی گھنگھور گھٹائیں اکثر رات کی تاریکی میں چھم چھم برس کر [illegible] کو بھگو دیتیں۔

[illegible] شعیب کے ہاں آئے ہمیں چار ماہ گزر چکے تھے۔ گھر پر ہماری پڑھائی کا سلسلہ [illegible] جاری تھا۔

[illegible] ماہ کے آغاز میں ڈاکٹر شعیب نے ہمیں قانونی طریقے سے اپنی سرپرستی میں [illegible] لئے اپنے وکیل کے توسط سے عدالت میں درخواست گزار دی تھی۔ ان کی [illegible] کے ساتھ ڈیڈی کی موت کے صداقت نامے کی مصدقہ نقل بھی پیش کی گئی [illegible] اور پنجاب سے بیک وقت شائع ہونے والے ایک معروف اخبار میں پہلے [illegible] کے وکیل کی جانب سے ایک اطلاعی نوٹس شائع کرایا گیا جس کا لبِ لباب یہ تھا [illegible] وکیل کے موکل یعنی ڈاکٹر شعیب نے ہم تینوں کو بذریعہ عدالت اپنی قانونی [illegible] میں لینے کے لئے عدالت میں درخواست گزاری تھی۔ اس ضمن میں کسی کے [illegible] ہونے کی صورت میں اسے متعلقہ عدالت سے رجوع کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔

[illegible] ازاں متعلقہ عدالت کی جانب سے ایک اطلاع بذریعہ اخبارات مشتہر کی گئی۔ [illegible] ڈاکٹر شعیب کی درخواست کا حوالہ دیتے ہوئے اس درخواست پر اعتراض [illegible] والوں کو مخصوص مقررہ مدت کے دوران عدالت میں اپنا اعتراض داخل کرنے کی [illegible] کی تھی۔ بصورتِ دیگر ہم تینوں کو درخواست گزار کی سرپرستی میں دے دینے کا [illegible] ظاہر کیا تھا۔

اطلاع عام کے ان نوٹسوں میں ہم تینوں کے مکمل نام مع ولدیت اور ہمارا سابقہ [illegible] بھی شائع کیا گیا تھا۔ ممی کے بارے میں ان نوٹسوں میں کچھ نہیں لکھا گیا تھا تاہم [illegible] کوئی ایسا ابہام نہ چھوڑا گیا تھا جس کی بنا پر ان کے لئے یہ سمجھنا دشوار ہوتا کہ وہ [illegible] جن کو ڈاکٹر شعیب اپنی قانونی سرپرستی میں لینا چاہتے تھے' ان کی اولاد نہیں کسی [illegible] بچے تھے۔

[illegible] اخبار میں اطلاعِ عام کے وہ دونوں نوٹس شائع ہوئے وہ ہم نے نانی جان کے [illegible] دیکھا تھا۔ ایک دو مرتبہ ممی اخبار ہاتھ میں لئے لئے ہمارے کمرے میں آئی تھیں [illegible] طرح ہمیں معلوم تھا کہ نانی جان کے ہاں وہ اخبار پڑھا جاتا تھا۔

[illegible] عدالت نے ڈاکٹر شعیب کی درخواست پر اعتراض کرنے والوں کو اپنا اعتراض

عدالت میں داخل کرانے کے لئے جو مدت مقرر کی اسی کے دوران اسکولوں میں داخلوں کا موسم شروع ہو گیا۔ بھیا کو اسی پرائیویٹ سکول میں داخلہ مل گیا جس میں ڈاکٹر شعیب ان کے داخلے کی بات کر رکھی تھی۔ انہیں دسویں جماعت میں بیٹھنے کی اجازت مل گئی تھی اس شرط کے تحت کہ اگر وہ سہ ماہی امتحان میں پاس نہ ہوئے تو انہیں نویں جماعت میں اتار دیا جائے گا۔ فرحین کو ٹیوٹر نے اتنی محنت اور دلجمی سے پڑھایا کہ اسے [illegible] جماعت میں داخلہ مل گیا۔ میں گھر پر ہی پڑھ رہی تھی اور پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے نویں جماعت کا بورڈ کا امتحان دینے کی خواہاں تھی۔ ٹیوٹر کی رائے میرے بارے میں خاصی اطمینان بخش تھی اور ٹیوٹر کے بارے میں ہماری رائے بہت مستحکم۔ ان کے لائق اور محنتی ہونے میں کلام نہ تھا۔ ہمیں پڑھانے کے عوض ڈاکٹر شعیب انہیں خاصا معقول ماہانہ مشاہرہ دے رہے تھے۔

کتنی عجیب بات تھی کہ اپنے غیر بن گئے تھے اور غیر اپنوں سے بڑھ کر مہربان اور مخلص ثابت ہو رہے تھے!

بھیا اور فرحین کو اسکول میں داخل ہوئے چند ہی دن گزرے تھے اور ابھی عدالت کی مقرر کردہ مدت پوری نہ ہوئی تھی کہ ایک روز اخبار میں چھپی ایک تصویر نے مجھے دم بخود کر دیا۔ وہ لاہور میں منعقدہ ایک استقبالیہ تقریب کی تصویر تھی جو تصویر کے نیچے درج کیپشن کے مطابق' ایڈووکیٹ علی ضیاء اور بیگم علی ضیاء نے لاہور میں اپنی قیامگاہ پر ایک معروف [illegible] میں دی تھی۔

تو ممی کا جوان العمر شوہر ایک قانون دان تھا جس کی قیامگاہ لاہور میں تھی....... غالباً مستقل قیامگاہ۔

اس تصویر سے یہ بات تو ثابت ہو گئی تھی کہ ممی بیرون ملک سے واپس آ چکی تھیں۔ ڈاکٹر شعیب کی درخواست پر عدالت میں اعتراض جمع کرانے کے لئے عدالت کی مقررہ مدت ختم ہونے میں تھوڑے ہی دن باقی تھے' دیکھنا یہ تھا کہ ممی آتی ہیں یا نہیں؟ اگرچہ مجھے یقین تھا کہ ممی نہیں آئیں گی مگر بڑی عجیب بات یہ تھی کہ اس یقین کے باوجود میرے دل کے کسی نہاں خانے میں کہیں یہ خواہش ضرور دھڑک رہی تھی کہ کاش ممی آ جائیں اور ہم معتبر قرار پا جائیں۔

نہ جانے ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے ہم نفرت کرنا چاہتے ہیں' ان کی یادیں اس قدر ڈھٹائی سے ہمارے دل میں دھرنا دے کر بیٹھ جاتی ہیں کہ ہم چاہیں بھی تو ان

نکال نہیں سکتے۔

☆-------☆-------☆

ڈاکٹر شعیب کی درخواست پر عدالت میں اعتراض داخل کرانے کی مقررہ مدت [illegible] کے بعد جب ہم تینوں ڈاکٹر شعیب کے ساتھ عدالت گئے تو میرا دل متضاد کیفیات کا شکار تھا۔ کبھی میں سوچتی' خدا کرے ممی نہ آئیں اور کبھی دل کے نہاں خانوں میں [illegible] کہتی' خدا کرے ممی آ جائیں!

بھیا کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ ان کا دل تو فقط ایک ہی راگ الاپ رہا ہو گا اور [illegible] ممی ہم سے رشتہ جتانے' ہمیں اپنا کہنے' اپنے سینے سے لگانے اور اپنے ساتھ لے [illegible] آ پہنچیں مگر ان کے چہرے کے تاثرات سے عیاں تھا کہ میری طرح انہیں بھی [illegible] تھا کہ ممی نہیں آئیں گی۔

عدالت کا وقت ختم ہونے تک ہم نے ممی کا انتظار کیا۔ ہم پر اضطرابی کیفیت طاری [illegible] بھیا اور میں ڈاکٹر شعیب اور ان کے وکیل کے ساتھ عدالت کی راہداری میں سنگی [illegible] بیٹھے پُرامید نگاہوں سے بار بار اس زینے کی طرف دیکھا کئے جس سے لوگوں کی [illegible] پر آمدورفت جاری تھی۔ ہم دیکھتے رہے......... دیکھتے رہے......... انتظار [illegible] رہے......... کرتے رہے......... یہاں تک کہ ہماری آنکھیں پتھرانے لگیں اور [illegible] ہمارے حلق کی پرتیں چٹخنے لگیں۔ فرحین میرے پہلو میں بیٹھی قدرے خائف [illegible] آنے جانے والوں کو [illegible] رہی۔

آخر عدالت کا وقت ختم ہو گیا' اور ممی نہیں آئیں۔ انہیں آنا ہوتا تو وہ ہم سے [illegible] چھڑانے کی کوشش کیوں کرتیں؟ ہم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ہمیں سنکھیا [illegible] دیتیں؟

ضروری کارروائی کے بعد عدالت نے ڈاکٹر شعیب کو ان کی خواہش اور ہماری [illegible] کے مطابق ہمارا سرپرست قرار دے دیا۔

اس روز میں بھیا کے شانے پر سر رکھ کر بہت روئی۔ بھیا کی اپنی آنکھیں بھی سرخ [illegible] تھیں مگر وہ اپنے آنسوؤں پر پہرے بٹھائے مجھے تھپکتے اور دلاسے دیتے رہے۔

اس رات جب میں ڈاکٹر شعیب کے گھر میں اپنے اور فرحین کے مشترکہ کمرے میں [illegible] بستر پر لیٹی تو میری آنکھوں سے بے اختیار اشک جاری ہو گئے۔ میں اتنا روئی' اتنا [illegible] کہ میرا تکیہ بھیگ گیا۔ اس رات مجھے ڈیڈی بہت یاد آئے۔ مجھے اپنا وہ گھر بھی یاد آیا [illegible] ہم ڈیڈی اور ممی کے ساتھ ہنسی خوشی رہا کرتے تھے۔ مجھے وہ سب کچھ یاد آیا جو

ان دنوں ممی ہمارے لئے بے حد محبت کیا کرتی تھیں۔ کتنے خوش ہوا کرتے تھے ہم! اور [illegible] مہربان ہوا کرتی تھیں ممی ہم پر! صبح سے شام تک امورِ خانہ داری اور ہماری سیوا [illegible] مصروف رہا کرتی تھیں، تاہم شام ہوتے ہی وہ ڈیڈی کے لئے سج دھج جایا کرتی تھیں۔ [illegible] دنوں وہ ڈیڈی کی ہوا کرتی تھیں یا پھر ہماری!

اس شب کی تنہائی اور تاریکی میں مجھے حارث بھی بہت یاد آیا اور میرا سینہ درد [illegible] پھٹنے لگا۔ معصوم حارث نے ہی تو مجھے ممتا کے جذبے سے آشنا کیا تھا۔ بھیا سے چوری چوری وہ کیسے چپکے چپکے مجھے "مما" کہا کرتا تھا، جب وہ مجھے مما کہتا تو مجھے یوں محسوس [illegible] کرتا تھا جیسے میں سچ مچ اس کی ماں ہی ہوں۔

حارث یاد آیا تو میرے سینے میں جوالا مکھی سا پکنے لگا۔ میرے آنسو تھم گئے اور میں تشنجی کیفیت سے دوچار ہو کر ممی سے انتقام لینے کے لئے سوچنے لگی۔ ممی نے ہمیں حروفِ غلط سمجھ کر اپنی کتابِ زندگی سے حذف کر دینے کی کوشش کی تھی نا! میں نے [illegible] کرلیا کہ میں انہیں ساری زندگی اپنے اور اپنے بھائی بہن کے وجود کا احساس دلا کر خائف رکھوں گی۔

عیدالفطر کا تہوار نزدیک تھا۔ سوئے اتفاق نانی جان کے گھر کا پتہ ہمارے پاس موجود تھا۔ نانی جان کے گھر سے فرار ہونے کی تیاریوں کے دوران جس سوٹ کیس کی چوری [illegible] میں ہمیں ڈیڈی کی موت اور اپنی پیدائش کے صداقت نامے ملے تھے، اسی میں سے ہمیں [illegible] کے جواب میں انہیں ارسال کئے تھے۔ لفافوں کی پشت پر مکتوب نگار یعنی نانی جان کا پتہ بھی درج تھا۔

عید سے چند روز قبل ڈاکٹر شعیب ہم تینوں کو عید کی خریداری کرانے بازار [illegible] گئے تو میں نے ایک عید کارڈ بھی خریدا۔

"یہ کس کے لئے خریدا ہے؟" بھیا نے پوچھا۔

"اپنے لئے!" میں نے کہا۔

"اپنے لئے؟" وہ حیرانی سے بولے۔

"ہاں، اپنے لئے۔" میں نے جواب دیا۔

بھیا مجھے یوں دیکھنے لگے جیسے انہیں میری دماغی صحت پر شبہ ہو۔

"جناب!" میں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کوئی عید کارڈ [illegible] والا تو ہے نہیں اس لئے میں خود ہی اپنے آپ کو عید کارڈ ارسال کروں گی۔"

"مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہو!" بھیا نے مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھتے [illegible]

"نہیں تو۔" مسکرانے کی کوشش میں میری آنکھوں کے کنارے نم ہو گئے۔

اس کے بعد علیحدگی میں بھیا نے مجھے سمجھایا۔ "دیکھو، انہیں کارڈ بھیجنے کی حماقت [illegible]"

"کنہیں؟" میں بھیا کا مطلب سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گئی۔

"ممی کو۔" وہ مجھ سے نظریں چرا کر بولے۔

"آپ اطمینان رکھئے میں کوئی حماقت نہیں کروں گی۔"

میں نے غلط نہیں کہا تھا نہ ہی جھوٹ بولا تھا۔ ممی کو کارڈ ارسال کرنے کو میں حماقت [illegible] انتقام لینے کی پہلی قسط سمجھ رہی تھی۔

بھیا سے چھپا کر ممی کو ارسال کئے جانے والے کارڈ پر میں نے لکھا۔ "ان چار میں [illegible] کی جانب سے جن میں سے ایک کو آپ ایک روز باقی تین سے دور کہیں لے [illegible] اور پھر واپس نہیں لائیں۔"

میں اپنی چشم تصور سے ممی کو، اس کارڈ پر درج تحریر کو پڑھ کر خائف ہوتے دیکھ [illegible]

☆------☆------☆

[illegible] وقت [illegible] اپنے پروں پر [illegible] اڑان پر تھا اور اس قدر تیز رفتاری سے [illegible] حیرانی ہوتی تھی۔

ڈاکٹر شعیب کے گھر رہتے ہمیں چوتھا برس تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کل ہی کی تو بات [illegible] ہم ماسی اللہ رکھی کے ہمراہ پہلی بار اس گھر میں آئے تھے اور میں نے گھر کے دروازے سے اندر داخل ہو کر ماسی اللہ رکھی کی معیت میں برآمدے کی جانب پیش [illegible] کرتے ہوئے آرام کرسی پر نیم دراز ڈاکٹر شعیب کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ لاغر و نڈھال [illegible] کو میں نے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا اور اس کا سر میرے شانے پر دھرا تھا۔ دکھ اور خوف میری روح میں پنجے گاڑے بیٹھے تھے اور بے یار و مددگار ہونے کے [illegible] نے میرے دل کو اپنی مٹھی میں جکڑ رکھا تھا۔ زمین سناٹوں میں ڈوبی اور آسمان [illegible] کا مسکن دکھائی دیتا تھا۔ زندگی بہت بے رنگ اور بے کیف سی محسوس ہوتی تھی، [illegible] اور عدم تحفظ کے احساس نے ہمیں خائف کر رکھا تھا۔

مگر اب!

اب ویسا نہیں تھا' نہ تو ہم خود کو بے یار و مددگار اور بے آسرا محسوس کرتے
نہ زندگی بے رنگ اور بے کیف سی محسوس ہوتی تھی۔ وحشت اور عدم تحفظ کا
بھی دل سے اپنا بوریا بستر سمیٹ کر کہیں رفوچکر ہو چکا تھا۔ مایوسی اور خوف نے ا
چھوڑ دیئے تھے البتہ ممی کی بے مروتی کا دکھ میری روح میں ہنوز پنجے گاڑے بیٹھا تھا۔

خدا کی مہربانی کے طفیل ہمیں ڈاکٹر شعیب کے گھر میں نہ صرف پناہ ملی تھی بلکہ
سب کچھ بھی میسر آ گیا جو ہمیں ڈیڈی کی زندگی میں میسر تھا اور ہوتا یا جس کی ہم
زندگی میں تمنا کر سکتے تھے۔ گھر تھا' گاڑی تھی' نوکر چاکر تھے' آسائشیں تھیں اور ان
سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں ڈاکٹر شعیب کی توجہ' محبت اور اپنائیت حاصل تھی اور ہم اس
گھر میں کچھ اس طور رہ رہے تھے جیسا وہ ہمارا گھر تو تھا۔

میں نے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے آرٹس گروپ میں دسویں جماعت
امتحان پاس کر لیا تھا اور ایک مقامی گرلز کالج میں پڑھ رہی تھی۔ کالج میں میرے اختیاری
مضامین میں نفسیات بھی شامل تھی۔

بھیا نے میٹرک میں فرسٹ ڈویژن لی تھی۔ انٹر بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا تھا۔
اب میڈیکل کالج میں داخلے کا مرحلہ درپیش تھا۔ انٹر میں ان کا نتیجہ بہت اچھا رہا تھا
جب میڈیکل کالج میں داخلے کا مرحلہ آیا تو بہ شمول ڈاکٹر شعیب کے بھیا کے کالج
اساتذہ اور ساتھیوں نے بھی انہیں نہ صرف جامشورو بلکہ کراچی کے میڈیکل کالج میں بھی
داخلے کی درخواست جمع کرانے کا مشورہ دیا۔ [illegible]
ڈاکٹر شعیب کی غیر موجودگی میں مجھ سے کہا۔ "سب لوگوں کا مشورہ یہ ہے کہ مجھے داخلے
کے لئے کراچی میں بھی اپلائی کرنا چاہئے مگر............"

"مگر کیا؟"

"میں اُلجھ رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

بھیا نے ذرا کی ذرا کچھ اس طرح میری جانب دیکھا جیسے یہ سوچ رہے ہوں کہ
انہیں اس سے آگے مجھ سے بات کرنی چاہئے یا نہیں پھر بولے۔ "تمہیں اور فرحین کو
یہاں اکیلا چھوڑ کر میں دوسرے شہر کیونکر جا سکتا ہوں؟"

میں مسکرا دی اور میں نے کہا۔ "ہم اکیلے کب ہوں گے بھیا' یہاں سب تو ہیں۔
سب سے بڑی بات تو یہ کہ ڈاکٹر شعیب ہیں جو ہمارے محسن ہیں اور ہم پر بے حد مہربان
ہیں۔ ان کے ہوتے آپ کو ہماری طرف سے فکر مند ہونے کی بھلا کیا ضرورت؟"

بھیا نے دزدیدہ نظروں سے میری طرف دیکھا پھر بولے۔ "فکر مند ہونے کی
اس لئے ہے کہ ڈاکٹر شعیب لاکھ ہمارے محسن اور ہم پر مہربان سہی مگر بہرحال
اجنبی ہیں۔"

میں نے چونک کر بھیا کی طرف دیکھا۔ یہ کیا کہہ رہے تھے وہ! ڈاکٹر شعیب کو غیر
[illegible] سراسر احسان فراموشی کے زمرے میں آتا تھا۔ ڈاکٹر شعیب سے بڑھ کر ہمارا
[illegible] تھا۔ انہوں نے تو اس وقت ہمیں اپنے سایہ عاطفت میں لیا تھا جب ہماری سگی
[illegible] میں اس طرح خاموشی سے قتل کر دینے کے لئے جال بچھایا تھا کہ اس کے اپنے
[illegible] رہیں اور کوئی ہمارا خون اس کے ہاتھوں پر دیکھنے نہ پائے۔ ڈاکٹر شعیب نے
[illegible] کے دروازے اس وقت ہمارے لئے کھولے جب ہماری اپنی ماں ہم پر زندگی کا
[illegible] کر کے ہمیں دکھ' مایوسی اور وحشت کی اتھاہ تاریکیوں میں سسکتے چھوڑ کر خود
[illegible] خاوند کے ساتھ سیر سپاٹوں کو نکل لی تھی۔ بھیا نے میرا ذہنی مدوجزر بھانپ لیا۔
[illegible] فرحین میری بہنیں ہو اور اس وقت میری سب سے بڑی ذمہ داری تمہی دونوں
[illegible] ڈاکٹر شعیب ہمارے محسن ہیں مگر ان سے ہمارا کوئی ایسا خونی اور حقیقی رشتہ
[illegible] مجھے تمہاری ذمے داری سے بے نیاز کر کے ان پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کر لینے
[illegible] سکے۔ ڈاکٹر شعیب ہم پر کتنے ہی مہربان اور ہمارے محسن ہی کیوں نہ سہی
[illegible] ہیں تو وہ مرد' میں تمہیں ایک غیر مرد کے رحم و کرم پر چھوڑ کر دور کیسے جا سکتا

[illegible] تو یہ مطلب تھا بھیا کا! میں نے اطمینان بھری سانس کھینچی۔ حالات نے بھیا کو
[illegible] ایک دوسرے کے اتنا قریب کر دیا تھا کہ عام حالات میں اس درجہ قربت کا تصور
[illegible] ہوتا۔ دوسرے انسانوں کی طرح ہم دونوں میں سے ہر ایک کو بھی کسی ہمدم اور
[illegible] کی ضرورت تھی اور اپنے مخصوص حالات میں ہم ایک دوسرے کے رازداں بن
[illegible] فرحین ابھی چھوٹی تھی اور چھوٹی سی عمر میں اتنے دُکھ سہہ چکی تھی کہ اب اس
[illegible] بوجھ ڈالنا اس کی جان کے درپے ہونے کے مترادف ہوتا۔ ظالم زندگی اسے اس کی
[illegible] عمر میں اتنی بہت سی تلخیوں کا زہراب پلا چکی تھی کہ اب اسے ایک گھونٹ اور
[illegible] اس کے حق میں سم قاتل ثابت ہو سکتا تھا۔ کبھی بھولے سے بھی وہ اس زنداں
[illegible] اذیت یا حادثہ کو یاد کرنے کی کوشش کرتی تو ہم اس کا دھیان بٹانے کو اِدھر اُدھر
[illegible] کرنے لگتے تھے۔ بھیا اور میں اسے اپنے مسائل اور مجبوریوں سے دور رکھنے کی
[illegible] کوشش کرتے۔ اس کے ساتھ ہمارا رویہ کم و بیش ویسا ہی تھا جیسا والدین کا

اکلوتی اور چہیتی اولاد کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ ان حالات میں بھیا اور میں ہی ایک دوسرے کے رازدار اور غمگسار تھے۔ ہمارے درمیان رابطے کے لئے کسی تیسرے فرد کی عدم موجودگی بسا اوقات ہمیں انتہائی نازک معاملات و مسائل پر بھی ایک دوسرے سے براہ راست بات چیت پر مجبور کر دیتی تھی۔ کم و بیش ایسے ہی جیسے کہ میڈیکل کالج میں داخلے کے موقع پر بھیا کے استحقاق کے باوجود ان کے کراچی کے مشہور و معروف میڈیکل کالج میں داخلہ لینے سے متردد ہو... ہوا تھا۔

"بھیا! آپ ڈاکٹر شعیب پر نہ سہی مگر مجھ پر تو آنکھ بند کر کے بھروسہ کر سکتے ہیں نا؟" میں نے بھیا سے کہا۔

"تم ابھی اتنی بڑی نہیں ہو۔" بھیا نے لفظ "اتنی" کی ادائیگی قدرے معنی خیز انداز میں کی۔

"میں اس سے بھی بڑی ہوں۔" میں نے بھیا سے بھی زیادہ معنی خیز انداز میں کہا۔ بھیا قدرے بے یقینی سے مجھے ٹکر ٹکر دیکھنے لگے۔

"بھیا۔" میں نے دھیرے سے کہا۔ "اول تو ڈاکٹر شعیب مجھ سے کم از کم ... سال بڑے ہیں، دوسرے وہ شریف آدمی ہیں، تیسرے ہماری زندگی کی تلخیوں اور دکھوں نے ہمیں ہماری طبعی عمروں سے کہیں آگے شعور و آگہی کی منزل پر لے جا کھڑا کیا ہے اور ... ان تمام باتوں سے زیادہ اہم اور بنیادی بات یہ کہ ممی نے ہمارے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے اس کے بعد میں کسی بھی انسان پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لینے کی ہمت ساری زندگی نہ کرپاؤں گی؟" یک بیک میرا جی بھر آیا اور میں نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "کس قدر اعتبار کیا کرتے تھے ہم ممی کا! ہم سمجھتے تھے کہ ساری دنیا جھوٹ بول سکتی ہے مگر ہماری ممی کے، ہمارا ایمان تھا کہ جب تک ممی ہمارے ساتھ ہیں ہم ہر مصیبت، ہر دکھ، ہر آزمائش سے محفوظ ہیں، ممی ہمارے بدلے کا ہر دکھ، ہر مصیبت، ہر آزمائش سہنے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔ ممی کا ہاتھ ہمیں ہر دکھ، ہر مصیبت، ہر آفت، ہر صعوبت سے بچا سکتا ہے۔ ممی کے ہوتے ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ کیا خبر تھی کہ خود ممی ہی ہمیں ایسا گزند پہنچائیں گی کہ ان کے دیئے ہوئے زخم ساری زندگی نہ بھر سکیں گے۔" میری آواز بتدریج بھراتی چلی گئی، یہاں تک کہ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

بھیا مجھے تسلی دینے کی خاطر دھیرے دھیرے میرا شانہ تھپتھپانے لگے۔

"اوہ ممی!" میں نے دانت بھینچتے ہوئے سوچا۔ "یہ آپ نے کیا ظلم کیا ہمارے ساتھ

انسانوں پر ہمارا اعتماد اس حد تک متزلزل کر کے رکھ دیا کہ میں ڈاکٹر شعیب جیسے محسن کے ہوتے بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ کسی بھی انسان پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لینے کی ہمت ساری زندگی نہ کرپاؤں گی۔"

کاش ممی دیکھ سکتیں کہ ان کے ظلم نے انسانوں پر ہمارے اعتماد کو کس قدر پارہ پارہ کر دیا تھا، اور اس المئے کا نتیجہ یہ تھا کہ اسکول اور کالج کے مجموعہ تین سالہ دورِ طالب علمی میں نہ تو بھیا کسی کو اپنا دوست بنانے کی ہمت کر سکے تھے اور نہ میں کالج میں داخلہ کے بعد سے اس وقت تک اپنی کسی ہم جماعت کو اپنا دوست بنا سکی تھی اور ایسا غالباً اس لئے تھا کہ ہم اس خیال سے کسی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ دوست بننے کے بعد ہم سے ہماری نجی زندگی کے بارے میں کوئی سوال نہ کر بیٹھے۔

کالج میں داخلہ لینے کے بعد اول دن سے میرا یہ حال تھا کہ میں اپنی ہم جماعتوں اور استادوں سے نظریں ملاتے ڈرتی تھی، مجھے یوں لگتا جیسے میں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ میری نظروں سے میرے اندر چھپے راز تاڑ لیں گی۔ وہ جان لیں گی کہ میں اپنی زندگی کے تیرہ سو دن ایک زنداں میں جھونک آئی تھی، میں اپنی ہم مکتبوں سے دور دور اس لئے رہتی تھی کہ کہیں وہ مجھ سے میری ماں کے بارے میں کوئی سوال نہ کر بیٹھیں، کہیں یہ پوچھ بیٹھیں کہ ہر صبح جو شخص مجھے گاڑی میں کالج چھوڑنے اور دوپہر کو گھر واپس لانے کے لئے آتا ہے اس سے میرا کیا رشتہ تھا؟

رہی بے چاری فرحین تو باوجودیکہ ہم اسے اپنے مسائل سے حتی الامکان لاعلم رکھنے کی کوشش کرتے تھے مگر اس کی اپنی ہیئت اس کے لئے ایک گھمبیر اور انتہائی پیچیدہ مسئلہ بن گئی تھی۔ طویل عرصے تک دھوپ، روشنی، تازہ ہوا اور متوازن غذا سے محرومی اور اس پر مستزاد سنکھیا خورانی نے اس کی صحت اور ہیئت کو جس بری طرح بگاڑ دیا تھا اس کے سبب وہ اپنے اسکول میں اول دن ہی تماشا بن گئی تھی۔ نتیجتاً اس نے اسکول جانے سے صاف انکار کر دیا تھا مگر پھر ڈاکٹر شعیب، بھیا اور میں نے اسے بہت سمجھایا۔ نہ صرف یہ بلکہ ڈاکٹر شعیب نے اس کی پرنسپل اور کلاس ٹیچر سے مل کر ان سے ذاتی طور پر درخواست کی کہ وہ فرحین کو اس کی ہم مکتبوں اور ہم جماعتوں کے لئے عجوبہ بننے سے بچائیں۔

ہم سب کی مشترکہ اور بروقت کوششوں کے باعث اسکول سے فرحین کا تعلق اس کے کالج کی طرح ٹوٹنے نہ پایا تاہم اس کا مسئلہ کاملاً حل نہ ہو پایا۔ آئے دن وہ اس شکایت کے ساتھ اسکول سے گھر لوٹتی کہ اسکول کی فلاں لڑکی نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

بے چاری بچی!

اس کا چہرہ اگر اس کے چھوٹے اور دبلے پتلے جسم سے علیحدہ کر کے دیکھا جا
پیارا اور معصوم تھا لیکن غیر متوازن جسم نے اس کی خوبصورتی کو مار کے رکھ دیا تھا
ہنگم ہونے کا احساس فرحین کی عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی بڑی بڑی دلفریب آ
میں اداسی بن کر پھیل گیا تھا۔

"باجی! کیا میں بہت بری لگتی ہوں؟" وہ اکثر مجھ سے پوچھتی۔

"ارے نہیں میری جان' تم تو اتنی پیاری' اتنی خوبصورت ہو کہ میری نظر میں
کی کوئی اور لڑکی خوبصورتی میں تمہارا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی۔" میں کبھی اس کا سر
اس کی پیشانی' کبھی اس کا ہاتھ چوم کر جواب دیتی۔

میں غلط تو نہیں کہتی تھی۔ فرحین میرے لئے مرکز قلب و نگاہ تھی۔ میری
تھی۔ میری جان تھی......... بلکہ جان جہان تھی!

"تو پھر اسکول میں سب لڑکیاں میرا مذاق کیوں اڑاتی ہیں؟"

"کیونکہ وہ سب تمہارے پیارے پیارے خوبصورت چہرے سے جلتی ہیں۔"

فرحین کے سوالوں کی صورت بدل جاتی مگر میرے جوابوں کی صورت نہ
مستحکم اور برقرار رہتی۔ وہ ہر مرتبہ پہلے بے یقینی سے میرا جواب سنتی پھر اپنی
مسکراہٹ کے جلو میں یقین کر لیتی۔ اسے مجھ پر ویسا ہی اعتبار تھا جیسا کہ کبھی مجھے
ہوا کرتا تھا!

مگر ممی نے تو ہمارے اعتبار کو اس بری طرح دھوکا دیا تھا کہ ہم منجدھار سے نکل
بھی خود کو منجدھار ہی میں الجھا محسوس کرتے تھے۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ فرحین
سر اور جسم میں ہم آہنگی اور توازن کیونکر پیدا کیا جائے؟ یہ جاننے کے بعد کہ بھیا محض
دونوں بہنوں بالخصوص میری وجہ سے کراچی کے ایسے میڈیکل کالج میں داخلہ لینے
گریزاں تھے جہاں داخلہ مل جانا ہی ایک اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ میں نے انہیں یہ اطمینان
دلایا کہ میں اپنی عمر کی ایک عام لڑکی نسبت اپنا اچھا برا زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتی تھی
خدانخواستہ کوئی برا وقت پڑ جانے پر ممکنہ حد تک اپنا بچاؤ کرنے کی جرأت بھی رکھتی
انہیں جامشورو کے بجائے کراچی میں داخلہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اب یہ اور بات تھی کہ
کرتے وقت مجھے اپنے دل پر ضبط و برداشت کے بند باندھ لینے پڑے۔

اس سے قبل ہم ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوئے تھے۔ جب تک ڈیڈی میاں
رہے' اوپر تلے کے بہن بھائی ہونے کی وجہ سے ہم دونوں خوب خوب چونچیں لڑایا کر

اڈی کی موت کے بعد ہم اپنی ساری شرارتیں اور چونچالیاں بھول گئے تھے' اس
وا تین سال سے زائد عرصے تک چوبیس گھنٹوں کا وہ ساتھ جو ہم سے ممی کی
اری رہی سہی خوشی اور اطمینان بھی چھین لے گیا تھا۔ لمبے عرصے کے اس ساتھ
و اور مجھے درد مشترک کی ایک ایسی ان دیکھی زنجیر میں باندھ دیا تھا جس کے
ں مجھے یقین تھا کہ ہم تا عمر اس اَن دیکھی زنجیر کے حلقے میں رہیں گے اور زندگی
سارے دکھ اور سکھ اکٹھے سہیں گے۔ خوشیوں اور غموں کو باہم مل کر سمیٹیں گے
ین جدائی کے تصور سے ماورا تھا۔

گر اس یقین کے بیچ جدائی آ گئی' خواہ عارضی ہی سہی۔

رے اپنی جان کی قسم دے کر مجبور کر دینے پر بھیا نے کراچی میں داخلہ لے لیا اور
انے کی تیاری کر لی۔ انہیں کراچی پہنچانے کے لئے ڈاکٹر شعیب کی گاڑی میں
ر میں بھی کراچی گئے۔ کراچی جو ہماری جنم بھومی تھی!

ہا کو ان کے ہاسٹل چھوڑ کر جب ہم واپس ہونے لگے تو بھیا نے فرحین کو بہت پیار
ھے ہدایت کی۔ "دیکھو' فرحین کا اور اپنا خیال رکھنا اور مجھے باقاعدگی سے خط

"عارف میاں' تم نے اپنے ہاسٹل کا فون نمبر تو دے ہی دیا ہے ہمیں' تم سے فون پر
رے گی۔ ویک اینڈ پر کبھی تم کبھی ہم آ جایا کریں گے۔"

"فون نمبر تو میں نے ایمرجنسی کے لئے دیا ہے سر! میں نہیں چاہوں گا کہ گھر کے
ل میں میری وجہ سے اضافہ ہو۔"

"بہت بری بات ہے عارف میاں۔" ڈاکٹر شعیب نے بھیا سے شاکی لہجے میں کہا۔

"سوری سر۔" بھیا خفت سے بولے۔ "آپ کی عنایات کا بوجھ پہلے ہی کچھ کم ہے

ڈاکٹر شعیب نے اپنا ہاتھ بھیا کے شانے پر دھر کر کہا۔ "میں تمہاری سرپرستی کا پکا
ں صاحبزادے' میرے پاس جو کچھ ہے اس پر تمہارا قانونی حق ہے۔"

"تھینک یو۔"

"تھینک یو ویلکم یو کے تکلف میں مت پڑو یار۔" ڈاکٹر شعیب بولے' پھر انہوں
ن انداز میں کہا۔ "زریں اور فرحین ہر شام تم سے فون پر بات کیا کریں گی۔"

م نے نم آنکھوں سے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور واپسی کا قصد کیا۔ بھیا کو ان
ل میں چھوڑ کر جب ہم حیدر آباد جانے کے لئے نکلے تو مجھے یوں لگا جیسے میرے دل

پر کسی نے بھاری سل دھر دی ہو۔ عروس البلاد کی سڑکیں اپنی تمام تر رونقوں اور خیزیوں کے باوجود مجھے بے رونق لگ رہی تھیں۔ میں نے اپنے آنسوؤں کو پینے کی کوشش کی اور گاڑی سے باہر پُرہجوم اور پُرشور راستوں کو دیکھتے ہوئے میں کہا' اے شہر کراچی! تُو نے ڈیڈی کو ہم سے چھین کر بڑا ستم کیا تھا ہم پر.......... اپنے بھائی کو تیرے سپرد کر کے جا رہی ہوں' میرے بھائی کا خیال رکھنا' اس کا ... نہ ہونے دینا۔

فرحین اور میں گاڑی کی اگلی نشست پر اس طور بیٹھے تھے کہ فرحین ... ڈاکٹر شعیب کے درمیان تھی۔ ڈاکٹر شعیب نے صدر کے پُررونق بازار میں گاڑی ... کر مجھے اور فرحین کو شاپنگ کروائی حالانکہ میں اتنی دل گرفتہ ہو رہی تھی کہ اس ... شاپنگ کو ذرا جی نہ چاہ رہا تھا مگر اپنے محسن کی خوشی کی خاطر مجھے بادل ناخواستہ ... کرنا پڑی۔ انہوں نے گھر کے لئے بھی چند آرائشی اشیا خریدیں' پھر ہم نے ... کھائی' گھر لے جانے کے لئے کباب اور مٹھائی بندھوائی اور حیدر آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔

تقریباً نصف گھنٹے کا سفر ہی گزرا ہو گا کہ فرحین اونگھنے لگی پھر میری گود میں ... کر سو گئی۔ ڈاکٹر شعیب نے گاڑی کنارے روکی' فرحین کو اگلی نشست سے اٹھا کر ... نشست پر لٹایا پھر دوبارہ اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

... زندگی میں پہلی بار بھیا ... سے جدا ہوئے تھے۔

"اتنی چپ کیوں ہو بھئی؟" ڈاکٹر شعیب نے پوچھا۔

"نہیں.......... نہیں تو۔" بے اختیار میرا جی بھر آیا اور مجھے کسی ایسے شانے کی ضرورت محسوس ہونے لگی جس پر سر دھر کر میں اپنے آنسو بہا سکتی۔

"عارف سے دوری کے خیال سے اداس ہو رہی ہو؟"

میری آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ میری گود میں گرنے لگے۔

انہوں نے ذرا کی ذرا میری طرف دیکھا پھر مجھے دلاسا دیتے ہوئے بولے۔ "تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ بھائی ڈاکٹر بننے گیا ہے اور بقول تمہارے' اس کی دیرینہ آرزو تھی۔"

میرے لبوں کے گوشے پھڑکنے لگے۔ "ہم پہلی بار ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں۔" میں نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔

"عارف کے بہتر نصب العین کی خاطر۔" وہ برجستہ بولے' پھر انہوں نے ...

... کچھ پانے کے لئے تھوڑا بہت دکھ تو جھیلنا ہی پڑتا ہے۔ بھائی کے بہتر مستقبل ... اس کی دوری کا دکھ سہنے کا حوصلہ پیدا کرو' ویسے بھی وہ کون سا ہزاروں میل دور ... تم جب کہو گی میں تمہیں اس سے ملوانے کے لئے لے آیا کروں گا۔"

میری زبان ڈاکٹر شعیب کے احسانات و عنایات کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہی۔ وہ ... میں فرشتہ بن گئے تھے۔ وہ نہ ہوتے تو خدا جانے ہم کہاں ہوتے!

"شروع میں چند دن تک عارف سے یہ دوری تمہیں افسردہ رکھے گی لیکن دھیرے ... تم اس دوری کی عادی ہو جاؤ گی۔" انہوں نے ایک سرد آہ کھینچی۔ "زندگی ایسے ... بڑے سمجھوتوں سے عبارت ہے۔ مجھے دیکھو' گذشتہ کئی برس سے اپنے ... کی جدائی کا صدمہ دل پر لئے بیٹھا ہوں۔ گو اپنے پیاروں کی دائمی جدائی کا تجربہ کچھ ... روز نہیں ہوتا مگر مجھے زندگی کے ہاتھوں اس دکھ کا زہراب چپ چاپ پی لینا پڑا۔ ... تو زندگی عذاب بن جاتی۔ اب عالم یہ ہے کہ روز جیتا ہوں روز مرتا ہوں۔"

ڈاکٹر شعیب نے پہلی بار اپنے دکھ کی بات کی تھی۔

"انہیں کیا ہوا تھا؟" میں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"سنو گی؟"

"جی۔"

ڈاکٹر شعیب نے ایک سرد آہ کھینچی پھر قدرے توقف سے گویا ہوئے۔ "میں اپنے ... کی اکلوتی اولاد تھا۔ میرے والدین میرے بچپن میں ہندوستان سے افریقہ جا بسے تھے۔ میں نے ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی لیکن پھر میرے والد نے جو اپنی ملازمت کے ... میں قریہ قریہ گھومتے پھرتے تھے' مجھے اپنے ایک دوست کے پاس پاکستان بھیج دیا جو کراچی کے ایک معروف اور متمول صنعتکار تھے۔ میں اپنی تعلیم مکمل ہونے تک انہی ... رہا اور اس دوران اپنے والدین سے ملنے کے لئے گاہے گاہے افریقہ جاتا رہا۔ ... بھی میرے والدین بھی میری خبر گیری کے لئے پھیرا لگا لیتے۔

"میرے والد کے دوست کی دو بیٹیاں تھیں جن میں سے بڑی کا نام زہرا تھا' چھوٹی کا ... عذرا تقریباً میری ہم عمر تھی۔ وہ انتہائی خوبصورت لڑکی تھی۔ کالج کے دور میں اس ... اور ...را ساتھ رہا' اور اس ساتھ نے ہمیں محبت کی سنہری زنجیر میں باندھ دیا۔ ہم نے اپنے والدین پر اس باہمی پسندیدگی کا اظہار کرنے میں تامل نہیں کیا اور انہیں کوئی اعتراض ... ہوا۔ اِدھر میں نے ایم بی بی ایس کیا اُدھر عذرا سے میری شادی ہو گئی۔ شادی کے دو ... بعد ہمارے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام زوہیب رکھا گیا۔ زوہیب کی پیدائش کے تقریباً

تین چار ماہ بعد میرے والدین ایک فضائی حادثے میں ہلاک ہو گئے۔

"عذرا میرے لئے بڑی اچھی شریک زندگی ثابت ہوئی۔ اس میں ان گنت خوبیاں
تھیں۔ کمزوری بس ایک ہی تھی اور وہ یہ کہ اسے میرا کسی اور عورت کی طرف
ہونا یا اس سے بات کرنا کسی قیمت پر گوارا نہ تھا جبکہ میرا تعلق ایک ایسے پیشے سے تھا
مجھے خواتین' نرسوں اور ڈاکٹروں سے میل جول اور ہمکلام ہونے پر مجبور رکھتا تھا
میری یہ مجبوری عذرا کو مجھ سے نہ صرف بدگمان رکھتی بلکہ آئے دن وہ مجھ پر
مارنے' میری تلاش میں پہنچ جاتی۔ میں اسے یہ سمجھانے کی لاکھ کوشش کرتا کہ وہ مجھ
شک نہ کیا کرے مگر وہ کسی صورت سمجھ نہ پاتی۔

"عذرا کی مسلسل بدگمانی نے مجھے اتنا زچ کیا کہ میں نے اسے آزار پہنچانے کو ا
اسپتال کی ایک خاتون ڈاکٹر آمنہ سے دوستی کرلی اور عذرا کو محض یہ سبق سکھانے کی خاطر
کہ مرد اگر بے ایمانی پر آمادہ ہو تو دبنگ سے دبنگ عورت بھی اسے باندھ کر نہیں رکھ
سکتی' آمنہ سے اپنا ربط ضبط کافی بڑھالیا اور اس کو شادی کا پیغام دے ڈالا۔

"بدقسمتی سے میرے ایک دوست نے یہ خبر عذرا کو سنا دی' وہ یہ خبر سن کر دیوانی
تو ہو گئی۔ میری جائے کار پر پہنچی' ڈیوٹی روم میں نرس اور وارڈ بوائز کی موجودگی کا لحاظ
کئے بغیر اس نے آمنہ کے بال نوچ ڈالے اور جب میں اس واقعے کی اطلاع پا کر وارڈ
ڈیوٹی روم میں پہنچا تو اس نے میرا گریبان تار تار کر ڈالا۔ اس بے عزتی پر میرا خون کھول
[illegible]
سے چلی گئی اور صرف ڈیڑھ گھنٹے بعد مجھے یہ خبر ملی کہ عذرا نے زوہیب کے ساتھ خودکشی
کرلی۔ اس نے میرے بیٹے کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی۔"

ڈاکٹر شعیب اپنی داستان سنا رہے تھے اور میں چپ چاپ سن رہی تھی۔ سلسلہ
داستان جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "اس واقعے نے مجھے اتنا صدمہ پہنچایا کہ
دن تک تو میں اپنے حواس میں نہ آسکا۔ احساس جرم مجھے کچوکے دیتا۔ میں خود کو ا
بیوی اور بیٹے کا قاتل سمجھتا۔ اسپتال میں عذرا سے میری لڑائی کے ایک دو نہیں کئی
شاہدین تھے اور عذرا چونکہ ایک متمول گھرانے کی بیٹی تھی چنانچہ عذرا کے گھر والوں
اس قصے کو کافی طول دیا اور مجھے تھانہ کچہری تک کھینچ لے گئے۔ میں کافی عرصہ تک اس
چکر میں گرفتار رہا۔ آخر کار میرا چھٹکارا ہو گیا لیکن تھانہ کچہری سے چھٹکارے کے باوجود میں
اس احساس جرم سے چھٹکارا نہ پا سکا جو مجھے مسلسل اذیت دیتا تھا اور اب تک اس احساس
جرم کا شکار ہوں۔ میں خود کو عذرا کا مجرم سمجھتا ہوں اور عذرا اور زوہیب کا قاتل۔"

توقف کیا پھر پچھتاوے سے عبارت لہجے میں بولے۔ "کاش میں نے عذرا کو
نے کی خاطر ڈاکٹر آمنہ سے ربط ضبط بڑھانے کی غلطی نہ کی ہوتی۔"

"ڈاکٹر آمنہ کا کیا بنا؟" میں نے ڈاکٹر شعیب کے خاموش ہو جانے پر پوچھا۔

"وہ نہ صرف اسپتال کی ملازمت بلکہ شہر ہی چھوڑ کر کہیں اور چلی گئی۔"

"آپ نے انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ عذرا اور زوہیب کی موت کے بعد میں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنے آپ کو سزا
لئے میں اپنی باقی زندگی عورت ذات سے دور رہ کر گزار دوں گا۔"

"مگر آپ تو اس بات کے قائل ہیں کہ ہمیں دوسروں کی خطاؤں کو درگزر کر دینا
اور بھلا دینا چاہئے' پھر آپ نے اپنے آپ کو سزا دینے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

انہوں نے اپنے روبرو آویزاں آئینے میں میرے عکس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی
۔ "آدمی دوسروں کی خطاؤں کو تو درگزر کر دیتا ہے اور اکثر بھلا بھی دیتا ہے لیکن
آپ کو معاف کر دینا کچھ آسان نہیں ہوتا۔ انسان کے ضمیر کی خلش اسے چین سے
بیٹھنے دیتی۔"

میں سوچ میں پڑ گئی۔ اگر یہ سچ تھا کہ اپنے آپ کو معاف کر دینا آسان نہیں ہوتا
[illegible]
اخبارات میں آئے دن شائع ہونے والی تصویر میں اتنی بشاش اور مطمئن کیوں نظر آتی

ڈاکٹر شعیب کے ہاں آنے کے بعد سے اس وقت تک میں اخبارات میں چھپی ممی
کی بیسیوں تصویریں دیکھ چکی تھی۔ کبھی محض یک سطری کیپشن کے ساتھ' کبھی یک کالمی یا
والی خبر کے ساتھ! کبھی دوسروں کی میزبان اور کبھی مہمان کے روپ میں! علی ضیاء کا
اور کے نامور قانون دانوں میں ہوتا تھا اور اپنی اس ذاتی حیثیت سے قطع نظر اس کی
دوسری وجہ شہرت اس کا آبائی پس منظر بھی تھا۔

علی ضیاء کا تعلق لاہور کے ایک کھاتے پیتے' علمی و ادبی اور کچھ کچھ سیاسی خاندان
تھا۔ اس کے آبائی پس منظر اور نمایاں ذاتی حیثیت نے ممی کے حسن' جوانی اور دولت
دوآتشہ بنا دیا تھا۔ ہمارے ڈیڈی کی بیوی کی حیثیت سے تو وہ بڑی گمنامی میں رہی
حلقہ احباب محدود تھا اور اس زمانے میں ہمارے ملنے جلنے والوں کو یہی معلوم تھا

کہ ممی کے والدین ہندوستان میں رہا کرتے ہیں۔ ممی کسی کو بھی اپنے والدین اور خاندان کے بارے میں اصل حقیقت نہیں بتاتی تھیں' اور تو اور' ممی نے ہمیں بھی یہی باور کرا رکھا تھا کہ ہمارے نانا اور نانی ہندوستان میں رہا کرتے ہیں۔

گو ممی خوبصورت تو ڈیڈی کے زمانے میں بھی اتنی ہی ہوا کرتی تھیں لیکن اس زمانے میں ان کی سج دھج اور بناؤ سنگھار ذرا دوسرے انداز کا ہوا کرتا تھا۔ وہ صرف اور صرف ہمارے ڈیڈی کے لئے بنا سنورا کرتی تھیں لیکن اب تو ان کی سج دھج کا انداز ہی اور تھا۔ ان کا یہ نیا دو آتشہ روپ ہمارے ڈیڈی کی زندگی میں ان کے گذشتہ روپ سے اس قدر مختلف تھا کہ اخبارات میں ان کی تصویریں دیکھ کر ڈیڈی کے زمانے کے احباب انہیں پہچان بھی نہ پاتے ہوں گے۔ رہی سہی کسر ان کے اپنے نام کے کبھی نہ چھپنے نے پوری ہو جاتی ہوگی' انہیں ہمیشہ بیگم علی ضیاء لکھا جاتا تھا۔

ممی کی تراشیدہ زلفیں' بے پناہ میک اپ' بیش قیمت زیورات' نت نئے فیشن کے ملبوسات اور ان کے غیر معمولی امیرانہ ٹھاٹ باٹ نے انہیں یکسر ہی بدل دیا تھا۔ ہمارے ڈیڈی کے چھوٹے سے گھر میں بسنے والی ان کے چار بچوں کی ماں تو بڑی گمنام سی عورت ہوا کرتی تھی جس کی تمام تر دلچسپی اور مصروفیات اپنے گھر' شوہر اور بچوں سے منسلک تھیں۔ بیگم علی ضیاء تو کبھی کسی عصرانے میں شریک نظر آتیں' کبھی کسی عشائیے میں' کبھی کسی شادی یا ولیمے میں تو کبھی کسی استقبالئے میں' کبھی نجی تقریب میں تو کبھی سرکاری تقریب میں۔ ... [illegible] ... اٹھتے بیٹھتے تھے ... [illegible] کھڑے ہو کر تصویریں کھنچواتی تھیں۔ بیگم علی ضیاء کی حیثیت سے انہیں معاشرے میں ایک اہم مقام ملا ہوا تھا۔ ان کا دلکش حال منظر عام پر تھا اور دوسروں کی نگاہیں خیرہ کر دینے کو بہت تھا۔ ان کا ماضی اس جھلملاتے پردے کی آڑ میں چھپ گیا تھا اور وہ روشنیوں میں ہونے کے باوجود ان کے ماضی پر کوئی روشنی نہ پڑنے پاتی یا شاید کوئی جرأت نہ کر پاتا تھا ان کے ماضی پر روشنی ڈالنے کی!

میں جب بھی اخبار میں ممی یا علی ضیاء کی کوئی تصویر یا ان کی مصروفیت کی بابت کوئی خبر چھپے دیکھتی تو اخبار سے تراشہ نکال کر ایک اسکریپ بک میں چسپاں کر لیتی۔ شروع شروع میں تو بھیا اور ڈاکٹر شعیب اخبار کو کٹا پھٹا دیکھ کر بہت حیران ہوا کرتے تھے لیکن پھر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں اخبار سے کیا تراشتی ہوں۔

ایک روز بھیا نے مجھ سے پوچھا۔ "کیوں محفوظ رکھتی ہو تم یہ تراشے؟"

"بس ایسے ہی۔" میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔"

میں نے چونک کر بھیا کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "کیا جانتے ہیں؟"

"یہی کہ تم یہ تراشے کیوں رکھتی ہو۔"

"کیوں رکھتی ہوں بھلا؟"

"تم۔" بھیا نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "دعوے تو بہت کرتی ہو ممی سے نفرت کرنے کے لیکن در حقیقت تم ان سے محبت کرتی ہو۔"

"غلط۔" میں نے بلبلا کر کہا۔ "ایک ایسی عورت سے بھلا کیونکر محبت کر سکتی ہوں جس نے اپنے لئے خوشیوں کے دروازے کھولنے کی خاطر ہم پر زندگی کے دروازے بند کر دیئے تھے۔"

"اوری!" بھیا سر جھکا کر دھیرے سے بولے۔ "کیا ہم نے نانی جان کے گھر سے نکلنے کے بعد ٹرین میں سفر کے دوران ممی کو معاف نہیں کر دیا تھا؟"

"معاف!" میں نے شاکی نگاہوں سے بھیا کو دیکھتے ہوئے گھائل لہجے میں کہا پھر نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "میں نے معاف نہیں کیا تھا۔ انہیں اور نانی جان کو قانون کے ہاتھوں میں دے کر انسانوں سے انصاف طلب کرنے کے بجائے خدا سے انصاف مانگا تھا۔"

"اور اس نے انصاف کر بھی دیا۔ ہمیں ماسی اللہ رکھی مل گئی جو ہمیں اس گھر میں لے آئی اور اللہ نے ہمیں ڈاکٹر شعیب جیسے مہربان محسن سے ملوا دیا۔"

میں چند ثانیے ٹکٹکی باندھے بھیا کو دیکھتی رہی پھر میں نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے کہا۔ "میں تو ممی سے محبت نہیں کرتی' البتہ آپ اب تک ان کی محبت کو اپنے دل سے نہیں نکال پائے ہیں۔ یہ بات میں وثوق سے نہیں بلکہ قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں۔" میں نے توقف کیا پھر بولی۔ "کرتے ہیں نا آپ اب بھی ان سے محبت؟"

بھیا نے زبان سے کچھ نہیں کہا' سر جھکا لیا اور ان کے چہرے پر ہلکورے لیتی دکھ کی پرچھائیوں نے مجھ سے وہ سب کچھ کہہ دیا جو وہ زبان سے نہیں کہہ سکے تھے۔

میرے دل میں پنہاں دکھ یکے بعد دیگرے انگڑائیاں لیتے بیدار ہونے لگے۔ مجھے ڈیڈی اور اس کے وہ دلدوز گیت یاد آنے لگے جو وہ نانی جان کے گھر میں' ہمارے دن میں بھی نیم تاریک رہنے والے کمرے سے بالاخانے کو جانے والے زینے پر یا بالاخانے میں بیٹھ کر دھیمے سروں میں اپنا گٹار بجاتے ہوئے دھیرے دھیرے گایا کرتا تھا۔

میں باہر جانا چاہتا ہوں
میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں

مجھے اپنی گود ٹھنڈی اور اجاڑ محسوس ہونے لگی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں کسی نو
مرگ بیٹے کی بوڑھی ماں تھی جو بیٹے کی یادوں کو اپنے سینے سے لگائے سسک رہی ہو
جس کے سینے میں بیٹے کی جدائی ناسور بن کر پک رہی تھی۔

مجھے یاد آیا' جس روز بھیا نے ممی کی چابی چرا کر چوبی تختے پر اس کا خاکہ اتارا
اس روز حارث نے بالاخانے میں گٹار کی سنگت پر یہ گیت سنایا تھا۔

کتنا اچھا ہو رات ختم ہو جائے
کتنا اچھا ہو دن نکل آئے
کتنا لطف آئے اگر برس جائے مینہ
اور پھر دھوپ بھی نکل آئے
زور اور شور سے ہوائیں چلیں
اور میں اپنے گھر کی کھڑکی سے
بارش اور دھوپ کا ملن دیکھوں

اس روز ممی نے بھی بالاخانے میں بیٹھ کر اس کا یہ گیت سنا تھا اور اس سے ایک
پہلے ہی اس نے یہ گیت پہلی مرتبہ مجھے سنایا تھا۔ میں نے اس گیت میں تھوڑی سی ترمیم
بھی کی تھی۔ میں نے "مزہ" کی جگہ "لطف" کر دیا تھا۔ لفظ "بارش" کو "مینہ" سے بدل
دیا تھا اور "ملنا" کو "ملن" کر دیا تھا۔ بس ان ترامیم کے علاوہ [illegible]
اسی کے تھے۔ حارث کا یہ گیت یاد آیا تو میرا دل پھوڑے کی طرح دکھنے لگا اور میری
آنکھیں بھر آئیں۔ میرا معصوم بھائی دھوپ' روشنی' ہوا اور بارش جیسی قدرتی نعمتوں کو
ترستا مر گیا تھا اور میری سنگدل اور کٹھور ماں پر اس کا سر مو اثر نہ ہوا تھا۔ وہ تو آج بھی
خوش تھی بلکہ شاید پہلے سے زیادہ خوش!

ہمیں اب دھوپ' روشنی' تازہ ہوا' بارش جیسی نعمتیں میسر تھیں۔ ایک گھر بھی تھا
جو ہمارا نہ ہونے کے باوجود بھی ہمارا بن گیا تھا۔ اب سبھی کچھ تھا' اگر نہیں تھا تو حارث
نہیں تھا اور دنیا کی تمام نعمتوں کے عوض بھی میں اس کی ایک زندہ جھلک دیکھنے سے قاصر
تھی۔

کاش!

اے کاش! حارث بھی ہمارے ساتھ ہوتا! تب شاید میں ممی کو معاف کر دینے کا
حوصلہ کر لیتی لیکن حارث کی دائمی جدائی کے بعد ایسا کرنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔

اس ممی کی اخبارات میں شائع ہونے والی تصویروں اور ان کی نجی و سماجی مصروفیات
اور دلچسپیوں کے بارے میں اخباری تراشے اس لئے اپنی سکریپ بک میں چسپاں
کرتی تھی کہ مجھے ممی سے محبت تھی بلکہ اس لئے کہ میں ان سے حارث کی موت
اور ہم بہن بھائیوں کے ساتھ روا رکھی جانے والی سنگدلی اور ظلم کا حساب لینے
کے لئے خود کو تیار کر رہی تھی۔ میں جانتی تھی کہ ممی سے حساب لینے کے لئے مجھے ان کی
زندگی کے اعداد و شمار درست اور مکمل رکھنے کی ضرورت تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بھیا کو میرے ارادوں کا علم ہو گیا تھا اور انہوں نے
مجھے راہ راست سمجھانے بجھانے کے علاوہ اس سلسلے میں ڈاکٹر شعیب کا تعاون بھی حاصل
کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے بھیا کے ایما پر بارہا مجھے عفو و درگزر سے کام لینے
اور معاف کر دینے کا مشورہ دیا تھا مگر میں! میں ممی کو کسی قیمت پر معاف کرنے کو آمادہ نہ تھی۔
یہ کیا کم احسان تھا میرا کہ میں نے انہیں اور نانی جان کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانے
سے بچا لیا تھا! میں ان کا دوبدو سامنا کرنے اور ان سے انتقام لینے کی خواہاں تھی۔
میں جانتی تھی کہ ممی سے انتقام لینے کی بہترین صورت یہ تھی کہ انہیں ان تمام
چیزوں سے محروم کر دیا جائے جن کی خاطر انہوں نے ہم سے نظریں پھیر لی تھیں۔
میں ان کے حسن کو ماند پڑتے' ان کی جوانی کو ڈھلتے اور ان کے شوہر علی ضیاء کو ان
[illegible] دیکھنا چاہتی تھی!

رہی ان کی دولت تو اس سے انہیں محروم کر دینے کے لئے ہمارا منظر عام پر آ جانا
ہی کافی تھا۔ ممی کو بڑا جھٹکا دینے سے قبل میں انہیں گاہے گاہے ہلکے ہلکے جھٹکے تو دے ہی
رہی تھی۔ نانی جان کے گھر کے پتے پر میری جانب سے ان کے نام گمنام خطوط اور کارڈز
جاتے ہی رہتے تھے۔ اخبارات کے توسط سے میں اندازہ کر چکی تھی کہ ممی اور علی ضیاء
کبھی لاہور میں ہوتے تھے' کبھی ملتان میں چنانچہ ممی جب بھی ملتان جاتی ہوں گی' انہیں یہ
گمنام خطوط اور کارڈز مل ہی جاتے ہوں گے۔ ان گمنام خطوں کے ملنے پر ممی کے خائف
ہونے کا تصور ہی میرے لئے نشاط انگیز اور تسکین بخش تھا۔

☆------☆------☆

ڈاکٹر شعیب نے غلط نہیں کہا تھا۔ گھر سے دور بھیا کے ہاسٹل چلے جانے کے بعد کچھ
دنوں تو میں بہت اداس رہی پھر دھیرے دھیرے ان کی دوری کی عادی ہوتی چلی گئی۔ تاہم
ٹیلیفون پر ان سے برابر رابطہ رہتا۔ جس روز میں انہیں خود فون نہ کرتی' ڈاکٹر شعیب
بات کروا دیتے۔ بھیا یا میں اخراجات بڑھ جانے کی بات کرتے تو وہ کبھی ہمیں پیار سے

گھرک دیتے اور کبھی یہ شکوہ کرتے کہ تکلف کا اظہار کر کے انہیں غیریت کا احساس دلایا جاتا ہے۔ ویک اینڈ پر بھیا حیدر آباد آ جاتے۔ پندرہ بیس روز میں ایک آدھ بار ان کے پاس ہو آتے۔ بھیا کی تعلیم کے جملہ اخراجات ڈاکٹر شعیب ہی اٹھار ہے تھے ایک بھیا ہی کی کیا' میری اور فرحین کی تعلیم کے اخراجات کا بار بھی انہوں نے ہی اٹھا رکھا تھا بلکہ تعلیم ہی کیا' وہ تو ہماری پوری پوری کفالت کر رہے تھے۔ بھیا اور میں ان کے اس قدر ممنونِ احسان تھے کہ تا عمر ان کے احسانات کا بدلہ اتارنے سے قاصر تھے۔ کالج میں داخلے کے کچھ عرصے بعد بھیا نے اپنے تعلیمی اخراجات خود برداشت کرنے کی خاطر ٹیوشن پڑھانا شروع کر دی۔ یہ بات ڈاکٹر شعیب کے علم میں آئی تو وہ بھیا سے خفا ہو گئے لیکن اس طرح کہ ان کی خفگی کے اظہار سے بھیا کو دکھ پہنچنے کے بجائے خفت ہوئی۔ مجھے یاد ہے اس موقع پر ڈاکٹر شعیب نے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا

"عارف میاں! بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم مجھے یہ احساس دلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے کہ میں تمہارے نزدیک ایک غیر آدمی ہوں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے سر۔" بھیا اول روز سے انہیں سر یا ڈاکٹر صاحب ہی کہتے تھے جبکہ میں انہیں ڈاکٹر صاحب اور فرحین بابا کہا کرتی تھی۔

"تو پھر تم نے یہ ٹیوشنز کیوں لیں؟"

"میرے پاس فارغ وقت بہت ہوتا تھا اس لئے۔" بھیا نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"جھوٹ۔" ڈاکٹر شعیب بلا تامل بولے پھر انہوں نے بھیا کے روبرو جا تھمنے کے بعد ان کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم اپنے ڈیڈی کے ساتھ بھی یہی کرتے؟"

بھیا خفیف دکھائی دینے لگے۔

"دیکھو میاں' میں تو اتنی بات جانتا ہوں کہ تعلیم کی کسی بھی منزل پر طالب علم کے پاس بہت سا فارغ وقت ہرگز نہیں ہوتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک اچھا طالب علم جو نمایاں کامیابی حاصل کرنے کا خواہاں ہو' ہمیشہ وقت کی تنگی کا شاکی رہا کرتا ہے۔" انہوں نے توقف کیا پھر بولے۔ "میری خواہش ہے بیٹے کہ تم نمایاں حیثیت سے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کرو۔ اس کے لئے تمہیں دن رات ایک کر دینا ہوگا اور اپنی توجہ کو ادھر ادھر سے ہٹا کر صرف اپنی تعلیم پر مرکوز رکھنا ہوگا۔"

"میری توجہ اپنی تعلیم پر ہے سر۔" بھیا نے کہا۔

"میں تمہیں مزید منہمک دیکھنا چاہتا ہوں۔"

[illegible] ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔

"اگر میں تمہارے تعلیمی اخراجات برداشت نہ کر سکتا تو بات دوسری تھی لیکن [illegible] تا ہوں بلکہ بخدا ذرا سا بھی بار محسوس کئے بغیر کر سکتا ہوں' لہٰذا اگر تمہیں [illegible] ذرا سی بھی عزیز ہے تو ٹیوشنز ترک کر دو۔ معذرت کر لو ان لوگوں سے جن کو تم پڑھا رہے ہو۔"

[illegible] نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتے' ڈاکٹر شعیب نے [illegible] "اگر تم مجھے واقعی اپنا سمجھتے ہو تو کوئی جواز یا دلیل پیش کرنے کی کوشش نہ کرنا اس [illegible]"

[illegible] نے شرمسار ہو کر گردن جھکالی۔

اور انہیں ٹیوشنز چھوڑنا پڑیں۔

☆------☆------☆

اب جب میں فرحین کا ذکر کرتی ہوں تو میرا جی چاہتا ہے' کسی سوکھے کنوئیں میں [illegible] کر اتنا روؤں' اتنے آنسو بہاؤں کہ کنواں میرے آنسوؤں سے بھر جائے۔

اپنی غیر متوازن ہیئت کے باعث یوں تو وہ اپنے سکول میں اول روز ہی سے طنز و [illegible] کا نشانہ بنی ہوئی تھی اور ہم مکتبوں کے اس طنز و مذاق نے اسے اس حد تک احساس [illegible] میں مبتلا کر دیا تھا کہ ہر رات بستر پر لیٹنے سے قبل وہ سر پر دوپٹہ منڈھ' قبلہ رخ [illegible] اپنے چھوٹے [illegible] اضافے کی دعا مانگنا نہ بھولتی۔

نانی اللہ رکھی نے ایک بار اس سے کہہ دیا تھا کہ آدھی رات کے بعد اللہ میاں [illegible] آسمان سے پہلے آسمان پر آ جاتے ہیں اور فجر تک وہیں رہتے ہیں۔ اس دوران اللہ [illegible] بھی دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے مگر دعا بہ آواز بلند مانگی جائے۔ ایک رات جب [illegible] سے جاگی تو میں نے کروٹ لیتے ہوئے محسوس کیا کہ فرحین جو میرے نزدیک [illegible] تھی' بستر پر موجود نہ تھی۔ میں نے گھبرا کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو دیکھا' فرحین [illegible] میں آراستہ قالین پر مصلیٰ بچھائے' سر پر میرا دوپٹہ منڈھے' اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو بلند کئے قبلہ رخ بیٹھی بہت زیادہ تو نہیں تاہم اتنی بلند آواز میں کہ میں بخوبی سن سکتی تھی' دعا مانگ رہی تھی۔

"اللہ میاں! مجھے ممی بہت یاد آتی ہیں۔ آپ انہیں نانی جان کے گھر سے ہمارے [illegible] بھیج دیجئے اور پیارے اللہ میاں' میرا قد بھی بڑھا دیجئے۔ اسکول میں لڑکیاں میرا بہت

مذاق اڑاتی ہیں' مجھے چھیڑتی ہیں' بونی کہتی ہیں۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے ان سے........ پلیز! پلیز اللہ میاں' میرا قد بڑھا دیجئے۔"

فرحین کی دعا سن کر میرا کلیجا منہ کو آنے لگا۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ وہ ممی کو بھول چکی تھی مگر.........! چھت سے آویزاں پنکھے کو چکر پھیریاں کھاتے دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس سے وہ میرے باطنی اضطراب کا مظہر بن گیا تھا۔ میں نے سوچا' کیا فرحین کو ہمارا اس تلخ حقیقت سے ناآشنا رکھنا درست اقدام تھا کہ ممی نے ہمیں زہر دے کر مارنے کی کوشش کی تھی؟ کاش میں فرحین کو بتا سکتی کہ اس کے کوتاہ قامت اور بے ہنگم ہونے کی تمام تر ذمے داری ممی پر تھی۔

فرحین سے متعلق میری یادوں میں ہفتہ وار تعطیل کا ایک ایسا دن بھی شامل ہے جب ڈاکٹر شعیب برآمدے میں اپنی مخصوص آرام کرسی پر نیم دراز اخبار کی ورق گردانی میں منہمک تھے اور میں ان سے ذرا پرے ماسی اللہ رکھی کے ساتھ بیٹھی یہ سوچ رہی تھی کہ دوپہر کے کھانے کے لئے کیا پکایا جائے کہ فرحین اپنی بڑی سی گڑیا کو جو ڈاکٹر شعیب نے اسے اس کی گذشتہ سالگرہ کے موقع پر تحفہ میں دی تھی' لئے آ پہنچی اور اس نے ڈاکٹر شعیب کے عقب سے ان کے گلے میں اپنی بانہیں حمائل کرتے ہوئے بڑی لجاجت سے کہا۔ "پاپا! آپ کے اسپتال میں کوئی قد بڑھانے والی دوا نہیں ملتی کیا؟"

میں بے ساختہ چونک پڑی۔ فرحین کا سوال میخ کی صورت میرے دل میں اتر گیا تھا۔ میں نے بے بسی سے فرحین اور ڈاکٹر شعیب کی سمت دیکھا پھر میری نگاہیں ڈاکٹر کی نظروں سے ملیں اور میں نے نظریں جھکا لیں پھر میں نے ماسی کو ٹھنڈی سانس بھرتے اور ڈاکٹر شعیب کو یہ کہتے سنا۔ "بیٹے! تم اپنے قد کے لئے زیادہ پریشان مت ہوا کرو۔ اللہ نے چاہا تو وقت کے ساتھ ساتھ تمہارا قد خود بخود بڑھتا چلا جائے گا۔ ویسے بٹیا' ایک بات اور بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ انسان کی بڑائی اس کے قد میں نہیں اس کی عقل اور دانائی میں ہوتی ہے اور میرے حساب سے تم بہت عقل مند ہو۔"

میں نے کن انکھیوں سے فرحین کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ وہ مایوس نظر آ رہی تھی۔ "اچھا یہ بتایئے کیا کوئی ایسی مشین ہے جس سے مجھے لمبا کیا جا سکے؟" اس نے ڈاکٹر شعیب سے پوچھا۔

"تم اپنے قد کے لئے اتنی فکر مند کیوں ہو آخر؟"

"کیونکہ میں چھوٹی نہیں رہنا چاہتی۔ میرے اسکول کی لڑکیاں مجھے بونی کہتی ہیں۔ مذاق اڑاتی ہیں اور ایک لڑکی جس کا نام فرحانہ ہے' وہ تو کہتی ہے فرحین کی آنکھیں الو کی آنکھوں کی طرح ہیں۔"

"یہ کہتی ہے وہ!" ڈاکٹر شعیب کے تیور یک بیک بدل گئے۔

"وہ خود الو ہوگی۔" میں مداخلت کئے بنا نہ رہ سکی۔

فرحین اور ڈاکٹر شعیب میری سمت دیکھنے لگے اور میں ان سے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

"میں کل ہی تمہارے اسکول آؤں گا اور تمہاری پرنسپل اور ٹیچر سے اس لڑکی کی شکایت کروں گا۔" ڈاکٹر شعیب نے فرحین کا شانہ تھپتھپا کر اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی۔

"نہیں پلیز' آپ بالکل مت آیئے گا۔" فرحین نے گھبرا کر اور گڑگڑا کر کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ پھر فرحانہ اور اس کی فرینڈز مجھ سے لڑیں گی اور........ میرا مذاق بھی اڑائیں گی۔"

فرحین کی گھبراہٹ اور لجاجت سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہ تھا کہ وہ فرحانہ اور اس کی دوستوں سے کافی خائف تھی۔

اس تمام لوگوں سے سبزہ زار پر چائے پیتے ہوئے فرحین کی عدم موجودگی میں ڈاکٹر شعیب نے مجھ سے کہا۔ "زری' تم نے صبح فرحین کی باتیں سنی تھیں؟"

"جی۔" میں نے بوجھل آواز میں جواب دیا۔

"فرحین سے میری اس کے اسکول کے بارے میں جب بھی بات ہوئی مجھے یہی شبہ ہوا کہ وہ اسکول میں زیادہ خوش نہیں ہے اور آج اس شبے کی تصدیق ہو گئی۔ میرا خیال ہے میں اس کے علم میں لائے بغیر اس کی پرنسپل اور ٹیچر سے ملوں یا ان سے فون پر بات کر کے ان سے درخواست کروں کہ وہ بالواسطہ طور پر فرحین کی کلاس فیلوز کو یہ سمجھانے کی کوشش کریں کہ وہ فرحین کا مذاق نہ اڑائیں۔" ڈاکٹر شعیب تھمے پھر بولے۔ "ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ فرحین بہت اپ سیٹ ہو جائے گی۔"

"اپ سیٹ تو وہ اب بھی بہت رہتی ہے۔" میں نے ایک سرد آہ کھینچی۔

"کیا تم سے اس نے کبھی ایسی کوئی بات کی؟"

"اکثر کرتی ہے۔"

"مگر تم نے مجھ سے کبھی تذکرہ نہیں کیا۔" وہ شاکی لہجے میں بولے۔

"آپ اتنے تو مصروف رہتے ہیں' کس کس بات کے لئے آپ کو پ... جائے؟"

"کوئی کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہو' اپنی فیملی کے مسائل پر توجہ رکھنا اور ا... کرنا اس کی اہم ذمے داری ہوتی ہے۔ تم تینوں میری اہم ترین ذمے داری ہو۔"

میں نے بے یقینی اور شکرگزاری کے ملے جلے احساسات کے ساتھ ان ک... دیکھا۔

"ہاں زریں بی بی۔" انہوں نے مجھے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"تھینک یو۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"میں کل ہی بات کروں گا فرحین کی پرنسپل سے۔"

میں نے ایک سرد آہ کھینچنے کے بعد کہا۔ "لیکن یہ مسئلے کا مستقل ... نہیں......... کیا میڈیکل سائنس فرحین کا مسئلہ حل نہیں کر سکتی؟"

"جو کچھ ممکن ہو سکتا تھا' آزمایا جا چکا ہے۔ اب دعا ہی کی جا سکتی ہے۔"

مجھے شدید نوعیت کی مایوسی نے آگھیرا اور میں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ا... باوجود بھیا اور آپ مجھے ممی کو معاف کر دینے اور ان کی زیادتیوں اور سنگدلی کو بھلا... مجبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں نے اپنے حصے میں آنے والی زیادتیوں کو ... .ں روز ...ف کر دیا تھا جس روز ہم اس زنداں سے فرار ہو... مگر حارث کی موت اور فرحین کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا انتقام میں ممی سے ... کبھی ضرور لوں گی۔"

ڈاکٹر شعیب نے اگلے ہی روز فرحین کی پرنسپل اور ٹیچرز سے براہِ راست ملا... مگر فرحین کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ انہوں نے ڈاکٹر شعیب کو اپنے پورے ... یقین دلایا مگر بدقسمتی سے اسی روز فرحین کو اسکول میں ایک حادثہ پیش آ گیا۔

فرحین کا بیان یہ تھا کہ وقفے کے دوران وہ سکول کے احاطے میں ایک در... نیچے حسب معمول سب سے الگ تھلگ بیٹھی تھی کہ فرحانہ نے اسے اپنی دوستو... ساتھ آگھیرا اور وہ سب مل کر اس کا مذاق اڑانے لگیں۔ فرحین نے ان سے گھبرا کر ... کلاس روم کی سمت بھاگنا شروع کیا تو وہ سب کی سب اس کا مذاق اڑاتی اور ... آوازے کستی اس کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگیں' اسی بھاگ دوڑ میں فرحین ٹھوکر کھا... پڑی اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی!

...سے اسپتال لے جایا گیا اور پرنسپل نے پہلے گھر پر فون کیا اور ڈاکٹر شعیب یا مجھ ... ہو سکنے پر ڈاکٹر شعیب کو اسپتال کے نمبر پر فون کیا اور ان سے معذرت چاہی ...وہ اور فرحین کی جماعت کو پڑھانے والی ٹیچرز ان کی شکایت کا سدباب کرنے کے ...ں کی ہم جماعتوں کو نصیحت و ہدایت بھی نہ کرنے پائی تھیں کہ یہ حادثہ پیش آ

...ین کو اسپتال سے گھر پہنچانے کے بعد ڈاکٹر شعیب مجھے حسب معمول کالج سے ...جانے کے لئے میرے کالج پہنچے۔ ان کا روزانہ معمول تھا کہ دوپہر ساڑھے بارہ ...اسپتال سے نکلتے اور فرحین کو اس کے اسکول سے لیتے ہوئے مجھے لینے کے لئے ...آ پہنچتے۔ اس روز جب وہ تنہا ہی پہنچے تو میرا ماتھا ٹھنکا کہ صبح تو فرحین کو اسکول ...پھر اس وقت وہ اسے حسب معمول لیتے ہوئے کیوں نہ آئے تھے؟ گاڑی میں ...میں نے ڈاکٹر شعیب سے فرحین کے بارے میں پوچھا تو وہ بولے۔ "آج میں اسے ...گھر پہنچا آیا ہوں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اس کی طبیعت کچھ خراب تھی۔" انہوں نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا۔

"اوہ! کیا ہوا اسے؟"

"زیادہ تشویش کی بات نہیں۔"

"..."

"کچھ نہیں بابا گھبرانے کی بات نہیں۔"

مگر ان کے اطمینان دلانے سے میری گھبراہٹ رفع نہ ہوئی۔

"آپ اس کی پرنسپل اور ٹیچرز سے ملنے گئے تھے؟"

"ہاں۔"

"کیا کہا انہوں نے؟"

ڈاکٹر شعیب مجھے ان سے اپنی ملاقات کا احوال سنانے لگے۔

"فرحین کو پتہ چلا کہ آپ ان سے ملے ہیں؟"

"نہیں۔"

راستے بھر میں فرحین کی طبیعت کے بارے میں متفکر رہی۔ ہم گھر سے کچھ ہی دور ...ے ڈاکٹر شعیب نے کہا۔ "فرحین کی ٹانگ میں چوٹ لگ گئی ہے مگر زیادہ پریشان ...ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"کب؟ کیسے لگی؟"

"اسکول میں بھاگتے ہوئے وہ گر پڑی تھی۔ ہلکا سا بال آگیا ہے پنڈلی کی ہڈی میں فریکچر! اوہ میرے خدا!

میرا سر گھومنے لگا اور گھر پہنچنے کے بعد گاڑی سے اتر کر فرحین تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ اس حادثے کے نتیجے میں فرحین کئی ہفتے بستر پر پڑی رہی۔ اس کی پرنسپل اور اس کی عیادت کو گھر آئیں اور انہوں نے بتایا کہ فرحین کو تنگ کرنے والی لڑکیوں والدین کو اسکول میں طلب کر کے ان پر صاف صاف واضح کر دیا گیا تھا کہ اگر آئندہ کے خلاف کوئی شکایت ہوئی تو انہیں اسکول سے خارج کر دیا جائے گا۔ انہوں نے دلایا کہ صحت یابی کے بعد جب فرحین دوبارہ اسکول جائے گی تو اسے صورت حال بدلی ہوئی ملے گی۔

جب تک فرحین بستر پر رہی' میں بھی کالج نہ گئی۔ سچی بات تو یہ تھی کہ مجھے جانے کا لطف بھی نہ آتا تھا۔ ہم جماعتوں سے الگ تھلگ رہنے کے باعث مجھے کو تھا۔ میری ہم جماعتیں میری کم سخنی اور محتاط روی کے باعث مجھے "مس پراسرار" کہا تھیں۔ ڈاکٹر شعیب سے اپنے رشتے کے بارے میں مجھے نہ جانے کتنی لڑکیوں کو یہ تھا کہ وہ میرے انکل تھے۔ ان کی اور میری عمروں کا تفاوت اتنا نمایاں نہ ہوتا تو لڑکیاں، میری اس بات کا اتنی آسانی سے یقین ہرگز نہ کرتیں جتنی آسانی سے انہوں نے لیا تھا۔

ڈاکٹر شعیب سے میرے رشتے کے بارے میں استفسار سے قطع نظر میری ہم جماعتیں مجھ سے اور بھی بہت سے نجی استفسارات کیا کرتی تھیں جن کے جوابات ہوئے مجھے انتہائی احتیاط سے کام لینا پڑتا۔ میرے جوابات کا کل لب لباب یہ تھا کہ والدین کا انتقال ہو چکا ہے' ڈاکٹر شعیب میرے انکل ہیں اور ہم بھائی بہنوں کے سر بھی۔

نفسیات سے مجھے خصوصی دلچسپی نہ ہوتی اور میں پرائیویٹ طالبہ کی حیثیت نفسیات کو اپنے اختیاری مضامین میں شامل نہ کر سکتی تو میں سال اول کے ابتدائی چند میں ہی کالج کو آخری سلام کر چکی ہوتی لیکن اپنے شوق کی تسکین کے لئے مجھے سال کے سالانہ امتحانات تک تو کالج میں بہرصورت رہنا تھا۔

جن دنوں فرحین بستر پر پڑی تھی انہی دنوں ایک روز میں نے اخبار میں ممی اور ضیاء کا چند دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک گروپ فوٹو اس کیپشن کے ساتھ دیکھا۔

"معروف قانون داں علی ضیاء اور ان کی بیگم اپنی شادی کی سالگرہ پر مہمانوں کے

ضیاء اور مہمانوں کے ساتھ کھڑی ممی کو خوشدلی سے مسکراتے دیکھ کر میرا خون گیا۔ ان کے ستم کی شکار ان کی اپنی اولاد فرحین بستر پر پڑی تھی اور وہ شادی کی سالگرہ منا رہی تھیں۔

"لعنت ہے آپ پر ممی!" میں نے ممی کی تصویر دیکھتے ہوئے سوچا۔ میں جانتی تھی کہ اس قسم کے الفاظ سوچنا بھی گناہ کے زمرے میں آتا تھا مگر میں مجبور تھی۔ ممی ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ تو شاید دشمن بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حارث اور فرحین معصوم اور بے ضرر بچوں کو سنکھیا دینے سے قبل تو شاید ہمارے خاندان کے بدترین بھی دس مرتبہ سوچا ہوتا۔

میری اسکریپ بک میں ایک اور اخباری تراشے کا اضافہ ہو گیا اور میں نے ممی کے تہنیت نامہ نانی جان کے گھر کے پتے پر ارسال کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ ممی جلد نہ سہی' وہاں جائیں گی تو بہرحال ضرور۔ اس تہنیت نامے پر میں نے لکھا تھا۔

بیگم علی ضیاء صاحبہ

شادی کی سالگرہ مبارک!

مجھے وہ دن بھلائے نہیں بھولتا جب آپ اپنے شوہر کے ساتھ یورپ میں ماہ عسل

مسکرانا تک منع تھا۔

خدا آپ کو ایسی ہزار سالگرہیں نصیب کرے اور ہمارا تصور آپ کو ستاتا رہے!

ان کی طرف سے

ں سے

کبھی آپ کا ناطہ تھا

اب کوئی ناطہ نہیں رہا!

فرحین کی ٹانگ ٹھیک ہونے میں کافی دن لگے۔ سوئے اتفاق' میرے سال دوم کے امتحانات کے بعد میری اور بھیا کی تعطیلات چند دنوں کے وقفے سے آگے پیچھے ہی ہوئیں۔ ڈاکٹر شعیب جو اپنی شبانہ روز مصروفیات سے بری طرح تھک چکے تھے' وں سے کہہ رہے تھے کہ اس مرتبہ تعطیلات میں سب اکٹھے مل کر کچھ دنوں کو سیرو

تفریح کے لئے کسی پُرفضا مقام پر جائیں گے۔

بھیا کی اور میری تعطیلات ہوتے ہی ڈاکٹر شعیب نے بھی اسپتال سے رخصت لی اور رختِ سفر باندھ لیا گیا۔ اسلام آباد' مری' سوات' کاغان اور اس سے آگے شمالی علاقہ جات کے دیگر مقامات کی سیرو تفریح کا پروگرام تھا اور فرحین سب سے زیادہ خوش تھی۔

بیس بائیس روز ہم خوب سیرو تفریح کرتے پھرے اور اسلام آباد سے اسکردو گئے اور اسی راستے سے واپس لوٹے جس پر گئے تھے۔ ڈاکٹر شعیب کی ابھی آٹھ روز کی چھٹی اور باقی تھی چنانچہ پروگرام یہ تھا کہ واپسی پر ہم چند روز اسلام آباد میں قیام کریں گے مگر میں نے لاہور اور ملتان چلنے کی فرمائش کر ڈالی۔

"کیوں' وہاں جانے کی ضرورت کیا ہے؟ اتنا گھوم پھر تو چکی ہو تم!" بھیا نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"ضرورت ہے تبھی تو کہہ رہی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں تم وہاں کیوں جانا چاہتی ہو۔"

"اور میں یہ جانتی ہوں کہ آپ مجھے وہاں جانے سے کیوں روکنا چاہتے ہیں۔" میں نے برجستہ کہا۔

ہمارے درمیان یہ تکرار ڈاکٹر شعیب کی موجودگی میں ہو رہی تھی جن سے ہمارا کوئی راز اب راز نہ رہا تھا۔

[illegible] ڈاکٹر شعیب نے کہا۔ [illegible] کی ضرورت نہیں۔ اگر [illegible] لاہور اور ملتان جانا چاہتی ہے تو ہمارے پاس ابھی وقت ہے۔ ہم اسلام آباد ٹھہرنے کے بجائے وہاں جاسکتے ہیں۔"

"آپ نہیں جانتے سر' یہ وہاں کیوں جانا چاہتی ہے۔" بھیا نے کہا۔

"میں کچھ اور جانتا ہوں یا نہیں مگر یہ بات بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے سے اتنی محبت کرتے ہو کہ ایک دوسرے کے لئے جان تک دے سکتے ہو مگر افسوس کہ اپنی ممی کے معاملے پر اکثر اُلجھ پڑتے ہو۔" ڈاکٹر شعیب نے توقف کیا پھر میری طرف دیکھ کر بولے۔ "میں جانتا ہوں کہ تم لاہور اور ملتان کیوں جانا چاہتی ہو۔ ہو سکتا ہے میں یہ بات اتنی بہتر طور پر نہ سمجھتا ہوں جتنی کہ تمہارے ذہن میں ہو۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہاں کس پروگرام کے تحت جانا چاہتی ہو؟"

مجھے یہ فیصلہ کرنے میں کہ جو کچھ میرے ذہن میں تھا وہ انہیں بتانا چاہئے یا نہیں زیادہ دیر نہیں لگی۔

"لاہور جاکر میں علی ضیاء کا گھر دیکھنا چاہتی ہوں۔" میں نے دزدیدہ نگاہوں سے بھیا کے تاثرات تاڑنے کی کوشش کی اور انہیں جزبز ہوتے دیکھ کر اگلے ہی لمحے توضیح کی۔ "اندر سے نہیں' باہر سے' بس دور دور سے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ ہماری والدہ ماجدہ کی جائے واردات کے تیور کیا ہیں اور ملتان جاکر میں کچھ دیر اس زنداں کا دور سے نظارہ کرنا چاہتی ہوں جہاں ہماری زندگی کے تین سال' چار ماہ اور سولہ دن دفن ہیں۔ اگر موقع ملا تو حارث کی قبر تلاش کرنے کی کوشش بھی کروں گی۔"

"بکواس مت کرو۔" بھیا نے غصے سے کہا۔ "تم گڑے مردے کیوں اکھاڑنا چاہتی ہو۔ ان زخموں کو ہرا کیوں کرنا چاہتی ہو جو بھر چکے ہیں؟"

"بھر چکے ہیں!" میں نے تلخی سے کہا۔ میری آنکھوں میں میری ذات کا پورا درد سمٹ آیا اور میں نے کہا۔ "میرے زخم نہیں بھرے ہیں بھیا............ اور............ اس وقت تک نہیں بھر پائیں گے جب تک میں ممی سے بدلہ نہیں لے لیتی............ انصاف نہیں لے لیتی۔"

"حارث کی قبر تلاش کر کے تمہیں کیا مل جائے گا؟" بھیا نے جھک کر کہا۔

"میں اس کے سرہانے اگربتیاں سلگا سکوں گی' اس کی قبر پر پھول چڑھاؤں گی۔ وہ بیچارہ تو اتنا بدقسمت نکلا کہ اسے اپنوں کے ہاتھوں سے مٹی بھی نہ ملی۔"

"تم اس کی قبر کسی قیمت پر تلاش نہ کر سکو گی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اسے ایک لاوارث بچے کی حیثیت سے اسپتال میں داخل کرایا گیا تھا اور اس کی تدفین ایک رفاہی ادارے کے توسط سے ہوئی تھی۔"

"اور پھر بھی آپ ممی سے محبت اور ہمدردی رکھتے ہیں! انہیں بچانا چاہتے ہیں!" میرا دل بے تحاشہ دکھنے لگا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ممی ابھی ابھی ہمیں یہ دلدوز خبر سنا کر گئی ہوں کہ حارث' ڈیڈی کے پاس چلا گیا ہے۔ میں ڈاکٹر شعیب کی نگاہوں میں ہمدردی اور ترحم کے جذبات کا گہرا احساس موجزن دیکھ سکتی تھی۔

بھیا کے انتہائی تامل کے باوجود ڈاکٹر شعیب نے انہیں قائل کر دیا کہ ہمارے لاہور اور ملتان جانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

"بھئی سچی بات تو یہ ہے عارف میاں کہ جس گھر میں تم لوگوں کو قید رکھا گیا اسے تو میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر شعیب نے کہا۔

بالآخر بھیا نے ہتھیار ڈال دیئے۔

ہوں' کیا تم فرحین کو ممی سے محبت کرنے سے روک سکتی ہو؟

ہاں روک سکتی ہوں۔ میں نے دل ہی دل میں کہا اور فرحین کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "ممی کے پاس جانے کی ضد مت کرو فرحین' وہ اب ہماری نہیں رہیں۔ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا۔"

فرحین سر اٹھا کر متذبذب نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ "ممی اب یہاں نہیں رہتیں چندا۔" میں نے فرحین سے کہا۔ "وہ اب لاہور میں رہتی ہیں۔"

"لاہور میں؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ ان کے دوسرے شوہر وہاں رہتے ہیں۔"

اب بھیا کے تاثرات دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے اور فرحین ٹکر ٹکر میرا منہ دیکھ رہی تھی۔

فرحین کو حقیقت حال سے بتدریج آگاہ کرنے کا مرحلہ آ پہنچا تھا۔ اس روز میں نے طے کر لیا کہ اسے دھیرے دھیرے سب کچھ بتا دوں گی۔ اسے بتا دوں گی کہ ہماری ماں نے ہمارے ساتھ کیا کیا تھا۔ دولت کی خاطر کس طرح وہ ہم سے دامن چھڑا گئی تھیں۔ اسے بتا دوں گی کہ اس کے بے ہنگم ہونے کی ذمہ دار صرف اور صرف ممی تھیں۔

٭٭٭

میں اگر یہ کہوں کہ ڈاکٹر شعیب فرشتہ صفت نہیں بلکہ انسانی روپ میں فرشتہ تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ انہوں نے ہمیں ایسے وقت میں سہارا دیا جب ہم مصائب کے منجدھار میں بکھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس وقت ہمارا ہاتھ تھاما جب ہماری سگی ماں ہم سے دامن چھڑا کر اپنے عیش و عشرت میں گم ہو گئی تھی۔ غیر ہوتے ہوئے بھی انہوں نے ہمارے لئے اتنا کچھ کیا جو کوئی دردمند ہستی ہی کر سکتی تھی اور اس پر مستزاد ان کی بے غرضی اور شریف النفسی۔

اب مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میڈیکل کالج میں بھیا کے داخلے کے وقت میں نے بھیا کے مستقبل کی بہتری کے خیال سے انہیں یہ اطمینان تو دلا دیا تھا کہ اگر ان کی عدم موجودگی میں ڈاکٹر شعیب کی طرف سے خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو میں اپنا بھرپور دفاع کروں گی لیکن حقیقت یہ تھی کہ بھیا کو کراچی میں ان کے ہاسٹل میں چھوڑ کر آنے کے بعد میں راتوں کو متوحش رہی تھی۔ در [illegible] ہی نہیں' کھڑکیوں کی

[illegible] بھی بڑھا کر سوتی بلکہ سوتی کیا' رات گئے تک جاگتی رہتی۔ ذرا سی آہٹ پر میرا دل [illegible]۔ ہوا کی سرسراہٹ بھی مجھے سانس روک لینے پر مجبور کر دیتی۔ میرے کان [illegible] پر لگے رہتے۔ میں نے بھیا کو اطمینان تو دلا دیا تھا اور اپنی ناتجربہ کاری کے سبب [illegible] لیا جائے کہ کوئی اور چارہ نہ پا کر وہ چلے بھی گئے تھے مگر آخر کو میں ایک نوعمر' [illegible] نہتی اور کمزور لڑکی تھی اور ڈاکٹر شعیب کی اور میری عمروں میں کتنا ہی تفاوت [illegible] سہی بہرحال وہ مرد تھے۔ جن کے مجھ پر اور میرے بھائی اور بہن پر بے شمار [illegible] تھے' اپنے احسانات کا بدلہ وہ مجھ سے فقط ایک ہی صورت میں طلب کر سکتے تھے!

[illegible] بھیا کے جانے کے بعد میں کئی راتوں اسی وحشت کے مارے اپنی نیند حرام [illegible] کہ کہیں کسی شب ڈاکٹر شعیب ہم پر اپنے ان گنت احسانات و عنایات کا بدلہ [illegible] کرنے نہ آ پہنچیں۔ بجا کہ دن کی روشنیوں میں وہ بہت مہذب' مخلص اور شریف [illegible] آتے تھے مگر رات کی تاریکی تو اچھے اچھوں کو شیطان بنا دیتی ہے۔ ڈاکٹر شعیب اگر [illegible] رات میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنی خواب گاہ میں کھینچ لے جاتے تو میں کیا بگاڑ لیتی ان کا! [illegible] بھی وہ ہمارے محسن تھے۔

مگر آفرین ہے ڈاکٹر شعیب کی شرافت پر کہ انہوں نے بھیا کی عدم موجودگی میں [illegible] بھی کبھی کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کی بلکہ ایسی ویسی حرکت تو دور کی بات' [illegible] نے مجھے کبھی غلط نگاہ سے بھی نہیں دیکھا۔

[illegible] چونکہ بھیا کے اور میرے درمیان کسی معتبر وسیلے کی عدم موجودگی کے باعث نازک [illegible] ل پر بھی عموماً براہ راست ہی بات ہو جایا [illegible] [illegible] چہ بھیا جب [illegible] [illegible] پر [illegible] [illegible] حیدر آباد آتے یا ان سے ملنے کے لئے ہمارا کراچی جانا ہوتا تو وہ موقع ملتے ہی مجھ سے [illegible] پوچھتے کہ میرے ساتھ ڈاکٹر شعیب کا رویہ ٹھیک ٹھاک تو تھا؟ اور ہر بار میرا ایک ہی [illegible] بھیا کو کم و بیش ویسی ہی بے یقینی سے میری طرف دیکھنے پر مجبور کر دیتا جیسے میں [illegible] شعیب کو ان کی ثابت قدمی اور مستقل راستی نیت کی بنا پر دیکھا کرتی تھی۔ مجھے تو وہ [illegible] محسوس ہونے لگے تھے!

انٹرمیڈیٹ میں میری سیکنڈ ڈویژن آئی۔ بعد ازاں میں نے کالج یا یونیورسٹی سے [illegible] ریگولیشن کرنے کے بجائے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے بی اے کرنے کو ترجیح دی۔ [illegible] کالج سے میں نے انٹرمیڈیٹ پاس کیا تھا وہ انٹر کالج تھا۔ اب کسی ڈگری کالج میں داخلہ [illegible] کر میں دوبارہ "مس پُراسرار" کا لقب حاصل نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ یہ تو بہرحال [illegible] تھا کہ میں جہاں بھی جاؤں گی اپنے خول میں سمٹ کر رہوں گی۔ علاوہ ازیں میں گھر کو

زیادہ وقت دینا چاہتی تھی۔ ریگولر طالبہ کی حیثیت سے گریجویشن کرنے کی صورت میں امور خانہ داری پر اتنی توجہ نہ دے سکتی تھی جتنا کہ اس گھر کا حق بنتا تھا۔ ڈاکٹر نے ہم پر جو احسانات کئے تھے ان کا تقاضا تھا کہ میں اس گھر پر پوری جانفشانی سے دیتی۔ اس اخلاقی تقاضے سے قطع نظر اس گھر سے مجھے اتنا انس ہو گیا تھا کہ مجھے یوں جیسے میں جنم جنم سے اسی گھر میں رہتی چلی آ رہی تھی۔

پرانی کہاوت ہے کہ بلی مکان سے پیار کرتی ہے اور کتا مکین سے۔ میں انسان مجھے اس گھر سے بھی انس ہو گیا تھا جس کی چھت تلے مجھے امان ملی تھی اور غیر محسوس طریقے پر دھیرے دھیرے اس گھر کے مالک سے بھی کچھ عجیب و غریب نوعیت کا انس چلا جا رہا تھا۔

کالج سے فراغت پا کر میں گھر بیٹھی تو ماسی اللہ رکھی کو میں نے ڈاکٹر شعیب کی ضروریات کا خیال رکھنے کی ذمے داری سے بری الذمہ کر کے یہ ذمہ داری اپنے سر لی۔ میں اللہ رکھی سے پوچھ پوچھ کر ان کے لئے ان کی پسند کے کھانے پکاتی' ان کے کپڑوں پر استری کرتی' ملازم ہونے کے باوجود ان کے جوتوں پر خود پالش کرتی' ان کے کمرے کی صفائی ستھرائی اور آراستگی کا خیال رکھتی۔ چھٹی والے دن ان کی پسند کی غزلیں اور گیت خود بھی سنتی اور انہیں بھی سنواتی۔

ڈاکٹر شعیب کی ذاتی ضروریات اور ان کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنے کے علاوہ میں جملہ معاملات خانہ میں دلچسپی لیتی [illegible] کے ساتھ بازار جا کر سودا سلف خرید کر لاتی' گھر کی صفائی ستھرائی اور آراستگی میں پوری دلچسپی لیتی اور ان تمام معاملات میں گاہے گاہے خوشگوار تبدیلیاں لانے کے لئے بھی کوشاں رہتی۔

ڈاکٹر شعیب سے مجھے ایسا انس ہو گیا تھا کہ صبح کو جب وہ گھر سے اسپتال جانے کے لئے روانہ ہونے لگتے تو میں دل ہی دل میں آیۃ الکرسی پڑھ کر ان کی گاڑی پر پھونک دیتی۔ دوپہر کو جب وہ فرحین کو اس کے اسکول سے لیتے ہوئے گھر واپس لوٹتے تو میں ماسی کی معاونت میں جھٹ پٹ کھانا چن دیتی۔ شام کو جب کلینک کھلنے کا وقت ہوتا تو میں ڈاکٹر شعیب کی کلینک کی تیاری کے سلسلے میں ان کی ضرورت کی ہر چیز تیار رکھتی۔ کلینک میں ایک مرتبہ چائے بھجوانا نہ بھولتی اور رات کو کلینک سے ان کی فراغت کے بعد گھر میں آنے تک ان کا انتظار کرتی رہتی۔

جب کبھی ڈاکٹر شعیب کو باہر سے گھر لوٹنے میں دیر ہو جاتی تو میں پریشان ہو جاتی

بار بار کہتی۔ "پتہ نہیں ڈاکٹر صاحب ابھی تک گھر کیوں نہیں آئے؟"

"آ جائیں گے' تم پریشان مت ہو۔ آدمی گھر سے باہر جاتا ہے تو دیر سویر ہو جاتی ہے۔" ماسی مجھے سمجھاتی۔

پریشانی ڈاکٹر شعیب کے آنے سے پہلے رفع نہ ہوتی۔

رات کلینک سے گھر آنے کے بعد وہ کھانا کھا کر اپنے کسی شناسا سے ملنے چلے گئے۔ جاتے ہوئے انہوں نے مجھے بتایا کہ دیر سے واپسی ہوگی اس لئے میں اور ماسی ان کا انتظار کرنے کے بجائے سو رہیں کہ وہ آئیں گے تو غلامو پچھلا گیٹ کھول دے گا۔

رات کے پچھلے پہر میری آنکھ کھلی تو مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ خدا جانے ڈاکٹر واپس لوٹے تھے کہ نہیں؟ میرا کمرہ ایسے رخ پر تھا کہ میں کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھ سکتی تھی کہ ان کی گاڑی پورچ میں کھڑی ہے یا نہیں؟ ہو کا عالم تھا۔ سناٹا ریڑھ کی ہڈی میں رینگنے لگا۔ یک بیک ایک عجیب سا خیال کوڑیالے سانپ کی طرح ذہن میں لہرایا۔

خدانخواستہ ڈاکٹر شعیب کو کوئی حادثہ پیش آ جائے اور ڈیڈی کی طرح وہ بھی ہمارا ساتھ چھوڑ جائیں تو ہم کیا کریں گے؟ کہاں جائیں گے؟

امی اور بھیا کے کراچی چلے جانے کے بعد دروازے' کھڑکیوں کی چٹخنیاں چڑھا کر اور [illegible] کر سونے کی عادی ہو چکی تھی' اس خیال سے وحشت زدہ ہو کر کمرے کا [illegible]

[illegible] کی سمت بڑھتی چلی گئی۔ کمرے کی بتی جل رہی تھی اور دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے دروازے کے بیچ سے اندر جھانکا تو دیکھا ڈاکٹر شعیب اپنی آگے پیچھے جھولنے والی کرسی پر اس انداز سے [illegible] تھے کہ ان کی گردن دائیں جانب ڈھلکی ہوئی تھی' دایاں بازو کرسی کے ہتھے سے لٹک رہا تھا' بائیں ٹانگ آگے کو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک کتاب کھلی ہوئی قالین پر اوندھی پڑی تھی اور پنکھے کی تیز ہوا سے اس کے اوراق بڑی طرح پھڑپھڑا رہے تھے۔ ان کی عینک ان کی ناک کی پھننگ پر لٹک رہی تھی۔

دروازے کے بیچ سے جھانک کر اس بے ترتیبی کا سرسری جائزہ لینے کے بعد میری نظریں ڈاکٹر شعیب کے سینے پر جا ٹکیں اور میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی کہ وہ سانس لے رہے تھے یا نہیں؟ گویا تو وہ بہت آہستہ آہستہ سانس لے رہے تھے یا پھر میں اس زاویے سے دیکھ نہ پائی۔ مجھے ان کا سینہ ساکت محسوس ہوا اور میں نے سوچا' خدانخواستہ وہ مر گئے ہوں گے تو ہمارا کیا بنے گا؟ بھیا کی تعلیم ادھوری رہ جائے گی۔ ہم

کہاں جائیں گے؟

متوحش ہو کر میں آگے بڑھی اور ڈاکٹر شعیب کے نزدیک پہنچنے کے بعد میں قدر... کر ان کے سینے کی حرکات کا جائزہ لینے لگی۔ صد شکر کہ وہ زندہ تھے اور ان کی سانس... رہی تھی۔

بہت آہستگی سے میں نے کتاب نیچے سے اٹھا کر سائیڈ بورڈ پر رکھی اور اس... سے کہ کہیں ان کی عینک ناک کی پھننگ پر سے پھسل کر نیچے نہ گر جائے' عینک... چاہی تو وہ جاگ گئے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ گھبرا سے گئے اور میں ان سے بھی زیادہ گھبرا گئی۔

"تم!" انہوں نے کہا۔

"جی......... وہ آ......... آپ کا......... چشمہ......... گرنے والا......... تھا" میں ہکلاتے ہوئے کہا۔

"مم......... مگر تم اس وقت' یہاں کیسے؟" وہ سیدھے ہو بیٹھے۔

"میں......... یہ دیکھنے آئی تھی کہ......... آپ واپس آ گئے یا نہیں۔"

اپنی خوابناک آنکھوں کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگشت شہادت سے رگڑنے کے بعد انہوں نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولے۔ "بی بی! اتنا خیال... رکھو میرا کہ جب تم اس گھر سے چلی جاؤ تو میرے لئے مشکل ہو جائے۔"

"میں......... میں کہاں جاؤں گی؟" [illegible]

میں وہ محتاط لہجے میں یہ تو نہیں جتا رہے تھے کہ اب ہم لوگوں کو ان کے گھر سے چلے جانا چاہئے۔

"جہاں ساری لڑکیاں جایا کرتی ہیں۔" انہوں نے توقف کیا پھر بولے۔ "اپنے گھر اور کہاں؟"

"میرا گھر یہی ہے۔"

"میں اس گھر کی بات کر رہا ہوں جہاں ساری لڑکیاں شادی کے بعد جایا کرتی ہیں۔"

میں میکانکی انداز میں ان کے قدموں میں بیٹھ گئی اور دھیمی آواز میں بولی۔ "مجھے ساری لڑکیوں میں شمار مت کیجئے ڈاکٹر صاحب۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ ہم پر جو کچھ بیتی ہے اس نے ہمیں نارمل نہیں رہنے دیا ہے۔ ہم سب اپنے اپنے خول میں سمٹ گئے ہیں۔ بھیا' فرحین اور میں......... ہم سبھی۔"

"وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

"اوں ہوں۔" میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس بھرنے کے... "میرے زخم وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ گہرے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔"

"جاؤ' جا کر سو جاؤ۔" وہ دلسوز لہجے میں بولے۔

میں نے بے یقین نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا' یہ شخص انسان ہے یا... ایک نوجوان اور خوبرو لڑکی' جس سے اس شخص کا کوئی حقیقی رشتہ بھی نہیں'... وقت اس کی خوابگاہ میں چلی آنے کی غلطی کر بیٹھی ہے اور یہ اس وقت بھی اسی... کا مظاہرہ کر رہا ہے جس کا کہ دن کے اجالوں میں کیا کرتا ہے۔

"اٹھو' جا کر سو جاؤ۔ اس مسئلے پر پھر کبھی بات ہو گی تم سے۔" انہوں نے اپنی کرسی... ہوئے کہا۔

"کس مسئلے پر؟"

"تمہاری شادی کے مسئلے پر۔"

"ایک بات بتا دوں آپ کو۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اول تو میں شادی کرنا... نہیں سمجھتی لیکن اگر کبھی میں نے شادی کی تو ایسے آدمی سے کروں گی جو میرے... مرہم رکھ سکے۔ جو اتنا وسیع القلب ہو کہ مجھے میری اس شرط کے ساتھ قبول کر... بھیا اور فرحین ہمیشہ میری پہلی ترجیح رہیں گے۔ اس زنداں سے فرار ہونے کے... اور میں نے عہد کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی خاطر اور فرحین کے لئے جئیں" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں صرف ایسے آدمی سے شادی کروں گی جو... دل میں بھیا اور فرحین کے لئے بھی جگہ رکھتا ہو......... اور......... ایسا آدمی آپ... اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

انہوں نے بے ساختہ چونک کر میری طرف دیکھا اور بولے۔ "یہ ممکن نہیں ہے..."

"کیوں؟"

"کیونکہ اول تو میں دوبارہ کبھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"آپ خود ہی تو کہا کرتے ہیں کہ فیصلوں میں لچک ہونی چاہئے۔"

وہ قائل سے نظر آنے لگے پھر بولے۔ "دوسرے تمہاری اور میری عمروں میں بہت... ہے۔"

"میرے لئے یہ فرق قطعاً غیر اہم ہے۔" میں نے ڈاکٹر شعیب کی جانب دیکھتے ہوئے

کہا۔ "مجھے تحفظ چاہئے ڈاکٹر صاحب.......... یقین چاہئے.......... فرحین کے لئے' بھیا کے لئے اور اپنے لئے.......... اور میرا دل کہتا ہے کہ ہمیں تحفظ یا تو ڈیڈی دے سکتے تھے یا آپ دے سکتے ہیں۔"

میں آگے بڑھی اور میں نے ان کا ہاتھ میکانکی انداز میں اپنے ہاتھوں میں لے کر عقیدت مندانہ انداز میں آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا۔ "آئی لو یو.......... آئی لو یو ڈاکٹر۔"

کتنی عجیب بات تھی کہ جس شخص کے بارے میں' میں نے بھیا کو یقین دہانی کرائی تھی کہ اگر اس نے ان کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو میں اپنا بھرپور دفاع کروں گی۔ رات گئے اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگائے' میں اس سے کہہ رہی تھی آئی لو یو!

ڈاکٹر شعیب کے خلوص اور شرافت نے مجھے ان کے سامنے پیشانی ٹیک دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ انسان نہیں فرشتہ تھے۔

اس فرشتے کی محبت میں گرفتار نہ ہونا کفرانِ نعمت ہوتا!

☆------☆------☆

میڈیکل کالج میں بھیا کا چوتھا سال شروع ہو چکا تھا۔ فرحین نویں جماعت میں تھی۔ میں نے گریجویشن کر لیا تھا۔ میرے دل پر لگے زخم ہنوز تازہ تھے۔ میری اسکریپ بک [illegible]

[illegible]

ممی کے نام میری جانب سے گمنام خطوں کا سلسلہ بدستور جاری تھا اور اب میں کھل کر ان سے بدلہ لینے کی خاطر میدان میں کودنے کے لئے کوئی واضح منصوبہ اور موثر طریقہ اختیار کرنے پر غور کر رہی تھی۔

سُوئے اتفاق انہی دنوں مجھے فرحین کے اسکول میں ہونے والے ایک ورائٹی پروگرام میں شرکت کا موقع ملا۔ ڈاکٹر شعیب بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ ورائٹی پروگرام سیلاب زدگان کی امداد کے لئے منعقد کیا گیا تھا اور فلم' ٹی وی' ریڈیو اور اسٹیج کے کئی معروف فنکار شریک تقریب تھے۔ اسکول کی انتظامیہ نے تمام طلبا اور ان کے والدین اور سرپرستوں کی شرکت کو امرلازم قرار دے دیا تھا چنانچہ ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

تین گھنٹے کے پروگرام میں پندرہ منٹ کا وقفہ بھی تھا اور اس وقفے کے دوران مشروبات وغیرہ کا بندوبست بھی تھا۔ فرحین کی نشست کے دائیں جانب میں بیٹھی ہوئی تھی اور بائیں جانب ڈاکٹر شعیب۔ وقفے کے دوران ہم ٹھنڈا مشروب گھونٹ گھونٹ پیتے ہوئے

[illegible] کر رہے تھے کہ درمیانی عمر کے ایک خوش پوش مرد نے معذرت کے ساتھ گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے گا خاتون' میں ذرا دیر کو آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"[illegible]۔" میں اپنے دل یک بیک بڑھ جانے والی دھڑکن کو قابو کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ خدا جانے وہ کون تھا اور کیا کہنے جا رہا تھا۔

اس شخص نے ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈاکٹر شعیب پر ڈالی اور اجازت طلب انداز میں کہا۔ "آپ کی اجازت سے۔" پھر اس نے مجھ سے کہا۔ "میں ٹی وی پروڈیوسر ہوں۔ ان دنوں [illegible] میں تعیناتی ہے اور ایک سلسلہ وار ڈراما پیش کرنے کا پروگرام ہے۔ اسکرپٹ [illegible] والے ہیروئن کے مکمل ہو چکے ہیں۔ میں مذکورہ ڈرامے کے لئے ہیروئن کی تلاش میں ہوں۔ آپ کے چہرے میں مجھے وہ خوبی نظر آتی ہے جو میں اپنے ڈرامے کی ہیروئن میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کی ٹی وی پر کام کرنے میں کچھ دلچسپی ہو تو میں آپ کو اس رول کی پیشکش کروں گا۔"

میں نے گردن موڑ کر ڈاکٹر شعیب کی طرف دیکھا اور اس شخص نے باری باری ہم دونوں کو دیکھنے کے بعد اپنی جیب سے ایک چرمی بٹوا نکال کر اس میں سے ایک وزیٹنگ کارڈ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ رہا میرا کارڈ' اگر آپ آڈیشن دینا چاہیں تو مجھ سے اس نمبر پر رابطہ قائم کر لیجئے گا مگر ذرا جلدی۔" اس نے لحظہ بھر کو توقف کیا۔

[illegible]

[illegible] وہ رول جس خاتون کے حصے میں بھی آیا وہ ڈرامے کی آخری قسط تک شہرت [illegible] ہوں گی۔"

میں نے اس کے دیئے ہوئے وزیٹنگ کارڈ پر ایک نظر ڈالی۔ کارڈ پر اس کا نام "[illegible] جمیل" عہدہ "پروڈیوسر پاکستان ٹیلی ویژن" اور پتہ "اسٹیڈیم روڈ کراچی ٹیلی ویژن [illegible]" درج تھا۔ کارڈ پر دو فون نمبر بھی درج تھے۔ ایک دفتر کا دوسرا گھر کا۔

"میں آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔" شہباز جمیل نے کہا پھر وہ ڈاکٹر شعیب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مداخلت کی معافی چاہتا ہوں جناب۔" مڑنے سے قبل اس نے ایک بار پھر میری طرف توجہ کرتے ہوئے کہا۔ "خاتون! بصورت دلچسپی آپ کی جانب سے ایک آدھ روز میں جواب مل جانا چاہئے کیونکہ ہمارے پاس وقت کچھ کم ہے۔"

اس کے جانے کے بعد میں نے پہلے تو ایک بار پھر اس کارڈ کو دیکھا جو میرے ہاتھ میں تھا پھر ڈاکٹر شعیب کو جو گہری نگاہوں سے مجھی کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ کون تھا؟ کیا کہہ گیا؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔" میں نے متذبذ
میں کہا۔

"یہ ٹیلی ویژن پروڈیوسر تھے۔ کوئی سلسلے وار ڈراما پیش کرنے کی تیاری کر
ہیں۔ تمہیں ہیروئن کا رول دینے کے لئے آڈیشن لینا چاہتے ہیں۔"

"آڈیشن!"

"ہاں' تمہیں کیمرے کی آنکھ سے پرکھیں گے کہ کیسی لگتی ہو اور ڈائیلاگ
تم سے کہ آواز اور لب و لہجہ کیسا ہے؟"

"تو کیا باجی ٹیلی ویژن پر آیا کریں گی؟" فرحین نے بصد اشتیاق پوچھا۔

"بٹیا' یہ تو تمہاری باجی کی مرضی اور آڈیشن کے نتائج پر منحصر ہے۔" ڈاکٹر
بولے۔

ورائٹی پروگرام کے دوران دیا جانے والا وقفہ ختم ہو گیا تھا۔ تقریباً سوا گھنٹہ
پروگرام میں نے کھوئی کھوئی سی کیفیت میں دیکھا۔ شہباز جمیل نامی اس پروڈیوسر کی
مجھے اس پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

میں اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہرگز نہ تھی۔ میری صورت
حد درجہ ملتی جلتی تھی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ میں ان کا نقش ثانی تھی۔ اگر
خوبصورت عورت تھیں تو پھر یقیناً میں بھی خوبصورت ہی تھی' اب یہ اور بات
حالات نے مجھے ممی سے اتنا متنفر کر دیا تھا کہ مجھے آئینہ
اس لئے کوفت ہوتی تھی کہ میں ممی کی ہم شکل تھی۔ آئینے میں اپنی صورت دیکھتے
بعض اوقات تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں اپنا عکس نہیں ممی کی صورت دیکھ
ہوں۔

فنون لطیفہ سے رغبت مجھے ڈیڈی کی طرف سے ورثے میں ملی تھی بلکہ ایک
کیا' ہم سب بہن بھائی فنون لطیفہ سے رغبت رکھتے تھے۔ حارث کتنی چھوٹی سی عمر
گیت موزوں کرنے لگا تھا۔ ڈیڈی کی زندگی میں اپنے اسکول کے دو تین ڈراموں
شرکت کر کے میں نے انعامات بھی حاصل کئے تھے پھر ان کی موت کے بعد تو زندگی
مشکلات اور مصائب میں گھر کر رہ گئی تھی کہ ان دلچسپیوں اور مشاغل سے تو کیا'
زندگی ہی سے ہمارا رابطہ منقطع ہو کر رہ گیا تھا۔

وقفے کے بعد بقیہ پروگرام کے دوران میں ادھیڑ بن کا شکار رہی۔ اس زنداں
فرار کے بعد ہم تو اس قدر گمنامی کے عالم میں تھے کہ ہماری ماں کو بھی خبر نہ تھی کہ

اور کیا کر رہے تھے؟ شہباز جمیل کی پیشکش پر مثبت رد عمل کا مظاہرہ کرنے اور
کامیاب ہو جانے کی صورت میں ٹی وی اسکرین کے توسط سے میں ممی کی
انہیں ڈال کر انہیں خوفزدہ کر سکتی تھی بلکہ شوبزنس کی دنیا میں مسلسل اور
قائم کر کے ان کے لئے مستقل خوف بن سکتی تھی۔ ان کے لئے ایک کھلی
تھی کہ دیکھو' جنہیں تم نے صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی گھناؤنی سازش کی تھی
تمہاری اور تمہاری ماں کی دستبرد سے آزاد!

شہباز جمیل کی پیشکش پر غور کرنے اور مثبت رد عمل کا مظاہرہ کرنے کا مطلب
شہرت کی طرف پیش قدمی!

نے سوچا' کیا میں اپنے ذاتی المیوں کے ساتھ شہرت کا بار بخوبی اٹھا سکوں گی؟
اندھیروں سے نکل کر شہرت کی چکاچوند روشنیوں کا سامنا کر سکوں گی؟ کہیں
خود میرے ہی لئے تو خوف نہ بن جائے گی؟ میں تادیر اسی نوعیت کی سوچوں
اور آخر کار میں نے اپنے لئے یہی بہتر جانا کہ شوبزنس کی دنیا میں جا کر ہزار
پڑنے اور اپنی ذاتی زندگی کے بخیئے ادھڑوانے سے بہتر یہی ہے کہ میں گمنام
اسی گمنامی کے پردے میں چھپی' جب اور جہاں بھی موقع ملے' ممی کو کچھ کے
انہیں آزار پہنچانے' اپنے اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ ہونے والی

نتیجے پر پہنچنے کے بعد میری ذہنی کیفیت میں قدرے ٹھہراؤ سا آ گیا مگر پروگرام
آخری جزو کے دوران میں نے سوچا۔ چہرہ مجرم چھپایا کرتے ہیں' معصوم اور بے گناہ
مجرم ممی تھیں' ہم نہیں' چہرہ ممی کو چھپانا چاہئے تھا؟ ہمیں خائف ہونے کی بھلا کیا
تھی؟

ممی مجرم ہونے کے باوجود مسکرا کر' ہنس کر دنیا کو فریب دے رہی تھیں تو ہم
کیوں بیٹھے تھے؟

سامنے اسٹیج پر ایک نوجوان گلوکارہ نغمہ سرا تھی اور سامعین مبہوت و مسحور
ہزاروں سامعین کے سامنے وہ تنہا کھڑی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ فاتح تھی
مفتوح۔ میں نے اپنے دل میں سوچا' اگر وہ ہزاروں نگاہوں کا سامنا کر سکتی ہے
نہیں کر سکتی؟

پروگرام کے اختتام تک میں شہباز جمیل کی پیشکش قبول کر لینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔
واپس لوٹتے ہوئے میں نے راستے میں ڈاکٹر شعیب سے پوچھا۔ "آپ کا کیا

خیال ہے' میں آڈیشن دے دوں؟"

انہوں نے ذرا کی ذرا مجھ پر نظر ڈالی اور بولے۔ "یہ فیصلہ تو تمہیں خود کرنا

"مجھے آپ کی جانب سے اجازت چاہئے۔"

"بھئی میری اجازت کا کیا ہے.......... میں کہہ دوں نہیں اور تم کہوں ہاں تو

کی کیا وقعت رہ جائے گی؟"

"مفروضات اور امکانات کی بات مت کیجئے؟ آزما کر دیکھئے مجھے کسی معاملے

خود اپنی اور ساری دنیا کی تائید حاصل ہو لیکن ایک آپ کی نہ ہو تو میں اپنی

گھونٹ دوں گی' ساری دنیا کی تائید کو ٹھکرا دوں گی اور وہی کروں گی جو آپ کی

ہوگی۔"

انہوں نے اپنے سامنے آویزاں آئینے میں بے یقین نگاہوں سے مجھے

"واقعی؟" انہوں نے کہا۔

"بخدا۔" میں نے جواب دیا۔

وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے۔ "اگر یہ بات ہے تو تمہیں میری طرف سے

اجازت ہے لیکن.........."

"لیکن کیا؟"

"یہ سوچ لو کہ کیا تم شہرت افورڈ کر سکو گی؟ شہرت ... لوگ

دوسروں کے زیادہ بن جاتے ہیں۔ ان کی نجی زندگی بھی عوامی ملکیت بن جاتی

شخص اس میں اپنی سوچ کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ انہیں ان گنت لوگ جانتے

ان کے بارے میں ہمہ وقت مختلف النوع قیاس آرائیاں جاری رہتی ہیں۔" ا

لحظہ بھر کو توقف کیا پھر بولے۔ "پھر یہ بھی سوچ لو کہ تمہاری ممی کا رد عمل کیا ہو گا؟"

"ان کا رد عمل!" میں نے تلخی سے کہا۔ "اگر میں آڈیشن میں کامیاب ہو گئی

مجھے ڈرامے میں کام کرنے کا موقع مل گیا تو ایک مرتبہ میری صورت ٹی وی اسکرین

لینے کے بعد وہ آئندہ ٹی وی کھولتے ہوئے بھی گھبرائیں گی۔ مجھے شہرت کی تمنا

نہیں۔ میں ممی کو خائف کر دینے کے لئے ٹی وی پر آنا چاہتی ہوں۔ رہی بات

زندگی اور لوگوں کے مجھے جاننے کی تو ہمیں جانتا ہی کون ہے۔ ممی اپنے والدین کی

کے خلاف ہمارے ڈیڈی سے شادی کر لینے کے بعد اتنی گمنام رہیں کہ ماسوا ڈیڈی کے

دوستوں سے اور ان کے اہل خانہ کے' ان کے کسی سے روابط نہ تھے اور ان

یہ کہا کرتی تھیں کہ ہمارے ڈیڈی انہیں دہلی سے بیاہ کر کراچی لائے تھے۔ ہمیں

تھا۔ وہ تو ڈیڈی کے انتقال کے بعد ہم پر بھید کھلا کہ ہمارے نانا نانی ملتان رہا کرتے

اور اب ہم کراچی سے ملتان روانہ ہوئے تو ممی نے اپنے جاننے والوں سے جھوٹ

کہ وہ ہمیں لے کر ہندوستان جا رہی تھیں۔ رہے عزیز رشتہ دار تو ممی کے رشتے

میں رہا کرتے تھے۔ ڈیڈی بے چارے تو تنہا تھے۔ تقسیم کے وقت ان کا خاندان

میں مر کھپ گیا تھا۔ وہ پاکستان تن تنہا پہنچے تھے۔ آج جو ممی اخبارات کے لئے ہنس

کر تصویریں کھنچوایا کرتی ہیں' یہ حوصلہ انہیں ہمارے ڈیڈی سے شادی کے بعد اسی

میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چونکہ وہ بیگم علی ضیاء ہیں اور ان کے

ساتھ بھولے سے بھی ہمارے ڈیڈی کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ اولاد کا ذم چھلا بھی

ہے اس لئے گمان یہی ہے کہ ڈیڈی کے زمانے کے شناسا بھی اخبارات میں ممی کی

دیکھ کر یہی سمجھتے ہوں گے کہ یہ عورت ان کے اس مرحوم دوست کی بیوی سے

مشابہت رکھتی ہے جو کرائے کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہا کرتی تھی اور چار

کی ماں تھی۔"

"تمہارا مطلب ہے اگر تم ٹی وی پر آئیں تو تمہیں تمہارے والدین کے حوالے سے

لوگوں کے لئے ممکن نہ ہوگا؟"

"بالکل۔" میں نے ان کی بات کی تائید کی پھر کہا۔ "ممی کبھی بھولے سے بھی مجھ

سے اپنا رشتہ ظاہر کرنے کی غلطی نہیں کریں گی۔ ممی اور نانی جان کے بعد اس دنیا میں

کوئی فرد اگر ہمارے بارے میں مکمل معلومات رکھتا ہے تو وہ صرف آپ ہیں۔ بالغرض

میں آڈیشن میں چلی گئی تو میرا پس منظر بس اتنا سا ہوگا کہ میرے والدین کا کار کے ایک

حادثے میں انتقال ہو چکا ہے' میرا ایک بھائی اور ایک بہن ہے اور آپ ہمارے

سرپرست۔ ممی سے اس کہانی کی تردید کی توقع ہی محال ہے۔ ممی کے علاوہ اگر کوئی اور

اس کہانی کی تردید کر سکتا ہے تو وہ ماسی اللہ رکھی ہے اور اس بے چاری کو ان جھگڑوں میں

پڑنے کی بھلا کیا ضرورت؟ گمنامی سے اس پس منظر کے ساتھ روشنیوں میں آنے کے بعد مجھے

اپنی نجی زندگی کے بارے میں زیادہ قیاس آرائیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"یعنی تم ٹی وی پر کام کرنے کی خواہش مند ہو؟"

"ممی کو خوفزدہ کرنے کے لئے' کہ دیکھو میں تمہارے انہی بچوں میں سے ایک ہوں

جنہیں تم نے ایک سازش کے تحت اپنی ماں کی مدد سے زہر دے کر مارنا چاہا تھا اور جن

میں سے ایک بد قسمتی سے مر بھی گیا تھا۔"

"باجی! کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟" یہ فرحین کی آواز تھی۔

اوہ! مجھے اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

یہ میں نے کیا کیا۔ فرحین کی موجودگی کا احساس کئے بغیر میں جذبات کی رو میں ایک ایسی بات کہہ گئی تھی جو مجھے اسے دھیرے دھیرے بتانا تھی۔

میں نے چونک کر فرحین کی طرف دیکھا جس کے لئے اپنی مختصر جسامت کے سبب اگلی نشست پر میرے اور ڈاکٹر شعیب کے درمیان بیٹھنا چنداں مشکل نہ ہوتا تھا۔

فرحین کی نگاہیں مجھ پر جمی تھیں۔ اس کی نگاہوں میں بے یقینی تھی' حیرانی تھی' بے بسی تھی' دکھ تھا......... اور وہ مجسم سوال بنی مجھے دیکھ رہی تھی۔ اپنے جذبات کی رو میں' میں بھول گئی تھی کہ فرحین ہمارے ساتھ تھی۔

"باجی! آپ......... سچ......... کہہ رہی ہیں؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

میں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور دھیرے دھیرے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ میں نے دزدیدہ نگاہوں سے اپنے اور ڈاکٹر شعیب کے روبرو آویزاں آئینے میں دیکھا۔ ڈاکٹر شعیب آئینے کے توسط سے مجھی کو دیکھ رہے تھے۔ بے اختیار میری آنکھیں بھر آئیں' آنسو میری آنکھوں سے ڈھلکے اور فرحین کے نرم و ملائم بالوں میں اترتے چلے گئے۔

آپ کو حساب دینا ہوگا ممی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔

اچانک مجھے اپنے دائیں شانے پر انگلیوں کا لمس محسوس ہوا' میں نے چونک کر دیکھا ڈاکٹر شعیب کا ایک ہاتھ سٹیرنگ وہیل پر تھا دوسرا میرے شانے پر......... شانہ تھپتھپاتے ہوئے انہوں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں مجھے نہ رونے کی تلقین کی۔ میں نے چپ چاپ اپنے آنسو پونچھ لئے۔ ڈاکٹر شعیب نے پہلی بار مجھے چھوا تھا۔ انہیں میں اپنا مربی و محسن ہی نہیں ہمراز و ہمدم بھی باور کر بیٹھی تھی۔

"میں تمہاری ہوں' صرف تمہاری ڈاکٹر شعیب۔" میں نے جی ہی جی میں اقرار کیا۔

اس شب فرحین نے پھر مجھ سے وہی سوال کیا اور مجھے اس کے سوال کا جواب دینا ہی پڑا۔

"ہاں' میری جان۔" میں نے گھائل لہجے میں کہا۔ "یہ سچ ہے کہ ممی نے ہمیں زہر دے کر مارنے کی کوشش کی تھی۔"

"کب؟ کیسے؟"

مجھے اس کے دونوں سوالوں کی تشفی کرنا پڑی۔

"کیوں؟" اس نے پوچھا۔

مجھے اس کے اس سوال کا جواب بھی دینا پڑا۔ مجھے احساس تھا کہ یہ سب کچھ جو مجھے .... بعد اور دھیرے دھیرے بتانا تھا' اپنی ذرا سی چوک کے سبب قبل از وقت .... عجلت میں بتانا پڑ گیا تھا۔

.... انہیں پھاڑے سنتی رہی اور اس کے چہرے پر دکھ اور اداسی کے سائے لحظہ بہ لحظہ .... چلے گئے۔

"........ حارث کو اللہ میاں نے ہم سے نہیں چھیننا تھا؟" وہ یہ دلسوز داستان سننے کے بعد .... آواز میں بولی۔

.... ایک سرد آہ کھینچ کر رہ گئی۔

"........ اتنے بے وقوف کیوں ہیں؟" اس نے کہا۔

"........ مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"........ آپ ممی کو برا کہا کرتی تھیں تو میں سوچتی تھی کہ آپ ممی کو برا کیوں کہتی .... میں سمجھ گئی ہوں کہ آپ انہیں برا کیوں کہتی ہیں مگر......... بھیا اتنے بے .... ہیں! وہ ممی کی سائیڈ کیوں لیتے ہیں؟"

"........ جان!" میں نے اپنے پہلو میں لیٹی فرحین کے ریشمی بالوں میں انگلیاں .... کہا۔ "اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ ہماری ماں ہیں اور دوسری وجہ .... ان لوگوں میں سے ہیں جو ہر حال میں محبت لئے جانے پر یقین رکھتے ہیں۔ چاہت .... چاہت کے طلبگار نہیں ہوتے۔"

.... نے وہ بستر پر چت پڑی چھت کو تکتی رہی پھر اس نے کروٹ لے کر اپنا منہ .... طرف کر لیا۔ دیوار جو اندھی' بہری اور گونگی ہونے کے باوجود رازداری کا حوصلہ .... میں سوچوں کے بحرِ ذخائر میں اتر گئی۔

.... جانے سے قبل جب میں نے یہ دیکھنا چاہا کہ فرحین سو چکی تھی یا جاگ رہی .... نے دیکھا کہ وہ سو چکی تھی مگر اس کی پلکوں پر ہنوز چند قطرے تکے جھلملا رہے .... چادر اوڑھانے کے بعد میں نے جھک کر اسے پیار کرتے ہوئے دل میں کہا۔ .... میں ممی سے تیرے اور حارث کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا حساب ضرور ....

.... سولہ برس کی عمر میں وہ اپنی قامت و جسامت کی اعتبار سے زیادہ .... کی بچی دکھائی دیتی تھی۔

"ممی! خدا کرے آپ کی ساری خوشیاں خاک میں مل جائیں۔" میرے […]
آپ ہی آپ ممی کے لئے بددعا نکلی۔

اگلے روز بھیا اپنی ہفتہ واری تعطیل ہمارے ساتھ گزارنے آ گئے۔ میں […]
بتایا کہ میں ایک ٹی وی پروڈیوسر کی پیشکش پر ایک سلسلے وار ڈرامے میں مرکزی کردار […]
لئے آڈیشن دینے والی تھی تو وہ بہت برافروختہ ہوئے۔

"پاگل ہوئی ہو کیا؟" انہوں نے بھبک کر کہا۔

"کیوں' اس میں پاگل ہونے کی بھلا کیا بات؟"

"ہمارے حالات ایسے نہیں ہیں کہ ہم دنیا کا سامنا کر سکیں۔"

میں نے بھیا کو ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھا اور کچھ دیر ویسے ہی دیکھتی رہی پھر […]
کہا۔ "یہ کہاں کا دستور ہے بھیا کہ خطاکار تو ہنس ہنس کر تصویریں کھنچوائیں اور […]
میں چھپوائیں اور مظلوم و مجبور دنیا کا سامنا کرنے سے ڈرائے جائیں؟" میں […]
نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گی۔ میں ٹی وی […]
کروں گی اور ممی کے لئے خوف اور للکار بن جاؤں گی۔"

"میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔" بھیا نے آنکھیں نکالیں۔

"میں ایسا کروں گی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

میری مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟" بھیا نے حقیر آمیز لہجے میں کہا۔

"مستقبل کی ٹی وی آرٹسٹ۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"جہنم میں جاؤ۔" بھیا نے پاؤں پٹخے۔ وہ انتہائی غصے میں نظر آ رہے تھے۔

میں نے آگے بڑھ کر بڑی محبت سے ان کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ
اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں آپ اور آپ کی […]
میں خوشی خوشی اپنی جان تک دے سکتی ہوں۔" بھیا نے میرا ہاتھ جھٹکنے کی کوشش […]
مگر میں نے ان کا بازو چھوڑ کر نہ دیا اور اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا […]
افسوس ممی کے معاملے میں ہمارے درمیان جھڑپیں چلتی رہتی ہیں حالانکہ خدا کی قسم […]
سے ہر جھڑپ کے بعد میں خود کو بہت پھٹکارتی ہوں' طے کر لیتی ہوں کہ اب […]
سے الجھنے کی کوشش نہیں کروں گی۔ آپ اپنے مسلک پر رہیں' میں اپنے مشن […]
رہوں گی مگر بدقسمتی سے میں اپنے عہد پر قائم نہیں رہ پاتی پھر الجھ پڑتی ہوں آپ […]
دراصل اپنی اپنی جگہ ہم دونوں مجبور ہیں۔ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو آنکھیں […]

[…] ہیں اور جن سے محبت کرتے ہیں ان کی خامیوں سے نظرپوشی کرتے ہیں'
[…] ہیں ہمیشہ ان کے قدموں میں ڈھیر رہتے ہیں۔ یہ سوچنے کی زحمت ہی
[…] کہ جن کی پوجا کی جا رہی ہے ان سے کچھ مل بھی سکتا ہے یا نہیں؟ ان کے
[…] ہے یا پتھر؟ جبکہ میں.......... میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے دل پر لگے
[…] رکھتے ہیں' اپنے پیاروں کو دکھ پہنچانے والے ہاتھوں کو قلم کر دینے کے
[…] ہیں۔"

[…] میری طرف دیکھا پھر لجاجت سے بولے۔ "پلیز' اپنا ارادہ بدل دو۔"

[…] "میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں فیصلہ کر چکی ہوں۔"

[…] دل گیر دیکھ کر میرے دل نے مجھے پھٹکارتے ہوئے کہا۔ "جب اس زنداں
[…] بعد تو نے اپنے اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا فیصلہ
[…] تھا تو بھائی سے بار بار کیوں الجھتی ہے؟ کیوں اسے رنجیدہ کرتی ہے؟"
[…] نے اپنے دل سے کہا۔ "پگلے! میں فرشتہ نہیں انسان ہوں اور تمام انسانی
[…] متصف!"

[…] کی مخالفت کے باوجود میں نے آئندہ ایک ہفتے کے دوران کراچی کے دو پھیرے
[…] بھی ہمارے ہمراہ تھی۔

[…] آڈیشن میں نہ صرف کامیاب قرار دیا گیا بلکہ پروڈیوسر شہباز جمیل اور ان کے
[…] نے توقع ظاہر کی کہ میں ٹی وی اسکرین کے لئے ایک باصلاحیت فنکارہ ثابت
[…] کانٹریکٹ سائن کروانے سے قبل شہباز جمیل نے کہا۔ "زریں بی بی! آپ
[…] آپ کا انتخاب تو عمل میں آ چکا ہے' یہ بتائیے کہ حیدرآباد سے آپ کے کراچی
[…] کا سلسلہ کیونکر رہے گا؟ برا نہ مانئے گا' یہ سوال میں نے اس لئے کیا ہے کہ
[…] ریہرسل کے بعد آپ فاصلے کی طوالت سے گھبرا نہ جائیں۔"

[…] اطمینان رکھئے۔ میں آپ کے لئے کسی پریشانی کا باعث نہ بنوں گی۔" میں
[…]

[…]" انہوں نے کہا پھر اپنے معاون پروڈیوسر سے بولے۔ "ضمیر علی صاحب' بسم
[…] سے کانٹریکٹ سائن کروائیے۔"

[…] کے بغیر؟" ضمیر علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

[…] آپ نے' کیا فرماتے ہیں ضمیر علی صاحب؟" شہباز جمیل نے روئے سخن
[…] کرتے ہوئے کہا۔

"مٹھائی ادھار رہی' اب کی بار جب میں حیدر آباد سے آؤں گی تو بمبئی کی ربڑی اور عمدہ کیک لاؤں گی۔"

"چلئے صاحب' اس یقین دہانی کے بعد تو آپ سے فوراً سے پیشتر کانٹریکٹ سائن کروا لینا چاہئے۔" شہباز جمیل نے ضمیر علی سے کہا۔

کانٹریکٹ سائن کروانے کے بعد شہباز جمیل کے ایما پر مجھے ڈرامے کی ...
اسکرپٹ دیا گیا اور شہباز جمیل نے کہا۔ "انشاء اللہ ایک آدھ روز میں ہم آپ کو ...
کے پروگرام سے مطلع کر دیں گے۔ پھر آپ یہ سمجھئے کہ تقریباً تین ماہ تک آپ ...
شب ہمارے لئے وقف ہوں گے۔ اس ایک سیریل میں آپ کلک کر گئیں تو ...
آپ برسوں ٹی وی اسکرین پر راج کریں گی۔ خدا نے چاہا تو آپ ضرور کلک کریں گی۔"

"ریہرسل کے پروگرام سے آپ مجھے فون پر مطلع کریں گے؟"

"جی ہاں۔"

"مجھے اجازت؟"

"بسم اللہ۔" شہباز جمیل بولے پھر انہوں نے پوچھا۔ "واپس کیوں کر جائیں گی آپ؟"

"گاڑی سے۔"

"گاڑی ہے آپ کے ساتھ؟"

"جی ہاں۔"

"ایک بات پوچھ سکتا ہوں آپ سے؟"

"جی فرمایئے۔"

"اس روز تقریب میں جو صاحب آپ کے ہمراہ تھے وہ آپ کے.........؟"

گویا میری نجی زندگی میں تاک جھانک کا آغاز ہو گیا تھا۔ مجھے دم بھر میں یہ فیصلہ کر لینا پڑا کہ اس سوال کا جواب دے کر میں مختلف النوع استفسارات کے لئے در کھولوں یا اسے بیک جنبش مسترد کر کے آئندہ کے لئے امان پا لینا زیادہ بہتر ہوگا۔ گو دوسری صورت کے نتائج ناخوشگوار بھی ہو سکتے تھے مگر میں نے اسی کو بہتر جانا۔

"شہباز صاحب! میرے گھر والوں نے مجھے اسی شرط پر ٹی وی پر آنے کی اجازت دی ہے کہ میں اپنے فیملی میٹرز کو پبلک پراپرٹی بنا دینے سے گریز کروں گی۔"

غالباً شہباز جمیل کو مجھ جیسی نووارد سے اس قسم کے رویئے کی توقع نہ تھی ... خفیف سے دکھائی دینے لگے۔ ان کے معاون ضمیر علی اور کمرے میں موجود ...

... مجھے دیکھنے لگے۔

"آئی ایم سوری شہباز صاحب۔" میں نے کہا۔ "مگر مجھے یہ بات اس لئے کہنا پڑی ... مجھے ٹی وی پر کام کرنے کی مشروط اجازت ملی ہے۔ دراصل میری فیملی خاندانی روایات ... ہے۔ میں اپنے خاندان کی شوبزنس میں آنے والی پہلی لڑکی ہوں' امید ہے ... میری صاف گوئی کا برا نہ منایا ہوگا۔"

... جمیل جو اپنے معاون کار اور دیگر لوگوں کی موجودگی میں میرا جواب سن کر ... ہو گئے تھے' میرے معذرت چاہنے پر ان کی خفت دور ہو گئی۔ "قطعاً نہیں ... میں تو خوش ہوا ہوں آپ کی صاف گوئی' جرأت اور بے باکی سے۔"

"آپ تکلفاً تو ایسا نہیں کہہ رہے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" وہ بولے پھر انہوں نے مزید کہا۔ "بلکہ آئی فیل پراؤڈ کہ میں نے ... کے لئے محض ایک خوبصورت ہیروئن بک نہیں کی ہے بلکہ ایک پڑھی لکھی' ... اور خاندانی لڑکی کو منتخب کیا ہے۔ میری پیش بینی کہتی ہے زریں بی بی کہ آپ ٹی ... لئے ایک اثاثہ ثابت ہوں گی۔"

... جمیل سے رخصت ہو کر میں لاؤنج میں پہنچی تو ڈاکٹر شعیب کو فرحین کے ... انتظار کرتے پایا۔

"خدایا! یہ شخص' کتنا بے غرض اور بے ضرر ہے۔" میں نے ڈاکٹر شعیب کے تکان ... چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ اسپتال سے چھٹی کر کے وہ مجھے کراچی لے کر آئے ...

☆--------☆--------☆

ابتدائی ایک دو اقساط کی ریہرسل اور ریکارڈنگ کے دوران تو مجھے گھر اور اسٹیشن ... درمیان فاصلے کی طوالت کا شدت سے احساس ہوا۔ تکان بھی بہت زیادہ ہوئی مگر جلد ... کاسٹ میں شامل دیگر خواتین فنکاروں سے خاصی بے تکلفی ہو گئی' تیسری چوتھی قسط ... سارا ہاشانی نامی ساتھی فنکارہ سے میری اتنی دوستی ہو گئی کہ میں ریہرسل اور ... ریکارڈنگ کے لئے ہفتہ بھر کے دوران تین چار مرتبہ حیدر آباد اور کراچی کے درمیان صبح ... پھیرے لگانے کے بجائے سارا کے گھر پر قیام کرنے لگی۔ اتوار کو میں حیدر آباد سے ... آ جاتی اور بدھ کو ریکارڈنگ ختم کروا کے واپس چلی جاتی۔ اس طرح وقت بھی ... ہوتا اور تکان بھی کم ہوتی۔ حیدر آباد سے کراچی آمد و رفت بس کے ذریعے رہی ... فرصت میں اتوار اور بدھ کے درمیان بھی چند گھنٹوں ہی کو سہی گھر کا ایک آدھ

چکر لگا آتی۔

سارا امیر گھرانے کی لڑکی اور اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ مجھے اس نے ا
میں علیحدہ کمرہ دے دیا تھا جو ضروری سہولتوں سے مزین تھا۔ کمرے میں ٹیلی فو
اور میں چاہتی تو گھر پر فون کر کے ڈاکٹر شعیب اور فرحین سے بات کر سکتی تھی مگر
کرنے سے دو وجوہات کی بنا پر گریز کرتی۔ اول میں سارا کی دوستی اور
غیر ضروری فائدہ نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔ یہی کیا کم تھا کہ میں کراچی اور حید
درمیان مسلسل بھاگ دوڑ سے بچ گئی تھی' دوسرے میں نہیں چاہتی تھی کہ
کالوں کے ذریعے خواہ وہ میں سارا کے گھر سے کروں یا شہباز جمیل کے کمرے
میرے نجی معاملات اور اہل خانہ کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔

سارا کو بھی میں نے صرف اتنا بتایا تھا کہ میرے والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ ہم
بہن بھائی تھے اور اپنے انکل کے ساتھ رہتے تھے مگر انکل کیا کرتے تھے؟ ان
کتنے بچے تھے؟ اس سلسلے میں نہ اس نے کریدا تھا نہ میں نے بتایا تھا۔ میں تو سارا کو
نہ بتاتی جتنا کہ بتا دیا تھا مگر اس کی مہربانیوں اور عنایات کا تقاضا تھا کہ میں اسے
دیتی۔ اب یہ اور بات تھی کہ جو کچھ میں نے اسے بتایا تھا وہ پورے کا پورا سچ
ڈیڈی کا انتقال ہو گیا تھا مگر ممی زندہ تھیں۔ ہم اپنے جس مہربان کو انکل بتاتے تھے وہ
اجنبی ناآشنا تھا جسے محض ایک اتفاق نے ہمارا مربی و محسن بنا دیا تھا۔ بہرحال زندگی
اور جھوٹ تو دھوپ اور چھاؤں کی طرح ایک دوسرے کے تعاقب میں چلتے ہیں۔

گھر پر تو میں مصلحتاً خود ہی فون نہ کرتی تھی اور میں نے ڈاکٹر شعیب اور فر
بھی بتا دیا تھا کہ میں فون کرنے سے کیوں گریز کرتی ہوں' تاہم بھیا کو میں ان کے
کے نمبر پر فون کر کے روزانہ ہی بات کر سکتی تھی۔ شروع شروع میں ایک دو مر
نے انہیں فون کیا بھی تھا مگر انہوں نے مجھے سختی سے منع کر دیا تھا کہ میں انہیں فون
کروں۔ ڈاکٹر شعیب کے ہمراہ میں اور فرحین' بھیا سے ملنے کے لئے کبھی کبھی
سے کراچی آتے رہے تھے اس لئے ان کے ہاسٹل کے چند لڑکے میری صورت
تھے چنانچہ ٹی وی پر میرے ڈرامے کی پہلی قسط ٹیلی کاسٹ ہوتے ہی ان صورت
نے مجھے پہچان لیا تھا اور بھیا کو یہ بات میرے ٹی وی پر کام کرنے سے بھی زیادہ معیوب
تھی۔ اتنی معیوب کہ انہوں نے مجھے نہ صرف اپنے ہاسٹل فون کرنے سے منع کر دیا
بلکہ سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ میں اب کبھی ڈاکٹر شعیب کے ساتھ ان کے ہاسٹل آ
کی جرأت نہ کروں۔

ڈاکٹر شعیب کو میں نے منع کر دیا تھا کہ کراچی میں میرے قیام کے دوران وہ مجھ
لئے کراچی نہ آئیں تو بہتر ہو گا۔ میں جانتی تھی کہ نہ تو میں ان سے اس لہجے
پاؤں گی جس لہجے میں انکل سے بات کی جاتی ہے' نہ میں اپنے دل کا بھید اپنی
چھلکنے پر پہرا لگا سکوں گی۔ تاڑنے والے تو قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ میں
اڑن آرائیوں کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

شب ڈرامے کی پہلی قسط ٹیلی کاسٹ کی گئی اس روز میں شہباز جمیل کی اجازت
ل چھوڑ کر کراچی سے حیدر آباد پہنچی۔ ڈراما شروع ہونے سے کچھ دیر قبل ڈاکٹر
کلینک سے اٹھ کر گھر میں آ گئے اور ایسا انہوں نے میری خواہش کے احترام
فرحین' اللہ رکھی' غلامو اور چوکیدار بابا سبھی ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھے تھے۔
اناؤنسر نے اعلان کیا کہ آج ہم ایک نئے سلسلے وار ڈرامے "آگ میں پھول" کی
کر رہے ہیں' میرا دل بے مہار ہو کر دھڑکنے لگا۔ ڈرامے کی پہلی قسط کا تانا بانا
لڑکی کے مرکزی کردار پر محیط تھا جو اپنی سوتیلی ماں کے مظالم سے تنگ آ کر ایک
گھر سے بھاگ نکلتی ہے اور درمیانی عمر کے ایک امیر و کبیر بزنس مین کی گاڑی
کر زخمی ہو جاتی ہے۔

پہلی قسط کا لب لباب یہی تھا۔

میں نے اپنی پرفارمنس کو تنقیدی نگاہوں سے دیکھا۔ جونہی میں اسکرین پر اپنا سین
[illegible]
ممی کو ٹی وی کے سامنے مبہوت و خائف بیٹھے دیکھ رہی تھی۔

بھیا سے میں نے بہت اصرار کیا تھا کہ وہ میرے ڈرامے کی پہلی قسط دیکھنے کے لئے
آئیں' مگر وہ نہیں آئے تھے اور مجھے ان کے نہ آنے سے ملال ہوا تھا۔
جونہی پہلی قسط کا آخری منظر ختم ہوا میں نے ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے اپنے دل
"دیکھ لیا ممی آپ نے کہ میں زندہ ہوں؟"
پھر میں نے ان لوگوں کو دیکھا جو میرے آس پاس موجود تھے۔ ڈاکٹر شعیب' فرحین'
رکھی' غلامو اور چوکیدار بابا۔

ڈراما ختم ہوتے ہی ڈاکٹر شعیب نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "مبارک!"
"شکریہ!" میں نے کہا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور میرے نزدیک آ بیٹھے۔ "بہت اچھی پرفارمنس دی تم

"آپ کو پسند آئی؟"

"بہت۔" انہوں نے کہا۔ "اچھا باقی تبصرہ محفوظ' کلینک سے واپسی پر بات ہوگی۔"

"بہت شکریہ کہ آپ کلینک سے اٹھ کر آئے۔"

ڈاکٹر شعیب کے جانے کے بعد میں فرحین کی طرف متوجہ ہوئی۔ "ہاں بھئی... تو بتاؤ تمہیں کیسا لگا؟"

"بہت اچھا۔" اس کی آنکھوں سے فخر جھلک رہا تھا۔

اللہ رکھی نے پوچھا۔ "بی بی! اب آپ اگلے ہفتے پھر آؤ گی ٹی وی پر؟"

"ہاں ماسی' تین مہینے تک ہر ہفتے آتی رہوں گی۔"

"بڑا چنگا کم کیا جی آپ نے۔" غلامو بولا۔

"چہ امارا دل پشوری کر دیا۔" چوکیدار بابا نے اپنی مونچھوں کے سرے... ہوئے کہا۔

غلامو اور چوکیدار کو ڈاکٹر شعیب کے ایما پر اللہ رکھی نے ہمارے بارے میں... سے یہی بتایا تھا کہ ہم ڈاکٹر شعیب کے کسی رشتے دار کے یتیم بچے تھے۔ نیز ... کہ والدین کے انتقال کے بعد ڈاکٹر شعیب کے پاس حیدر آباد آتے ہوئے ٹرین میں... ملاقات اللہ رکھی سے ہو گئی تھی۔ وہ دونوں اس بیان کو اب تک سچ باور کئے ہوئے...

اللہ رکھی کی اعلیٰ ظرفی' مالک سے وفاداری اور قابل اعتماد ہونے میں کوئی... [illegible] ... ہم پر تو وہ اول روز سے انتہائی مہرباں... اسی کے آسرے پر تو میں فرحین کو چھوڑ کر تین تین چار چار دن کراچی میں رہ آتی... ورنہ ڈاکٹر شعیب تو اتنے مصروف رہا کرتے تھے کہ اگر اللہ رکھی نہ ہوتی تو میں ... نوکروں پر فرحین کو چھوڑ دینے کی غلطی ہرگز نہ کر سکتی تھی۔

رات کو کلینک سے واپسی پر کھانے کے دوران ڈاکٹر شعیب نے ڈرامے کی ... پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں سوچ بھی نہ سکتا تھا زریں کہ تم اتنی عمدہ ایکٹنگ ... ہو۔ واقعی بہت اچھی پرفارمنس دی تم نے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ بھیا نہیں آئے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھتے تو کتنا مزہ آتا۔"

"بھئی' جب وہ ٹی وی پر تمہارے کام کرنے کے خلاف ہے تو اس کے آنے کی ... ہی عبث تھی۔ خیر تم دل چھوٹا نہ کرو' ہم سب تو تھے۔"

"وہ بھی ہوتے تو اچھا تھا۔" میں نے بوجھل آواز میں کہا۔

"بہرحال میری طرف سے تمہیں اس شاندار آغاز پر دلی مبارکباد۔"

"شکریہ۔"

فرحین حسب معمول ساڑھے نو بجے ہی بستر پر جا چکی تھی۔ ڈاکٹر شعیب کو "شب ...ر" کر میں اپنے کمرے میں آئی تو فرحین کو گہری نیند میں پایا۔ ایک ڈائری اس کے ...اس دھری تھی اور قلم کھلا ہوا اس کے ہاتھ کے نزدیک پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ...یں کچھ سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی ہو۔ میں نے قلم اٹھا کر اس کا ڈھکنا بند کیا ... آہستگی سے فرحین کے سینے پر دھری ڈائری اٹھا کر دیکھنے لگی کہ وہ آخر لکھ کیا رہی ... اس نے سطر در سطر لکھا تھا۔

...اش! میرا قد باجی جتنا ہوتا! میں بھی ٹی وی پر آیا کرتی' اور باجی جتنی خوبصورت ...

اللہ میاں جی! میرا قد لمبا کر دیں' مجھے گھر سے باہر نکلتے ہوئے شرم آتی ہے۔

...ل جب میں بابا کے ساتھ ٹیلر کے ہاں گئی نا تو وہاں ایک بچی میری طرف اشارہ کر ...پاپا' ممی سے کہنے لگی۔ ممی' ایسی چھوٹی سی عورت ہم نے سرکس میں بھی دیکھی تھا نا؟ ...اس کی ممی نے اس کا ہاتھ جھٹک کر آہستہ سے کہا۔ سلی گرل' تم چپ نہیں رہ سکتیں۔

اللہ میاں پلیز!

پلیز!

پلیز!

میرا دل کٹنے لگا۔ فرحین کو چھوٹی سی عمر میں کتنے کرب سے گزرنا پڑ رہا تھا!

میں نے ڈائری اور قلم ایک طرف رکھنے کے بعد فرحین پر جھک کر اس کی پیشانی کو ... اسے چادر اوڑھائی۔ ائرکنڈیشنر چلایا اور سونے کی تیاری کی۔ کینڈل بلب جلا کر ...وب لائٹ بجھانا ہی چاہتی تھی کہ میری نظر سائڈ بورڈ پر رکھی ایک مخملیں ڈبیا پر ... میں نے ڈبیا کھولی تو طلائی زیورات کا ایک نازک سا سیٹ ڈبیا میں آراستہ دیکھا۔ ڈبیا ... شدہ رقعہ بھی تھا۔ میں نے رقعے کی تہیں کھولیں۔ ڈاکٹر شعیب کی تحریر ...لئے اجنبی نہ تھی۔ انہوں نے لکھا تھا۔

...مائی ڈیئر زریں!

تمہاری زندگی کے ایک نئے راستے پر پہلا قدم مبارک ہو۔ میں تمہارے تابناک ...ل کے لئے دعا گو ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ چھوٹا سا تحفہ مجھ سے براہ راست لے ...یں وہ خوشی نہ ہوتی جو تم اسے اپنے سرہانے پا کر محسوس کرو گی۔

...شعیب۔

احساس تشکر سے میری آنکھیں بھر آئیں۔ ڈاکٹر شعیب یہ تحفہ میرے سرہانے غالباً

میں نے میدان مار لیا تھا۔

سیریل ختم ہو چکی تھی اور بتول شہباز میں کلک کر گئی تھی۔ جس کا سلیس ا[illegible]
مطلب یہ تھا کہ میں ڈرامے کے ناظرین' ناقدین اور ارباب اختیار کو اپنی کارکرد[illegible]
متاثر کر دینے میں کامیاب رہی تھی۔

آٹھویں یا نویں قسط کی ریکارڈنگ کے دوران مجھے دو انفرادی ڈراموں کے [illegible]
کرلیا گیا اور آخری قسط ریکارڈ ہونے سے قبل ہی ایک اور پروڈیوسر نے مجھے ا[illegible]
شروع ہونے والے ایک سلسلہ وار کھیل میں مرکزی کردار کی پیشکش کر دی جس
ابھی غور ہی کر رہی تھی کہ دو تین ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں نے مجھے اپنی اشتہار[illegible]
میں کام کرنے کی پیشکش کر دی۔

اگرچہ تقریباً چار ماہ تک کراچی اور حیدر آباد کے درمیان مسلسل سفر کر کر[illegible]
[illegible]
گلہ بھی رہنے لگا تھا مگر میں نے ان پیش کشوں میں سے کسی کو بھی رد نہیں کیا[illegible]
شہرت اور نام کا چسکا برا' دوسرے خود کفالت کا خوشگوار احساس دامن گیر ہو چکا تھا[illegible]
دونوں باتوں سے زیادہ اہم بات یہ کہ بھیا کی تمام تر مخالفت اور ناراضی کے باوجود[illegible]
کے لئے ایک مستقل خطرہ اور مسلسل خوف بن جانے کے درپے تھی۔

نئی پیشکش قبول کرنے سے قبل میں نے ڈاکٹر شعیب کی رائے لینا ضروری [illegible]

"تمہاری مرضی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"میری مرضی کی بات چھوڑیئے' آپ کا مشورہ کیا ہے؟"

"میرا مشورہ تو یہ ہے کہ شوق کو شوق کی حد تک رکھا جائے تو ٹھیک [illegible]
مت بناؤ ورنہ جلد ہی تھک جاؤ گی اور بیمار پڑ جاؤ گی۔"

"آپ اسے شوق گردان رہے ہیں؟"

"تو پھر؟"

"[illegible] ممی سے دو بدو معرکے کی تیاری ہے۔"

[illegible] ثانئے مجھے ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھتے رہے پھر بولے۔ "تم انہیں معاف
[illegible]تیں زریں؟"

"[illegible]یوں؟ کیوں معاف کردوں؟"

"[illegible]اکہ تم اس مسلسل کرب سے نجات پاسکو۔"

[illegible]میں نے ایک سرد آہ کھینچی پھر کہا۔ "اس کرب سے تو مجھے اسی وقت نجات ملے گی
[illegible] اپنے ایک ایک زخم کا حساب ممی اور نانی جان سے لے لوں گی۔" میں نے سر کو
[illegible] "خیر آپ مجھے یہ بتائیے کہ نئے کانٹریکٹ سائن کرنے کی اجازت ہے مجھے؟"

"اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہارا نازک وجود یہ بوجھ سہار سکتا ہے تو بسم اللہ۔"

"میری ظاہری نزاکت کا خیال مت کیجئے' میں اندر سے بہت مضبوط' بہت سخت
[illegible]وں۔"

"ویسے عارف سے بھی مشورہ لے لینا چاہئے تمہیں۔"

"بھیا!" میں نے مسکرا کر کہا۔ "وہ تو نیام سے تلوار کھینچ کر کھڑے ہو جائیں گے۔"

"[illegible]ب یہ جانتی ہو تو پھر خطرہ مول کیوں لینا چاہتی ہو؟"

"کیونکہ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ممی کے معاملے میں ہم بھائی بہن کے مسلک کتنے
[illegible] کیوں نہ سہی' ہمارے دل ایک دوسرے کے لئے دھڑکتے ہیں۔"

[illegible]
[illegible] انہوں نے کہا۔ "میں تمہاری ماں کو بہت بد قسمت عورت سمجھتا ہوں۔"

"کس اعتبار سے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اس اعتبار سے کہ وہ بے لوث محبتوں کو ٹھکرا کر چلی گئیں۔ عارف کو ان کی تمام تر
[illegible] اور مظالم کے باوجود ہنوز ان سے محبت ہے۔ فرحین کے بارے میں بھی میرا
[illegible]کم و بیش یہی ہے اور تم.......... تم ان لوگوں میں سے ہو جو محبت کرتے ہیں تو ٹوٹ
[illegible] کرتے ہیں تو پوری شدت کے ساتھ۔ تمہاری ممی تمہارے ساتھ مخلص رہی
[illegible] تو مجھے یقین ہے کہ تم ان سے سب سے زیادہ پیار کرنے والی اولاد ثابت ہوتیں۔"

شاید انہوں نے غلط نہیں کہا تھا۔ ممی سے میری محبت کا کبھی یہ عالم ہوا کرتا تھا کہ
[illegible] ہم بہن بھائیوں کو شرارتوں اور اودھم بازی سے باز رکھنے کو جھوٹ موٹ بھی یہ
[illegible]دیتیں کہ ان کے سر میں درد ہے تو سب سے پہلے میں دم سادھ کر بیٹھ جایا کرتی تھی
[illegible] جو ممی کو سوتے ہوئے زیادہ دیر ہو جاتی تو میں ان کے نزدیک جا کر ان کے سینے پر

پرورش پائی' بورڈنگ ہاؤس میں بچپن گزارا اور ہاسٹل میں جوانی' والدین کی عدم تو... اسے ان سے متنفر سا کردیا تھا اور ہر ممکن سہولت اور آسائش فراہم کئے جانے کے... وہ ان کا نہ بن سکا تھا۔

والدین اسے ڈاکٹر یا انجینئر بنانا چاہتے تھے مگر فن سے محبت اس کے خمیر میں... تھا۔ وہ رقاص تو خیر نہ بنا' البتہ ٹی وی ڈراموں کا ہیرو بن گیا تھا۔ وہ ٹی وی پر میر... ڈرامے میں جو تیرہ اقساط پر مشتمل ایک سلسلے وار ڈرامہ تھا' میرا ہیرو بنا تھا اور ہم ... کی جوڑی کو اس قدر پسند کیا گیا تھا کہ بعد ازاں کئی انفرادی اور سلسلے وار ڈراموں ... میرے ساتھ ہیرو کی حیثیت سے شامل رہا تھا۔ ہم نے کئی اشتہاری فلموں میں بھی ... کام کیا تھا۔

خالد آفاق کے والد آفاق خورشید کا چند برس قبل خون کے سرطان میں انتقال ہو... تھا۔ شوہر کے انتقال کے بعد ثریا آفاق نے رقص سکھانے کا ایک تربیتی ادارہ کھول لیا... مادی طور پر وہ خاصی خوشحال خاتون تھیں مگر جذباتی اعتبار سے وہ بڑی منتشر تھیں۔ ... جو اپنے بچپن میں ان کی محبت اور توجہ کا طلبگار رہا کرتا تھا اب وہ اس کی توجہ کی ... تھیں اور وہ ایک ہی گھر کی چھت تلے ان کے ساتھ رہنے کے باوجود انہیں قابل ... گردانتا تھا۔

ثریا آفاق سے میری پہلی ملاقات ایک المیہ ڈرامے کی غیر معمولی کامیابی ... ہوئی تھی۔ مذکورہ ڈرامے میں ہم دونوں نے مرکزی کردار ادا کئے تھے۔ اس کھیل کے ... کئے جانے کے اگلے روز ہی ثریا آفاق نے مجھے ٹی وی اسٹیشن پر فون کیا اور اپنا تعارف ... کرانے کے بعد مذکورہ کھیل میں یادگار کردار ادا کرنے پر مجھے مبارکباد دیتے ہوئے ... گھر آنے کی دعوت دی' میں نے ان سے وعدہ کرلیا کہ کسی روز خالد کے ہمراہ ان ... دولت کدے پر حاضری دوں گی۔

میں نے اپنا وعدہ وفا کیا اور جلد ہی ایک روز خالد کے ہمراہ اس کی والدہ ثریا آفاق ... سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئی۔ وہ بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے مجھے اپنا وہ ... ادارہ بھی دکھایا جو انہوں نے اپنے بڑے سے گھر کے ایک حصے میں کھول رکھا تھا ... سے اپنی پہلی ملاقات میں میرے لئے یہ اندازہ کرنا دشوار نہ تھا کہ ان سے خالد کے ... میں قدرے سرد مہری تھی۔

بعد ازاں ثریا آفاق سے گاہے گاہے ملاقات رہنے لگی کبھی خالد مجھے ریہرسل یا ... ریکارڈنگ میں وقفے کے دوران چائے پلانے یا کھانا کھلانے کے لئے زبردستی اپنے گھر ...

... ثریا آفاق مجھے بطور خاص مدعو کرلیتیں۔ اسی آمدورفت کے نتیجے میں ہمارے ... تعلقات بڑھے اور دھیرے دھیرے مجھے ثریا آفاق اور خالد کی زبانی ان کی داستان ... مختلف پہلوؤں سے آگہی کا موقع ملا۔

... ثریا آفاق کے ایما پر میں نے خالد کے دل سے ان کے خلاف بدگمانی دور کرنے اور ... سمجھانے بجھانے کی بہت کوشش کی کہ اپنی معاشی مجبوریوں کے باعث اس کے ... وہ توجہ نہ دے سکے تھے جو اس کا حق بنتا تھا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ ... محبت نہ رکھتے تھے۔ باپ کو مرتے مرتے اس کی بے رخی کا صدمہ رہا اور اب ... اس کی توجہ کی آس لگائے بیٹھی تھی مگر وہ اس سلسلے میں میری زیادہ بات سننے پر ... ہوا۔

"میں انہیں احساس دلانا چاہتا ہوں کہ کبھی مجھے بھی ان کی ایسی ہی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔" خالد نے میرے سمجھانے بجھانے کے جواب میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے تم اپنی والدہ سے انتقام لے رہے ہو؟"

"یہی سمجھ لو۔"

"بری بات ہے خالد۔"

"بری ہو یا اچھی' میں مم کو اسی سلوک کے لائق سمجھتا ہوں۔"

مجھے یوں لگا جیسے خالد کی اور میری کہانی بہت ملتی جلتی تھی' ہم دونوں ہی اپنی اپنی ... انتقام بنائے ہوئے تھے اور اپنی محرومیوں اور زیادتیوں کا بدلہ لے رہے ... تھے۔ ہم دونوں میں اگر فرق تھا تو رویوں کا۔ وہ اپنے دکھوں اور محرومیوں کا علی ... ہر ایک پر اظہار کردیا کرتا تھا جبکہ میں نے اپنے دکھ اپنے دل میں چھپائے رکھے ... میں اپنے زخموں کی تشہیر کرتی تھی۔

خالد کے اور میرے درمیان بے تکلفی روز بروز بڑھتی چلی گئی اور ہمارے ساتھیوں ... غیر معمولی باہمی بے تکلفی کے چرچے ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ایک روز اس ... مجھ سے بلا تکلف نہ صرف اظہار محبت کردیا بلکہ دوچار مرتبہ اس اظہار کے اعادے ... شادی کا پیغام بھی دے ڈالا۔ اس سے وہ مجھے بہت ہی سادہ' بے ضرر اور معصوم ... لگا وہ بڑے مان سے مجھ سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کچھ اس طور کر رہا تھا ... اپنی پسند کا کھلونا لینے کی فرمائش کر رہا ہو۔

"خالد!" میں نے رسان لہجے میں کہا۔ "تمہاری اور میری دوستی تو چل سکتی ہے ... شادی نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اپنی اپنی جگہ ہم دونوں ہی اپنے اپنے ذاتی المیوں کا شکار ہیں۔ تمہیں [illegible] تمہارے اپنے والدین کے طرز زندگی کی وجہ سے ان کی محبت نہیں مل سکی۔ [illegible] میرے بہن بھائی اس امرت کے چند گھونٹ ہی پینے پائے تھے کہ اجل کا ہاتھ [illegible] والدین کو ہم سے چھین کر ہمیں ان کی محبت سے محروم کر گیا۔ ہم دونوں ہی تشنہ [illegible] اپنی اپنی محرومیوں کے حصار میں الجھے ہوئے لوگ ہیں۔ ہم ایک دوسرے کو کچھ [illegible] دے سکتے' ایک دوسرے کے دکھوں کا مداوا نہیں کر سکتے' ایک دوسرے کے [illegible] بچا ہے نہیں رکھ سکتے۔ ہمارے حق میں بہتر یہی ہو گا کہ ہم ایسوں کے ساتھ جیون [illegible] میں بندھیں جو خود گھائل نہ ہوں' جو ہمارے زخموں پر مرہم لگا سکیں۔"

"ارے! میں تو آج تک تمہاری عمدہ پرفارمنس کا آدھا کریڈٹ تمہاری [illegible] ڈلیوری کو اور آدھا لکھنے والوں کو دیتا رہا مگر آج پہلی بار یہ عقدہ کھلا کہ تم انیلا متین' [illegible] ناگوری اور فہیم احمد کے پائے کے ڈائیلاگ فی البدیہہ بول سکتی ہو۔ یہ کمال تم [illegible] سے حاصل کیا؟"

انیلا متین' رشید ناگوری اور فہیم احمد ٹی وی کے وہ مشہور و معروف ڈرامہ [illegible] جن کے لکھے ہوئے ڈراموں کے لئے میں نے اداکاری کی تھی اور ہنوز کر رہی تھی۔

خالد کی بات پر میں نے ایک سرد آہ کو سینے میں گھونٹتے ہوئے کہا۔ "زندگی [illegible] [illegible] کوئی اور معتبر نام' سب زندگی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا کرتے ہیں' اگر تم اسے [illegible] کہتے ہو تو یہ کمال میں نے زندگی سے حاصل کیا ہے۔"

کچھ دیر وہ ٹکٹکی باندھے تعریفی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا' پھر اس کی آنکھوں [illegible] یک بیک درد کا سمندر امنڈ آیا اور وہ اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "[illegible] ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر ایک دوسرے کا سہارا بن جائیں۔"

"نہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "زندگی میں ترجیحات مقرر ہونی چاہئیں' [illegible] اپنے لئے ترجیحات مقرر کر رکھی ہیں۔ میری اولین ترجیح یہ ہے کہ میں اپنے بھائی کو [illegible] بنتے دیکھنا چاہتی ہوں جو کہ وہ انشاء اللہ بہت جلد بن ہی جائیں گے۔ دوم میں اپنی [illegible] بہن کو اس کے پیروں پر کھڑے دیکھنا چاہتی ہوں' پھر میں ایک ایسے آدمی کا ہاتھ [illegible] چاہتی ہوں جسے خود سہارے کی ضرورت نہ ہو بلکہ مجھے تھام سکے۔"

میں نے اس کے سامنے اپنی زندگی کی جو ترجیحات بیان کی تھیں ان کی باہمی [illegible]

[illegible] تھیں مگر وہ میری زندگی کی دوسری' تیسری اور چوتھی ترجیحات تھیں' پہلی [illegible] اور تھی۔

[illegible] کاش! میں اسے بتا سکتی کہ میری زندگی کی پہلی ترجیح اپنی ماں سے انتقام لینا اور [illegible] طرح مجبور' بے بس اور پابند دیکھنا تھا جیسے کہ اس نے ہمیں رکھا تھا۔

[illegible] کاش! میں اسے یہ بھی بتا سکتی کہ اس روئے زمین پر ایک شخص ایسا بھی تھا جس [illegible] میں بغیر کسی جبر کے قطعاً اپنی خوشی سے پیشانی ٹیک چکی تھی۔ وہ ہمدرد تھا' [illegible] غمگسار تھا' مسیحا تھا اور میرے زخموں کی تکور اس سے بہتر کوئی اور نہ کر سکتا تھا۔

[illegible] کی روایات کے مطابق خالد آفاق سے میری دوستی اور روز افزوں بے [illegible] نئے معنی دیئے جانے لگے۔ اخبارات کے فلمی صفحات اور جرائد و رسائل [illegible] دونوں کے بارے میں چٹ پٹی سرخیاں جمائی جانے لگیں۔

[illegible] خاتون صحافی نے اپنے رسالے میں لکھا۔

[illegible] خالد آفاق جو کل تک ہنسنے میں بھی اپنی تیوریوں پر ایک درجن بل ڈالے رہا [illegible] آج زریں آصف کی ہلکی سی مسکراہٹ کو اپنے بلند و بانگ قہقہوں کا نذرانہ پیش [illegible] دیتا ہے۔ اس کی تیوریوں کے بل خدا جانے کہاں غائب ہو گئے ہیں؟ لگتا ہے [illegible] آصف نے اس کی کایا کلپ کر دی ہے۔ نہ صرف اسٹیشن پر بلکہ اسٹیشن سے باہر [illegible] دونوں ہمہ وقت اکٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ دونوں [illegible]

[illegible] مذکورہ خاتون صحافی کے اس بیان کو سو فیصد جھوٹ کے زمرے میں تو ہرگز نہ ڈالا [illegible] تھا۔ اس میں شک نہیں کہ خالد کے ساتھ کام کے ابتدائی دنوں میں وہ مجھے بھی [illegible] اور بددماغ لگا کرتا تھا۔ اس کی پیشانی پر ہنستے میں بھی ایک درجن نہیں بلکہ [illegible] بل رہا کرتے تھے مگر مجھ سے دوستی اور بے تکلفی کے نتیجے میں اس کی بددماغی [illegible] میں بتدریج کمی واقع ہوئی تھی۔ اب تو اس کا یہ عالم تھا کہ دوسروں سے [illegible] میں میرے ساتھ تو وہ پھر بھی اچھا خاصا سنجیدہ ہو جاتا تھا مگر لوگوں کی موجودگی میں تو [illegible] ساتھ ہنسی مذاق اور خوش گپیوں ہی میں لگا رہتا۔

[illegible] کی والدہ ثریا آفاق نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کیا تھا اور بہت خوش تھیں۔ [illegible] کے وہ تنہائی اور یاسیت کے اس حصار سے نکل آیا تھا جس کا اب تک اسے [illegible] ایک ہی فائدہ پہنچا تھا اور وہ یہ کہ وہ اپنی غیر معمولی حساسیت کے باعث ایک عمدہ [illegible] گیا تھا۔ ثریا آفاق کے بقول اب تو خالد کا رویہ گھر میں بھی بدل گیا تھا۔ وہ ہمہ

وقت تناؤ میں رہنے کے بجائے پُرسکون رہنے لگا تھا۔ ثریا آفاق کا خیال تھا کہ ... میری مرہونِ منت تھی۔

بہرحال یہ تبدیلی مجھے خاصی مہنگی پڑ رہی تھی۔ آئے دن اخبارات و رسائل میں میرے اور خالد کے بارے میں نت نئی خبریں بھیا کو مجھ سے خفا کردیتیں۔ ایسی ... میرے سامنے پیچ کردہ دانت پیستے ہوئے کہتے۔ "یہ کیا کررہی ہو تم؟"

"بکواس ہے یہ سب۔"

"ہاؤس جاب کے بعد مجھے اسی معاشرے میں پریکٹس کرنی ہے۔" ایک روز ... نے جھنجلا کر کہا۔

"میں جانتی ہوں۔"

"پھر بھی......"

"پھر بھی کیا؟"

"پھر بھی تم یہ بدنامی مول لیتی پھررہی ہو۔ کل کو لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھایا کریں کہ یہ ہے وہ شخص جس کی بہن کا فلاں آدمی سے افیئر رہا تھا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ خالد میرا ساتھی آرٹسٹ ہے۔ میری اس سے ... ہے اور بس۔"

"تو یہ سب جو لکھا جارہا ہے کیا جھوٹ ہے؟ ایک آدمی جھوٹ لکھ سکتا ہے ... [illegible] نہیں۔"

"شوبز میں آنے والوں کی بدقسمتی یہی ہے کہ ان کے بارے میں لکھی ہوئی چھوٹی سی بات بھی بڑی بن جاتی ہے اور جھوٹ کو سچ سمجھا جاتا ہے۔"

پھر ایک اور دن بھیا نے میرے اور خالد آفاق کے بارے میں اس بے ... اشاعت پر کہ اس کی کار رات کے وقت اکثر میری قیام گاہ کے باہر کھڑی ہوئی ... جارہی تھی۔ مجھ پر بری طرح برستے ہوئے کہا۔ "تم اس شخص سے شادی کیوں کرلیتیں۔"

"آپ کون ہوتے ہیں مجھے اس سے شادی کا مشورہ دینے والے؟" میں نے ... غصے سے کہا۔

"تمہارا بھائی۔" وہ دانت پیس کر بولے۔

"شادی میرا ذاتی معاملہ ہے' آپ کو کوئی حق نہیں ہے مجھے مشورہ دینے کا۔"

"ہماری بدنامی ہو رہی ہے۔"

"... بدنامی کی آپ نے بھلی کہی۔" میں نے بھیا کو ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ... نے جو کچھ کیا اس سے آپ کی کوئی بدنامی نہیں ہوئی۔"

"... آپ!" بھیا دہاڑے۔

"ہاں' اب کیسے تلملائے آپ!"

... ہاتھ اٹھا اور اگلے ہی لمحے میرے گال پر ان کی چار انگلیوں کے نشانات ثبت ...

... آنکھوں آگے تارے ناچنے لگے۔ میرا گال تمتما اٹھا مگر میں روئی نہیں۔ ... بہا کر میں بھیا پر اپنی کمزوری اور بزدلی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

... اپنے اعزہ واقربا سے ملنے کے لئے گاؤں گئی ہوئی تھی' غلامو سودا سلف لینے ... ہوا تھا۔ چوکیدار بابا دروازے پر تھے۔ گھر میں اس وقت ڈاکٹر شعیب' بھیا' فرحین ... تھے۔ ڈاکٹر شعیب بھی برآمدے میں اپنی اس مخصوص کرسی پر نیم دراز مطالعے ... تھے۔ جہاں وہ تعطیل والے دن کوئی اور پروگرام نہ ہونے پر اکثر نظر آیا کرتے ... میں ہماری آوازیں تیز ہوتی سن کر وہ لپکے ہوئے آئے۔

"کیا ہوا بھئی؟" انہوں نے پوچھا۔

ہم دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔

"کیا ہوا؟" ڈاکٹر شعیب نے پہلے بھیا کی طرف دیکھا پھر میرے روبرو' میرے بہت ... [illegible] ... میں جو بھیا پر اپنی ... ایک ہمدرد غمگسار کو اپنے نزدیک پاکر پگھلنے لگی۔

"ٹپ! ٹپ!! ٹپ!!! آنسو میری آنکھوں سے ڈھلکنے لگے۔

"میاں! کچھ بتاؤ تو سہی کہ کیا ہوا؟" ڈاکٹر شعیب نے بھیا سے پوچھا۔ ان کے لہجے ... کے ساتھ موہوم سا دکھ بھی تھا۔

بھیا آگے بڑھے اور انہوں نے مجھے اپنے بازوؤں کے حصار میں سمیٹ کر اپنے سینے ... لگالیا۔ میں بلک بلک کر رونے لگی اور بھیا دھیرے دھیرے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر ... تھپتھپا کر مجھے دلاسا دینے لگے۔

"آئی ایم سوری زری۔" انہوں نے دھیرے سے کہا۔

... دیر ہم یونہی کھڑے رہے۔ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوچکا تو میں نے اپنا آنسوؤں سے ... بھیا کے سینے سے نکال کر انہیں دیکھا اور بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔ "آپ اگر یہ ... ہیں کہ میں خالد آفاق سے شادی کرنا چاہتی ہوں تو یہ سچ نہیں ہے۔ وہ میرا ساتھی

آرٹسٹ ہے اور بس' ہاں ہماری طرح کچھ اکیلے بچپن سے اس کے ساتھ بھی لگے۔
اسی درد مشترک نے ہمیں دوستی کی زنجیر میں باندھ دیا ہے ورنہ اور کوئی بات
اخبارات جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ سچ نہیں ہے مگر سو فیصد جھوٹ بھی نہیں۔ رائی کا
بنائے جا رہے ہیں۔ وہ ایک رات ریکارڈنگ ختم ہونے کے بعد مجھے اپنی گاڑی میں
قیام گاہ تک پہنچانے آیا تو میں نے اسے ایک کپ کافی کی پیشکش کر دی۔ بمشکل دس
اس کی گاڑی باہر کھڑی رہی۔ سوئے اتفاق کسی نے دیکھ لیا ہوگا' بس خبر لگ گئی کہ اس کی
گاڑی راتوں کو میری قیام گاہ کے باہر کھڑی دیکھی جاتی ہے۔" میں رکی پھر میں نے
لہجے میں کہا۔ "اور آپ نے یقین کر لیا؟ کیا آپ کو مجھ پر........ اپنی بہن پر بھروسا نہ
رہا؟" میں ایک بار پھر بلبلا کر رونے لگی۔

ڈاکٹر شعیب جو صورتِ حال کو سمجھ چکے تھے' بھیا کے شانے پر ہاتھ دھر کر بولے۔
"صاحبزادے! شوبزنس سے وابستہ خواتین کو ایسے ہی مسائل سے دوچار رہنا پڑتا ہے۔"

بھیا نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور ڈاکٹر شعیب کی جانب دیکھ کر بولے۔ "سر اس
پگلی سے کہا کس نے تھا شوبز میں جانے کو؟"

"میں نے زریں کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ بی بی' رخ تو کر رہی ہو اس میدان کا
مگر یہ سمجھ لینا کہ تمہاری نجی زندگی بھی عوامی ملکیت سمجھی جائے گی اور لوگ جس طرح
چاہیں گے اس میں تصرف کریں گے۔"

تب ہی میری نظر ریشمی پردے کے پیچھے سے جھانکتے ان پیروں پر پڑی جنہیں میں
سات پردوں میں بھی پہچان سکتی تھی۔

"فرحین! میری جان' یہاں آؤ۔" میں نے اسے پکارا۔

مگر وہ اندر آنے کے بجائے پلٹ گئی۔

ہر تعطیل کی طرح اس شب بھی جلدی کھانا کھا لینے کے بعد بھیا کے ساتھ سبزہ زار
پر چہل قدمی کرتے ہوئے میں نے ان سے کہا۔ "میں نے آج تک آپ سے کوئی بات
نہیں چھپائی۔ ڈیڈی کے انتقال اور ممی کے نظریں پھیر لینے کے بعد آپ اور فرحین ہی
میرے لئے سب کچھ ہیں۔ فرحین چھوٹی ہے' اس سے میں ایسی کوئی بات کہہ نہیں سکی
مگر آج آپ کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ اگر میں نے شادی کی تو ڈاکٹر شعیب سے کروں گی۔"

بھیا چلتے چلتے تھم گئے۔ انہوں نے سبزہ زار پر ایستادہ خمیدہ سروں والے روشنی کے
مودب و منکسر کھمبوں کی دودھیا روشنی میں مجھے بے یقینی' حیرت اور اشتباہ سے دیکھا۔

میں ان کی نگاہوں کا مطلب سمجھ گئی۔

"ان نئے شک یا وہم میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے دھیمے سُروں میں
"ہمارے اس گھر میں آنے اور آپ کے کراچی جانے کے بعد سے آج تک کبھی
بھی ڈاکٹر شعیب نے مجھ سے کوئی معیوب بات نہیں کی........ وہ انسان نہیں
ہیں اور ایسے فرشتے بہت مشکل سے ملا کرتے ہیں میں شادی کروں گی تو انہی

"پاگل تو نہیں ہو گئی ہو تم؟" بھیا نے کہا۔

"کیوں؟ اس میں پاگل ہونے کی کیا بات ہے؟"

"اپنی اور ڈاکٹر شعیب کی عمروں کا فرق معلوم ہے تمہیں؟"

"بہت اچھی طرح۔"

"پھر ایسی حماقت کی بات کیوں کر رہی ہو؟"

"عمر کا فرق غیر اہم ہے میرے نزدیک۔ انسان کو انسانیت کی خوبیوں سے متصف
ہونا چاہئے اور ڈاکٹر شعیب میں انسانی خوبیوں کی کمی نہیں۔"

"اوئے بی سلی زری!"

میں نے مسکرا کر بھیا کو دیکھا اور کہا۔ "آپ مجھے اردو میں ڈانٹیں یا انگریزی میں'
فرنچ میں یا دنیا کی کسی زبان میں' مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں
ضدی ہوں' اڑ گئی سو اڑ گئی۔ جھوٹ بولنا مجھے پسند نہیں اور اپنے فیصلوں پر قائم رہنا
میری عادت ہے۔"

بھیا بے بسی سے مجھے دیکھنے لگے۔

"ویسے میں اکثر سوچتی ہوں کہ مجھے ٹی وی پر دیکھ کر ممی اور نانی جان کا خدا جانے کیا
حال ہوتا ہوگا۔" یہ بات آپ ہی آپ نہ جانے کیوں میری زبان تک آ پہنچی حالانکہ
اس وقت میں بھیا سے چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں قطعاً نہ تھی۔

بھیا آگے بڑھ گئے اور مجھے ان کے پیچھے لپکنا پڑا۔ چہل قدمی کے بعد جب میں اپنے
کمرے میں واپس لوٹی تو فرحین کو اپنی ڈائری میں کچھ لکھتے پایا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے لکھنا
روک دیا اور ڈائری تکیے کے نیچے رکھ کر مجھے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"باجی........"

"ہاں بولو' رک کیوں گئیں؟" میں اس کے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔

"باجی" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو جب آپ کراچی چلی جاتی ہیں تو مجھے

یہ امید رہتی ہے کہ آپ آج نہیں تو کل اور اگر کل نہیں تو پرسوں اور پرسوں
ترسوں گھر آہی جائیں گی لیکن آپ کی شادی ہوجائے گی تو پھر میں آپ کا انتظار
کرسکوں گی؟ اور کب تک انکل کے پاس رہوں گی؟"

میں سمجھ گئی کہ فرحین نے سہ پہر کے وقت بھیا کی اور میری تکرار سن لی تھی
اسی باعث وہ دن بھر مضمحل اور چپ چپ بھی رہی تھی۔

فرحین اب بچی نہ رہی تھی' کالج جانے لگی تھی۔ گو قامت و جسامت کے لحاظ
سے وہ اب بھی بمشکل آٹھ دس سال کی بچی ہی نظر آتی تھی مگر اس کی ذہنی
نارمل تھی۔ اب اس سے حقیقت حال چھپانے کا مطلب تھا' اس کے بھرم کو متزلزل

"جان!" میں نے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "اپنی تعلیم
ہوجانے کے بعد تم تو اپنی شادی ہوجانے پر مجھ سے دور جاسکتی ہو مگر میں کبھی تم
نہیں جاؤں گی' میں نے اگر شادی کی بھی تو اسی گھر میں رہوں گی۔ تمہارے پاس
تمہارے ساتھ۔"

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"ضرور پوچھو۔"

"آپ شادی کس سے کریں گی؟"

فرحین کے اس سوال نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا۔ اس کے سوال کا جواب
میرے لئے چنداں دشوار نہ تھا لیکن [illegible]
دے دینا چاہئے جو درحقیقت میرے ذہن میں تھا یا اپنے اور اس کے رشتے کا لحاظ رکھتے
ہوئے کوئی گول مول سا جواب دے دینا چاہئے؟ آخر کار میں اس کی بڑی بہن تھی
بہن بھی ایسی جس نے ممتا کے جذبے سے ناآشنا ہوتے ہوئے بھی اسے ماں کی کمی محسوس
نہ ہونے دینے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

"بتایئے نا باجی۔" اب اس کے لہجے میں پُراصرار کیفیت تھی۔

"سچ سچ بتا دوں؟"

"ہاں' بالکل سچ۔"

"ڈاکٹر شعیب سے۔"

"ہاں.........." اس نے بڑا سا منہ کھولا پھر بے یقینی سے بولی۔ "سچ؟" اس سے اس
کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جو میں نے ڈیڈی کی موت کے بعد سے کبھی نہ دیکھی تھی۔

"ہاں!" میں نے اقرار کیا اور اس خیال سے کہ کہیں اس کے دل میں میرے

[illegible] کے بارے میں کوئی ایسا ویسا خیال نہ در آئے' کہا۔ "ہمیشہ ہمیشہ اس گھر میں
بھیا اور تم سے دور نہ جانے کی یہی ایک صورت نظر آتی ہے مجھے۔"

"اے تو پھر جلدی کیجئے نا' انتظار کس بات کا ہے؟" فرحین کی آنکھوں سے لبوں
سے خوشی کا بے پایاں احساس چھلکے پڑ رہا تھا۔

"میری جان! میں خود تو نہیں کہہ سکتی نا ان سے کہ جناب میں آپ سے شادی کرنا
چاہتی ہوں۔" میں نے دروغ مصلحت آمیز سے کام لیتے ہوئے کہا حالانکہ ڈاکٹر شعیب
یہ بات کہہ چکی تھی۔

"اوہو! یہ کون سی مشکل بات ہے۔" وہ بولی۔

"ہاں' مرد کے لئے تو کسی لڑکی کو پروپوز کردینا کوئی مشکل نہیں ہوتا بلکہ بعض
کا تو مشغلہ یہی ہوتا ہے کہ وہ ہر لڑکی کو شادی کا پیغام دیتے پھرتے ہیں۔ البتہ کسی
لڑکی کے لئے کسی مرد سے یہ کہنا کہ وہ اس سے شادی کی خواہشمند ہے' ذرا ٹیڑھا مسئلہ
ہے۔"

"آپ فکر ہی نہ کریں۔" فرحین نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

اگلے روز بھیا تو پہلی کوچ سے کراچی چلے گئے۔ مجھے دو چار دن کی فراغت تھی اس
لئے میں حیدرآباد ہی میں ٹھہری رہی۔ جب سے شو بزنس میں میری مصروفیات بڑھی
تھیں ایسے وقفے کم ہی ملتے تھے۔ ان وقفوں کے دوران میں حیدرآباد میں رہنا اور فرحین
[illegible] پسند کرتی تھی۔

آٹھ بجے کے لگ بھگ ڈاکٹر شعیب اور فرحین گھر سے نکلے۔ فرحین کا کالج
بھی آٹھ بجے شروع ہوتا تھا اور ڈاکٹر شعیب کو نو بجے تک ہسپتال پہنچنا ہوتا تھا چنانچہ
فرحین کو اس کے کالج چھوڑتے ہوئے وہ اپنے ہسپتال چلے جایا کرتے تھے۔

ان کے جانے کے بعد میں نے غلامو کو گوشت ترکاری لینے کے لئے بازار بھیجا اور
اس کے جانے کے بعد گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئی۔ ماسی اللہ رکھی کے نہ ہونے سے
گھر کا سارا نظام الٹ پلٹ گیا تھا۔ وہ پندرہ سولہ دن کے لئے گئی تھی اور دو روز قبل جب
میں حیدرآباد پہنچی تھی تو ماسی کو گئے اگرچہ تیسرا یا چوتھا ہی دن تھا مگر گھر کا نظام الٹا پڑا تھا۔
فرحین اول تو اتنے بڑے گھر کی دیکھ بھال سے قاصر تھی' دوسرے جب سے میں شو بزنس
میں گئی تھی ماسی کی عدم موجودگی میں ڈاکٹر شعیب' فرحین کے معاملے میں غلامو اور
اس کے بابا پر اندھا اعتماد نہ کرتے۔ جب ماسی اپنے عزیز رشتے داروں سے ملنے کے لئے
جاتی تو ڈاکٹر شعیب' فرحین کو صبح اپنے ساتھ لے کر نکلتے۔ پہلے اسکول پہنچایا کرتے

تھے اب کالج چھوڑتے' اسپتال جاتے اور دوپہر کو اسپتال سے واپسی پر اسے اپنے ہمراہ ہوئے گھر لوٹتے۔ شام کو کلینک کھلنے تک گھر ہی میں رہتے اور باوجود یہ کہ کلینک گھر کے ایک حصے میں تھا' انٹرکام پر دو تین مرتبہ فرحین سے ضرور رابطہ قائم کرتے۔

فرحین کے معاملے میں ان کی اس احتیاط نے میرے دل میں ان کی وقعت اور بڑھا دی تھی۔ میں ان کی بندی بے دام بن گئی تھی۔ دل ہی دل میں کسی داسی کی طرح ان کی سیوا کرتی تھی' پریم روگن بن گئی تھی۔ اپنے جملہ حقوق ان کے نام محفوظ کر بیٹھی تھی۔

خالد سے اپنی دوستی' بے تکلفی اور اس کے درد کا گہرا احساس رکھنے کے باوجود میں نہیں بیسیوں مرتبہ اسی کا پیام شادی رد کرنے کی واحد وجہ یہی تھی کہ میں ڈاکٹر شعیب سے شادی کرنا چاہتی تھی کیونکہ ان کا ہاتھ تھام لینا میں محض اپنے لئے ہی نہیں اپنے بھائی بہن کے حق میں بھی انتہائی بہتر سمجھتی تھی۔

خالد کی والدہ ثریا آفاق نے بھی اس سلسلے میں مجھ سے بات کی تھی۔ وہ میرے بزرگوں سے ملنے کی خواہاں تھیں اور جس محبت اور لجاجت سے انہوں نے مجھ سے بات کی تھی گو میں انہیں صاف جواب دینے کی تو ہمت نہ کر سکی تھی تاہم انہیں ٹال گئی تھی۔

اپنے طور پر میں یہ طے کر چکی تھی کہ شادی اگر کی تو ڈاکٹر شعیب سے کروں گی ورنہ کسی سے بھی نہیں۔ لطف کی بات یہ تھی کہ یہ فیصلہ قطعاً یک طرفہ تھا۔ مجھے اس کی پروا نہیں تھی کہ میرے بارے میں ان کے کیا جذبات و احساسات تھے۔ میں تو بس اتنا جانتی تھی کہ میرے ... [illegible]

حارث اور فرحین کی ذمے داری نے میرے کنوارے سینے میں ماں کا دل تو انہی دنوں رکھ دیا تھا جن دنوں ہم نانی جان کے ہاں زنداں میں قید تھے اور میں ان دونوں کو بہلایا پھسلایا کرتی تھی۔ رہی سہی کسر ڈاکٹر شعیب کے ہاں آ کر پوری ہو گئی تھی۔ گھر کی مالکن کی عدم موجودگی کا منطقی نتیجہ یہ نکلا تھا کہ میں تھوڑے ہی عرصے میں گھر کے بہت سے معاملات میں مختار بن گئی تھی۔ بالخصوص اس رات کے بعد جب کہ میں نے ڈاکٹر شعیب سے رات کی تنہائی میں اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں ان سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ میں خود کو اس گھر کی مالکن سمجھنے لگی تھی۔

گریجویشن کر کے گھر بیٹھ جانے کے بعد اس احساس میں اتنی شدت آ گئی تھی کہ میں نفسیاتی طور پر خود کو ڈاکٹر شعیب کی تابع و مطیع سمجھنے لگی تھی۔ جب وہ گھر سے باہر جانے نکلتے تو میں انہیں کم و بیش کچھ ویسے ہی جذبات کے ساتھ خدا حافظ کہتی جیسے کوئی اطاعت گزار عورت اپنے مرد کو رخصت کیا کرتی ہے' ان کی عدم موجودگی میں' میں ان کے گھر کا

طرح خیال رکھتی جیسے ایک وفادار عورت اپنے گھر کا خیال رکھا کرتی ہے۔ مجھے ان کی چھوٹی بڑی ضروریات کا انتہائی خیال رہتا۔ ان کے کام کرنے میں مجھے عجیب سی تسکین ملتی۔ میں ان کے کھانے پینے' لباس' کمرے کی صفائی ستھرائی اور آرام کا خیال رکھتی۔ ان کی پسند کے کھانے پکاتی' دھوبی کے ہاں سے کپڑے آنے کے بعد ان کے بٹن دیکھتی کہ کہیں کوئی مرمت طلب تو نہیں تھا۔ جب وہ گھر واپس لوٹتے تو ایک اطاعت گزار اور وفا شعار عورت کی طرح مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کرتی۔ باہر جاتے ہوئے گاڑی کی اگلی نشست پر ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے مجھے یوں لگتا جیسے میں بھی جیون ڈور میں ان کے ساتھ بندھی تھی۔ گھر سے بھیا کی دوری نے ڈاکٹر کی بابت میرے ان جذبات کو ہوا دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور اب عالم یہ تھا کہ وہ دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر ہونے اور ایک صحافی کی رائے میں "لاکھوں نوجوان دلوں کی دھڑکن" بن جانے کے باوجود ذرا فراغت پاتے ہی میں کچھ اس طرح حیدر آباد والے گھر میں اپنے گھر' شوہر اور بچوں سے محبت کرنے والی کوئی وفا شعار عورت تھی اور حیدر آباد پہنچتے ہی میں ہیروئنوں والا سارا گلیمر ایک طرف رکھ تن من دھن سے گھر داری میں مصروف ہو جاتی' بالکل ایسے ہی جیسے میں اس بار بھی ہو گئی تھی۔

بابو کو سودا سلف لانے کے لئے بازار بھیجنے کے بعد میں گھر کی جھاڑ پونچھ میں مصروف تھی کہ قطعاً غیر متوقع طور پر ڈاکٹر شعیب گھر واپس لوٹ آئے۔

"آپ؟" میں چونکی۔

"ہاں۔"

"کچھ بھول گئے تھے کیا؟"

"نہیں۔"

"طبیعت ٹھیک؟" میں نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں' میری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

ان کا یہ جملہ اور اس جملے میں "تو" کا استعمال مجھے خاصا معنی خیز محسوس ہوا۔ کہیں فرحین کو تو کچھ نہ ہو گیا تھا۔

"فرحین............ فرحین کہاں ہے؟"

"اپنے کالج میں۔"

"کوئی بات ضرور ہے۔"

"ہاں' بات تو ہے۔" انہوں نے اپنے زیریں ہونٹ کا دایاں کنارا اپنے دانتوں کی

بالائی قطار تلے دباتے ہوئے کہا۔

"میرا دل گھبرانے لگا ہے۔ جو بات بھی ہے جلدی بتایئے۔" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آرام سے.......... آرام سے.........." انہوں نے مجھے تسلی دی۔ "گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر آپ اپ سیٹ کیوں ہیں؟"

"اپ سیٹ اس لئے ہوں کہ آج مجھے فرحین خاصی اپ سیٹ دکھائی دے رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ مجھ سے کوئی بات کہنا چاہتی تھی اور کہہ نہ پا رہی تھی۔ میں نے بہت پوچھا' وہ ہمت کرتی تھی مگر پھر پسپائی اختیار کر لیتی تھی۔ کیا گزشتہ رات وہ کچھ پریشان تھی؟"

"نہیں تو۔"

"تو پھر آج وہ اتنی الجھی ہوئی کیوں دکھائی دے رہی تھی؟" ڈاکٹر شعیب کے لہجے میں تشویش عیاں تھی۔ "میں تو اسے گھر واپس لا رہا تھا مگر وہ واپس آنے پر آمادہ نہ ہوئی۔" انہوں نے توقف کیا پھر بولے۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کل تمہارے اور عارف کے جھگڑے کی وجہ سے کچھ پریشان ہو؟"

"تھی مگر رات میں نے اس کی پریشانی رفع کر دی تھی۔"

"پھر.......... ہو سکتا ہے اس کے کچھ اثرات باقی ہوں اور وہ مجھ سے اسی سلسلے میں کچھ بات کرنا چاہتی ہو۔"

"آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ دوپہر کو جب آپ اسے کالج سے گھر لائیں تو راستے میں پوچھ لیجئے گا۔" میں نے رائے دی۔ ویسے اپنے طور پر میں سمجھ چکی تھی کہ فرحین ان سے کیا کہنا چاہتی تھی۔

"پریشان اس لئے ہو رہا ہوں کہ فرحین کے لئے میرے احساسات کی نوعیت کم وبیش وہ ہے جو.......... کہ ایک باپ اپنی بیٹی کے لئے رکھتا ہے۔ نہ جانے کیوں وہ مجھے اتنی عزیز ہو گئی ہے کہ میرا بس نہیں چلتا کہ اسے نارمل قدو قامت دینے کے لئے کیا کر ڈالوں.......... میں اس وقت اس کے لئے پریشان اس لئے بھی ہو رہا ہوں کہ وہ انتہائی زود رنج اور زود حس لڑکی ہے۔ چھوٹی سی بات بھی اس کے لئے بڑی تکلیف اور دکھ کا موجب بن سکتی ہے۔" وہ رکے پھر انہوں نے کہا۔ "برا مت منانا زریں' تمہیں اور عارف کو گھر میں فرحین کی موجودگی کے دوران آپس میں تکرار سے گریز کرنا چاہئے۔"

"میں کوشش کروں گی۔" میں نے خفت محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے تم نے میری اس نصیحت کا برا نہ منایا ہو گا۔"

میں نے بڑی محبوبیت سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں بھلا یہ جرأت کر سکتی ہوں۔"

"اچھا تو میں چلوں مگر فرحین کالج سے واپس آئے تو ذکر نہ کرنا میرے آنے کا۔"

"بہتر۔"

میں انہیں خدا حافظ کہنے کے لئے باہر تک گئی۔

ان کے جانے کے بعد میں تادیر یہی سوچتی رہی کہ بے لوث ہمدردی اور خلوص کے اس جذبے کو کیا نام دیا جائے؟

دوپہر کو جب وہ فرحین کو ہمراہ لئے گھر واپس پہنچے تو وہ ذرا اپ سیٹ نہ تھی بلکہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔ ڈاکٹر شعیب کی ہدایت کے بموجب میں نے اس سے تو کچھ نہیں پوچھا تاہم کھانے کے بعد جونہی وہ اِدھر اُدھر ہوئی' میں نے سرگوشی میں ڈاکٹر صاحب سے پوچھا۔ "فرحین نے کچھ بتایا؟"

"ہاں۔" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولے۔

"کیا؟"

تب ہی فرحین آ پہنچی اور بات ادھوری رہ گئی۔

رات کو کھانے کے بعد میں نے ان سے کہا۔ "آپ نے بتایا نہیں کہ فرحین نے آپ سے کیا کہا؟"

"بتانے والی بات ہو تو بتاؤں۔" دوپہر کی طرح وہ اس وقت بھی نظریں چرا گئے۔

"آپ نہ بتائیں میں خود بوجھ سکتی ہوں کہ اس نے کیا کہا ہو گا؟"

"کیا کہا ہو گا؟" انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"اس نے کہا ہو گا' آپ باجی سے شادی کر لیں۔"

وہ جھینپ سے گئے۔

"یہی کہا نا اس نے؟" میں نے بیباکی سے کہا۔

"ہاں" وہ دھیرے سے بولے۔

"اگر آپ کو اس سے واقعی محبت ہے تو کر دیجئے نا اس کی خواہش پوری۔" میں نے کہا پھر جیسے سُروں میں بولی۔ "اور میری بھی۔"

وہ کمال سنجیدگی سے مجھے دیکھنے لگے۔

"پلیز! پلیز! مجھ سے شادی کر لیجئے............ میں فرحین کی بہن نہیں ماں ہوں [illegible]
اس کے لئے باپ کی ضرورت ہے۔" میں گڑگڑا کر بولی۔

"یہ سراسر نقصان کا سودا ہے زریں۔" انہوں نے مجھے سمجھانے کی کوشش [illegible]

"آپ نقصان کی بات کرتے ہیں' میرے مٹ جانے کا اندیشہ ہو تب بھی [illegible]
ہے۔"

وہ کچھ دیر ٹکٹکی باندھے بے یقینی سے مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے دھیر[illegible]
کہا۔ "آل رائٹ۔"

بھیا نے میرے اس فیصلے کی ڈاکٹر شعیب سے درپردہ انتہائی مخالفت کی اور [illegible]
سے شادی کے ارادے سے باز رکھنے کے لئے منطق' دلیل' فلسفہ غرض کوئی [illegible]
آزمائے بنا نہ چھوڑا۔ انہوں نے مجھے خائف کر دینے کی حد تک سمجھایا' ڈانٹا' ڈپٹا' [illegible]
کہا' خفا ہوئے' زمانے کا ڈراوا دینے کی کوشش کی مگر میں نے ان کی کوئی تدبیر [illegible]
ہونے دی اور پوری استقامت سے اپنے فیصلے پر ڈٹی رہی۔

"تمہارا اور ڈاکٹر شعیب کا کوئی جوڑ نہیں ہے زری۔ وہ تم سے بہت بڑے [illegible]
بھیا نے لجاجت سے کہا۔

"میں عمر کے فرق کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔" میں نے سرفروشانہ انداز میں [illegible]
دیا۔

"تمہارے کیریئر کا کیا بنے گا؟ کیا تم [illegible]
آرنسٹ سے محروم ہو جائے گا؟" بھیا نے مجھے پھسلانے اور للچانے کی کوشش کی۔

"جی نہیں............ میں ڈاکٹر شعیب سے اس سلسلے میں تفصیلی بات چیت کر [illegible]
اور ان سے شادی کے بعد بدستور ٹی وی پر آتی رہوں گی۔"

"کیا ڈاکٹر شعیب کی ساکھ مجروح نہ ہوگی؟"

"کیوں؟ اس میں ساکھ مجروح ہونے کی کیا بات ہے؟"

"بھئی وہ ایک معزز آدمی ہیں۔ جب تم اپنے نام کے ساتھ ان کا نام نتھی کر [illegible]
وی پر آؤ گی تو اس سے ان کی ساکھ یقیناً متاثر ہوگی۔"

"آپ نہ جانے کس زمانے میں رہ رہے ہیں۔ آج کل تو بڑے بڑوں کی بیگمات [illegible]
ٹی وی پر اداکاری کرتی ہیں۔"

"زری!" بھیا نے دلسوز لہجے میں کہا۔ "تمہاری اور ڈاکٹر شعیب کی فیلڈ [illegible]
ہیں۔ تم اور وہ ساتھ نہیں چل پاؤ گے۔ دیکھو! اگر تم ڈاکٹر شعیب سے شادی محض [illegible]

[illegible] بدلہ اتارنے کے لئے کرنا چاہتی ہو تو اپنے اوپر یہ ستم ہرگز مت کرو۔ بس کچھ
[illegible] اور ہے پھر میں پریکٹس شروع کر دوں گا۔ ہم ڈاکٹر شعیب کی ایک ایک پائی
[illegible] ان کے ایک ایک احسان کا بدلہ اتار دیں گے مگر............ للہ تم اپنے اوپر یہ
[illegible]"

[illegible] ان کے تمام احسانات کا بدلہ اتارنا ممکن ہوگا؟ انہوں نے ہمارے برے وقت
[illegible] طرح ہماری دلداری کی کیا اس کا بدلہ اتار سکتے ہیں ہم؟" میں نے بھیا کو تیکھی
[illegible] دیکھتے ہوئے پوچھا۔

[illegible] ہے............ ٹھیک ہے۔" بھیا نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "ہم ان کے
[illegible] کا بدلہ نہیں اتار سکتے تو ہم تاعمر ان کی دل سے عزت کرتے رہیں گے۔
[illegible] احترام دیں گے جو ان کا حق بنتا ہے مگر............ ان کے احسانات کا بدلہ اتارنے کی
[illegible] اپنی پوری زندگی داؤ پر لگانے کی کوشش سراسر حماقت ہوگی............ پلیز! یہ
[illegible] کرو۔"

[illegible] حماقت نہیں ہے بھیا۔" میں نے دھیرے سے کہا۔ "یہ تو احساسِ شکر گزاری کی
[illegible] ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جب ہم یہاں آئے تو انسانوں پر ہمارا اعتماد پارہ پارہ
[illegible] اپنا یقین اور اعتماد متزلزل ہو جانے کے بعد میرا خیال یہ تھا کہ میں ساری زندگی
[illegible] نہ کر سکوں گی۔ اس زنداں سے فرار ہونے کے بعد میں بدترین صورت
[illegible]
[illegible] صورت حال سے دوچار ہوئے ہوتے۔" میں نے توقف کیا پھر بولی۔ "میں
[illegible] محض ان کے احسانات کا بدلہ اتارنے کے لئے نہیں کرنا چاہتی بلکہ ڈیڈی کی
[illegible] مجھے اپنی زندگی میں محبت اور تحفظ کے فقدان کا اس قدر شدت سے احساس
[illegible] میں ڈاکٹر شعیب کے طفیل میسر آنے والے احساسِ تحفظ سے کسی قیمت پر
[illegible] ہونا چاہتی۔ اس احساسِ تحفظ کو ہمیشہ کے لئے برقرار رکھنے کی میرے
[illegible] یہی ایک صورت تھی۔ میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے اور مجھے
[illegible] میں مایوس نہیں ہوں گی۔"

[illegible] اپنی ہر کوشش اکارت جاتے دیکھی تو بھبک کر بولے۔ "تو پھر تم نے خالد
[illegible] ساتھ اتنی پینگیں کیوں بڑھائیں؟"

"[illegible] اس کا اور میرا تعلق قطعاً پیشہ ورانہ نوعیت کا ہے۔"

"[illegible] جو آئے دن تمہارے اور اس کے بارے میں کہانیاں چھپ رہی ہیں؟" بھیا

نے مجھے گھورا۔

"ان میں کوئی صداقت نہیں۔"

"یعنی تم اپنی ضد سے باز نہیں آؤ گی؟"

"یہ میری زندگی کا اہم ترین فیصلہ ہے' اسے ضد کا نام دے کر اس کی تو[illegible] کیجئے۔" میں نے کچھ ناگواری سے کہا۔

"بہت پچھتاؤ گی اپنے اس فیصلے پر۔"

"آپ اطمینان رکھئے' اگر میں پچھتائی بھی تو اپنے آنسو پونچھوانے کے لئے [illegible] ہرگز زحمت نہیں دوں گی۔"

بھیا نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے شکست خوردہ انداز میں میری طرف [illegible] بولے۔ "میں تمہارا بڑا بھائی ہوں زری' تمہارے مستقبل کے بارے میں مجھ [illegible] دوسرا کوئی نہیں سوچ سکتا۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"پھر بھی تم میرے مخلصانہ مشورے پر کان دھرنے کو تیار نہیں ہو۔"

"بعض فیصلے مشوروں کے محتاج نہیں ہوتے بھیا۔" میں نے دھیمے [illegible] "میرے اس فیصلے کو بھی آپ اسی زمرے میں جانئے۔"

"آل رائٹ۔" بالآخر بھیا ہار گئے اور انہوں نے کہا۔ "اگرچہ تم میری مرضی [illegible] خلاف یہ قدم اٹھا رہی ہو مگر پھر بھی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"شکریہ۔"

بھیا کے برخلاف فرحین بہت خوش تھی۔

"پتا ہے کیا باجی.......... جب آپ کی پاپا سے شادی ہوجائے گی نا تو میں آپ کو [illegible] کروں گی۔" اس نے کہا۔

مجھے حارث یاد آگیا۔ بھیا سے چوری چوری وہ مجھے چپکے چپکے مما ہی تو کہا کر[illegible] اس کی دیکھا دیکھی کبھی کبھار خود فرحین بھی تو مجھے مما کہہ دیا کرتی تھی مگر اب [illegible] یاد نہیں آرہا تھا۔ اچھا ہی تھا کہ یاد نہیں رہا تھا۔ ان دنوں کی کسی بات کو یاد کر[illegible] زخموں کو چھیڑنے کے مترادف تھا۔

"باجی! پاپا سے شادی کب کریں گی آپ؟" اس کے لہجے میں مسرت چھلکی پڑ [illegible]

"بہت جلدی۔"

"کتنی جلدی؟"

[illegible]ں ایسا ہے' میں صابن کی ایک اشتہاری فلم کے لئے ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی [illegible] کرنے کے علاوہ ٹی وی کے ایک پرڈیوسر سے ان کی سیریل میں کام کرنے کا [illegible] کے آئی ہوں۔ بس ان دونوں کاموں کو نمٹادوں پھر شادی کرلیں گے۔"

"[illegible]! بڑا لمبا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"[illegible] اتنا لمبا بھی نہیں۔"

"[illegible] تو جی چاہتا ہے کہ بس آج' ابھی اور اسی وقت آپ کی پاپا سے شادی ہوجائے [illegible]راچی جانے سے پہلے کرلیں نا۔"

[illegible]سکرادی۔ "بھئی اتنی بے تاب کیوں ہو رہی ہو؟"

"[illegible] آپ کو مما جو کہنا ہے۔" وہ ٹھنک کر بولی۔

"وہ تو تم اب بھی کہہ سکتی ہو۔"

"[illegible]یں' ایسے مزہ نہیں آئے گا۔" اس نے منہ بنا کر کہا پھر یک بیک اس کی آنکھوں [illegible] سی کوندی۔ "باجی' کراچی جانے سے پہلے منگنی تو کرسکتی ہیں نا؟"

"[illegible] منگنی تو ہوسکتی ہے مگر اس کی ضرورت کیا ہے؟"

"[illegible] باجی' پلیز! آپ منگنی ہی کرلیں۔"

"[illegible] آخر؟"

"[illegible] آپ کو پاپا کے لئے ریزرو رکھنا چاہتی ہوں [illegible].......... وہ جو آپ کے خالد [illegible] وہ مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔"

"[illegible]! تو یہ بات تھی! یعنی فرحین کو خوف تھا کہ کہیں خالد آفاق' ڈاکٹر شعیب کے [illegible] درمیان نہ آجائے۔

"تم اطمینان رکھو' میں اپنے جملہ حقوق تمہارے پاپا کے حق میں محفوظ کرچکی

"[illegible] بھی آپ منگنی کرجائیں.......... بہت بڑی نہیں' بس چھوٹی سی منگنی جس میں [illegible] شریک ہوں گے اور بس کوئی نہیں۔"

[illegible]ین کی خوشی مجھے اپنی جان سے زیادہ پیاری تھی۔ چنانچہ اس کی خوشی کی خاطر [illegible] ڈاکٹر شعیب کو منگنی کی رسم پر آمادہ کرلیا۔

[illegible] کی رسم ایک ہوٹل کی میز پر انجام پائی۔ اس رسم میں بس ہم تین افراد شریک [illegible] ڈاکٹر شعیب سے میں نے کہا تھا کہ فرحین کی خوشی کی خاطر وہ مجھے ایک سادہ سا چھلا [illegible] اور میں انہیں پہنا دوں۔ میں نے تو ان کے لئے اپنے پیسوں سے ہلکی سی ایک

طلائی انگوٹھی خریدی مگر وہ میرے لئے وائٹ گولڈ میں جڑے ہیروں کی انگوٹھی لے آئے۔
ہم دونوں اس تقریب کے میزبان بھی تھے، مہمان بھی اور ہماری مشترکہ مہمان خصوصی
فرحین تھی جو نورستہ گلاب کے مانند کھلی پڑی تھی۔

جب ہم ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنا کر کیک کاٹ چکے تو فرحین نے پوچھا۔ "اب
آپ لوگ یہ بتائیں کہ شادی کس تاریخ کو کریں گے؟"

"یعنی تم شادی کی تاریخ آج ہی طے کرلینا چاہتی ہو؟"

"جناب!" فرحین نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔

"بھئی تاریخ تو ہم سب کو مل جل کر طے کرنا ہوگی۔"

"پھر بھی آپ اندازاً تو کچھ بتائیں۔"

"اندازاً یہ کہ بس اس مرتبہ کراچی سے آنے کے بعد۔" میں نے ڈاکٹر شعیب کی
جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں ڈاکٹر صاحب، آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال تو یہ ہے کہ جلد از جلد کراچی میں ایک مکان خرید لیا جائے اور ہم لوگ
وہاں شفٹ ہوجائیں، بس شفٹ ہوتے ہی یہ کارِ خیر انجام دے لیا جائے۔"

میں نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔ ان کے لبوں پر بکھری دھیمی سی مسکان
میرے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار بنا دیا کہ وہ مذاق کر رہے تھے یا سنجیدہ تھے؟ اس سے پہلے
انہوں نے اس سلسلے میں اشارتاً بھی کچھ نہ کہا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ یہ خیال
اچانک ان کے ذہن میں آیا تھا یا وہ اس پر غور و خوض کر چکے تھے۔

"پاپا! کیا ہم کراچی میں چل کر رہیں گے؟" فرحین نے پوچھا۔

"ہاں بیٹے۔" ڈاکٹر شعیب بولے۔ "تمہاری بہن زیادہ تر وہیں ہوتی ہیں۔ بھائی اُدھر
ہے اور ہاؤس جاب سے فراغت کے بعد وہیں پریکٹس کرنا چاہتا ہے۔ پھر ہم باپ بیٹی یہاں
رہ کر کیا کریں گے، ہم بھی وہیں چلتے ہیں۔"

"اور آپ کی جاب؟ آپ کی پریکٹس؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی وہیں کراچی میں کوئی کلینک یا چھوٹا موٹا اسپتال کھول لیں گے اور عارف اور
میں مل کر اسے چلائیں گے۔"

"مگر یہاں تو آپ کی پریکٹس بہت جمی ہوئی ہے۔"

"تو کیا ہوا! وہاں بھی جم جائے گی۔"

"جب ہم سب اکٹھے رہیں گے تو بہت مزہ آئے گا۔" فرحین بولی، پھر اس نے ڈاکٹر
شعیب سے اپنی بات کی تائید چاہی۔ "ہے نا پاپا؟"

"ہاں بیٹے۔"

فرحین بہت خوش دکھائی دے رہی تھی مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ ہزاروں
کی ملازمت اور جمی جمائی پریکٹس سے دستبردار ہو کر ڈاکٹر شعیب نے ایک نئے شہر میں
جانے اور نئے سرے سے پریکٹس جمانے کا فیصلہ کیوں کیا تھا؟ کہیں انہوں نے یہ فیصلہ
اس لئے تو نہیں کیا تھا کہ شادی کے بعد مجھ پر نظر رکھ سکیں! میں نے اس سلسلے میں
فرحین کے سامنے تو ان سے کوئی بات نہ کی لیکن جب علیحدگی میں ان سے پوچھا تو وہ
بولے۔ "اگرچہ میرا حلقۂ احباب بہت وسیع نہیں مگر پھر بھی کچھ احباب و اقارب ہیں جو تم
سے شادی کے بعد مجھ پر یہ اعتراض ضرور کریں گے کہ ڈاکٹر شعیب تم نے اپنے سے
اتنی چھوٹی اس لڑکی سے شادی کیوں رچائی جو تمہارے مرحوم عزیز کی بیٹی ہونے کی
وجہ سے تمہارے لئے بھی اولاد کا درجہ رکھتی تھی؟" وہ لحظہ بھر کو توقف کرنے کے بعد
بولے۔ "لوگ بہت ظالم ہوتے ہیں زریں۔ اپنے دامن میں سنگریزے لئے اس بات
کے منتظر بیٹھے رہتے ہیں کہ کب کوئی ملے تو اس پر سنگ باری کرڈالیں۔ تمہاری اور میری
شادی کے بعد لوگ ہمارے بارے میں گھناؤنی بدگمانیاں بھی پھیلا سکتے ہیں۔ کہہ سکتے ہیں
کہ ہمارے درمیان شادی سے پہلے ہی........." انہوں نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا پھر
کرب سے بولے۔ "تم سوچ بھی نہیں سکتیں زریں کہ جب لوگ پتھر برسانے پر
آتے ہیں تو کتنی بے رحمی اور بہیمیت کا ثبوت دیتے ہیں۔"

میں نے ڈاکٹر شعیب کی طرف دیکھا۔ اوہ! اس سمے وہ کتنے کرب و اذیت سے دوچار
اور مضطرب دکھائی دے رہے تھے۔

مجھے یوں لگا جیسے انجانے میں مجھ سے کوئی بڑا جرم سرزد ہوگیا تھا۔ کوئی بھول ہوگئی
تھی۔ ڈاکٹر شعیب پر مجھ سے کوئی زیادتی سرزد ہوگئی تھی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کوئی ظالم جادوگرنی تھی جس نے ڈاکٹر شعیب جیسے بے
لوث، مخلص اور سادہ انسان کو اپنی قید میں جکڑ لیا تھا۔ ڈاکٹر شعیب کا متفکر چہرہ دیکھ کر مجھے
لگا جیسے میں نے ان سے شادی کی ضد کر کے انہیں امتحان میں ڈال دیا تھا۔

میرے دل میں اس احساسِ شرمساری نے پاؤں پسارنے شروع کردیئے کہ ڈاکٹر
شعیب کو اپنے یکطرفہ فیصلے اور اپنی ضد کے حصار میں جکڑ کر میں نے اچھا نہیں کیا تھا۔ خود
غرضی کا ثبوت دیا تھا۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں ڈاکٹر شعیب سے شادی کا فیصلہ کر کے
انہیں ایسی مشکل میں ڈال دوں گی۔

میں نے سر جھکا کر آزردہ لہجے میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو ایسی

مشکل میں ڈال دیا۔ آئی ایم رئیلی سوری ڈاکٹر صاحب۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنی انگلی میں سے ان کی پہنائی ہوئی انگوٹھی اتار کر ان کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "فرحین کو افسوس ضرور ہوگا مگر میں کسی طرح اسے سمجھا بجھا دوں گی۔"

انہوں نے بے اختیار میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبوچ لئے۔ میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ دیر ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھتے گئے پھر میرے ہاتھ سے انگوٹھی لے کر اسے دوبارہ میری انگلی میں پہناتے ہوئے بولے۔ "یہ کیا بے وقوفی کر رہی ہو؟"

"نہیں ڈاکٹر صاحب!" میں نے اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے کھینچنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو کسی مشکل یا الجھن سے دوچار کر کے خود اپنے آپ سے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی۔" میری آواز بھیگنے لگی۔ "آپ ہمارے محسن ہیں۔ میں نہیں چاہوں گی کہ میری وجہ سے آپ کی نیک نامی پر کوئی حرف آئے۔ لوگوں کو آپ پر سنگ باری کا موقع ملے۔"

"اچھا تو تم اس بات سے ڈر گئیں کہ کہیں میری طرف پھینکے جانے والے پتھروں میں سے ایک آدھ تمہیں بھی نہ آلگے۔" وہ بولے۔

"یہ بات نہیں ہے۔" میں نے اپنی آنکھوں میں اُمنڈ آنے والی نمی کو پینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں چاہوں گی کہ مجھ سے شادی کر کے آپ کو لوگوں کی الٹی سیدھی باتیں سننی پڑیں۔"

"میری فکر مت کرو' مجھ میں تو پتھر کھانے کا حوصلہ ہے۔"

"تو پھر........ آپ حیدر آباد سے کراچی منتقل ہونے کی کیوں سوچ رہے ہیں؟"

"تاکہ شادی کے بعد لوگوں کی الٹی سیدھی باتیں تمہیں پریشان نہ کریں اور........ اس لئے بھی کہ ہم سب اکٹھے رہ سکیں۔ تم شادی کے بعد بھی شوبزنس میں رہ سکو اور میں یکسوئی سے پریکٹس کر سکوں۔"

"ایک بات بتائیں گے آپ' بالکل سچ سچ؟"

"جھوٹ میں کم ہی بولتا ہوں۔"

"آپ کراچی منتقل ہونے کا ارادہ اس لئے تو نہیں کر رہے کہ آپ کو مجھ سے شادی کرتے ہوئے لوگوں سے شرمندگی محسوس ہوگی؟"

"وہ تو ظاہر ہے' ہوگی۔"

میں نے متذبذب نظروں سے انہیں دیکھا۔

"یہ سننا کہ بڈھے نے نوجوان لڑکی سے شادی رچائی' یقیناً میرے لئے شرمندگی کا باعث بنے گا۔"

"آپ عمر کے فرق کو جانے دیجئے' یہ بالکل غیر اہم بات ہے میرے نزدیک۔"

"تو پھر تم کس پہلو سے پوچھ رہی ہو؟"

"میرا مطلب ہے آپ حیدر آباد کو اس لئے تو نہیں چھوڑنا چاہ رہے کہ ایک ٹی وی ایکٹریس اور ماڈل گرل سے شادی آپ کی شہرت اور نیک نامی کو گزند پہنچانے کا سبب بنے گی؟"

"ہرگز نہیں۔"

"پکی بات؟"

"بالکل پکی۔" انہوں نے کہا پھر مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولے۔ "میں اپنے ایک خاموش جرم کا اعتراف کرنا چاہوں گا زریں۔"

میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"میں اس گھر میں تمہاری آمد کے اول روز سے تمہارے معصوم حسن کے سحر میں گرفتار رہا ہوں۔"

ان کا یہ انکشاف میرے لئے انتہائی تعجب خیز تھا۔

"آئی ایم سوری۔" انہوں نے دھیمے سُروں میں کہا۔ "میں اپنے اس جرم کا [illegible]

آپ یہ سزا تجویز کر لی تھی کہ تاحیات عورت سے دور رہوں گا۔ میری دانست میں کسی مرد کے لئے یہ سزا سزائے موت سے کم نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ کہ مجھے اپنے اور تمہارے درمیان عمر کے تفاوت کا شدت سے احساس تھا جو اب بھی ہے اور ان دونوں باتوں سے بڑھ کر اہم بات یہ کہ میں تمہارے سامنے اپنے اس جرم کا زبانی یا عملی اظہار کر کے تمہاری نظروں میں اس بھروسے کو مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا جو تمہیں اور عارف کو مجھ پر رہا مگر........ اب جبکہ تم خود اپنی مرضی سے مجھ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر چکی ہو تو میں تمہارے دل کو اپنے بارے میں ہر شک' ہر وہم سے ماورا کر دینے کو تمہارے سامنے پہلی بار اپنے اس جرم کا اعتراف کر رہا ہوں لیکن التجا ہے کہ مجھے غلط آدمی نہ سمجھنا۔"

میری آنکھوں میں ان کے لئے محبوبیت اُمنڈ آئی۔ "غلط اور میں آپ کو سمجھوں۔" میں نے دھیرے سے کہا۔ "میرے نزدیک تو یہ گناہ ہوگا۔ آپ انسان نہیں فرشتہ ہیں ڈاکٹر صاحب........ آپ کے اس اعتراف نے تو مجھے عرش کی بلندیوں پر بٹھا دیا ہے۔ میں یہ

فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں کہ مجھے آپ کا احترام زیادہ کرنا چاہئے یا آپ سے محبت [illegible] کرنی چاہئے۔"

"محبت!" انہوں نے بہت آہستہ سے کہا۔ "مجھ سے صرف محبت کرو [illegible] کیونکہ............ میں عورت کی محبت کو ترسا ہوا آدمی ہوں۔ عذرا مجھے وہ محبت کبھی [illegible] دے سکی جس کا میں طلبگار تھا۔ وہ جب تک میرے ساتھ رہی مجھے شک کی نظروں [illegible] دیکھتی رہی۔ حالانکہ خدا گواہ ہے کہ میں اس کے ساتھ بالکل دیانتدار رہنا چاہتا تھا [illegible] ڈاکٹر آمنہ کے سلسلے میں ہونے والی لغزش کسی جذباتی بھول کی نسبت عذرا کے رویے [illegible] خلاف میری جھنجلاہٹ کا اظہار زیادہ تھی۔" انہوں نے اپنے شانوں اور سر کو کچھ [illegible] طرح جھٹکا جیسے ماضی کی دل دکھا دینے والی یادوں سے نجات پانا چاہتے ہوں پھر ایک [illegible] سانس کھینچنے کے بعد بولے۔ "عذرا میری بیوی تھی۔ ڈاکٹر آمنہ میری لغزش مگر تم...... تم میری محبت ہو زریں اور کسی بھی مرد کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کوئی [illegible] نہیں ہو سکتی کہ وہ جس لڑکی کو خاموشی سے چاہے اور اپنی مجبوریوں کے باعث اپنی [illegible] اظہار کرنے سے گریزاں رہے وہ لڑکی اپنی خوشی سے اس کا ہاتھ تھامنے کو آگے [illegible] آئے............ میں خوش ہوں زریں............ بہت خوش۔"

مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اچانک بہت ہی موقر، بہت ہی معتبر قرار پا گئی ہوں [illegible] میں اس وقت خود کو ساتویں آسمان پر پا رہی تھی۔

[illegible] عہدوں کی پاسداری [illegible] ایک اخلاقی تقاضا نہ ہوتا تو شاید میں ڈاکٹر شعیب کے ساتھ جیون بندھن میں بندھ جا[illegible] میں ذرا دیر نہ لگاتی مگر یہ دونوں مصروفیات سر پر تھیں اور میں جانتی تھی کہ اگر میں اس وقت ڈاکٹر شعیب سے شادی کر لی تو نہ میں اپنے کام پر پوری طرح توجہ دے سکوں گی نہ زندگی کے نئے راستے پر وہ سارے پھول چن پاؤں گی جن سے میں اپنی ازدواجی زندگی کو دلفریب و دلربا بنا کر ڈاکٹر شعیب کے احسانات و عنایات کی بھرپور شکر گزاری ظاہر کر سکتی تھی۔

ڈاکٹر شعیب کے اور میرے مابین باہمی اتفاق رائے سے طے پایا کہ میں [illegible] معاہدوں کی پاسداری کروں گی اور اس دوران ڈاکٹر شعیب کراچی میں مکان کی خریداری [illegible] معاملہ نمٹا لیں گے۔ شادی کے بعد ہمارا مستقل قیام کراچی میں ہوگا۔ ڈاکٹر شعیب وہیں اپنی پریکٹس شروع کر دیں گے اور بھیا کے ہاؤس جاب سے فارغ ہونے تک نجی اسپتال [illegible] کرنے کے منصوبے پر بھی کام کریں گے۔

[illegible]ور آباد سے کراچی روانہ ہونے سے قبل میں نے ممی کے نام پھر ایک گمنام خط [illegible]ال لیا۔ اس خط میں، میں نے لکھا تھا۔

[illegible]یگم علی ضیاء!

وہ لڑکی جو زنداں میں اپنی قید کے دوران اکثر آپ سے اُلجھ کر آپ کے لئے پریشانی [illegible] بن جایا کرتی تھی، ایک معزز اور معتبر شخص کا ہاتھ تھام لینے میں کامیاب ہو گئی [illegible] بہت جلد آپ ان کی شادی کی خبر سنیں گی۔ وہ بے بس اور بے نوا لڑکی ان دنوں [illegible]سرور ہے۔ وہ، جسے آپ سے رتی بھر بھی محبت نہیں۔

کراچی روانہ ہوتے وقت منگنی کی بیش قیمت انگوٹھی میری انگلی میں جگمگا رہی تھی [illegible] میں اتنی مسرور اور مطمئن تھی کہ کراچی پہنچنے پر میں نے اپنے شناساؤں کو اپنی منگنی کی [illegible]انے میں تامل سے کام نہیں لیا۔ میں جانتی تھی کہ ایسی خبریں زیادہ دیر تک نہیں [illegible] جا سکتیں۔ مجھے بھلا چھپانے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ لوگوں نے جو اب کہنا تھا وہی [illegible]ا تھا۔

میں نے بیانگ دہل اعتراف کر لیا کہ میں اپنے مرحوم باپ کے عزیز سے جو ہم بھائی [illegible] کے قانونی سرپرست بھی تھے اور عمر میں میرے باپ کے برابر ہیں، منگنی کر چکی تھی اور اپنے کام سے نمٹتے ہی ان سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ میں نے اپنے منگیتر کا [illegible]ال و سباق بیان کر دینے میں بھی کسی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا تھا اور ایسا میں نے ڈاکٹر [illegible] سب سے لیا تھا۔ بقول ان کے وہ کوئی [illegible] نہیں [illegible]۔

میں چاہتی تو ڈاکٹر شعیب سے اپنی منگنی ہی نہیں بلکہ شادی کو بھی جب تک چاہتی [illegible] رکھ سکتی تھی، مگر میں نے اس قصے کی تشہیر اس لئے ضروری سمجھی تھی کہ لوگ خالد [illegible]افاق سے میری دوستی اور بے تکلفی کو غلط معنی پہنانا چھوڑ دیں، نیز خالد آفاق مجھ سے [illegible] کے خیال سے مایوس ہو جائے اور ممی جان سمجھ لیں کہ میں کسی معمولی اور غیر اہم [illegible] کی نہیں ایک بڑے مسیحا کی جیون ساتھی بننے جا رہی تھی۔

میری توقع کے عین مطابق خالد آفاق پر میری منگنی کی خبر کا شدید رد عمل ہوا اور [illegible] آفاق بھی خاصی متاثر ہوئیں۔

"زریں! اپنا فیصلہ بدل دو ورنہ میں مر جاؤں گا۔" خالد نے گڑگڑا کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے، میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ جس شخص سے میں نے شادی کا فیصلہ کیا ہے اس سے مجھے محبت ہے۔"

"اور مجھ سے؟ مجھ سے تمہیں کوئی ہمدردی نہیں؟" وہ مچلتے ہوئے بچے کی
بولا۔

"ہے.......... پوری ہمدردی ہے۔"
"جھوٹ مت بولو۔"
"سچ کہہ رہی ہوں، مگر تم اس لئے میری بات کا یقین نہیں کر پا رہے ہو کہ تم
اور ہمدردی سے غالباً ایک ہی معنی مراد لیتے ہو.......... جس شخص سے مجھے محبت
سے تو میں نے شادی کا فیصلہ کر ڈالا.......... تم سے مجھے ہمدردی ہے اور تمہارے
مشورہ یہ ہے کہ یا تو خود کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈ ڈالو یا پھر اپنی مم سے کہو کہ وہ تمہارے
لئے کوئی اچھی لڑکی تلاش کر کے تمہاری اس سے شادی کرا دیں۔" میں نے بڑی رسان
سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
"مجھے مشوروں کی ضرورت نہیں۔" وہ منہ بنا کر بولا۔
"ٹھیک ہے، آئندہ محتاط رہوں گی۔"
"تم کتنی خود غرض ہو زریں، تمہیں میرا اور میری ممی کی خوشی کا ذرا خیال نہیں
ہے.........." "تبھی تو مشورہ دیا تھا تمہیں جس کا تم برا منا گئے۔"
"تم نے صرف اپنی محبت کا سوچا، دوسروں کے جذبات اور احساسات کا خیال
کیا۔ مجھے بھی تو تم سے محبت ہے۔"
[illegible]
دوسرے کے لئے اچھے دوست تو ثابت ہو سکتے ہیں مگر اچھے جیون ساتھی نہیں بن
اپنی اپنی جگہ ہم دونوں ہی کو ایسے جیون ساتھی کی ضرورت ہے جو ہمیں سہارا دے
ہمارے گھائل دلوں کی ٹکور کر سکے۔"
"تمہیں یہ فیصلہ کرتے ہوئے شرم نہیں آئی؟"
"کیوں! شرم کی کیا بات ہے؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔
"کہ اپنے رشتے کے چچا سے جو بقول تمہارے تمہارا قانونی سرپرست بھی
اور عمر میں تم سے کہیں زیادہ بڑا ہے، شادی کر رہی ہو۔"
"میں عمر کے فرق کو اہمیت نہیں دیتی اور.......... شرعاً، قانوناً، اخلاقاً ہر اعتبار
شادی جائز ہوگی۔"
"لوگ ہنسیں گے تم پر۔"
"ہنسنے دو"

"...کپل (oddcouple) کہیں گے۔"
"...دو۔"
"...بنائیں گے لوگ۔"
"وہ تو لوگوں کی عادت ہے۔"
"...بنانا شروع کر دی ہیں۔"
"...تی ہوں۔" میں نے سرفروشانہ انداز میں کہا۔
"...پچھتاؤ گی۔"
"...میں فیصلہ کر چکی ہوں۔"
"...زریں! مجھے تم سے محبت ہے۔" خالد کا بس چلتا تو شاید میرے قدموں میں بکھر

...خالد پر بہت ترس آیا مگر میں نے بلا تجھک کہا۔ "اور مجھے اس شخص سے محبت

...تو میں نے کبھی بھی خالد کی اس سلسلے میں قطعاً حوصلہ افزائی نہ کی تھی اور
...یہی سمجھایا تھا کہ ہمارا سنجوگ کبھی ممکن نہ ہو سکے گا مگر ڈاکٹر شعیب سے منگنی
...اس کے دل سے اپنا خیال مٹانے کے لئے میرا بالکل دو ٹوک رویہ اختیار کر لینا
...ہو گیا تھا۔

...
...اس پر رحم آیا مگر میں ہنس دی۔
"...تم فرہاد ہو نہ میں شیریں۔ اطمینان رکھو، نہیں مرو گے بلکہ جب تم شادی کر لو
...میں تمہارے سامنے تمہاری بیوی کو یہ ساری باتیں سناؤں گی جو تم مجھ سے کہا کرتے

"تم اتنی ظالم کیوں ہو؟"
"تم اتنی بے چارگی ظاہر کیوں کرتے ہو؟"
"میں محبت کو ترسا ہوا انسان ہوں زریں۔"
"خود اپنی غلطی سے۔"
"اپنی غلطی سے؟"
"اور نہیں تو کیا.......... تم نے اپنے اوپر خود ساختہ احساسِ محرومی کا خول چڑھا رکھا
تمہارے والدین اگر اپنی مجبوریوں کے باعث تمہیں وہ توجہ نہیں دے سکے جس کے

تم حقدار تھے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم اپنے آپ کو انتہائی مظلوم
شروع کردو۔ اس دنیا میں نہ جانے کتنے بچے ہیں جو اپنے والدین کی معاشی م
باعث ان کی مناسب توجہ سے محروم رہتے ہیں۔ اگر ان میں سے ہر ایک تمہاری
کو محروم و مظلوم سمجھنا شروع کردے تو زندگی عذاب گراں بن کر رہ جا
والدین تو اپنی مجبوریوں کے سبب تم پر توجہ نہ دے سکے اور تمہاری والدہ کو
شدید قلق بھی ہے۔ اس دنیا میں ایسے بدنصیب بھی ہیں جنہیں ان کی مائیں تو
دینا تو درکنار محض اپنے عیش و عشرت کی خاطر ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کو
دینے تک سے گریز نہیں کرتیں۔"

خالد نے میری اس بات پر کچھ بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔" میں نے اس کی نگاہوں میں بے یقینی
"ابھی چند روز قبل ہی میں نے ایک میگزین میں ایسی ایک سچی کہانی پڑھی تھی۔"

میری بات کا مؤخر الذکر حصہ غلط بیانی ہوتے ہوئے بھی میری زندگی کی
حقیقت تھی! میں نے میگزین میں کہانی پڑھنے کی بات تو یونہی کہی تھی۔ وہ تلخ
ذاتی تجربہ تھی۔ ایسا تجربہ جس سے سگی ماں پر میرے اعتماد کو پارہ پارہ کرکے میری
گھائل کردیا تھا۔

خالد کا گڑگڑانا، اس کی والدہ کی منت سماجت، لوگوں کی باتیں، غرض کوئی
میرے فیصلے سے ہٹنے پر مجبور نہ کرسکا۔ ڈاکٹر شعیب ... منگنی کی خبر
بعد میں خود کو زیادہ پرعزم اور قوی محسوس کررہی تھی۔

ڈراما سیریل میں میری مصروفیت کے دوران ڈاکٹر شعیب کی کراچی میں
خریداری کے سلسلے میں آمدورفت جاری رہی ہم بلا تامل ملتے، شاپنگ کرتے، مستقبل
منصوبے بناتے۔ ہم دونوں ہی بہت مسرور تھے اور فرحین تو شاید ہم سے بھی زیادہ
تھی۔ گو بھیا کی مرضی شامل حال نہ تھی اور اس کا ڈاکٹر شعیب کو بھی شدت سے احساس
تھا مگر مجھے یقین تھا کہ جلد یا بدیر ان کی رضا بھی شامل حال ہوجائے گی۔ آخر ڈاکٹر
ہمارے محسن تھے اور میرا بھائی احسان فراموش ہرگز نہیں ثابت ہوسکتا تھا۔

میں نے اپنی کتاب زندگی کا انتساب ڈاکٹر شعیب کے نام کردیا تھا اور بہت
مسرور تھی مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ کاتب تقدیر کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔

☆-----☆-----☆

مذکورہ سیریل کی آخری قسط کے آخری منظر کی ریکارڈنگ شروع ہونے والی تھی

پروڈیوسر کو سیٹ میں تھوڑی سی تبدیلی کا خیال سوجھا۔ سیریل کا اختتام "ہیپی
ہیرو اور ہیروئن کے درمیان غلط فہمیوں اور ناراضگیوں کے طویل سلسلے کو
ملن پر منتج ہونا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میری پرفارمنس متاثر کن رہے گی مگر
سے مجھے تشویش تھی کہ وہ اس جذباتی منظر میں اسی قدر ڈوب کر اداکاری
میں جتنا کہ میں کرنے کا ارادہ رکھتی تھی؟

کی بابت مجھے یہ تشویش اس لئے تھی کہ مجھ سے شادی کے خیال سے مایوس
اور وہ مجھ سے کھنچا کھنچا سا تھا اور اس کشیدگی نے سیریل کی ان اقساط میں جو ہیرو
کے درمیان غلط فہمیوں، تلخی اور ناراضگی پر مبنی تھیں، غضب کا تاثر دیا تھا۔
اگر آخری قسط کے اس آخری منظر میں اس کشیدگی کا ہلکا سا پرتو بھی غالب رہا
مجموعی تاثر مجروح ہوگا۔

پروڈیوسر صاحب سیٹ میں تبدیلی کروا رہے تھے اور میں ایک طرف بیٹھی جی ہی جی
دہراتے ہوئے کاسٹ کے ضمنی کرداروں کو ایک دوسرے سے ہنسی ٹھٹھول
رہی تھی۔ خالد سب سے الگ تھلگ چپ چاپ سا بیٹھا تھا کہ سیریل میں
پاپا کا کردار کرنے والے ایک سینئر آرٹسٹ نے جو کسی کام سے اوپر گئے ہوئے
خبر دی کہ کوئی خاتون مجھ سے بات کرنے کے لئے کئی بار فون کرچکی تھیں اور
بھی اس پروڈیوسر کے ایکسٹینشن پر مجھ سے بات کرنے کی منتظر تھیں جس کی
[illegible]
خاتون کو انتظار کرنے کے لئے کہہ آئے تھے۔

"ممی نہ ہوں۔" میرے دل میں اس خیال کے آتے ہی مجھ پر اضطراب سا
گیا۔ میں نے پروڈیوسر سے اجازت لی اور اپنی فون کال سننے کو اسٹوڈیو سے باہر نکل

جھجک پروڈیوسر کے کمرے تک پہنچی اور اس یقین کے ساتھ ریسیور میز پر سے
سے لگایا کہ ہیلو کہنے پر ممی کی آواز سننے کو ملے گی، مگر وہ کوئی انجان خاتون

"آصف صاحبہ؟" ایک نامانوس آواز نے تصدیق طلب لہجے میں کہا۔
"جی ہاں۔"
"معاف کیجئے گا میں نے آپ کو زحمت دی۔ میرا نام مسز فریدی ہے......... زہر
.... میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

میں نے یہ جانا کہ وہ میری کوئی فین تھیں۔

"ایسا ہے مسز فریدی کہ آج تو میں ریکارڈنگ میں مصروف ہوں۔"

"کل سہی۔"

"سوری، کل بھی ممکن نہ ہوگا۔"

"تو پرسوں سہی۔"

"معذرت خواہ ہوں مسز فریدی، کل کے بعد میری کچھ نجی مصروفیت

"میرا آپ کی اس نجی مصروفیت کے شروع ہونے سے قبل آپ

ضروری ہے۔" ان کے معنی خیز لہجے اور میرے اس خیال نے مجھے چونکنے پر

انہیں میری نجی مصروفیت سے کیا علاقہ تھا؟

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں؟"

"وہ میں ملاقات پر ہی بتاؤں گی۔"

"پھر بھی کچھ تو اندازہ ہونا چاہئے مجھے۔"

"بس یہ سمجھئے کہ انتہائی اہم معاملہ ہے.......... آپ کے مستقبل بلکہ

معاملہ ہے۔"

اب میں اور زیادہ چونکی۔ "آپ ہیں کون؟" میں نے پوچھا۔

"یہ میں ملنے پر بتاؤں گی۔"

میں سوچ میں پڑ گئی کیا ممی کوئی کھیل کھیلنا چاہ رہی تھیں؟ ٹھیک ہے

مجھے بے خبر رہنے کے بجائے باخبر رہنے کی ضرورت تھی۔

"آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے آپ کل آجائیں۔"

"کب؟ کہاں؟"

ممی کے کسی کارندے کو اپنی قیام گاہ پر بلانا مناسب نہ تھا سو میں نے کہا

اسٹیشن پر۔"

"میں آپ سے بالکل تنہائی میں، میرا مطلب ہے رازداری سے بات کرنا

ہوں۔ ٹی وی اسٹیشن کے بجائے کہیں اور نہ مل لیں ہم؟"

"آپ کے خیال میں کہاں؟"

"کسی ہوٹل میں۔"

"جی نہیں۔"

رہائش گاہ پر؟"

میرے کچھ اصول ہیں، میں اجنبیوں کو اپنی رہائش گاہ پر مدعو کرنا مناسب

آپ کے خیال میں ٹی وی اسٹیشن پر ہم سکون اور رازداری سے بات کر سکیں

ہیں۔"

کب؟"

دو بجے سے چار بجے کے درمیان۔"

آپ کتنے بجے تک فارغ ہوں گی؟"

بجے تک۔"

آج ہی نہ مل لوں آپ سے؟"

جلدی میں معلوم ہوتی ہیں؟"

کچھ ایسی ہے.......... میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔"

دل میں سوچا، اس انجانی عورت نے مجھے اتنی تشویش میں ڈال دیا ہے کہ

انتظار میرے لئے بھی صبر آزما ہوگا۔

آپ آجائیں۔"

تک؟"

ساڑھے چھ بجے تک تو میں ریکارڈنگ سے فارغ ہوں گی۔ آپ احتیاطاً سات

ہیں تاکہ آپ کو انتظار نہ کرنا پڑے۔"

بات نہیں، اگر انتظار بھی کرنا پڑا تو کرلوں گی.......... کیا میں پوچھ سکتی ہوں

کہاں؟"

مجھے استقبالیہ پر اپنا منتظر پائیں گی۔"

.... تھینک یو ویری مچ.......... سوری میں آپ کی مصروفیت میں حارج

بات نہیں۔" میں نے رسماً کہا۔

سات بجے ہم مل رہے ہیں۔"

اللہ۔"

کہتے ہی میں بھاگم بھاگ اسٹوڈیو میں پہنچی۔ پروڈیوسر صاحب ہنوز سیٹ پر

تھے۔

"کس کا فون آیا تھا مس زریں؟" کاسٹ میں شامل ایک فنکار نے پوچھا۔

"میری ایک شناسا تھیں۔" ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے میں نظروں سے خالد کی طرف دیکھا جو کن انکھیوں سے مجھی کو دیکھ رہا تھا۔

"کوئی خاص بات؟" مذکورہ فنکار نے پوچھا۔

"نہیں' کوئی خاص بات نہیں۔ اس سے ملے کافی دن ہو گئے تھے۔ ملاقات طے کرنا چاہتی تھیں۔"

"ارے بھئی' اب آپ کے پاس دوستوں سے ملاقات کے لئے وقت کہاں" وہ ہنس کر معنی خیز لہجے میں بولے۔ میں نے سیٹ پر موجود بیشتر افراد کو معنی خیز نظروں سے خالد کی جانب دیکھتے پایا۔

اچانک پرڈیوسر صاحب کی آواز گونجی۔ "سب تیار؟"

"یس سر!" معاون پرڈیوسر بولے۔

گو میرا ذہن اس خیال سے بہت الجھ رہا تھا کہ نہ جانے وہ عورت کون کیوں مجھ سے ملنے آرہی تھی مگر لائٹس آن ہوتے ہی میں ریکارڈنگ کے لئے تیار ہو گئی۔

صد شکر کہ میرے تمام خدشات کے برعکس خالد نے بہت عمدہ پرفارمنس دی بہت عمدہ ریکارڈ ہو گیا۔

ریکارڈنگ ختم ہوتے ہی مجھ پر اور خالد پر ہر طرف سے داد و تحسین کے ڈونگرے برسنے لگے۔ ہماری پرفارمنس کی خوب خوب تعریفیں ہوئیں مگر میرا ذہن تو کسی اور تھا۔

تیرہ اقساط پر مشتمل سیریل کی آخری قسط کا آخری منظر ریکارڈ ہوتے ہی ہم جدائی کے دکھ نے آدبوچا۔

"خواتین وحضرات!" پرڈیوسر صاحب نے کہا۔ "میں سیریل میں آپ انہماک اور تعاون پر انتہائی شکر گزار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سیریل کی غیر مقبولیت آپ سب کی محنت اور اشتراک عمل کی مرہون منت ہے۔ آیئے ہم دوسرے کو اس یقین کے ساتھ خدا حافظ کہیں کہ پھر ملیں گے۔"

کاسٹ میں شامل فنکار ایک دوسرے کے لئے نیک خواہشات اور دلی اظہار کرتے ہوئے رخصت ہونے لگے۔ مجھے کئی ساتھیوں نے لفٹ کی پیشکش کی نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ مجھے اپنی ایک دوست کا انتظار کرنا ہے۔

سیریل کے آغاز تا اختتام تک مجھ سے کھنچا کھنچا رہا تھا اور جس کی گاڑی میں کر چکی تھی' میری جانب آیا اور دل گرفتہ لہجے میں بولا۔ "شادی کی پیشگی کرنا چاہتا ہوں۔"

"!" میں نے دھیرے سے کہا۔

"ہم پھر کبھی ملیں گے؟"

"کسی نہ کسی اسٹوڈیو میں' کسی نہ کسی سیٹ پر۔"

"شادی کے بعد کام کرو گی؟"

"مجھے پوری آزادی اور اختیار رہے گا۔"

ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ "گھر تک چھوڑ دوں تمہیں؟"

"شکریہ........ مجھے اپنی ایک دوست کا انتظار کرنا ہے۔"

"بجے تک آئیں گی وہ محترمہ؟"

"بجے کا وقت دیا تھا میں نے۔"

"تو بج رہے ہیں۔"

"شاید وہ آچکی ہوں گی۔"

"تمہارا انہی کے ساتھ جانے کا پروگرام ہے؟"

"........ وہ تو مل کے چلی جائیں گی۔"

"؟"

"میں رکشا' ٹیکسی کچھ بھی لے کر گھر چلی جاؤں گی۔"

باتیں کرتی ہوئی میں استقبالیہ جا پہنچی۔

"تو میں تمہارا انتظار کر لوں؟" خالد نے پوچھا۔

"........ میں چلی جاؤں گی........ تم جاؤ۔"

نے شاکی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے' میں چلتا ہوں۔"

"حافظ۔"

پر ایک خوش رو' خوش پوش خاتون کو میں نے اپنا منتظر پایا۔ وہ میرے لئے گران کے لئے میرا چہرہ جانا پہچانا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی

"فریدی!" انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔

نے رسماً مسکرانے کی کوشش کی اور پوچھا۔ "آپ کو زیادہ دیر تو انتظار نہیں کرنا

پڑا؟"

"جی نہیں۔"

"میں آپ کا پاس بنوالوں پھر چل کر لاؤنج میں بیٹھتے ہیں۔"

"باہر میری گاڑی کھڑی ہے اس میں بیٹھ کر بات نہ کرلیں؟"

"لاؤنج میں آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"چلئے جیسی آپ کی مرضی۔"

میں نے ان کا پاس بنوایا پھر انہیں ساتھ لئے ہوئے لاؤنج کا رخ کیا۔ [illegible] سے اس وقت لاؤنج میں ہمارے سوا کوئی تیسرا فرد نہ تھا تاہم لاؤنج کے راستے [illegible] کی آمدورفت جاری تھی۔

"جی فرمایئے؟" میں نے کہا۔

"آپ نے عذرا کا نام تو سنا ہوگا؟"

"کون عذرا؟"

"ڈاکٹر شعیب کی بیوی۔"

میں پہلے تو چونکی پھر میں نے کہا۔ "جی ہاں بہت اچھی طرح۔"

"میں عذرا کی بہن اور ڈاکٹر شعیب کی سالی ہوں۔"

مجھے یوں لگا جیسے اجنبیت اور ناآشنائی کی دھند یک بیک چھٹ گئی ہو۔

[illegible] ڈاکٹر صاحب سے آپ کا نام سنا تھا میں نے۔"

"حیرت ہے کہ اس بدبخت نے کیسے ذکر کردیا میرا؟"

"کیا مطلب؟" میں نے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا۔ مجھے ڈاکٹر شعیب کی بابت ان [illegible] انداز تکلم سخت ناگوار لگا۔

انہوں نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا سوال داغ دیا۔ "سنا ہے [illegible] شعیب تم سے شادی کر رہے ہیں؟" وہ آپ سے تم پر اتر آئیں۔

مجھے ان کے تیور ناگوار گزرے۔ "آپ نے ٹھیک سنا ہے۔" میں نے جواب [illegible]

"عائلی قانون کے تحت کوئی مرد اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی [illegible] کرسکتا اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ڈاکٹر شعیب اپنی بیوی اور میری بہن عذرا کی اجازت کے بغیر تم [illegible] شادی کرنے کے مجاز نہیں اور اگر وہ ایسا کر گزرتے ہیں تو ان کے ساتھ تم بھی مشکل [illegible]

[illegible] گی۔"

[illegible] مجھے زہرا فریدی کے ڈاکٹر شعیب کی خواہر نسبتی ہونے پر شک ہوا۔

"کیا آپ واقعی ڈاکٹر شعیب کی بیوی عذرا کی بہن ہیں؟"

"ہاں۔"

"تب تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ عذرا کا تو انتقال ہوچکا ہے۔"

وہ معنی خیز انداز میں مسکرا دیں پھر بولیں۔ "تمہیں ڈاکٹر شعیب نے یہی بتایا ہوگا کہ [illegible] ہے حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

مجھے جھٹکا سا لگا۔ "آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"تمہارے ڈاکٹر شعیب نے تم سے جھوٹ بولا ہے مگر میں جو کہہ رہی ہوں' سچ کہہ [illegible] رہی ہوں۔ عذرا مری نہیں' زندہ ہے۔"

میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"ڈاکٹر شعیب ایک بدکردار شخص ہے۔ میری بہن عذرا کو اس سے شادی کے کچھ [illegible] بعد اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ بیسیوں نرسوں اور لیڈی ڈاکٹروں [illegible] سے اس کے غلط قسم کے مراسم تھے۔ عذرا اپنے مقدر پر صبر کرکے بہت عرصہ خاموش [illegible] اور اس دوران اس کے ہاں ایک بیٹا بھی پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر شعیب نے اس کی خاموشی [illegible] فائدہ اٹھایا اور روز بروز اس کی آوارگی بڑھتی ہی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس نے [illegible]

[illegible] اس کے پاؤں پڑ گئی کہ وہ جو اس کے جی میں آئے کرتا رہے......... جتنی عورتوں [illegible] سے ناجائز مراسم استوار رکھے' بس دوسری شادی نہ کرے مگر ڈاکٹر شعیب نے اس [illegible] سماجت پر کوئی توجہ نہ دی اور دوسری شادی کرنے پر ڈٹا رہا۔ عذرا اتنی رنجیدہ [illegible] اس نے بیٹے کے ساتھ خودکشی کرلینے کا فیصلہ کیا اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ [illegible] موجود لوگوں نے ان دونوں کو بچانے کی کوشش کی۔ بدقسمتی سے زوہیب تو ڈوب [illegible] عذرا کو البتہ بچالیا گیا۔"

میں دم بخود زہرا فریدی کی بات سن رہی تھی۔

"مگر عذرا کا بچ جانا ان کی موت سے بھی بدتر ثابت ہوا۔" انہوں نے سلسلۂ کلام [illegible] رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹے کی موت کا اس کے ذہن پر بہت برا اثر پڑا اور وہ نفسیاتی [illegible] بن گئی۔ ڈاکٹر شعیب نے اپنے عیب پر پردہ ڈالنے کی خاطر عذرا کو پاگل خانے میں [illegible] کرادیا اور لوگوں کی نظروں میں معصوم اور بے گناہ بننے کے لئے اپنی دوسری شادی

کا پروگرام ملتوی کر دیا مگر در پردہ اس کی حرکتیں بدستور جاری رہیں۔"

"عذرا اب کہاں ہیں؟"

"ہنوز پاگل خانے میں ہے۔ اگرچہ ہم نے اسے پاگل خانے سے نکلوانے کی کوشش کی' ڈاکٹر شعیب کے خلاف درخواستیں گزاریں' بارہا عذرا کا سرکاری طور معائنہ کرایا مگر ڈاکٹر شعیب اپنا اثر و رسوخ استعمال میں لا کر اسے پاگل قرار دلاتا بے چاری عذرا ہنوز پاگل خانے میں ہے۔"

میں خود کو دکھ اور اضطراب کی انتہائی کیفیت سے دوچار پا رہی تھی۔ میں سوچ سکتی تھی کہ وہ شخص جسے میں دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کرتی رہی تھی' جس کے میں' میں نے اپنا جیون رکھ دیا تھا' وہ دیوتا یک بیک یوں اوندھے منہ گر جائے گا۔

میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ جس شخص کو میں فرشتہ سمجھتی رہی تھی وہ شیطان گا۔ پچھتاوے مجھے ڈس رہے تھے۔

کاش! میں نے بھیا کی بات سن لی ہوتی۔

کاش! میں نے ڈاکٹر شعیب سے اپنی منگنی اور بہت جلد متوقع شادی کا قصہ کیا ہوتا۔ چشم تصور میں ان لوگوں کو اپنے اوپر استہزائیہ انداز میں ہنستے ہوئے دیکھ تھی۔ جنہوں نے میری منگنی کی بیش قیمت انگوٹھی کو رشک سے دیکھا تھا۔

مجھے زہرا فریدی پر غصہ آنے لگا۔ کیوں وہ مجھے یہ سب کچھ بتانے چلی آئی کاش نہ بتایا ہوتا۔ واقعی' لاعلمی بھی ایک [illegible]

میں کتنی مسرور اور مطمئن تھی مگر اس وقت!

اس وقت شاید مجھ سے زیادہ رنجور اور دل گرفتہ عورت روئے زمین پر اور ملتی۔ مجھ پر جھنجلاہٹ سی طاری ہونے لگی۔

"آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتانے آئی ہیں؟"

وہ یوں مسکرا دیں جیسے میں نے انتہائی احمقانہ بات کہہ دی ہو پھر بولیں۔ "ڈاکٹر شعیب کے جال میں پھنسنے سے بچ جاؤ۔" انہوں نے لحظہ بھر کو توقف کے بعد کہا۔ "وہ اپنا جال نوجوانوں اور خوبصورت لڑکیوں ہی پر پھینکتا ہے کیونکہ وہ ناتجربہ کار ہیں اور اپنی ناتجربہ کاری کے سبب جلد اس کے چکر میں آجاتی ہیں۔ ڈاکٹر شعیب میں تم بھائی بہنوں کی آمد تمہاری آمد کے کچھ عرصے بعد ہی میرے علم میں آگئی تھی۔ کی بہن ہونے کے ناطے میں یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ پاکستان میں ڈاکٹر کوئی قریبی رشتے دار نہیں رہتا۔ پھر بھی اپنے یقین و اطمینان کی خاطر میں نے شعیب

لوں کے رشتے کے بارے میں اپنے ذرائع سے پوچھ گچھ کرائی تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ لوگ اس کے کسی دور پار کے عزیز یا شاید دوست کے بچے ہو۔ ٹی وی پر تمہاری آمد سے میں حیدر آباد جا کر چپ چپاتے تم لوگوں کو دیکھ بھی آئی تھی اور تمہیں دیکھتے ہی دل نے کہا تھا کہ شعیب جلد یا بدیر تم پر اپنا جال ضرور پھینکے گا اور وہی ہوا۔ تم نہیں کرسکتیں کہ جب میں نے ڈاکٹر شعیب سے تمہاری منگنی اور بہت جلد شادی وگرام کی خبر اخبار میں پڑھی تو مجھے کتنا افسوس ہوا۔ تم میری ہی نہیں میرے تمام گھر کی پسندیدہ ٹی وی آرٹسٹ ہو۔ ہم تمہیں بدبخت' ڈاکٹر شعیب کے جال میں پھنستے دیکھنا چاہتے اسی لئے میں نے تمہیں یہ سب کچھ بتانا اپنا فرض سمجھا۔ خدا کے واسطے کے چکر میں نہ آؤ' اس سے دور رہو۔ تم جوان ہو' خوبصورت ہو' شہرت یافتہ ہو' خوبصورتی کے سبب ایک سے بڑھ کر ایک آدمی تم سے بخوشی شادی کرسکتا ہے پھر اس بدکردار شخص کے جال میں خود کو پھنساتی ہو۔ وہ کچھ عرصہ تم سے کھیلے گا پھر نئے شکار پر گھات لگا کر بیٹھ جائے گا۔"

"مگر............"

"مگر کیا؟"

"مجھے کافی عرصہ ہو گیا ڈاکٹر شعیب کے گھر میں رہتے ہوئے۔ میں نے تو کبھی کسی سے ان کے مراسم نہیں دیکھے۔"

[illegible]

خوانِ نعمت پر بازار سے نان کباب لا دھرے۔ عذرا کے زمانے میں بھی اس کا یہی تھا کہ باہر سب کچھ کر آتا اور گھر میں معصوم بن کر داخل ہوتا۔"

"میں انتہائی حیران ہو رہی ہوں۔"

"کس بات پر؟"

"اس بات پر کہ کیا چہرے اس حد تک بھی دھوکا دے سکتے ہیں۔ اتنا عرصہ ہو گیا اس گھر میں رہتے ہوئے' مجال نہیں کہ ڈاکٹر شعیب نے کبھی بھولے سے بھی مجھ والی ایسی ویسی بات کی ہو۔"

"اس کا طریقہ واردات یہی ہے۔ شرافت کا لبادہ اوڑھ کر لڑکیوں پر جال پھینکتا

"

شاید وہ درست ہی کہہ رہی تھیں۔ ڈاکٹر شعیب جیسا شریف آدمی میں نے اور کوئی دیکھا تھا اور ان کی انتہائی شرافت اکثر مجھے شش و پنج میں ڈال دیا کرتی تھی۔ اور میں

سوچا کرتی تھی کہ کیا مرد اس حد تک بے ضرر اور قابل بھروسا ہو سکتا ہے؟

"دیکھو زریں۔" وہ بڑی اپنائیت اور دلسوزی سے بولیں۔ "خود کو اس ... تمہارے لئے اور بہت سے راستے کھلے ہیں............ تم............ اگر اجازت دو تو ایک ... پوچھوں؟"

"جی پوچھئے۔"

"اتنا تو خیر مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ شعیب کے گھر اس کی ملازمہ کے ہمراہ آ... تھے اور تمہیں اپنی سرپرستی میں لینے کے لئے شعیب نے قانونی کارروائی بھی کی تھی ... میں آج تک یہ معلوم نہیں کر سکی کہ تمہارے والدین سے شعیب کی واقعی کوئی ... داری تھی یا محض دوستی ہی تھی............ کیا تم اس کی وضاحت کرنا پسند کرو گی؟"

میں ان کی معلومات پر خاصی حیران ہوئی کہ وہ یہ تک جانتی تھیں کہ ہم ماسی رکھی کے ساتھ ڈاکٹر شعیب کے ہاں آئے تھے۔ اس کا مطلب تھا گھر ہی میں کوئی بھیدی موجود تھا۔ ماسی پر تو خیر مجھے پورا بھروسا تھا۔ غلامو یا چوکیدار ہی میں سے کوئی [illegible] مخبر ہو سکتا تھا۔

"ڈاکٹر شعیب میرے ڈیڈی کے گہرے دوست تھے مگر یہ دوستی رشتے داری ... بڑھ کر تھی۔" میں نے کہا۔

"بس کچھ عجیب اتفاق ہے کہ میں تمہارے والدین سے ناواقف رہی ورنہ ... شعیب اور عذرا کے ہاں آنا جانا تو [illegible] ... کیا تم لوگ حیدر آباد ہی میں رہا کرتے تھے؟"

"جی نہیں............ ملتان میں۔" میں نے کراچی کا نام قصداً نہ لیا۔

"اچھا............ تب ہی میں ناواقف رہی۔ غالباً تمہارے ڈیڈی شعیب کے کوئی پرانے دوست ہوں گے؟"

"جی۔"

"خیر............ میرا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ اپنی خوبصورتی اور جوانی کو شعیب کے جال سے بچاؤ ورنہ عذرا کی طرح گرفتار ہو کر رہ جاؤ گی جو اب نہ زندوں میں رہی نہ مُردوں میں۔"

"انہیں رکھا ہوا کہاں ہے؟"

جواب میں انہوں نے اس پاگل خانے کا نام بتایا۔

"آپ ملنے جاتی ہیں ان سے؟"

"جی بھی۔ اسے دیکھتی ہوں تو سینے میں ہوک سی اٹھتی ہے کیا تھی اور کیا ہو گئی۔ ... لڑکی' ہر عورت کو برے آدمی سے محفوظ رکھے۔ شعیب کے سر تو ایک عذرا ہی ... جانے کتنی بے گناہ عورتوں کی بربادی ہے۔ جس لیڈی ڈاکٹر سے وہ دوسری شادی ... علاوہ بے چاری تو ایسی روپوش ہوئی کہ سنا ہے پھر نظر نہیں آئی۔"

بس میرا تو یہی انجام نہیں ہونے جا رہا تھا! میں نے سوچا۔

"اچھا بھئی اب مجھے تو اجازت دو۔ میں نے تمہیں حقیقت حال سے آگاہ کرنا اپنا ... اور اس فرض کو ادا کر کے ہلکی پھلکی واپس جا رہی ہوں۔ آگے تمہاری مرضی جو چاہے کرو۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"نہیں' شکریہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم میری اولاد کے برابر ہو۔ تف ... پر کہ اسے تم سے منگنی رچاتے شرم نہ آئی۔ وہ تم سے پچیس تیس سال تو بڑا ..."

میں انہیں کس منہ سے بتاتی کہ غلطی میری تھی۔ ڈاکٹر شعیب سے شادی پر میں نے اصرار کیا تھا اور فرمائش کر کے منگنی کی انگوٹھی خود ہی پہنی تھی اور ڈاکٹر شعیب کو ... پہنائی تھی۔

مجھے اپنے اوپر سخت غصہ آ رہا تھا۔ کاش! میں نے یہ جذباتی حماقت نہ کی ہوتی۔

"اوکے' اب میں چلتی ہوں۔"

"جی اچھا۔"

"ویسے اس بہانے تم سے ملاقات ہو گئی۔ تم حقیقی زندگی میں اسکرین سے زیادہ خوبصورت نظر آتی ہو۔"

"شکریہ۔"

"اچھا خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

جاتے جاتے وہ پلٹیں۔ "اگر تمہارے پاس سواری نہ ہو تو میں ڈراپ کر دوں؟"

"جی نہیں' شکریہ............ مجھے ابھی یہاں تھوڑا سا کام ہے۔"

"اوکے۔"

ان کے جانے کے کچھ دیر بعد میں ہارے ہوئے جواری کی طرح سر جھکائے اسٹیشن سے باہر نکل آئی۔ اس وقت میری دل گرفتگی کا عالم کیا تھا بتانا ممکن نہیں۔ ڈاکٹر شعیب پر

سے میرا ایمان اٹھ چکا تھا اور میں سوچ رہی تھی' ممی پر سے اعتماد اٹھ جانے کے بعد [illegible]
نے ڈاکٹر شعیب پر اعتماد کرلیا تھا' اب اس دیوتا کے پارہ پارہ ہوجانے کے بعد میں [illegible]
قابل اعتبار جانوں؟ میرے دل نے کہا' آئندہ کسی پر بھروسہ نہ کرنا مگر عقل بولی' [illegible]
کسی پر تو بھروسا کرنا ہی پڑتا ہے۔

میں نے سوچا بھیا کو کیونکر منہ دکھاؤں گی میں؟ اور کیونکر دنیا کا سامنا کرپاؤں گی؟

ٹیکسی لے کر میں ساحل سمندر پر جا پہنچی۔ کھل کر آنسو بہانے کے لئے اس [illegible]
زیادہ مناسب مقام اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ گو اندھیرا ہو چکا تھا مگر پہچان لیے جانے [illegible]
خوف سے میں نے رنگین چشمہ آنکھوں پر چڑھا رکھا تھا اور دوپٹہ اچھی طرح سر پر [illegible]
رکھا تھا۔ ساحل پر حسب معمول رونق تھی مگر میں اداس تھی۔ مجھ پر اس وقت [illegible]
یاسیت طاری تھی کہ اگر فرحین کا خیال دامن گیر نہ ہوتا تو میں سمندر کے متوازی [illegible]
کے بجائے اس کی آغوش میں جا پڑنے کو ترجیح دیتی۔

میں سر جھکائے اپنی سوچوں میں گم' گاہے گاہے ٹھنڈی سانس بھرتی' ساحل پر [illegible]
نقوشِ پا ثبت کرتی ہوئی بغرض تفریح ساحل پر آنے والے لوگوں کے ہجوم سے لحظہ [illegible]
دور ہوتی چلی جارہی تھی کہ یکایک میری سماعت سے خالد کی آواز ٹکرائی۔

"زریں!" اس نے مجھے پکارا۔

میں تھم گئی اور اس کی صدا کے تعاقب میں گردن بائیں رخ موڑ کر تکنے [illegible]
[illegible] میری طرف آرہا تھا۔

"تم!" وہ میرے روبرو آٹھہرنے کے بعد کچھ اس قدر حیرانی سے بولا جیسے اسے اپنی
بصارت پر بھرم نہ رہا ہو۔

میں نے اسے دیکھا اور چپ رہی۔

"تمہیں تو میں ٹی وی اسٹیشن پر تمہاری دوست کے ساتھ چھوڑ کر آیا تھا۔ تم یہاں
کہاں؟"

میں لبوں پر مہر ثبت کئے اسی طرح اسے دیکھتی رہی۔

"کیا بات ہے؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

میں نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی پھر کہا۔ "خالد! تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے
تھے؟"

"میرے چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ دل گیر لہجے میں بولا۔

"میں تم سے شادی کرنے پر راضی ہوں۔"

"کیا!" وہ ہکا بکا مجھے دیکھنے لگا۔

"[illegible]ار ہو تم؟"

"کس قسم کا مذاق ہے؟" اس کے لہجے سے کرب جھلک رہا تھا۔

"یہ مذاق نہیں ہے' میں بالکل سنجیدگی سے یہ بات کہہ رہی ہوں۔"

"مگر تم تو..........."

"وہ قصہ ختم ہو چکا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ اس شخص نے میرے اعتماد کو دھوکا دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"پلیز! زیادہ سوالوں میں مت الجھو۔" میں نے قدرے بیزاری سے کہا پھر میں نے
[illegible]وں میں کہا۔ "اگر تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو تو جلد از جلد نکاح کا بندوبست
[illegible]"

وہ متذبذب نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "بتاؤ گی نہیں کہ کیا بات ہوئی؟"

"نہیں۔" میں نے دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "نہ میں بتاؤں گی نہ تم کریدنے کی کوشش
کرو اور........... تم سے شادی کرتے ہوئے میری طرف سے اول شرط یہ ہوگی کہ تم
کوئی ایسی بات پوچھنے پر کبھی مُصر نہ ہوگے جو میں بتانا نہ چاہتی ہوں۔ دوم تم میرے
[illegible] سے میری محبت میں حارج ہونے کی بھی کوشش نہیں کرو گے۔ منظور؟"

"اگر یہ سب کچھ مذاق نہیں ہے تو تمہاری ایک یہی نہیں ہر شرط مجھے دل و جان
[illegible]ظور ہے۔"

"تو چلو' گھر چل کر تمہاری مم کو یہ خبر سنائیں۔"

"اوہ! وہ تو بہت خوش ہوں گی۔" وہ چہکا۔

اس کے چہرے سے رنج و ملال کی کیفیت کافور ہوگئی تھی مگر میرے دل پر دکھ اور
[illegible] کی نئی چھاپ لگ چکی تھی۔

خالد مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا اور جب اس کی والدہ نے یہ سنا کہ میں ان
[illegible] سے شادی کرنے پر تیار ہوگئی ہوں تو وہ جتنی خوش ہوئیں اس سے کہیں زیادہ
[illegible] میں۔

"یہ اچانک تم نے اپنا فیصلہ کیوں بدل ڈالا؟" انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

"بس آنٹی' آپ یہ مت پوچھئے۔"

"کوئی بات نہیں' اگر تم بتانا نہیں چاہتیں تو میں پوچھوں گی بھی نہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ مجھے تو ہر دوسری بات سے زیادہ اہم یہ بات لگتی ہے کہ خالد خوش اور تم سے شادی کرکے وہ یقیناً خوش رہے گا کیونکہ تم اس کی پسند ہو۔ مرد اپنی پسند کی عورت کے ساتھ زیادہ خوش رہتا ہے۔"

"مگر ایک بات ہے۔" میں نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟"

"میں اپنی چھوٹی بہن فرحین کو اپنے ساتھ رکھنا چاہوں گی۔"

"ضرور۔" وہ بولیں۔ "تم اپنی بہن کو بخوشی یہاں لے آؤ' وہ اس گھر میں مہمان بن کر رہے گی.......... خدایا! میں کتنی خوش قسمت ہوں کہ مجھے بہو کے ساتھ ایک بیٹی بھی مل رہی ہے۔"

اس سلسلے میں خالد سے میری بات ہوئی تو اس نے کہا۔ "تمہاری بہن میری آنکھوں پر رہے گی زریں۔"

اگلے ہی روز میں نے خالد سے کورٹ میرج کرلی۔ اس قدر عجلت کا سبب یہ تھا کہ میں خود کو متزلزل ہونے کی مہلت نہیں دینا چاہتی تھی۔ باضابطہ عدالتی کارروائی کے پیش نظر ہمارے درمیان طے پایا کہ ہماری شادی اس وقت تک راز رہے گی جب تک میں ممی اور فرحین کو اعتماد میں نہیں لے لیتی۔

خالد کی والدہ نے اپنے بیش قیمت اور نادر قسم کے زیورات و جواہرات جو بقول ان کے انہوں نے اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے سلسلے میں نگر نگر گھومنے پھرنے کے دوران جمع کئے تھے' مجھے دیتے ہوئے کہا۔ "یہ سب اب تمہارے ہیں۔"

"بس میں آپ کی خوشی کے لئے ایک انگوٹھی لئے لیتی ہوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں یہ سبھی کچھ تمہارا ہے۔" وہ پیار سے بولیں پھر انہوں نے مزید کہا۔ "جلد از جلد تم بہن کو یہاں لے آؤ تاکہ میں خوشی کی یہ خبر اپنے تمام احباب و اقارب کو سنا سکوں۔ ایسا شاندار ولیمہ کروں گی کہ دنیا دیکھے گی۔"

میرے جی میں آیا ان سے کہوں کہ وہ کسی غیر ضروری تکلف میں نہ پڑیں لیکن اگلے ہی لمحے مجھے خیال آیا کہ ممی کو ضرور پتا چلنا چاہئے کہ میں ایک خوشحال گھرانے کی بہو بن گئی ہوں۔

میں تو خالد سے اپنی کورٹ میرج کے اگلے ہی دن حیدر آباد جانا چاہتی تھی مگر خالد نے شرط رکھی کہ یا تو وہ بھی میرے ہمراہ جائے گا ورنہ آٹھ دس روز سے پہلے مجھے

سامنے سے ہٹنے نہ دے گا۔

ہیلو' ڈاکٹر شعیب سے میرا یہ پروگرام طے تھا کہ آخری قسط کی ریکارڈنگ سے پہلے ہی میں حیدر آباد پہنچوں گی۔ وہ میرے منتظر ہوں گے۔"

ہونے دو۔ میں تمہیں ہفتہ بھر سے پہلے تو جانے کی اجازت نہ دوں گا۔"

"وہ میری گمشدگی کا باتصویر اشتہار چھپوا دیں گے اخبار میں۔"

"چھپوا دیں۔"

"خدایا!" میں نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ "بہت ہی ضدی بچے ہو تم تو!"

"وہ تو میں ہوں۔"

پلیز! سمجھنے کی کوشش کرو۔ ورنہ بڑی مشکل ہوجائے گی۔ میں بس ایک روز کے لئے جاؤں گی۔"

"مجھے ساتھ لے کر چلتی ہو تو چلو۔"

"تمہیں میں اس لئے نہیں لے جانا چاہتی کہ کہیں فرحین کو یہاں لانے میں مجھے کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑ جائے۔"

"کیا اسے اغوا کرکے لاؤ گی؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"اسے کوئی تلخی پیدا کئے بغیر لانا چاہتی ہوں اپنے ساتھ پلیز! بس ایک روز کی اجازت دے دو۔"

"اور اگر تم وہاں جاکر بدل گئیں تو؟"

"تو تم خود کو فارغ البال سمجھنا اور چین کی بانسری بجانا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بات سن لو۔" وہ مجھے تنبیہی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اگر تم نے مجھ سے نظریں پھیرنے کی کوشش کی نا تو.........."

"تو کیا؟" میں نے اس کی ناک کی پھننگ اپنی انگلی اور انگوٹھے کے بیچ لے کر اسے ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو میں زہر کھالوں گا یا گلے میں پھندا ڈال کر مرجاؤں گا۔"

"گھبراؤ مت' میں ساری زندگی تمہیں اس کا موقع نہیں دوں گی۔ اس بری طرح سواروں گی تمہارے سر پر کہ تم عاجز آجاؤ گے۔" میں نے توقف کے بعد کہا۔ "خالد ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو عہد نبھاتے ہیں۔"

"عہد تو تم نے ڈاکٹر شعیب سے بھی کیا تھا۔" اس نے برجستہ میری پکڑ کرنی چاہی۔

"ہاں، مگر وہ خود ہی ہرجائی نکلے۔" میں نے ایک سرد آہ کو اپنے سینے میں دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو یہ سبب تھا۔" اس نے کچھ اس طرح کہا جیسے دور کی کوڑی لایا ہو۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ اس روز جو خاتون تم سے ملنے کے لئے ٹی وی اسٹیشن آئی تھی، ڈاکٹر شعیب ہی کی کوئی......." اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ مجھے جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

میں چپ رہی۔

"کہیں انہی سے تو ڈاکٹر شعیب کا کوئی چکر نہ تھا۔"

"شاید تم بھول گئے خالد کہ ہمارے درمیان پہلی بات یہ طے ہوئی تھی کہ تم سب کچھ کریدنے کی کوشش نہیں کرو گے۔" میں نے ٹوکا۔

"سوری!" اس نے کہا پھر آہستہ سے بولا۔ "ویسے ایک شوہر کو اتنا حق تو ہونا چاہئے۔"

مجھے اس کی بات ناگوار گزری مگر میں نے تلخی پیدا کرنے کے بجائے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "بننے لگے نا تم وہی روایتی قسم کے شوہر نامدار۔"

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھے ملتجی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تقریباً گڑگڑا کر بولا۔

"مجھ سے نظریں نہ بدلنا۔"

"[illegible]"

"مجھے چھوڑو گی تو نہیں نا؟"

مجھے ہنسی بھی آئی اور اس پر ترس بھی آیا۔ زندگی میں محبت کی کمی کے احساس نے اس وجیہہ و شکیل مرد کو ایک معصوم ساضدی بچہ بنا دیا تھا۔

"مجھے دھوکا تو نہیں دو گی نا؟" اس کا سوال وہی تھا، الفاظ بدل گئے تھے۔

"نہیں بابا......." میں نے رسانیت سے کہا۔

"وعدہ؟"

"وعدہ!" میں نے کہا۔ "اب تو اجازت ہے نا مجھے؟"

"واپس کب آؤ گی؟"

"جلد از جلد۔"

"سنو....... دو چار دن بعد چلی جانا۔"

"اور اگر اس دوران میری تلاش شروع ہوگئی تو؟"

"بس یہ کرو نا، فون کر کے کہہ دو، تین چار دن کی مصروفیت نکل آئی ہے اس لئے تم وہاں پہنچو گی۔"

"اور اگر ڈاکٹر شعیب خود کراچی چلے آئے؟"

"تو ان سے کہہ دو، لاہور ٹی وی سے بلاوا آیا ہے، تم وہاں جارہی ہو۔"

"ڈاکٹر شعیب جہاندیدہ آدمی ہیں۔ ان سے اتنا بڑا جھوٹ بول دینا آسان نہ ہوگا۔"

"اچھا" وہ منہ لٹکا کر بولا۔

"بہتر ہے کہ تم مجھے جانے دو، ایک دو روز میں واپس آجاؤں گی۔"

"اب روز سے ایک دو روز پر آگئیں۔"

"ابھی فرحین کا اور اپنا سامان بھی تو سمیٹ کر لانا ہوگا نا وہاں سے۔"

"کچھ مت لانا، یہاں سب کچھ مل جائے گا۔"

الغرض بہ وقت تمام اس نے مجھے حیدرآباد جانے کی اجازت دی۔

☆------☆------☆

میں حیدرآباد پہنچی تو فرحین گھر پر ہی ملی۔ اس کی تعطیلات شروع ہوچکی تھیں۔ صاحب اسپتال گئے ہوئے تھے۔ ماسی، غلامو اور چوکیدار بھی مجھے دیکھ کر کھل اٹھے۔

"امی! آپ اپنا کام تو ختم کر کے آئی ہیں نا؟" فرحین نے پوچھا۔

"ہاں جان۔"

"بس اب جلدی جلدی شادی ہوجائے تاکہ ہم سب بھی آپ کے ساتھ کراچی ہی آجائیں۔ کراچی میں جو گھر خرید رہے ہیں وہ آپ نے دیکھا ہے؟"

"ہاں۔" میں نے بے دلی سے کہا۔ مجھے اب اس گھر سے کیا دلچسپی رہی تھی۔

"کیسا ہے؟"

"جیسے اور سب مکان ہوا کرتے ہیں۔"

"واہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ہمارا گھر سب گھروں سے اچھا ہونا چاہئے۔"

"میری جان میں گھر کی نہیں مکان کی بات کر رہی ہوں۔"

"گھر اور مکان میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

"وہی جو تصویر کے کورے اور دوسرے رخ میں ہوتا ہے۔"

"آپ تو گھر میں بھی مشکل مشکل ڈائیلاگ بولنے لگی ہیں۔ بائی دی وے۔ یہ ڈائیلاگ کس رائٹر کا ہے؟"

"کسی رائٹر کا نہیں میرا اپنا ہے۔" میں نے اپنا بازو اس کے کمزور شانوں پر دراز

کرتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر شعیب کا گھر حیدر آباد میں ہو یا کراچی میں' ہمارا اس ...
نہیں ہے۔ ہمارا گھر تو وہ ہو گا جو ہمارا اپنا ہو گا۔"

وہ متذبذب نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"تم پریشان مت ہو۔ میں تمہارے لئے گھر کا بندوبست کر کے آئی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"ذرا ڈاکٹر شعیب سے بات کر لوں پھر تمہیں اس کا مطلب بھی سمجھا دوں گی۔"

"مجھے آپ کی باتوں سے کچھ گڑبڑ کا خطرہ لگ رہا ہے باجی۔" فرحین کی نگاہوں میں تشویش جھلکنے لگی۔

"نہیں کوئی گڑبڑ نہیں۔" میں نے بظاہر بہت سکون سے کہا۔

دوپہر کو ڈاکٹر شعیب گھر واپس لوٹے تو انہیں دیکھتے ہی میرے دل کی ... کیفیت ہو گئی۔ ہم بھائی بہنوں پر ان کے جو احسانات تھے سو تھے' میرا ان سے جذباتی ... بھی رہا تھا۔ وہ ہمارے محسن ہی نہیں تھے' میں ان سے محبت بھی کرتی تھی۔ ... کورٹ میرج نہ کر آئی ہوتی تو کچھ بعید نہ تھا کہ میں اس وقت انہیں دیکھ کر اپنا ... بدل دیتی اور انہیں ان کی تمام خامیوں' تمام عیوب کے باوجود اپنے دل کے ... بٹھائے رکھتی۔ محبت میں یہی سب کچھ تو ہوا کرتا ہے۔

"کیسی ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

[illegible] میں نے ... لہجے میں جواب ...

میرے جواب پر وہ کچھ کھٹک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"میں کھانا لگواتی ہوں۔" میں نے ان سے نظریں چراتے ہوئے کہا اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی بات کرتے' میں نے کچن کا رخ کیا۔

کھانے کی میز پر فرحین خاصی چہکتی رہی۔ وہ بار بار میری اور ڈاکٹر شعیب کی ... کے موضوع پر بات کرنے لگتی۔ ڈاکٹر شعیب کو میں نے بارہا اپنی جانب دیکھتے پایا۔

کھانے کے بعد جب وہ حسب معمول کچھ دیر کو قیلولہ کرنے کے لئے اپنے ... میں جانے لگے تو میں نے ان سے کہا۔ "مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

وہ تھم گئے اور مجھے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ "ہاں بولو۔" انہوں نے کہا۔

"آپ لائبریری میں چلئے میں آتی ہوں۔"

وہ کچھ متفکر سے دکھائی دینے لگے پھر بولے۔ "اوکے' میں انتظار کر رہا ہوں۔"

میں نے اپنے کمرے میں جا کر ان کی دی ہوئی انگوٹھی جو میں خالد سے شادی ...

... اتار کر پرس میں رکھ چکی تھی' نکالی اور اسے مٹھی میں دبائے ان کے پیچھے ... ی میں جا پہنچی۔

"... بات ہے؟" ان کے لہجے میں تشویش عیاں تھی۔ "میں تمہیں کچھ بدلا بدلا سا ..." انہوں نے خود ہی سلسلہ کلام شروع کر کے میری مشکل آسان کر دی۔

... نے چپ چاپ انگوٹھی ان کے سامنے میز پر رکھ دی۔

"... کیا؟" وہ چونکے۔

"اگر آپ فقط میرے محسن ہی ہوتے تو میں شکوہ کر کے احسان فراموشی نہ دکھاتی مگر ... میرا کچھ جذباتی تعلق بھی رہا ہے۔ اسی تعلق کی بنا پر میں آپ سے یہ شکوہ کرنے ... کر رہی ہوں کہ آپ نے مجھے دھوکے میں کیوں رکھا؟"

"دھوکے میں؟ کیسا دھوکا؟" وہ حیرانی سے بولے۔

"زہرا فریدی کو جانتے ہیں آپ؟"

وہ ... ی طرح چونکے اور میں نے ان کے اس طرح چونکنے کو معنی خیز جانا۔

"تم زہرا سے کیونکر واقف ہو؟"

"میں تو خیر جس طرح بھی واقف ہوئی' آپ انہیں جانتے ہیں یا نہیں؟"

"ہاں' وہ میری مرحومہ بیوی عذرا کی بہن ہیں۔"

"براہ کرم آپ اپنی بیوی کو مرحومہ مت کہئے۔"

"..."

"کیونکہ میں جان چکی ہوں کہ وہ مری نہیں زندہ ہیں۔" میں نے گہری نگاہوں سے ... کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "زہرا فریدی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"کیا بتا دیا ہے؟"

"یہی کہ آپ کی بیوی عذرا مری نہیں زندہ ہیں اور پاگل خانے میں داخل ... مجھے سب کچھ پتا چل گیا ہے ڈاکٹر صاحب۔" میں نے توقف کیا پھر ان کے تمام ... کی مشکوریت کو بالائے طاق دھرتے ہوئے بولی۔ "کیا آپ کی بیوی کے اقدام ... سبب یہ نہیں تھا کہ آپ ان کے ساتھ وفادار نہیں تھے؟ کیا آپ نے انہیں ... اور سوخ کی بنا پر پاگل قرار دلوا کر پاگل خانے میں داخل نہیں کرا رکھا ہے؟ کیا یہ ... ہے کہ عذرا کے رشتے داروں نے جب بھی انہیں پاگل خانے سے نکلوانے کی ... کی آپ کا اثر و رسوخ آڑے آ گیا؟"

"... سراسر جھوٹ ہے' بہتان ہے۔"

"تو پھر سچ کیا ہے؟" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچنے کے بعد کہا۔ "سچ یہ ہے کہ عذرا ایک شکی عورت تھی۔ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو اپنے شوہروں کے بارے میں ہمیشہ شکوک و شبہات کی شکار رہا کرتی ہیں۔ اس کے رویے سے عاجز آکر میں نے دوسری شادی کا ارادہ کیا مگر پھر بھی میں اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا مگر عذرا کو خبر ہوگئی۔ وہ اتنی مشتعل ہوئی کہ اس نے میرے کم عمر بیٹے زوہیب کے ساتھ خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ زوہیب مرگیا مگر........." وہ بولتے بولتے رک گئے۔

"مگر کیا؟"

"عذرا معجزانہ طور پر زندہ بچ گئی۔ مگر بیٹے کی موت کا صدمہ احساس جرم بن کر اس کے ذہن سے چپک گیا اور اسی صدمے نے اس کا ذہنی توازن خراب کردیا۔ میں نے کچھ عرصے تک اسے گھر ہی میں رکھ کر اس کا نفسیاتی علاج معالجہ کرانے کی کوشش کی مگر جب وہ ٹھیک نہ ہوئی تو میں نے مجبوراً اسے نفسیاتی علاج گاہ میں داخل کرادیا۔ کئی سال وہ وہاں داخل رہی اور میں اس کی خبر گیری کرتا رہا۔ انتہائی باقاعدگی سے اس کے پاس آتا جاتا رہا مگر بیٹے کی موت کا صدمہ اس کے دل سے ایسا لگا کہ ذہنی توازن خراب ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی صحت بھی روز بروز گرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ایک روز وہ خدا کو پیاری ہوگئی۔ اس کا انتقال تم لوگوں کے آنے سے چند ماہ قبل ہی ہوا تھا۔"

"مگر آپ نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ آپ کی بیوی اور بیٹا ایک [illegible]"

ہاں مجھے اپنی اس غلط بیانی کا اعتراف ہے مگر جب میں نے تمہیں یہ بتایا کہ میری بیوی مرچکی ہے تو اس وقت اسے دنیا سے گزرے واقعی چند ماہ ہوچکے تھے اور یوں میرے اس بیان کو جھوٹ کے زمرے میں نہیں رکھا جاسکتا۔"

"آپ نے اتنی غلط بیانی بھی کیوں کی؟"

"کیونکہ کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی غلط بیانی تو اولاد والدین سے' والدین اولاد سے' شوہر بیوی سے اور بیوی شوہر سے بھی کرجاتے ہیں۔ کیا تم نے بھی اپنے چھوٹے [illegible] کی موت کا قصہ مجھ سے نہیں چھپالیا تھا؟"

میں قائل ہی نہیں شرمندہ بھی ہوگئی۔ وہ غلط نہیں کہہ رہے تھے۔ باوجود [illegible] ہمارے محسن تھے' ہم بہن بھائی آپس کی باتیں اکثر ان سے چھپا جاتے تھے۔

"تو زہرا فریدی نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟ انہوں نے تو مجھے یہ بتایا کہ عذرا زندہ ہیں اور پاگل خانے میں ہیں اور آپ کے بارے میں بھی وہ بہت سی الٹی سیدھی [illegible]

[illegible]"

[illegible] یہ ہے کہ کچھ تو عذرا فطرتاً شکی مزاج تھی اور کچھ اسے میرے خلاف اکسانے میں زہرا فریدی صاحبہ کا ہاتھ بھی تھا۔ زہرا میری بیوی سے بڑی تھی اور عذرا سے شادی کے کچھ عرصے بعد زہرا اور ان کے شوہر سے میرا کسی نجی معاملے میں کچھ اختلاف ہوگیا تھا۔ ان دونوں نے اس اختلاف کو میرے خلاف محاذ کی بنیاد بنالیا اور وہ عذرا کو ہمیشہ میرے خلاف اکسانے کی کوشش کرتے رہے۔ عذرا کے اقدام خودکشی کو انہوں نے میرے خلاف ایسا پروپیگنڈا کیا کہ بہت عرصہ تو میں لوگوں سے منہ [illegible]۔ انہوں نے مشہور کردیا کہ میں نے عذرا کو اتنی اذیت پہنچائی کہ وہ اپنی زندگی کا [illegible] کرنے پر مجبور ہوگئی۔ بعد ازاں جب عذرا کی نفسیاتی حالت پاگل پن کی حدوں کو [illegible] اور میں نے اسے نفسیاتی اسپتال میں داخل کرادیا تو زہرا اور اس کے میاں عذرا کی [illegible] کے بہانے اسے مزید میرے خلاف اکسانے کو اسپتال پہنچنے لگے۔ چنانچہ مجبوراً مجھے [illegible] عذرا سے ملاقات کے سلسلے میں پابندی عائد کرانا پڑی۔"

[illegible] ہوسکتا ہے وہ اس وقت سے اب تک اسی گمان میں ہوں کہ عذرا زندہ ہیں۔"

"نہیں یہ بات نہیں۔ عذرا کی موت پر سینہ کوبی کرنے والوں میں زہرا بھی شامل [illegible] اور اس کی میت کو کاندھا دینے والوں میں فریدی بھی شریک تھے۔"

"تو پھر زہرا نے مجھ سے بطور خاص مل کر ایسی بات کیوں کی؟"

[illegible] تمہاری [illegible] اور شادی کی [illegible] کر انہوں نے اور ان کے [illegible] منصوبہ بنایا ہوگا کہ تمہیں بھی میرے خلاف اکسایا جائے۔ اصل میں وہ دونوں [illegible] ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جو معمولی اختلافات کو گہری دشمنی کی بنیاد بنالیتے [illegible] اور جس سے بغض ہوجائے اس کی جڑیں تک کاٹ دینے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ [illegible] عذرا کی موت کے بعد ان سے میرا تعلق ختم ہوچکا ہے مگر ان کا یہ عالم ہے کہ میں [illegible]' میرے بارے میں اب بھی اتنے متجسس رہتے ہیں یہ لوگ کہ ہر دوسرے مہینے چوری چھپے حیدرآباد کا چکر لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔"

"ہاں' مجھے وہ خاصی ویل انفارمڈ لگ رہی تھیں۔"

"اور اپنی ڈس انفارمیشن سے وہ تمہیں میرے خلاف اکسا گئیں۔" کچھ دیر توقف کے بعد وہ بڑی نرمی سے بولے۔ "دیکھو زریں' میں تو باوجود پسندیدگی کے خود کو [illegible] لائق سمجھتا ہی نہیں تھا۔ بہت بُعد ہے ہم میں۔ تم مارچ کے مہینے کی طرح پُربہار [illegible] ستمبر کے مانند خزاں رسیدہ۔ پھر بھی جب تم نے اپنی خوشی سے زندگی کے راستے پر

میرے ساتھ چلنے کا فیصلہ کرہی لیا ہے تو ہم دونوں ہی کو ایک بات کا خیال رکھنا
اپنے مابین بُعد کو کم کرنے کی فقط ایک ہی صورت ہوگی ہمارے لئے اور وہ یہ کہ
دوسرے پر کامل بھروسا کریں۔ ایک دوسرے کو قابل اعتماد جانیں۔" انہوں
دھری انگوٹھی اٹھائی اور اسے میری جانب بڑھاتے ہوئے بولے۔ "اسے انگلی
ڈال لو۔"

میں جو پہلے اپنے دل کو رنج و ملال کی ناقابل بیان کیفیت سے دوچار پا
چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر رقت سے بولی۔ "اب یہ انگوٹھی میں اپنی انگلی
پہن سکتی۔"

"کیوں؟"

پچھتاوا مجھے ڈس رہا تھا۔

"زہرا فریدی کی باتوں سے مجھے ایسا دھچکہ پہنچا کہ.........."

"کہ؟" وہ بے تابانہ بولے۔

"میں نے آپ سے بدظن ہو کر خالد آفاق سے کورٹ میرج کرلی۔"

"اوہ نو!" وہ تڑپ کر بولے۔

میں ان سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کرپا رہی تھی۔

تادیر وہ رنجور و دل گیر بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے بوجھل آواز میں کہا۔ "زہرا
بیان کی تصدیق تو کرلی ہوتی، تم نے۔"

میں اپنے فیصلے پر شدید پچھتا رہی تھی۔

کاش! میں نے اتنی حماقت' اتنی عجلت سے کام نہ لیا ہوتا مگر اب کیا ہو سکتا تھا
کمان سے نکل چکا تھا۔

"یہ لیجئے' یہ آپ کی امانت۔" میں نے ان سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"اسے تم میری جانب سے اپنی شادی کا تحفہ سمجھ کر قبول کرلو۔" وہ ازحد
لہجے میں بولے۔

اوہ! وہ انسان تھے یا فرشتہ۔

پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔ "اس موقع پر میں تمہیں خوش رہنے
کے سوا اور کیا دے سکتا ہوں زریں۔"

"مجھ سے بہت بڑی حماقت، ہوگئی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"تقدیر کا کھیل اسی کو کہتے ہیں۔"

"انہیں کو معلوم ہوگا تو اسے تو بہت صدمہ پہنچے گا۔"

"ہاں۔"

میں دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوس رہی تھی۔ اپنی عجلت پر نادم تھی۔ اپنی حماقت
تھی۔

کاش میں نے اتنی جذباتیت اور ایسی جلد بازی سے کام نہ لیا ہوتا۔

کاش میں نے جذبات سے کام لینے کے بجائے عقل سے کام لیا ہوتا۔ اپنی زندگی کو
سے قبل ایک بار' صرف ایک بار میں نے ڈاکٹر شعیب سے زہرا فریدی کے
تصدیق تو کرلی ہوتی۔

کتنی بے وقوف تھی میں کہ ایک اجنبی عورت کے بہکائے میں آکر میں نے اپنی ہی
کی خوشیوں کا گلا بھی گھونٹ ڈالا تھا۔

"میں فرحین کو اپنے ساتھ کراچی لے جانا چاہتی ہوں ڈاکٹر صاحب۔" میں نے دل
کہہ ہی لیا۔

انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا پھر بولے۔ "کیوں؟"

"کیونکہ میرے لئے تو اب بار بار حیدر آباد آنا ممکن نہ ہوگا۔ بھیا پہلے ہی وہیں سیٹل
ہو رہے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ میں فرحین کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں۔"

ڈاکٹر شعیب کی آنکھوں میں سرخی امنڈ آئی۔ انہیں میں نے ہمیشہ متحمل دیکھا تھا مگر
اساس مضطرب دکھائی دے رہے تھے۔

"نہیں زریں!" وہ مجھے گھائل نظروں سے دیکھ کر بولے۔ "تم ایک ستم تو کر بیٹھی
کہ تم نے اس عورت کو تو مجھ سے چھین لیا جو کئی برس سے میرے دل کی
بلا شرکت غیرے حکومت کررہی تھی۔ جسے میں اپنی زندگی کی تمام تر تلخیوں
کا مداوا سمجھ بیٹھا تھا۔ تم نے مجھ سے میری ہونے والی شریک زندگی کو تو
مگر مجھے اپنی بیٹی سے محروم نہ کرنا۔ فرحین مجھے اولاد کی طرح عزیز ہے۔ برائے
مجھ سے دور نہ لے جانا۔"

میری آنکھیں بھیگ گئیں۔

"میں بھی تو اب بار بار یہاں نہ آسکوں گی.......... جس شخص کا ہاتھ میں نے تھاما ہے
محرومی کا شکار ایک معصوم مگر ضدی بچے سے کسی طور کم نہیں۔ میں نہیں
کہ فرحین سے ملنے کے لئے میرے بار بار یہاں آنے سے وہ میرے اور آپ
میں کسی بدگمانی کا شکار ہو۔"

"میں فرحین کو وہاں لے آیا کروں گا۔"

"کب تک؟" میں نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "کب تک آپ یہ ز
گے؟"

ڈاکٹر شعیب نے ایک سرد آہ کھینچی پھر بولے۔ "وہ جنہیں چاہا جاتا
میں اٹھنے والا ہر قدم ایک انمول سعادت ہوا کرتی ہے زریں۔" انہوں نے
کے بعد کہا۔ "وہ مکان جو میں تمہارے نام پر خرید رہا تھا اب فرحین کے نام
گا.......... عارف اور فرحین تمہارا میکا ہیں۔ کبھی نہ کبھی تو تمہیں گھڑی
ستانے کے لئے چھاؤں کی ضرورت محسوس ہوا ہی کرے گی۔ شادی شدہ
لئے ان کا میکا ہی گھنی چھاؤں ہوا کرتا ہے۔ اگرچہ تم اپنا راستہ تبدیل کر چکی
کراچی میں مکان کی خریداری کا معاملہ برقرار رکھوں گا۔ کراچی ہمارا دوسرا
چھٹی والے دن فرحین اور میں تمہیں وہیں ملا کریں گے۔ عارف ہاؤس جاب
کے بعد اسی گھر میں رہے گا۔"

آہ! میرا دل رونے لگا۔ اپنی جلد بازی اور ناسمجھی میں، میں نے کیسے
دیا تھا۔ میں اپنے پیچھے ایک ایسی دیوار چن آئی تھی جس میں میری واپسی کے
نہیں تھا۔ ہر غلطی کا کفارہ ہوا کرتا ہے۔ مجھ سے سرزد ہو جانے والی غلطی کا کفارہ
میں فرحین کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک کر کے کراچی لوٹ جاؤں اور
ین دلانے ...ں کو سرنہ اٹھانے دوں کہ اب میں صرف اور صرف اس کی ہوں

اپنی کتاب دل پر ڈاکٹر شعیب کا نام میں نے بدستور لکھا رہنے دیا۔ ان سے
کی وہ انگوٹھی جو میں نے انہیں واپس کر دی تھی، انہوں نے لینے سے انکار کر
کہا۔ "اسے تم میری جانب سے اپنی شادی کا تحفہ سمجھ کر پہن لو۔" پھر وہ اپنی
پڑی ہوئی اس انگوٹھی کو جو میں نے انہیں دی تھی، گھماتے ہوئے بولے۔ "تمہاری
ہوئی یہ انگوٹھی اس چند روزہ نسبت کی یادگار بن کر میرے ہاتھ میں رہے گی۔"

اس شام ڈاکٹر شعیب اپنے کلینک میں نہیں بیٹھے بلکہ فرحین کو اور مجھے گھر
لے گئے اور گھر سے باہر ہی انہوں نے فرحین کو اعتماد میں لے کر وہ خبر سنائی۔ کچھ
ہکا بکا مجھے اور انہیں باری باری دیکھتی رہی پھر اپنا چہرہ ہاتھوں سے چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر
رونے لگی۔ میں نے اسے دلاسا دینے کی کوشش کی تو اس نے میرے ہاتھ جھٹک کر
کہا۔ "آپ ہٹ جائیے میرے پاس سے.......... چلی جائیے میرے سامنے سے۔
میں آپ کو دیکھنا نہیں چاہتی.......... آپ، بھیا، ممی سب خود غرض ہیں..........

آپ میں سے کسی کو میری پرواہ نہیں ہے۔"

اس کی مجرم بنی سر جھکائے بیٹھی تھی۔

تھا کہ ہم تینوں کے علاوہ چوتھا کوئی فرد آس پاس موجود نہ تھا ورنہ فرحین
بلک کر رونے اور چیخنے چلانے کی وجہ سے ہم تماشا بن گئے ہوتے۔ میرا دل بے
اور رہا تھا۔ میں خود کو فرحین کی خوشیوں کی قاتل سمجھ رہی تھی اور مجھے یقین تھا کہ
اور چوکیدار بابا بھی ازحد رنجیدہ ہوں گے۔

ہاں! زہرا فریدی جانتی ہوتیں کہ ڈاکٹر شعیب کو اپنی منتقمانہ فطرت کا نشانہ بنا کر
کئی دلوں کی بے حرمتی کی تھی۔

بھیا کو منہ دکھانے کے خیال سے مجھے سخت کوفت ہو رہی تھی۔ ان کی مخالف مول
تو میں نے ڈاکٹر شعیب سے شادی کا فیصلہ کیا تھا اور اس فیصلے سے قبل بڑی شد و مد
بھیا کے اس خیال کی تردید کی تھی کہ اخبارات میرے اور خالد کے بارے میں جو الٹی
سی خبریں لگا رہے تھے ان میں کوئی حقیقت نہ تھی۔ اب اگر وہ یہ کہیں کہ دیکھا سچ تھا
کچھ، تو میں کس منہ سے صفائی پیش کر سکوں گی۔

بہرحال اس مرحلۂ گراں سے بھی کسی نہ کسی طور پر گزرنا ہی تھا۔

☆--------☆--------☆

کراچی واپس پہنچنے کے بعد جب میں بھیا سے ملی اور میں نے انہیں خالد سے اپنی
شادی کی خبر سنائی تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"اوہ زری! کیوں تم تماشا بن رہی ہو اور اپنے ساتھ ہمیں بھی تماشا بنائے دے رہی
ہو" انہوں نے ناگواری سے کہا۔

میں سر جھکائے چپ بیٹھی رہی۔

"خالد ہی سے شادی کرنا تھی تو ڈاکٹر شعیب سے منگنی کا ڈھونگ کیوں رچایا تھا؟"

"وہ ڈھونگ نہیں تھا۔ میں انہی سے شادی کرنا چاہتی تھی۔"

"تو پھر یہ خالد سے کورٹ میرج کیوں کر بیٹھیں؟"

میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

بھیا نے ایک گہری سانس کھینچی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے نزدیک آ بیٹھے اور
میرا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ "اچھا اچھا، بس اب رونے دھونے کی ضرورت نہیں
"

میں نے آنسوؤں سے تر آنکھوں سے انہیں دیکھا اور لرزاں آواز میں بولی "سنیں

گے آپ کہ اس بار بدقسمتی نے میرا نشانہ کہاں سے اور کیونکر لیا؟"
بھیا کی نگاہوں میں وضاحت طلب کیفیت ڈولنے لگی۔
میں مغموم لہجے میں زہرا فریدی سے اپنی ملاقات اور ان کے جھوٹ کا
سنانے لگی۔ اس قصے کے اختتام تک بھیا کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل چکے
"مجھے بہت افسوس ہوا زری۔" وہ پورا قصہ سننے کے بعد بولے پھر
"تم نے بہت جلد بازی سے کام لیا۔ کسی سے مشورہ تو کرلیتیں۔ میرے پاس آجا
دونوں مل کر کچھ سوچ بچار کرتے۔"
"بس میں اس وقت جذباتی طور پر اتنی مجروح تھی کہ سوچنے سمجھنے کی
نکل گئی۔"
"بہرحال اب تو جو ہونا تھا سو ہوچکا۔"
"آپ کو افسوس ہوا؟"
"کیا نہیں ہونا چاہئے تھا؟"
"مگر آپ تو ڈاکٹر شعیب سے میری شادی کے ازحد مخالف تھے۔"
"صرف اس لئے کہ میں تمہاری اور ان کی عمروں میں حد درجہ فرق پاتا
وہ ہر لحاظ سے اچھے آدمی ہیں۔ جبکہ خالد کے بارے میں' میں نے اخبارات و رسائل
جو کچھ پڑھا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تنگ مزاج اور بددماغ
ہے۔"
"اس کی وجہ ہے۔"
"کیا وجہ ہے؟"
"وہ بچپن میں اپنے والدین کی محبت اور توجہ سے محروم رہا ہے۔ وہ دونوں
تھے اور آئے دن ثقافتی وفود کی دنیا کے مختلف خطوں میں آمدورفت کے سبب اسے
توجہ دینے سے قاصر رہے۔ اس خلا نے اسے نہ صرف والدین سے متنفر کردیا
تنگ مزاج بھی بنادیا۔"
"ایسے آدمی سے گزارہ کرنا خاصا مشکل ہوتا ہے زریں۔"
"جانتی ہوں۔" میں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "مگر اب تو گزارہ کرنا ہی
"مگر کبھی بھی' کسی مشکل میں خود کو تنہا مت سمجھنا۔" بھیا نے کہا۔ میری
بھر آئیں۔
بھائی بھی اللہ کی کیسی نعمت ہوا کرتے ہیں اور میرا بھیا! میرا بھائی تو کچھ

☆------☆------☆

میری شادی کی خبر جلد ہی مشتہر ہوگئی۔ خالد کی مم نے بہت شاندار ولیمہ
تصویریں کھنچیں' مووی بنی' اخبارات و رسائل نے اس تقریب کو نمایاں
آخر کو ہم سپرٹی وی اسٹارز تھے۔ ولیمے کی تقریب میں ڈاکٹر شعیب' بھیا اور
شامل ہوئے۔ فرحین اداس نگاہوں سے ٹکر ٹکر مجھے دیکھتی رہی اور میرا دل
ارہا۔
دھل کر آئیں تو میں نے ایک گروپ فوٹو جس میں خالد' میں' خالد کی مم'
بھیا اور فرحین سبھی موجود تھے' بہت رازداری سے ممی کو تصویر کی پشت پر
ارسال کردی۔
علی ضیاء کے لئے بطور خاص!"
کے بعد ہم ہنی مون منانے نکل گئے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک یورپ کی فضاؤں
کھوئے رہنے کے بعد جب ہم وطن واپس لوٹے تو ڈاکٹر شعیب کراچی میں مکان
اور بھیا ہاسٹل کو خیرباد کہہ کر اسی مکان میں اٹھ آئے تھے۔ ان کی ہاؤس
ہونے میں اب کچھ زیادہ عرصہ نہ تھا۔ ڈاکٹر شعیب چھٹی والے دن فرحین کو
لے کر حیدر آباد سے کراچی چلے آتے۔ کبھی کبھی ماسی بھی ان کے ہمراہ ہوتی۔
ان کراچی میں گزار کر وہ حیدر آباد واپس پہنچ جاتے۔ کراچی میں ہی اسپتال سے
منصوبہ ہنوز زیر غور تھا اور بھیا کی ہاؤس جاب سے فراغت کے بعد وہ اس منصوبے
سے کام کرنا چاہتے تھے۔ فرحین تھرڈ ایئر میں پہنچ چکی تھی اور نفسیات میں ایم
چاہتی تھی۔ ڈاکٹر شعیب کا خیال یہی تھا کہ یونیورسٹی میں فرحین کے داخلے کا
آنے تک وہ مستقل طور پر کراچی میں منتقل ہوجائیں گے۔
اگرچہ میں نے ڈاکٹر شعیب کو اپنی جلد بازی اور حماقت سے دکھ پہنچایا تھا مگر اپنی اعلیٰ
اور وسیع القلبی کے باعث وہ مجھے کبھی یہ احساس نہ ہونے دیتے کہ میں اپنی جذباتیت
ان کے لئے دکھ کا باعث بنی تھی۔ ان کا رویہ اب بھی ویسا ہی تھا اور میں ان کی
زیادہ عزت کرنے لگی تھی۔
کتاب دل پر لکھے ان کے نام کا رنگ اور گہرا پڑ گیا تھا! اپنی وسیع القلبی اور
کے سبب وہ خالد سے بھی بڑا دوستانہ اور مفاہمانہ رویہ رکھتے۔ اس کی موجودگی
سے بات کرتے ہوئے ان کے انداز میں ایک خاص احتیاط ہوتی بلکہ کبھی کبھی وہ

مجھ سے بزرگانہ انداز میں بات کرنے لگتے اور ان کی آنکھیں مجھے خالد سے یہ کہتی ہوتیں' یقین کرو کوئی بات نہیں ہے۔ زریں' اب صرف اور صرف تمہاری ہے مجھے ان پر ترس آنے لگتا۔

ڈاکٹر شعیب کے برعکس خالد ان سے خاصا جارحانہ رویہ رکھتا۔ ان کی مودوگی مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں ملکیت اور تحکم کی کیفیت در آتی اور آنکھیں مجھے ان سے یہ کہتی محسوس ہوتیں' میں بھولا نہیں ہوں اس بات کو کہ بیوی کل تم سے منسوب رہ چکی ہے۔ نہ میں اس کے سلسلے میں تمہارا اعتبار کر سکتا اور تمہارے بارے میں اس کا' ایسے سے خالد کی قربت میں مجھے انتہائی [illegible] رت ہونے لگی۔

خالد جو کل تک مجھ سے شادی کرنے کے لئے گڑگڑایا کرتا تھا اور مجھے یہ نہ تھکتا تھا کہ اس سے شادی کے بعد میرے معمولات قطعاً میرے اختیار میں رہیں گے۔ وہ روایتی شوہروں کی طرح مجھ پر طرح طرح کی قدغنیں لگانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اب قدم قدم پر مجھ پر پابندیاں عائد کرنے لگا اسے میرے معمولات پر اعتراض ہونے لگا۔ وہ میری مصروفیات میں حارج ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ میرے بارے میں [illegible] رہنے لگا اور اس کی جانب سے مجھے کچھ اس قسم کے احکامات سننے کو ملنے لگے۔

فلاں پروڈیوسر سے بات نہیں کرو گی۔

فلاں کے ساتھ کانٹریکٹ سائن نہیں کرو گی۔

[illegible]

فلاں کے لئے نہیں کرو گی۔

ان سے کہو تمہارے ساتھ مجھے سائن کریں تو تم کام کرو گی ورنہ نہیں۔

مجھ پر شکوک و شبہات کی نوعیت کچھ یوں تھی۔

بلا ضرورت فلاں پروڈیوسر کے کمرے میں کیوں گئی تھیں؟

فلاں آرٹسٹ کے ساتھ کیوں بیٹھی تھیں؟

فلاں کو دیکھ کر مسکرائی کیوں تھیں؟

مجھے اس کے ان گنت استفسارات کا جواب دینا پڑتا۔

ریکارڈنگ کب شروع ہوئی تھی؟

کب ختم ہوئی؟

اتنی دیر سے کیوں آئیں؟

اس نے تھپلا مار انداز میں مجھ پر گھاتیں لگانی شروع کردیں۔

[illegible] آرٹسٹ کے ساتھ فلاں جگہ کیوں بیٹھی تھیں؟

[illegible] کی اسٹیشن سے نکلی اس وقت گھر کیوں پہنچی ہو؟

[illegible] تک تو میں برداشت کرتی رہی لیکن جب اس نے میرے ماضی کو کریدنے [illegible] بھن سے میری محبت اور قربت کے آڑے آنا شروع کردیا تو میں برداشت [illegible] ہمارے درمیان آئے دن تکرار ہونے لگی۔ اس کی والدہ اسے سمجھانے [illegible] کرتیں مگر وہ ان کی پہلے کب سنتا تھا جو اب سن لیتا۔ میں خالد سے خفا [illegible] ہوئے میرے سامنے آجاتیں۔

[illegible] جان! میری خاطر تم خالد کو معاف کردو۔ اس کی باتوں کا برا نہ منایا کرو' وہ تو [illegible]"

[illegible] کو مجبور سے زیادہ شرمندہ پانے لگتی۔

[illegible] کی خاطر مجھے خالد سے خفگی تھوک دینا پڑتی۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس [illegible] جاتی۔

[illegible] تک؟

[illegible] گاڑی ایسے چلائی جاسکتی تھی؟

[illegible] معمول بنا رکھا تھا کہ چھٹی کا آدھا دن خالد اور میں' ڈاکٹر شعیب' بھیا اور [illegible] ساتھ گزارتے اور آدھا دن اپنے گھر میں تاکہ خالد کی والدہ کو بھی یہ شکوہ نہ ہو [illegible] گزار سکوں۔ ڈاکٹر شعیب' فرحین کو مجھ سے ملوانے کی خاطر ہر ہفتے ایک شہر [illegible] شہر آتے تھے۔

[illegible] چھٹی کا دن تھا۔ میں بھیا اور فرحین سے ملنے کے لئے جانے کو تیار ہو رہی [illegible] نے کہا۔ "آج ہم وہاں نہیں جائیں گے۔"

"[illegible] مطلب؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"[illegible] مطلب یہ کہ آج کا دن ہم گھر پر' اپنے کمرے ہی میں گزاریں گے۔"

"[illegible] فرحین میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ وہ میری خاطر ہی تو اتنی دور سے یہاں آتی [illegible] گے تو وہ اداس ہوگی۔"

"[illegible] تمہارے ڈاکٹر شعیب؟" اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"[illegible] مطلب ہے تمہارا؟"

"[illegible] مطلب یہ کہ چھٹی والے دن دو کا یہ پہاڑا پڑھنا اب بند کرو چھٹی والے دن وہاں

جانا فرض نہیں ہے۔ ہماری اپنی بھی پرائیویٹ لائف ہے۔"
"جسے میں ضرورت سے زیادہ وقت دیتی ہوں۔" میں نے کہا۔
"احسان نہیں کرتی ہو تم.......... میری بیوی ہونے کے ناطے یہ تمہارا فرض"
"تمہاری بیوی ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں اپنے بھائی بہن کو بھول جاؤں۔"

وہ مسکرا دیا اور اس کی مسکراہٹ مجھے اپنے وجود کے آرپار ہوتی محسوس ہوئی۔ میری چھٹی حس نے سرگوشی کی کہ وہ کوئی غیر معقول سی بات کہنے جا رہا تھا۔
"بھائی بہن کو تو خیر تم بھول سکتی ہو مگر.........."
"مگر کیا؟"
"اپنے عاشق صادق ڈاکٹر شعیب کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکتیں۔"
"خالد! تم حد سے آگے بڑھ رہے ہو۔" میں چلا ہی تو دی۔
"حد سے آگے تو تم بڑھ رہی ہو۔ کیا میں نہیں جانتا کہ آج یہ نیا جوڑا کس کو دکھانے کے لئے پہنا گیا ہے۔ گالوں پر لالی کس کے لئے لگائی ہے؟ آنکھوں میں کاجل اور ہونٹوں پر سرخی کس کے لئے ہے؟"

میرا خون کھولنے لگا لیکن چونکہ میں بھیا اور فرحین سے ملنے جا رہی تھی اس لئے میں نے بات کو رفع دفع کرنے کی خاطر اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔ "کیا میں [illegible] [illegible] میں رہتی ہوں؟"
"مگر چھٹی والے دن تمہارا بناؤ سنگھار کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتا ہے۔" وہ تڑخ کر بولا۔
"کیونکہ میں اپنے گھر والوں کو یہ دکھانا چاہتی ہوں کہ میں خالد کے ساتھ خوش ہوں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔
"اگر خوش نہیں ہو تو جاؤ چلی جاؤ اپنے عاشق صادق کے پاس۔" وہ طنزاً بولا۔
"خالد!" میں چلا دی۔
"چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے گرج کر کہا۔
"میں تمہاری بہتان طرازی پر اس سے بھی زیادہ چلا سکتی ہوں۔"
اس نے آگے بڑھ کر پوری قوت سے میرے بال اپنے ہاتھ میں جکڑ لئے اور زور سے دو تین جھٹکے دے کر بولا۔ "جتنا مرضی آئے چلاؤ مگر اب تم وہاں نہیں جاؤ گی ورنہ میرے گھر میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں رہے گی۔"

"میں جاؤں گی۔"
میں نے اپنا پرس اٹھالیا۔
"جارہی ہو تو یاد رکھنا واپس نہیں آؤ گی اس گھر میں۔"
میں نے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا اور کہا۔ "اچھا! یہ بات ہے۔" جلدی جلدی میں نے ایک چرمی تھیلے میں کپڑوں کے چند جوڑے رکھے' اپنا ضروری اسباب اس میں ٹھونسا اور زہر خند نگاہوں سے خالد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں جارہی ہوں اور اب کبھی نہیں آؤں گی۔" پاؤں پٹختی ہوئی میں دروازے کی طرف بڑھی اور کمرے سے نکلنے سے قبل میں نے پلٹ کر کہا۔ "میں نے تن من سے تمہاری بن جانے کی کوشش کی مگر تم نے میری وفاداری کی قدر نہیں کی خالد آفاق۔"

خالد کی والدہ نے جو خالد کے اور میرے درمیان آئے دن ان چپقلشوں کی عادی ہو گئی تھیں' ہمیشہ کی طرح مجھی کو صبر و برداشت سے کام لینے کی تلقین کی۔ خالد کو تو وہ کوئی بات یا تلقین کرنے کی ہمت نہ کر سکتی تھیں کہ وہ انہیں خاطر ہی میں نہ لاتا تھا۔ میں ان کی بات سن لیا کرتی تھی مگر اس روز میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

گھر پہنچی تو بنا کچھ پوچھے یا بتائے سبھی جان گئے کہ میں خالد سے لڑ جھگڑ کر آرہی ہوں۔ ان لوگوں کے استفسار پر میں نے صرف اتنا کہا۔ "میں اس گھر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ آئی ہوں۔ خالد کے ساتھ میرا گزارہ ممکن نہیں۔"
[illegible]

"[illegible]"
فرحین نے کہا۔ "اچھا ہوا آپ ان کا گھر چھوڑ آئیں۔ مجھے تو وہ ذرا اچھے نہیں لگتے تھے۔"
"بیٹا! تمہارے اچھا لگنے یا نہ لگنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" ڈاکٹر شعیب فرحین سے بولے۔ "وہ تمہاری بہن کا شوہر ہے۔ یہ رشتہ اتنا کچا نہیں ہوتا جتنا کہ تم سمجھتی ہو۔"
"ڈاکٹر شعیب صاحب!" میں نے دکھ سے کہا۔ "شاید یہ رشتہ کچا ہی ہوتا ہے ورنہ ایک ماں اس رشتے کے تعلق سے وجود میں آنے والے چار بچوں سے بھی نظریں کیوں پھیر لیتی؟"
ڈاکٹر شعیب نے کہا۔ "تمہیں کچھ دیر آرام کرنا چاہئے تاکہ ذہن پُرسکون ہو جائے۔ ازدواجی زندگی میں ایسے اتار چڑھاؤ آتے ہی رہتے ہیں۔"
"یہ آخری تھا۔" میں دھیرے سے بولی۔ "اب میں خالد سے کوئی تعلق نہیں رکھنا

چاہتی۔ میں اس سے طلاق لے لوں گی۔"

"زریں!" بھیا نے کہا۔ "یہ کوئی کھیل نہیں ہے کہ تم نے جب چاہا اپنی مرضی شادی کرلی اور جب چاہا شوہر کا گھر چھوڑ کر چلی آئیں۔ تمہیں اسی گھر میں جانا ہوگا۔ اس شخص کے ساتھ گزارہ کرنا ہوگا۔" پھر وہ مجھ سے نظریں چرا کر بولے۔ "زندگی میں [illegible] سے مقامات پر ہمیں مصلحتاً مفاہمت کرنا پڑتی ہے۔ تمہیں بھی خالد سے مفاہمت کرنا پڑے گی۔ اب اپنے لئے مت سوچو' کچھ اور بھی سوچو۔"

اوہ! جوش اور جذبات میں مجھ سے پھر ایک غلطی ہو گئی تھی۔

میں بھول گئی تھی کہ میں تو خالد کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔

شام کو ڈاکٹر شعیب اور بھیا مجھے سمجھا بجھا کر خالد کے پاس چھوڑ آئے۔ ڈاکٹر شعیب نے خالد سے کہا۔ "خالد میاں! اب آپ دونوں ہی کو اپنے لئے نہیں اپنی آئندہ نسل کے لئے سوچنا چاہئے۔ جو مزہ مرد و زن کے سلوک سے رہنے اور ایک دوسرے پر بھرپور اعتماد کرکے زندگی گزارنے میں ہے وہ لڑنے جھگڑنے میں نہیں۔ چھوٹی چھوٹی خفگیاں اور چپقلشیں ازدواجی زندگی کا حسن چھین لیتی ہیں۔ میل محبت سے اور ایک دوسرے پر مکمل بھروسا کرکے زندگی گزارنے کی کوشش کیجئے۔"

ڈاکٹر شعیب اور بھیا نے خالد اور مسز آفاق کے سامنے مجھے بھی سمجھایا بلکہ ہلکی سی سرزنش بھی کی۔ غالباً اس لئے کہ خالد اور اس کی والدہ یہ نہ سمجھیں کہ صرف اسی کا قصور [illegible]

ڈاکٹر شعیب اور بھیا کے جانے کے بعد خالد نے پشیمانی ظاہر کرتے ہوئے اپنی زیادتی پر مجھ سے معذرت چاہی اور اس رات دیر تک وہ اس متوقع ننھے مہمان کی باتیں کرتا رہا جو بہت جلد ہماری زندگی میں اپنی قلقاریوں کا ترنم بکھیرنے آرہا تھا۔

"ہم اپنے بیٹے کو اتنی محبت' اتنی توجہ دیں گے زریں کہ وہ خود کو اس دنیا کا خوش نصیب ترین بچہ سمجھے گا۔" خالد نے کہا۔

"اور اگر بیٹی ہوئی؟"

"تو اسے تمہاری طرح خوبصورت ہونا چاہئے۔" خالد نے برجستہ کہا اور ہم دونوں بے ساختہ ہنس پڑے۔ پھر بہت دیر تک ہم سر جوڑے آنے والے مہمان کے نام کے معاملے پر سوچ بچار کرتے رہے۔ خاصے غور و خوض کے بعد طے پایا کہ اگر بیٹا ہوا تو راحیل نام پائے گا اور بیٹی ہوئی تو ہم اس کا نام نگین رکھیں گے۔ خالد سے باتیں کرتے کرتے میری آنکھ لگ گئی۔ دن بھر کی پریشانی' تناؤ اور تھکان کے نتیجے میں' میں ایسی گہری

[illegible] کہ مجھے بستر پر سے خالد کے اٹھنے اور دروازہ کھول کر باہر جانے کی کی خبر ہی نہ [illegible] کے آخری پہر جب میری آنکھ کھلی تو خالد بستر پر نہ تھا۔ باتھ روم میں اندھیرا [illegible] کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اٹھ بیٹھی اور میں نے بہ آواز بلند خالد کو پکارا مگر [illegible] نہ ملا۔ میں نے پاؤں میں چپلیں پہنیں اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ برآمدے [illegible] رہی تھی مگر خالد وہاں نہ تھا۔ ڈرائنگ روم کی بتی بھی جل رہی تھی جو خالد کے [illegible] روم میں ہونے کا پتا دے رہی تھی لیکن رات کے آخری پہر بھلا خالد کو ڈرائنگ [illegible] جانے کی کیا ضرورت درپیش آگئی تھی؟ میں اسے پکارتے ہوئے ڈرائنگ روم کی [illegible]۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اندر داخل ہوئی تو میرے منہ سے ایک گھٹی گھٹی [illegible]۔ خالد اپنے گلے میں میرے دوپٹے کا پھندا ڈالے چھت کے پنکھے سے لٹک رہا [illegible] کی آنکھیں باہر کو ابلی پڑی تھیں۔ زبان باہر نکل گئی تھی اور تنومند جسم بے جان [illegible]

[illegible] چلاتی ہوئی الٹے قدموں پلٹی اور خالد کی مم کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ میرا چلانا [illegible] کمرے سے باہر نکل آئیں۔

"[illegible] ہوا؟" انہوں نے پوچھا۔

ان کے سوال کے جواب میں' میں نے ڈرائنگ روم کی جانب اشارہ کیا اور اپنا چہرہ [illegible] ڈھانپتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

[illegible]

[illegible] سن کر سرونٹ کوارٹر سے امین اور اس کی بیوی بچے لپکے ہوئے آئے۔ [illegible] میں نے بھیا کو اس سانحے کی اطلاع دی۔ خالد کی مم نے پولیس کو فون [illegible] ڈاکٹر شعیب کو فون پر اطلاع دیتے ہوئے میرے پاس پہنچے۔

[illegible] ڈرائنگ روم کی میز پر سے خالد کا ایک خط ملا جس میں اس نے لکھا تھا۔

"میں اپنی موت کا آپ ذمے دار ہوں۔ کسی اور کو اس سلسلے میں پریشان نہ کیا [illegible] بالخصوص میری بیوی زریں کو جو میری موت کے بعد بیوی سے بیوہ ہو جائے گی۔ [illegible] موت کے بعد دنیا کے تمام والدین کو میرا یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ اپنی اولاد کو بھوکا [illegible] کر اپنی محبت اور توجہ سے محروم نہ رکھنا۔"

گو خالد کی موت خودکشی کا کیس تھا مگر پولیس نے یہ جان لینے کے بعد کہ وقوعہ سے [illegible] قبل خالد سے میرا جھگڑا ہوا تھا اور میں اس سے لڑ کر اپنے میکے چلی گئی تھی' مجھے [illegible] استفسارات کی زد میں رکھا۔ بھیا کی موجودگی میرا حوصلہ بندھائے رہی۔ پوسٹ

مارٹم ہوا۔ تدفین سے قبل ڈاکٹر شعیب بھی فرحین کے ہمراہ آپہنچے۔

خالد کی موت کے بعد میری زندگی میں دوسرا موقع آیا جب میں نے اپنے آپ
عہد کیا کہ اپنی اولاد کو کبھی اپنی محبت اور توجہ سے محروم نہیں رکھوں گی۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ پہلی مرتبہ میں نے اپنے آپ سے یہ عہد اس وقت کیا
جب ہم سوا تین سال سے زائد عرصے تک ایک قفسِ بے روزن میں ممی کی بے مہری
عدم توجہی کا زہر پینے کے بعد باہر نکلے تھے۔ ریل گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہو
نے فرحین کو اپنی آغوش میں دبکاتے ہوئے سوچا تھا کہ اگر کبھی میں نے شدی کی تو
بچوں کو اتنی محبت دوں گی کہ ممی کی نسبت ہمارے ذاتی تجربے کے نتیجے میں ماں کے نام
لگا ہر دھبا مٹا دوں گی۔

خالد کی موت کے بعد اس کی مم کے بدلے ہوئے رویے کے پیش نظر میں
ہوتے ہی اس گھر میں منتقل ہوگئی جہاں بھیا اب اکیلے نہیں بلکہ فرحین اور ڈاکٹر
کے ساتھ رہتے تھے۔ ڈاکٹر شعیب نے حیدر آباد کو خیرباد کہہ دیا تھا اور وہاں اپنی
فروخت کرکے کراچی کے ایک مشہور و معروف اسپتال میں پگڑی پر کلینک لے کر
شروع کردی تھی۔ ساتھ ہی انہوں نے ذاتی اسپتال کے قیام کے لئے بھیا کے نام پر
قطعہ زمین خرید لیا تھا مگر بھیا کو فی الحال اسپتال کے قیام سے زیادہ بیرون ملک
اسپیشلائزیشن میں دلچسپی تھی۔

[illegible] ان کی سرد مہری
میرے بطن سے جنم لینے والا بچہ میرے اور ان کے مابین دائمی تعلق کا ڈور بنا رہے گا
گھر لوٹ آنے اور راحیل کی پیدائش کے بعد میں نے اپنی پہلی فرصت میں گی
نام خط لکھا۔ میں نے لکھا تھا۔

"محترمہ بیگم علی ضیاء صاحبہ!

آپ احتساب سے کچھ زیادہ عرصہ تک نہ بچ سکیں گی۔ ایک نہ ایک دن آپ
میرا آمنا سامنا ضرور ہوگا اور میں آپ سے گن گن کر بدلے لوں گی۔ آپ کو میرے
زخم کی تین گنا قیمت ادا کرنا ہوگی۔ میرے شوہر کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہوگیا ہے اور
اسی طرح بیوہ ہوگئی ہوں جیسے برسوں قبل آپ اپنے شوہر کی حادثاتی موت کے نتیجے میں
بیوہ ہوگئی تھیں۔ میں اپنے مرحوم شوہر کے ایک بچے کی ماں بھی بن چکی ہوں۔ مگر
اس بچے کے ساتھ وہ ظلم نہیں کروں گی جو ہمارے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ اس بچے کی خاطر
میں اپنی جان پر بڑی سے بڑی مصیبت سہہ جاؤں گی مگر اس پر کوئی آنچ نہیں آنے

راحیل کی پیدائش تک خالد کی مم مجھ سے خاصی لاتعلق رہیں وہ مجھے خالد کی موت
ذمہ دار سمجھتی تھیں اور بھول گئی تھیں کہ خالد کی موت تو اس کے احساس محرومی کا
نتیجہ تھی جو بچپن سے اس کے ساتھ چلا آرہا تھا۔ راحیل کی پیدائش کے بعد اس کی
رگوں میں دوڑتے ان کے خون کی کشش دوبارہ مجھ تک کھینچ لائی اور میں نے ان سے کوئی گلہ شکوہ
نہیں کیا۔

خالد کی ناگہانی موت سے راحیل کی پیدائش کے چند ماہ بعد تک ٹی وی اور
ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کے کرتا دھرتا مجھے بالکل بھولے رہے۔ میں نے بھی انہیں
کبھی یاد نہیں کیا۔ پہلے خالد کی موت کا ملال مجھے گھیرے رہا پھر راحیل کی چھوٹی
چھوٹی ضرورتوں نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس دوران میں اپنی ذات سے اتنی
لاپروا ہوگئی کہ فربہی نے میری نزاکت کو پچھاڑ دیا۔ پھر ایک روز ڈاکٹر شعیب نے مجھ سے
کہا۔ "زریں! تم اپنا بھی کچھ خیال رکھا کرو۔"

میں نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچتے ہوئے کہا۔ "کھاتی ہوں' پیتی ہوں' پہنتی ہوں'
اوڑھتی ہوں اور کس طرح خیال رکھا جاسکتا ہے اپنا!"

"محض کھانا پینا اور پہننا اوڑھنا ہی تو اپنا خیال رکھنا نہیں ہوتا۔" وہ بولے۔

"تو پھر؟"

[illegible] روز غور سے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھو' تمہیں آئینہ سب کچھ سمجھا دے

میں نے آئینہ دیکھا تو دم بخود رہ گئی۔ خدایا! کس قدر بھدی ہوگئی تھی میں۔ میری
وہ تمکنت' وہ نزاکت' وہ خوبصورتی گویا قصۂ پارینہ ہوگئی تھی۔ مضمحل چہرے' منتشر
بالوں اور فربہ جسم کی اس عورت کو جس کا عکس آئینے میں نظر آرہا تھا' دیکھ کر کون یقین
کرتا تھا کہ وہ کچھ عرصہ قبل ٹی وی کے لاکھوں کروڑوں ناظرین کے دلوں پر راج کیا
کرتی تھی۔

دبی دبی سی ایک سرد آہ میرے سینے میں پر کٹے پرندے کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

پھر ایک روز بھیا نے مجھے ٹوکا۔ "زری' یہ کیا حلیہ بنائے رکھتی ہو تم اپنا؟"

"کیوں' کیا ہوا میرے حلئے کو؟"

"اپنا خیال رکھا کرو۔"

ایک روز فرحین نے کہا۔ "پتا ہے آپ وقت سے پہلے ہی بوڑھی لگنے لگی ہیں۔"

"اچھا!" میں نے مسکرانے کی کوشش کی مگر شاید میں رقت کو دبانے کی کو
رہی تھی۔

پھر ایک روز جب میں راحیل کے لئے دودھ اور سیریلیک کے ڈبے خر
شعیب کے ہمراہ ایک اسٹور سے نکل رہی تھی' ٹی وی کے ایک پروڈیوسر سے اتفا
ہوگیا۔

"میں یقین نہیں کرسکتا زریں کہ یہ آپ ہیں۔" وہ بولے۔

"کیوں؟ یقین نہ کرسکنے کی کیا بات ہے؟"

"کہاں گئی تمہاری وہ اسمارٹنس؟ وہ خوبصورتی؟"

میں نے مسکرانے کی کوشش کی مگر مسکراہٹ آبِ رو کا روپ دھار کر میری آ
میں تیر گئی۔

"خالد سے بہت محبت تھی تمہیں' ہے نا؟" وہ مجھے ترحم سے دیکھ کر بولے۔

میں نے ان کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"زریں بی بی! جیون میں ملنا بچھڑنا تو لگا ہی رہتا ہے۔" مذکورہ پروڈیوسر بو
والا تو چلا گیا' اب تم دوسروں کی خاطر اپنا خیال رکھو۔ جوانی میں بڑھاپا طاری کرلین
نہیں ہوتی۔ زندگی مختصر ہے' اسے مُردوں کی طرح نہیں زندوں کی طرح گزارو۔"

میں نے اس کے پُرخلوص مشورے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ وہ معنی خیز
[illegible] وہ ان کے بارے میں مجھ سے
کرتے میں انہیں خدا حافظ کہہ کر اسٹور سے نکل گئی۔

گھر واپس لوٹتے ہوئے ڈاکٹر شعیب نے مجھ سے کہا۔ "تم نے پروڈیوسر صا
ایک سوال کا جواب نہیں دیا تھا زریں!"

"کون سا سوال؟"

"کہ خالد سے بہت محبت تھی تمہیں؟"

میں سمجھ گئی کہ ڈاکٹر شعیب بالواسطہ مجھ سے یہ سوال پوچھ رہے تھے۔
بوجھل آواز میں کہا۔ "خالد سے میری شادی محض ایک اتفاق بلکہ جذباتی تو
حادثہ تھا اور اس کی موت اس سے بھی بڑا حادثہ۔ مجھے افسوس یہی ہے کہ میں اس
اتنی محبت نہیں کرسکی جتنی کہ اسے ضرورت تھی۔ وہ ایک الجھی ہوئی شخصیت
تھا۔ اسے ایک ایسی عورت کی ضرورت تھی جو اپنی محبت سے اس کے زخموں کا
کرسکتی۔ جبکہ میں تو خود اپنے زخموں کی ٹیسوں سے نڈھال تھی اور ہنوز ہوں

اس سے شادی کرکے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ یہ احساس میرے لئے ایک مستقل
بن گیا ہے۔"

"اس کے مقدر میں یہی لکھا تھا۔"

"اور میرے مقدر میں یہ کہ ایک انجانی عورت آئے اور اپنی غلط بیانی سے میری
خوشیوں کو ڈس کر چلی جائے۔" میری آواز بھرا گئی اور میں نے قدرے توقف سے کہا۔
اگر میں خالد سے شادی کا جذباتی فیصلہ کرنے کے بجائے پہلے آپ سے زہرا فریدی کے
بارے میں تصدیق کرلیتی تو شاید آج آپ کے ساتھ ایک مطمئن اور پُرمسرت زندگی گزار رہی
ہوتی اور خالد بھی زندہ ہوتا۔"

"اس کی موت یونہی آنی تھی زریں۔" ڈاکٹر شعیب بولے۔ "ہم سب تو کٹھ پتلیاں
ہیں اور کاتبِ تقدیر کے لکھے کے مطابق ناچ رہے ہیں۔"

میں رومال سے اپنی آنکھیں پونچھنے لگی۔

ڈاکٹر شعیب نے رسان لہجے میں کہا۔ "اپنے دل کو اس بات پر ٹھہرا لو کہ خالد کے
مقدر میں یہی لکھا تھا۔ اپنے آپ کو اس کی موت کا ذمے دار مت سمجھو ورنہ نفسیاتی
مریضہ بن جاؤ گی......... عذرا کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ یہی کہ وہ خود کو زوہیب کی موت کا
ذمہ دار سمجھنے لگی تھی......... اپنا خیال رکھو۔ ہم سب کو تمہاری ضرورت ہے اور سب
سے زیادہ تو راحیل کو۔"

مجھے ایک انجانے سے خوف نے آلیا۔ خدایا! اگر میں بھی عذرا کی طرح احساسِ جرم
کا شکار ہو کر مر گئی تو راحیل کا خیال کون رکھے گا؟ اور ایک راحیل کو تو نہیں' فرحین کو
بھی میری ضرورت تھی۔ شاید بھیا کو بھی......... اور کیا عجب کہ ڈاکٹر شعیب کو بھی ہو!
میں کتنی خوش نصیب بیوہ تھی کہ مجھے چاہنے والوں کی کمی نہ تھی۔

اس روز سے میری کایا کلپ ہو گئی۔

میں نے دوبارہ اپنا خیال رکھنا شروع کردیا۔ باقاعدگی سے ورزش کے نتیجے میں کچھ ہی
دنوں میں میری جسمانی حالت بہتر ہونے لگی۔ بھدا پن ختم ہونے لگا۔ چہرے کی رونق
لوٹ آئی۔ میں دوبارہ خوش رنگ ملبوسات پہننے لگی۔ ہنسنے بولنے لگی۔ باہر آنے جانے
لگی۔

میری اس کایا کلپ سے سبھی خوش ہوئے۔ فرحین جو یونیورسٹی میں ایم اے سال
اول کی طالبہ تھی' ایک روز ہنس کر بولی۔ "باجی! آپ تو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت
ہوگئی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ جلد ہی ہمارے گھر کے باہر رشتے کے امیدواروں کی قطار لگ

ہو گی۔"

"ٹھیک ہے' کوئی دو بھائی مل گئے نا ٹھیک ٹھاک قسم کے تو ایک سے میں کرواں گی چھوٹے بھائی سے تمہاری کرا دوں گی۔"

فرحین کی مسکراہٹ یک بیک کافور ہو گئی اور وہ اداس ہو کر بولی۔ "میں تو بونی ہوں باجی' مجھ سے بھلا کون شادی کرے گا؟"

"میری جان' مجھ سے پوچھو کہ تم کتنی پیاری ہو۔"

"آپ اپنی بات مت کریں۔ آپ نے تو مجھے ماں بن کر پالا ہے۔ آپ کو تو میں بھی ہوں اچھی ہی لگوں گی۔ ذرا دوسروں کی نظر سے دیکھئے.......... تب آپ کو نقائص نظر آئیں گے۔ یونیورسٹی میں لوگ مجھے یوں دیکھتے ہیں جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں بلکہ بعض تو آوازیں کسنے سے بھی نہیں چوکتے۔"

"بے وقوف ہیں وہ سب۔"

"آپ میری محبت میں ایسا کہہ رہی ہیں ورنہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کو جھٹلایا نہیں۔ کیا میں بونی نظر نہیں آتی؟ کیا میرا سر میرے جسم کے مقابلے میں بہت بڑا نہیں؟ میں مضحکہ خیز نہیں دکھائی دیتی؟" فرحین کی آواز لحظہ بہ لحظہ رندھتی چلی گئی۔

"کیا وہ سب یہ نہیں دیکھتے کہ تمہارا چہرہ کتنا پیارا ہے؟ آنکھیں کتنی بڑی بڑی اور دلنشین ہیں۔ ناک کیسی ستواں' دھانہ کتنا متناسب اور ہونٹ کیسے پیارے ہیں؟ کیا انہیں ... ہے کہ تمہارے رخساروں میں پڑنے والے گڑھوں کی دلفریبی دکھائی نہیں دیتی؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ آزردگی سے بولی۔ "مجھے اپنے ہم جماعتوں کو دیکھنے کے لئے اپنے سر کو یوں پیچھے جھکانا پڑتا ہے جیسے میں زمین پر کھڑے کسی انسان کو نہیں بلکہ چاند کو دیکھ رہی ہوں' میں اپنی ہم جماعتوں سے رُوبرو کھڑی ہو کر بات کر سکتی باجی۔ ان کے مقابلے میں' میں خود کو بہت حقیر اور کمتر محسوس کرتی ہوں۔"

میں نے گھٹنوں کے بل جھک کر فرحین کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ "اوہ! میری جان! تم ایسا مت سوچا کرو۔" میں نے کہا پھر میں نے اس کا دلکش چہرہ جو میری طرح اسے بھی ممی ہی سے میراث میں ملا تھا' اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "اگر یونیورسٹی میں تمہارے ساتھی اتنے بے رحم ہیں تو تم یونیورسٹی چھوڑ دو۔"

"نہیں باجی.......... یونیورسٹی تو میں کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گی۔ مجھے پڑھنا

... حاصل کرنی ہے۔ میں اتنا پڑھنا چاہتی ہوں کہ میرے بونے پن کا ازالہ ہو جائے۔ ... بہت سے عیوب چھپا لیتا ہے باجی اور ہم جیسوں کے لئے تو تعلیم بیساکھی بن ... ہم اسی کے سہارے زندگی گزارتے ہیں کیونکہ لوگ تو ہمیں سہارا دیتے ڈرتے ... تھی پھر اس نے کہا۔ "مجھے اپنی کمزوری کا احساس ہے باجی اور میں جانتی ہوں ... نارمل انسان مجھ سے شادی کرنے پر تیار نہیں ہو گا اس لئے میں اتنا پڑھوں گی ... کے سہارے کی ضرورت نہ رہے۔"

... نے تڑپ کر اسے دوبارہ اپنے سینے سے لگا لیا۔

... میری فرشتوں کی طرح معصوم بہن کتنی دُکھی تھی اور کیا کچھ سوچے بیٹھی تھی۔ ... میں ممی کے خلاف آتش فشاں پھر بری طرح کھولنے لگا۔

☆-------☆-------☆

... گمشدہ خوبصورت اور نزاکت پھر پلٹ آئی تھی بلکہ اس بار اس کے تیور زیادہ ... تھے۔ اب میں لڑکی نہیں تھی مکمل عورت تھی۔ آئینہ چپکے چپکے بار بار مجھ سے ... ماں' عورت کا دلکش ترین روپ ہوتا ہے۔"

... پہلے سے زیادہ دلکش ہو گئی تھی۔

... راحیل نے ہم سب کی زندگیوں کا نقشہ بدل دیا تھا!

مجھے تو جیسے وہ اول دن ہی سے پہچانتا تھا کہ میں اس کی ماں تھی۔ مجھے دیکھ کر جب ... کرتا اور اپنی ننھی سی اور روشن آنکھوں سے مجھے دیکھ کر خوشی سے ہاتھ پاؤں ... تو میرے سینے میں ممتا کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا۔ عجب تھا یہ رشتہ بھی! وہ ... میں مضطرب ہو جاتی۔ اس کی ذرا سی تکلیف میری رات کی نیند حرام کر دیتی۔ وہ ... اس کی معصوم مسکراہٹ میرے قلب و روح میں ناقابل بیان مسرت کا احساس ... وہ مجھے اس کائنات کی سب سے اہم اور سب سے حسین چیز محسوس ہوتا۔ ... اسے چوم چاٹ کر یونیورسٹی جاتی اور یونیورسٹی سے گھر واپس لوٹتے ہی بیک ایک ... اسے گود میں اٹھا لیتی۔ وہ سو رہا ہوتا تو بار بار اس پر جھک کر اسے محبت بھری ... دیکھے جاتی۔ وہ روتا تو اسے بہلاتی' چمکارتی' پیار کرتی۔ رات کو دیر تک اسے ... سے لگائے تھپکیاں دیتی رہتی اور لوریاں سنائے جاتی۔

ایک روز میں نے پوچھا۔ "فرحین! راحیل تمہیں بہت پیارا لگتا ہے؟"

"جی' بہت پیارا۔"

"اللہ دی وے' کتنا پیارا؟"

"اتنا کہ اس کی خاطر میں اپنی جان تک دے سکتی ہوں۔"

"میری جان! راحیل کے لئے جان دینے کی بات کرنے سے پہلے یہ سوچ
راحیل کی ماں کی جان ہو۔" میں نے فرحین کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہو

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں باجی کہ بچے بھی اللہ میاں کی کتنی بڑی نعمت ہو
ایک راحیل کے دم سے ہمارے گھر میں کتنی رونق آگئی ہے۔"

"تم درست کہتی ہو۔" میں نے فرحین کی تائید کی اور دل ہی دل میں سوچا
جانے کیسی بے حس ماں تھیں جنہوں نے اس نعمت کو ٹھکرا دیا تھا۔

"باجی!" فرحین بولی۔ "کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ جب راحیل کی خالہ ہو
اس سے اتنا پیار ہے تو آپ کو تو اس سے نہ جانے کتنی محبت ہوگی۔"

"کہتے ہیں خالہ اور ماں کی محبت میں بس تھوڑا ہی فرق ہوتا ہے۔" میں

"باجی! ممی کے سینے میں دل نہیں تھا یا وہ ہماری ماں نہیں تھیں؟" فرحین
اس کے لہجے میں ہلکورے لیتے دکھ نے مجھے دکھی کردیا۔

میں ایک سرد آہ کھینچتی ہوئی اس کے نزدیک بیٹھ گئی اور اس کے شانے پر
کر کہا۔ "ان کے سینے میں دل بھی تھا اور وہ ہماری ماں بھی تھیں مگر ان کے دل
سے زیادہ اپنی ذات کی محبت بسی تھی۔"

فرحین کی طرح بھیا بھی راحیل پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ ان دنوں ایک ماہر
[illegible]
اور اپنے بے شکن ملبوس کی پروا کئے بنا راحیل کو اٹھا لیتے اور وہ شریر بھی اپنی
گھما کر انہیں دکھانے لگتا۔ بھیا اکثر اس کے لئے کھلونے لئے گھر پہنچتے۔

ڈاکٹر شعیب نے تو راحیل کے لئے نت نئے ملبوسات اور نوع بنوع کھلونوں
لگا دیا تھا۔ گھر کے ایک کمرے میں اس کے لئے باقاعدہ ایک نرسری آراستہ کی گئی
کبھی کبھی یوں بھی ہوتا کہ ڈاکٹر شعیب اور بھیا بیک وقت ایک وضع کا کھلونا لئے گھر
لوٹتے اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی کہ راحیل پیدائشی یتیم ہوتے ہوئے بھی
خوش قسمت بچہ تھا کہ بیک وقت دو مردوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

ماسی اللہ رکھی، کراچی میں غلامو کی جگہ رکھا جانے والا نیا ملازم ظہیر، مالی اور
کی حیثیت سے کام کرنے والا ملازم بابا رحمانی بھی راحیل پر نثار رہتے۔

ادھر راحیل کی دادی جان تھیں۔ ان کا بس چلتا تو اس کے لئے آسمان
تارے توڑ کر لاتیں۔ چھٹی والے دن وہ اپنا بیشتر وقت ہمارے ہاں گزارتیں۔

میں بھی جب ان کا جی چاہتا، راحیل کو دیکھنے چلی آتیں۔ ہفتہ میں ایک دو مرتبہ میں
راحیل کے ساتھ ان کے پاس ہو آتی۔

یوں راحیل بلاشبہ انتہائی ناز و نعم میں پرورش پا رہا تھا اور مجھے خدا کی ذات سے
امید تھی کہ وہ مستقبل میں بھی میرے بچے کو اسی طرح اپنی نعمتوں سے مالا مال
رکھے گا۔

خالد کی موت کے بعد اس کے دفتر سے معقول واجبات ملے تھے جو اس کی بیوہ
کے ناطے میں نے ہی وصول کئے تھے تاہم میں اس رقم کی جائز حقدار اس کی ممی کو
سمجھتی تھی۔ خالد کے ساتھ میرا تو بہت کم وقت گزرا تھا اور جن حالات میں اس کی موت
واقع ہوئی تھی اس کے ردعمل کے طور پر مجھے اس کی والدہ سے گہری ہمدردی محسوس
ہوئی تھی۔ خالد کے دفتر سے حاصل ہونے والے واجبات کی رقم میں نے اس کی والدہ کو
دینا چاہی تو انہوں نے لینے سے انکار کردیا اور بولیں۔ "مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں،
میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے اور میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اب راحیل ہی کا
ہے۔"

انہی کے مشورے پر میں نے مذکورہ رقم ایک مالیاتی ادارے کے سرمایہ کاری
منصوبے میں لگا دی تھی۔ رقم جمع تھی اور بڑھ رہی تھی۔ اس میں سے کچھ نکالنے کی
ضرورت ہی پیش نہ آتی تھی۔ راحیل کے لئے اس کی دادی ماہانہ رقم بھی مجھے دیتی تھیں۔
شروع شروع میں ان سے رقم لیتے ہوئے بڑی متردد رہی مگر پھر ان کی خوشی کی خاطر
مجھے اس معمول کو ہنسی خوشی قبول کرنا پڑا۔ مگر یہ رقم بھی خرچ کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔
میری اور راحیل کی تمام ضروریات میکانکی انداز میں پوری ہو جاتیں۔ پہلے تو فقط ڈاکٹر
شعیب ہی تھے، جب سے بھیا برسر روزگار ہوئے تھے تب سے تو اور بھی فراغت ہو گئی
تھی۔ شاید اسی معاشی فراغت کا نتیجہ تھا کہ خالد کی موت کے بعد مجھے بھولے سے بھی ٹی
وی اسٹیشن جا کر کام کرنے کا خیال نہیں آیا تھا۔

ٹی وی اسٹیشن آنا جانا تو میں ماں بننے کی امید پاتے ہی، خالد کی زندگی میں ہی موقوف
کر چکی تھی۔ پھر خالد کی اندوہناک موت کا سانحہ درپیش آگیا، پھر عدت اور راحیل کی
ولادت کے معاملات رہے۔ راحیل کی ولادت کے بعد میں اتنی بھدی ہو گئی تھی کہ الاماں!
دو تین پروڈیوسروں نے مجھ سے رابطہ قائم کیا مگر مجھے دیکھ کر ہی کان دبا کر اپنی راہ ہو لئے۔
ویسے اگر وہ کوئی پیشکش کرتے بھی تو میں قبول نہ کرتی۔ بہرحال خدا بھلا کرے اس پروڈیوسر
کا جو سر راہ مجھے ملا اور ایسی تلقین کر گیا کہ میں ٹھیک ٹھاک ہونے پر مجبور ہو گئی۔ میری

نئی رعنائی اور دلکشی اسی کے مشورے کی مرہونِ منت تھی۔

سُوئے اتفاق وہی پرڈیوسر ایک بار پھر ٹکرا گئے۔ ہم سب ایک فائیو اسٹار ہوٹل [illegible] سبزہ زار پر فرحین کی سالگرہ کا جشن منانے میں مصروف تھے کہ موصوف نے تحیر آمیز [illegible] کے ساتھ مجھے آلیا۔

"ہیلو زریں بی بی.......... کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں جی" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب تو آپ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت نظر آرہی ہیں!" وہ بولے۔

"آپ کے پُرخلوص مشورے کا نتیجہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ایک سیریل کا پائلٹ بنانے والا ہوں میں' لیڈنگ رول آپ کے لئے [illegible] کردوں؟" وہ مسکرائے۔

"جی نہیں شکریہ۔"

"بہت پاور فل رول ہے۔" انہوں نے مجھے لبھانے کی کوشش کی۔

"میں ان دنوں اس سے بھی زیادہ پاور فل رول پلے کر رہی ہوں' اپنی حقیقی زندگی میں۔" میں نے ممتا بھری نظروں سے راحیل کو دیکھتے ہوئے کہا جو اس وقت ڈاکٹر شعیب' بھیا' فرحین' ماسی اللہ رکھی' راحیل اور خود مجھ پر مشتمل اس چھوٹے سے مگر پُرمسرت جشن کی جان بنا ہوا تھا۔

"آں.......... [illegible] ... راحیل [illegible] دیکھ رہے۔ کیا [illegible] ہے اگر تھوڑا سا وقت اپنے مداحوں کے لئے بھی نکال لیں آپ.......... بھئی سچ کہتا ہوں بہت یاد کرتے ہیں لوگ آپ کو۔"

"آئی ایم سوری سر.......... میں بالکل وقت نہیں دے سکتی۔" میں نے کہا پھر انہیں مدعو کرتے ہوئے بولی۔ "آیئے سر' آپ ہمارے ساتھ بیٹھیں' دراصل یہ میری بہن کی سالگرہ کا جشن ہے۔"

"مبارک! لیکن میں ذرا اجازت چاہوں گا۔ دراصل میں ایک دفتری مصروفیت پر آیا ہوا ہوں یہاں۔ آپ نظر آگئیں اور وہ بھی اس قدر نظر افروز عالم میں تو مجھے ٹھہرنا پڑا۔ آپ غور کر لیجئے' دوچار روز ہم آپ کا انتظار کر سکتے ہیں۔"

"اس کا کوئی امکان نہیں ہے سر۔"

"اوکے' مجھے اجازت!"

نہ انہوں نے ڈاکٹر شعیب اور بھیا وغیرہ سے میری نسبت کے بارے میں کچھ

[illegible] کیا' نہ میں نے تعارف کرانا ضروری سمجھا۔

ان کے جانے کے بعد ہم پھر اس چھوٹے سے جشن میں مصروف ہوگئے۔

اگلے روز سہ پہر کے وقت لان پر چائے پیتے ہوئے ڈاکٹر شعیب نے مجھ سے کہا "زریں! تم دوبارہ ٹی وی پر کام کیوں نہیں شروع کر دیتیں؟"

میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا کہ انہیں ٹی وی پر میرے کام کرنے یا نہ کرنے [illegible] دلچسپی تھی۔

"کیا آپ کے خیال میں مجھے کام کرنا چاہئے؟" میں نے پوچھا۔

"بات میرے خیال کی نہیں تمہاری دلچسپی کی ہے۔ ٹی وی پر کام کرنا تو تمہاری [illegible] ترین مصروفیت ہوا کرتی تھی اور تم کام بھی خوب جم کر کرتی تھیں۔ انسان میں جو [illegible] ہو اس کو ضرور استعمال میں لانا چاہئے۔ صلاحیت کو استعمال میں لانے سے آدمی [illegible] تھکتا نہیں ہے زندگی سے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر اب میری محبوب ترین مصروفیت راحیل ہے۔ میں راحیل کو بے پایاں تحفظ کا احساس دینا چاہتی ہوں۔ میں اس سے اتنی محبت کرنا چاہتی ہوں کہ اس کی ذات اس کے بدنصیب باپ اور بدقسمت ماں کی طرح تشنہ محبت نہ رہ جائے۔ میں چاہتی ہوں جب وہ مجھے پکارے تو میں اس کی پہلی ہی پکار پر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر سینے سے لگالوں۔ وہ جب بھی میری ضرورت محسوس کرے' مجھے اپنے آس پاس' اپنے [illegible] وہ اپنے باپ اور ماں کی طرح دکھوں کے حصار میں گھرا ہوا نہ ہو۔" میری آواز شدت جذبات سے بتدریج [illegible] چلی گئی۔

"اس کا مطلب ہے تم شوبزنس میں اپنے کیریئر کو خیرباد کہہ چکی ہو اور ٹی وی کے [illegible] کبھی اس ورسٹائل فنکارہ کو اسکرین پر دوبارہ نہ دیکھ سکیں گے جو ٹی وی اسکرین کا [illegible] بھی جاتی تھی۔" ڈاکٹر شعیب نے کہا۔

"نہیں' یہ بات نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے راحیل کے بڑے ہو جانے کے بعد میں پھر اس طرف پلٹوں۔ ابھی وقت ہے میرے پاس۔"

"بے شک بہت وقت ہے تمہارے پاس۔" انہوں نے کہا' پھر محتاط لہجے میں بولے "زریں! ایک بات کہوں؟"

"جی۔"

"کیا ہم.........." مجھ سے نظریں چراتے ہوئے انہوں نے اپنے دائیں ہاتھ کی

تیسری انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی میری نظروں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "ہم اس
تعلق کی تجدید کر کے اسے مستحکم نہیں کر سکتے؟"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی؟" میں جانتے بوجھتے انجان بن گئی۔

"میرا مطلب ہے' میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اتنے برسوں میں پہلی بار انہوں نے اپنے فرشتہ نہیں انسان ہونے کا ثبوت دیا تھا!

"ڈاکٹر صاحب!" میں نے دھیرے سے کہا۔ "حالات اب بہت بدل چکے ہیں۔ میں
تنہا نہیں ہوں' ایک بیٹے کی ماں بن چکی ہوں۔ میری ذمے داریاں بڑھ گئی ہیں۔"

"میں تمہاری ذمے داریاں بٹانا چاہتا ہوں۔"

"کب تک اور کس حد تک بٹائیں گے آپ میری ذمے داریاں؟ آپ کے احسا
کا پہلے ہی کیا کم بوجھ ہے مجھ پر!"

"گویا میرے بارے میں تمہارے جذبات و احساسات اب وہ نہیں رہے؟"

"نہیں' وہی ہیں۔"

"تو پھر انکار کیوں؟"

"کیونکہ راحیل کی ماں ہونے کے ساتھ اگر میں آپ کی شریکِ زندگی بھی بن گئی تو
میں اس مشن کو وقت نہ دے پاؤں گی جو میری زندگی کا اولین مقصد بنا ہوا ہے۔ میں ایک
وقت میں ایک راستے پر چلتے ہوئے دوسرے پر تو نظر رکھ سکتی ہوں مگر بیک وقت دو
[illegible]"

"میں سمجھا نہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب!" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "راحیل کی ذمے داری اور اس کی
محبت بھی میرے دل سے ممی کے خلاف جذبۂ انتقام کو محو نہیں کر سکتی۔ میں آپ کی
شریکِ زندگی بن کر تو ممی سے انتقام لینے کے منصوبے پر کام جاری رکھ سکتی تھی.......
راحیل کی ماں کی حیثیت سے بھی اپنے مقصد زندگی کو پورا کرنے کے لئے وقت نکال سکتی
ہوں لیکن بیک وقت راحیل کی ماں اور آپ کی شریک سفر بن کر میں یا تو اپنے مشن کو
جاری رکھ سکوں گی یا راحیل اور آپ میں سے کسی کو نظرانداز کرنا پڑے گا جو مجھے گوارا
نہ ہوگا۔"

"گویا تم اب تک ٹھنڈی نہیں پڑی ہو؟"

"میں صرف اس وقت ٹھنڈی پڑوں گی ڈاکٹر صاحب جب میرے سینے میں ممی اور
نانی جان کے خلاف کھولتا ہوا آتش فشاں پھٹ پڑے گا اور لاوا ممی اور نانی جان کو اپنی

میں نے توقف کیا پھر کہا۔ "اپنے مشن میں کامیاب ہو کر پلٹنے کے بعد میں آپ
کی طرف دیکھنا پسند کروں گی۔"

"تب تک بوڑھا ہو چکا ہوں گا میں۔" وہ مسکرا کر بولے۔

"محبت ان سطحی باتوں سے بے نیاز ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب اور........ مجھے آپ سے
محبت ہے۔"

"تھینک یو۔" وہ بولے۔

☆------☆------☆

وقت کتنی تیزی سے گزر رہا ہے۔ راحیل تین برس کا ہو چکا تھا۔ فرحین نے نفسیات
میں ایم اے کرنے کے بعد کسی درسگاہ یا کسی نفسیاتی علاج گاہ میں ملازمت حاصل کرنے کی
کوشش کی مگر ہر جگہ پستہ قامتی اور غیر متاثر کن شخصیت اس کے آڑے آتی رہی۔
ڈاکٹر شعیب کے اثر و رسوخ سے اسے ایک ماہر نفسیات کی جونیئر اسسٹنٹ کی حیثیت سے
تک کام کرنے کا موقع ملا مگر بمشکل دس بارہ روز بعد ہی اسے ملازمت سے جواب
مل گیا۔ ڈاکٹر شعیب نے ان لوگوں سے بات کی تو معلوم ہوا کہ فرحین اپنے بے ہنگم
وجہ سے نہ صرف مریضوں' ان کے متعلقین اور اسپتال کے ملازمین میں غیر مقبول
تھی بلکہ مریض' ان کے تیمار دار اور اسپتال کے تیسرے اور چوتھے درجے کے
ملازمین تو اسے تماشا سمجھتے تھے اور اس کا مذاق اڑاتے رہتے تھے جس کا فرحین پر برا اثر
احتمال تھا۔ تو ڈاکٹر شعیب نے فرحین کو یہ سب کچھ نہ بتایا۔ [illegible]
ملازمت سے جواب مل جانے کا بہت ملال ہوا۔ اس موقع پر ڈاکٹر شعیب نے بڑی
سے کام لیا اور فرحین سے بولے۔ "بیٹا! تم میری کلینک میں کیوں نہیں بیٹھنے
لگتیں؟"

فرحین نے وضاحت طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"بھئی ایسا ہے' میرے پی اے کا کام بہت زیادہ ہے۔ ایسا کرو تم مریضوں کے لئے
وقت مقرر کرنے کا کام سنبھال لو' اس بے چارے کا کام بھی کچھ ہلکا ہو جائے گا اور تم کسی
اور کی ملازمت کرنے کے بجائے اپنے پاپا کی معاونت کر کے دہرا ثواب کماؤ گی۔"

"آپ مجھے بہلانے کی کوشش کر رہے ہیں نا؟" فرحین بولی۔

"ہرگز نہیں' بلکہ میں تمہیں ایک پُرکشش آفر دے رہا ہوں۔ بھئی کل کلاں کو جب
ہم مر جائیں تو ہماری جگہ کسی اور ڈاکٹر کو پکڑ کر بٹھا دینا کلینک کی مالک تو تم ہی ہو گی۔"

"ایسی بری بری باتیں مت کیجئے۔"

"اچھا تو اچھی اچھی باتیں کئے لیتے ہیں......... تو بیٹھنا شروع کر رہی ہو تم
میں؟ اپائنٹ منٹس اور مریضوں سے فیس کی وصولی کا کام تم سنبھال لو۔"

فرحین کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔ "ٹھیک ہے۔"

تب سے فرحین' ڈاکٹر شعیب کے کلینک میں بیٹھ رہی تھی۔ وہ اپائنٹ منٹس کا
رکھتی' مریضوں سے فیس وصول کرتی۔ ملازمین پر نظر رکھنا' کلینک کے مختلف امور پر
رکھنا اسی کی ذمہ داری بن چکے تھے۔ ڈاکٹر شعیب کا کہنا تو یہی تھا کہ جب سے فرحین
کے کلینک میں بیٹھنا شروع کیا ہے وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے تھے۔

بھیا طب کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان جا چکے تھے۔ خط تو وہ شاذ ہی لکھتے
فون پر ہفتہ عشرہ میں ایک آدھ بار ہم سے بات کر لیتے تھے۔ انگلستان جانے کے چند ماہ
جب بھیا نے ہمیں اپنی چند نئی تصاویر ارسال کیں تو دو تصاویر ایسی بھی تھیں جن میں
دہلی سے آئی ہوئی ایک مسلمان ہم مکتب کے ساتھ تھے۔ لڑکی انتہائی دلکش اور
تھی۔ اگلی بار جب بھیا نے فون کیا تو میں نے اس لڑکی کا جملہ سیاق و سباق دریافت
کے بعد کہا۔ "بھیا! لڑکی تو بہت اچھی لگی ہے۔ آپ اس سے شادی کر ڈالیں۔"

"پاگل پن کی بات مت کرو۔" بھیا نے مجھے پھٹکارا۔

"کیوں؟ اس میں پاگل پن کی بھلا کیا بات؟"

"شادی نارمل لوگوں کی آسائش ہے اور ہم نارمل نہیں ہیں۔"

[illegible]

[illegible]

"ضروری تو نہیں کہ ہر سوال کا الفاظ میں جواب دیا جا سکے۔"

مگر میں بھیا کے کہے بنا ہی سمجھ گئی۔ واقعی ہمارے دکھوں اور محرومیوں نے
نارمل کب رہنے دیا تھا۔ میں ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر رہ گئی۔

"ہمیں تمہیں تو بس فرحین اور راحیل کے لئے سوچنا چاہئے اور بس۔"
بولے۔

شاید بھیا ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔ مگر! ممی کے خلاف میرا جذبہ انتقام تو کچھ اور
کہتا تھا۔

ممی کے نام میری جانب سے گمنام خطوط کا سلسلہ بھی بدستور جاری تھا مگر
گمنام خطوں کا ممی پر یا ان کی ازدواجی زندگی پر کوئی اثر ہوتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ تو
خوش تھیں۔ آئے دن کسی نہ کسی حوالے سے ان کی تصاویر اخبارات کی زینت
تھیں۔ جن میں وہ بیگم علی ضیاء کی حیثیت سے ضیافتوں اور تقریبات کو رونق

کراتی دکھائی دیتی تھیں۔

کئی برس سے ممی کے نام میری جانب سے گمنام خطوط پر مبنی چوہے بلی کی دوڑ کی
رفتاری سے عاجز آ کر بالآخر میں نے ممی کے خلاف اپنی کارروائیوں میں تیزی پیدا
کی کوشش کے طور پر ان کے نام کچھ اس قسم کی عبارت پر مشتمل خط لکھا۔

"بیگم علی ضیاء صاحبہ!

کئی برس پہلے کا قصہ ہے۔ شہر کراچی کے ایک متوسط علاقے میں ایک شریف آدمی
بیوی اور چار بچوں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ جن میں سے ایک بچہ تو قبر میں جا سویا جبکہ
جڑواں بہن' سورج کی روشنی' تازہ ہوا' متوازن خوراک اور ماں کی محبت سے
کے نتیجے میں مناسب نشوونما نہ پا سکی اور تین سال' چار ماہ سولہ دن تک ایک
میں مقید رہنے کے باعث اپنی ہم سن لڑکیوں کے سے قد و قامت اور جسامت سے
لئے محروم ہو گئی۔

ان چار بچوں میں سے بڑا لڑکا اب ایک ڈاکٹر ہے اور بیرون ملک طب کی اعلیٰ تعلیم
کر رہا ہے جبکہ اس سے چھوٹی بہن جو چند برس قبل شوبزنس کا ایک معروف نام بن
گئی' اب ایک بیٹے کی ماں ہے اور ان دنوں خاصی تنگ دستی کی زندگی بسر کر رہی

بیگم صاحبہ' میں جانتی ہوں کہ آپ کو ان بچوں سے جو آپ کے روشن دنوں کو یک
اندھیروں میں بدل سکتے ہیں کوئی خاص دلچسپی نہیں اور نہ ہی آپ یہ جاننا چاہتی ہوں
ان بے چاروں پر اس زنداں سے نکل کر کیا گزری' اس لئے بہتر ہے کہ میں
کی بات کروں۔ اس لڑکی کو جو شوبزنس کا ایک معتبر نام بن گئی تھی مگر آج کل اپنے
کے ساتھ کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہی ہے' پیسے کی ضرورت ہے اور وہ آپ سے
روپے کی رقم کا مطالبہ کر رہی ہے۔ اگر آپ نے اس کا مطالبہ پورا نہ کیا تو نتائج
دار آپ خود ہوں گی۔ دس لاکھ بچانے کی کوشش میں آپ کروڑوں سے محروم
اور بیگم علی ضیاء کی حیثیت سے آپ کی عزت اور شہرت داؤ پر لگ سکتی ہے۔
اگر آپ اپنے کروڑوں بچانا چاہتی ہیں' اپنی عزت اور شہرت کو پارہ پارہ نہیں کروانا
تو اس خط کے آخر میں درج پتے پر دس لاکھ کی رقم کا ڈرافٹ احتیاطاً دہرے لفافے
کر کے فوری ارسال فرمائیں۔ ورنہ آپ کے شوہر نامدار کو آپ کا سارا کچا چٹھا سنا
دیا جائے گا۔"

خط کے اختتام پر میں نے کوئی پتا درج نہیں کیا تھا کیونکہ مجھے ممی سے رقم تھوڑی

منگوائی تھی' میرا مقصد تو انہیں خائف کرنا تھا۔

☆-------☆-------☆

راحیل کی چوتھی سالگرہ کی تقریب میں ہم گھر والوں کے علاوہ ایک باضابطہ [illegible]
بھی شریک تقریب ہوا۔ اس کا نام راشد علی تھا اور اسے اس تقریب میں فرحین [illegible]
کیا تھا۔ وہ ڈاکٹر شعیب کے کلینک میں ان کا مددگار تھا۔ وہ بی ایس سی پاس تھا اور [illegible]
ایک اسکول میں معلمی کے علاوہ ڈاکٹر شعیب کے کلینک میں جزوقتی ملازمت کیا کر[illegible]
ڈاکٹر شعیب کے سابقہ مددگار نے بسلسلہ ملازمت بیرون ملک جانے سے قبل اسے اپنی [illegible]
ملازم رکھوایا تھا۔ یہاں آنے سے قبل بھی راشد علی ایک اور ڈاکٹر کے ہاں ملاز[illegible]
کرتا تھا۔ اس کا بنیادی فریضہ تو یہ تھا کہ وہ مریضوں کو باری باری ڈاکٹر شعیب کے [illegible]
تک پہنچائے تاہم بہ وقت ضرورت وہ مریض کا وزن لینے' ٹمپریچر دیکھنے اور چھوٹے [illegible]
زخموں کی مرہم پٹی کرنے کے فرائض بھی انجام دے دیا کرتا تھا اور ان مختلف [illegible]
فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں اس کا ایک پاؤں ڈاکٹر شعیب کے کمرے میں [illegible]
دوسرا ان کے کمرے سے متصل انتظار گاہ میں۔ اس کے فرائض کے بارے میں [illegible]
تفصیلات مجھے فرحین کی زبانی معلوم ہوئی تھیں۔ فرحین سے اس کی تھوڑے ہی د[illegible]
کافی دوستی ہو گئی تھی اور وہ اکثر مجھ سے اس کا ذکر کیا کرتی تھی۔

فرحین' راشد علی کی شرافت اور دیانتداری کی معترف تھی۔ ایک مریضہ کا [illegible]
بھرا پرس جو وہ بھولے سے معائنہ گاہ میں چھوڑ گئی تھیں اور راشد علی اسے بہ[illegible]
سے غائب کر سکتا تھا' اس نے ڈاکٹر شعیب کے حوالے کر دیا تھا جنہوں نے بعد ازاں [illegible]
مریضہ کے رابطہ قائم کرنے پر پرس بحفاظت اسے لوٹا دیا تھا۔ اس طرح اس نے [illegible]
فرحین بلکہ ڈاکٹر شعیب کو بھی اپنی دیانتداری کا معترف کر لیا تھا۔ فرحین کو اس کی ایک
خوبی کا بھی اعتراف تھا اور وہ یہ کہ راشد علی نے فرحین کے جسمانی عیوب کو
استہزائیہ نظروں سے یا ترحم سے دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ ہمیشہ بہت عز[illegible]
پیش آیا کرتا اور تمیزداری کا رویہ رکھا تھا۔

راشد علی کی بابت فرحین کی باتوں سے بتدریج انسیت کی مہک آنے لگی [illegible]
شروع شروع میں وہ اس کا ذکر کچھ اس طور کیا کرتی تھی جیسے کوئی دوست اپنے کسی
دوست کا تذکرہ کیا کرتا ہے لیکن پھر اس کا ذکر کرتے ہوئے فرحین کے گالوں پر [illegible]
عکس لہرانے لگا تھا اور آنکھوں میں دھنک جگمگانے لگی تھی۔

جب راحیل کی چوتھی سالگرہ کا دن نزدیک آیا اور ہم اس کا جنم دن منا[illegible]

[illegible] لگے تو فرحین نے کچھ شرماتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "باجی! میں راحیل کے
[illegible] راشد کو بھی انوائٹ کر لوں؟"

[illegible] میں پڑ گئی کہ خدا جانے ڈاکٹر شعیب اپنے کسی ملازم کا گھر میں مہمان بن کر
[illegible] کریں گے یا نہیں؟ پھر بھی میں نے فرحین سے کہا۔ "ایسا ہے میری جان کہ تم
[illegible] سے پوچھ لینا۔ اگر وہ اجازت دے دیں تو اسے ضرور بلاؤ۔ تم اس کا اتنا تذکرہ
[illegible] کہ مجھے بھی اسے دیکھنے اور ملنے کا اشتیاق ہے۔"

[illegible] نے تو آپ سے کتنی دفعہ کہا کہ کسی روز کلینک پر آ کر اس سے مل کر تو

[illegible] بھئی' یہ تمہارا شریر بھانجا مجھے فرصت دیتا ہے کہیں۔" میں نے کہا۔ "خیر
[illegible] میں' اگر ڈاکٹر شعیب اجازت دے دیں تو تم اسے مدعو کر لو۔ گھر پر ملنا کلینک
[illegible] بہرحال بہتر ہو گا۔"

[illegible] نے ڈاکٹر شعیب سے پوچھا تو انہوں نے کھلے دل سے فرحین کو اجازت دے
[illegible] راشد علی کو راحیل کی سالگرہ پر مدعو کر سکتی تھی۔

[illegible] نے اسے مدعو کیا اور وہ راحیل کے لئے تحفہ لے کر سالگرہ میں آیا۔ وہ ہمارا
[illegible] تھا۔ میں اس سے خاصے تپاک سے ملی۔ اس سے خوب باتیں کیں اور اچھی
[illegible] جتنی دیر وہ ہمارے ہاں رہا' فرحین کے چہرے پر شفق لہراتی رہی۔ آنکھوں میں
[illegible]
[illegible]' راشد علی کو پسند کرتی تھی۔

[illegible] مجھے سلجھی ہوئی طبیعت کا نوجوان لگا۔ وہ باریش تھا اور نمازی بھی۔ مغرب کی
[illegible] ہوتے ہی وہ نماز کے لئے اٹھ لیا۔ اس کا دھیما انداز گفتگو اور اس کا پُرنور چہرہ
[illegible] نیکی کے غماز تھے۔

[illegible] کے جانے کے بعد فرحین نے تخلیہ میں مجھ سے پوچھا۔ "آپ کو راشد کیسا

"[illegible] اچھا۔"
"[illegible]؟"
"[illegible]۔" میں نے کہا پھر گھٹنوں کے بل اس کی کرسی کے نزدیک بیٹھ کر اس کا چہر
[illegible] میں لے کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "اب میں ایک سوال
[illegible] سے؟"

"جی!" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"یہ بتاؤ' راشد تمہیں کیسا لگتا ہے؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے باجی۔" وہ اداس ہو کر بولی اور اس کے اس [illegible] میرے اندازے کو یقین میں بدل دیا۔

"کیا وہ بھی تمہیں.......... میرا مطلب ہے پسند کرتا ہے؟"

"اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"ارے!" میں مسکرا دی۔ "تو یہ بات ہے!" میں نے اسے گہری نگاہوں [illegible] ہوئے کہا۔ "میں ابھی ڈاکٹر شعیب سے بات کرتی ہوں۔ بس ایک ماں ہی تو [illegible] کی؟ یہی بتایا تھا نا تم مجھے؟"

"جی!" وہ دھیرے سے بولی۔ "مگر آپ پاپا سے کوئی بات مت کیجئے گا۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ جو بات آپ کے ذہن میں ہے وہ کبھی ممکن نہ ہو سکے گی۔"

"کیوں بھئی کیوں ممکن نہ ہو سکے گی۔ جب لڑکا لڑکی راضی تو پھر کیا مسئلہ [illegible]"

"میں نے اس سے جھوٹ بول رکھا ہے۔"

"کیسا جھوٹ؟"

"میں نے اسے بتا رکھا ہے کہ ہمارے ماں باپ دونوں ایک حادثے میں [illegible] اور ان کے انتقال کے بعد سے ڈاکٹر شعیب جن سے ہمارے والد کی عزیزداری [illegible] تھ [illegible] ہیں۔ میں اسے یہ بتانے کی ہمت نہیں کر سکی کہ ہماری [illegible] ہیں۔"

"ہوا کریں مگر ہمارے لئے تو مری چکی ہیں۔"

"یہ کہنے کی بات ہے باجی' اس حقیقت کو ہم کبھی نہیں جھٹلا سکتے کہ ممی [illegible]" اس نے پل بھر کر توقف کیا پھر بولی۔ "کسی ایسے شخص سے جو آپ کے بار[illegible] آپ اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہوں' وقتی مصلحت کے تحت جھو[illegible] اور روزانہ چند گھنٹے ساتھ گزار لینا اور بات ہے لیکن ایسے شخص سے جھوٹ بول [illegible] کے ساتھ پوری زندگی گزارنا بالکل مختلف بات.......... راشد ایک اچھا آدمی [illegible] دھوکا دینا گناہ ہوگا۔ میں اس سے جو جھوٹ بول چکی ہوں اس کے بعد اس [illegible] زندگی گزارنے کا تصور بھی میرے لئے ناممکن ہے۔"

"پگلی!" میں نے فرحین کا سر چوم کر کہا۔ "تم ایک مصلحت آمیز جھوٹ بول[illegible]

[illegible] ہو' لوگ تو ساری زندگی جھوٹ کے سہارے گزار دیتے ہیں اور انہیں لحظہ [illegible] احساس گناہ نہیں ہوگا۔"

[illegible] ہم سے طویل عرصے تک جھوٹ نہیں بولتی رہی تھیں۔ میں نے جی ہی جی [illegible]

[illegible] میں ایسا نہیں کر سکتی۔ راشد بہت اچھا' بہت نیک آدمی ہے۔ اس نے میری [illegible] یقین کر رکھا ہے کہ ہماری والدہ مر چکی ہیں۔ میں اس کے اعتماد کو دھوکا نہیں [illegible]"

[illegible] ہنوز گھٹنوں کے بل اس کی کرسی کے نزدیک بیٹھی تھی' اس کا ننھا سا ہاتھ [illegible] میں لے کر بے حد محبت سے بولی۔ "میرے لئے بس اتنا جان لینا بہت کافی ہے کہ تم [illegible] راشد تمہیں پسند کرتا ہے۔ باقی معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" پھر بھی میں نے [illegible] خیال سے کہ راشد اسے پسند کرتا بھی تھا یا وہ محض اس کی شرافت اور نیکی ہی [illegible] سے تعبیر کرتی تھی' اس سے پوچھا "ایک بات بتاؤ' راشد نے تم پر اپنی [illegible] اظہار کیو نکر کیا؟"

[illegible] نے کچھ اس طرح میری جانب دیکھا جیسے مجھے ٹوکتی ہو کہ مجھے اس سے ایسی [illegible] شرم آنی چاہئے۔

"[illegible]!" میں نے اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری بڑی بہن [illegible]"

[illegible] ستور خاموش رہی۔

"[illegible] نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا فرحی۔"

[illegible] نظریں چراتے ہوئے وہ قدرے تامل سے بولی۔ "اس نے ایک روز مجھ [illegible] اسے تیز طرار' شوخ اور فیشن ایبل لڑکیاں قطعی پسند نہیں بلکہ اس کا آئیڈیل [illegible] ہے۔"

[illegible] اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ راشد فرحین کو اس کے اسٹیٹس کی وجہ سے [illegible] چنانچہ میں نے فرحین سے کہا۔ "راشد تمہاری حیثیت میرا مطلب ہے' [illegible] کس حد تک متاثر ہے؟"

[illegible] ابھی نہیں۔" فرحین بولی۔ "وہ کہتا ہے اللہ سے محبت رکھنے والے لوگ بندوں [illegible] کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اس سلسلے میں تو وہ ایسا بے نیاز آدمی ہے کہ بابا تک [illegible] نہیں ہوتا۔ مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ مجھے یوں پھٹکار دیتا ہے جیسے مجھے

ڈاکٹر شعیب کی بیٹی نہیں اپنی ادنیٰ ماتحت سمجھتا ہو۔"

"تب تو مجھے ڈاکٹر شعیب سے بات کرنا ہی پڑے گی۔"

"پلیز نہ کیجئے گا۔" وہ گڑگڑا کر بولی۔

"کیوں بھئی۔"

"کیونکہ میں اس کے قابل نہیں ہوں۔"

فرحین کے لہجے میں بے بسی نے مجھے تڑپا دیا۔ ممی کے خلاف نفرت کی [illegible] میرے دل میں پھر ابھری۔ فرحین کی کمزور جسمانی حالت کی تمام تر ذمے دار وہی [illegible]

میں نے فرحین کے نحیف و نزار شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے کہا۔ [illegible] جان! کیوں نہیں ہو تم اس کے قابل؟ آخر کیا کمی ہے تم میں؟ بات بس اتنی سی [illegible] کہ تمہارا قد تھوڑا سا چھوٹا رہ گیا ہے۔ اور قد کے اعتبار سے تم دبلی پتلی ہو اور [illegible] ورنہ صورت تو تمہاری کسی حور سے کم نہیں۔ ماشاء اللہ پڑھی لکھی ہو' باشعور [illegible] سلیقہ ہو۔ کھانا' سلائی' بنائی سب کچھ آتا ہے تمہیں۔ گھرداری جتنی اچھی تم کر [illegible] بھی نہیں کر سکتی۔ راحیل کی پرورش میں جس طور تم نے میرا ہاتھ بٹایا ہے اس [illegible] نظریہ کتنا بے جا نہ ہوگا کہ تم اپنے بچوں کے لئے بہترین ماں ثابت ہونے کی [illegible] رکھتی ہو۔"

فرحین کی آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے اور وہ بولی۔ "مجھے بچے واقعی [illegible] لگتے ہیں۔ مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میں اس اعزاز سے ہمیشہ محروم رہوں [illegible] آپ نے ابھی ذکر کیا۔"

"کیوں بھئی؟"

"کیونکہ میں خود اتنی کمزور ہوں' بچوں کا بوجھ کب سہار سکوں گی۔"

"تم دیکھنا' تمہارے ہاں ایک دو نہیں پورے آدھا درجن بچے ہوں گے۔" [illegible] مذاقاً کہا پھر میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں ڈاکٹر صاحب سے کہوں [illegible] وہ راشد سے کہیں کہ وہ اپنی والدہ کو ہمارے گھر بھیجے یا خود انہیں لے کر آئے۔"

"پلیز! آپ ایسی کوئی بات نہ کیجئے گا۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"میں تو کروں گی بلکہ بہت جلد کروں گی۔"

"ابھی نہیں۔"

"تو پھر کب؟"

"مجھے سوچنے اور راشد سے بات کرنے کی مہلت دیجئے۔"

"ٹھیک ہے مگر یہ خیال رہے کہ میں زیادہ مہلت نہیں دوں گی۔ بھئی ہم سے سبق [illegible] حاصل کرے خالد کی' جب ہمارے دل میں یہ آگئی کہ ہمیں اس سے شادی کرنا [illegible] ہے تو دیر نہیں لگائی ہم نے اس سے شادی کرنے میں۔ ایک شام فیصلہ ہوا اور اگلی صبح [illegible] میں جا کر ہم نے دستخط کر دیئے' اللہ اللہ خیر صلا۔"

"آپ کی بات اور ہے باجی!" فرحین نے گھائل مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آپ کا [illegible] کہاں کر سکتی ہوں میں۔ آپ کو دیکھنے کے لئے تو مجھے اپنے سر کو پچھلے رخ نوے [illegible] کے زاویے پر جھکانا پڑ جاتا ہے۔"

"اچھا اچھا زیادہ باتیں مت بناؤ۔ اچھی طرح سوچو اور راشد سے بات کرو۔ پھر مجھے [illegible] میں ڈاکٹر صاحب سے بات کروں۔" میں نے اس کا سر محبت سے تھپتھپاتے ہوئے [illegible]

☆-------☆-------☆

[illegible] معمول بن گیا تھا کہ فرحین کے ڈاکٹر شعیب کے ہمراہ کلینک سے گھر واپس [illegible] کے بعد تخلیہ میسر آتے ہی میں اس سے پہلا سوال یہی کرتی کہ کیا اس نے راشد [illegible] کی تھی۔ مسلسل کئی روز تک اس کا جواب نفی میں ملنے کے بعد میں نے کہا۔ [illegible] مجھے راشد کو گھر بلا کر خود اس سے بات کرنی پڑے گی؟"

"ایسی جلدی کیا ہے باجی!"

[illegible]

"اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو؟"

"کیوں نہیں ہو سکے گا؟" میں نے اسے گھورا۔

"کیونکہ قسمت نے ہمیشہ ہمارے خلاف کام کیا ہے۔" وہ اداس نظر آنے لگی پھر اس [illegible] بوجھل آواز میں کہا۔ "میں اکثر اپنی بدقسمتی پر غور کیا کرتی ہوں باجی.......... ڈیڈی مر [illegible] ممی نے ہم سے نظریں بدل لیں' حارث ہم سے دور چلا گیا' میری ہیئت مضحکہ خیز بن [illegible] اور آپ کی شادی ہوتے ہوتے رہ گئی۔" اس کی آواز میں درد سا گھل گیا۔ "یہ [illegible] کیا ہے باجی؟"

"مصلحتِ خداوندی۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"ڈیڈی کے مرجانے میں کیا مصلحت تھی؟" وہ تڑپ کر بولی پھر اس نے دل گرفتہ [illegible] میں کہا۔ "ساری گڑبڑ کا آغاز وہیں سے ہوا۔ اگر ڈیڈی نہ مرتے تو شاید ہماری زندگی کا

رخ کچھ اور ہوتا.......... ہم.......... ہم خوش ہوتے۔"

"بہت ناخوش تو ہم اب بھی نہیں ہیں میری جان۔ ڈاکٹر شعیب ہمارے [illegible]
نجات دہندہ بن گئے ہیں۔" میں نے کہا۔

"مگر میں بہت خوش نہیں ہوں۔"

"شادی ہوجائے تمہاری' پھر دیکھنا کتنی خوش ہوگی۔"

"شادی نے آپ کو کیا دے دیا جو مجھے دے دے گی؟"

"راحیل!" میں نے بے ساختہ جواب دیا۔

"ہاں۔" اس کے چہرے پر بکھرے حزن و ملال میں مسکراہٹ روشنی کی کرن [illegible]
تیر گئی۔

"راشد سے جلد بات کرو۔"

"آج کل تو وہ بہت مصروف ہے۔ اسکول میں سالانہ امتحانات شروع ہوگئے [illegible]
رہا تھا کہ اسے ڈھیروں کاپیاں چیک کرنی ہیں۔"

"خیر جیسے ہی اس کی یہ مصروفیت ختم ہو' بات کرنا۔ اس کی یہ مصروفیت [illegible]
رہے گی؟"

بتا رہا تھا' پرچے چیک کرنے ہیں پھر رزلٹ بنانا ہے' دو تین ہفتے تو ضرور [illegible]
گے۔"

[illegible] سے اس کے فارغ ہونے [illegible]
اور پھر اگر تم نے اس سے بات نہ کی تو میں خود بات کروں گی اس سے۔"

فرحین سے میری اس گفتگو کے دو چار روز بعد ایک روز ماسی اللہ رکھی نے مجھ [illegible]
کہا۔ "بی بی! فرحین بی بی میرے کو کچھ ڈھیلی ڈھیلی سی لگتی ہیں۔ ہروقت کچھ سوچتی [illegible]
ہیں۔ رنگ بھی پیلا ہو رہا ہے اس کا آج کل۔"

ماسی نے غلط نہ کہا تھا۔ میں خود بھی کئی روز سے دیکھ رہی تھی کہ فرحین [illegible]
سست اور خاموش خاموش سی رہنے لگی تھی۔ وہ اکثر کسی گہری سوچ میں گم دکھائی [illegible]
اور خلا میں گھورتی رہتی۔ اس کی رنگت بھی زرد ہورہی تھی۔ ڈاکٹر شعیب نے بھی [illegible]
سے ایک دو مرتبہ کہا تھا۔ "فرحین آج کل کچھ چپ چپ سی رہنے لگی ہے۔ کہیں اس [illegible]
طبیعت تو خراب نہیں؟"

کوئی اور وقت ہوتا تو میں فرحین کے بارے میں ازحد تشویش میں مبتلا ہوتی مگر [illegible]
دنوں اس کی اس کیفیت کے ڈانڈے راشد علی سے ملا [illegible] ہی جی میں بہت [illegible]

[illegible]ار ہورہی تھی۔

[illegible]ق میں یہی سب کچھ تو ہوا کرتا ہے۔

[illegible] یونہی کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ اپنے آپ سے بھی بیگانہ ہوجاتا ہے۔ خلاؤں میں
[illegible] ہے اور دل کی لگی آنکھوں میں تفکر اور چہرے پر زردی بن کر پھیل جاتی ہے۔

[illegible]ال تھا کہ فرحین ان دنوں اس سوچ بچار میں مصروف تھی کہ راشد علی سے بات
[illegible] کرے اور میں اس کے اس دھیان میں ہرگز مخل نہ ہونا چاہتی تھی۔

کاش! کاش! مجھے پتا ہوتا کہ اس کی سستی' خاموشی' اداسی اور زرد روی کا سبب وہ
[illegible] پر میں اس کی اس کیفیت کو محمول کر رہی تھی۔

[illegible] میری بدقسمتی نے میری آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تھے۔

☆------☆------☆

ڈاکٹر شعیب ان دنوں ایک سیمینار میں شرکت کے لئے کوالالمپور گئے ہوئے تھے۔
[illegible] عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے فرحین کا کلینک جانا بھی موقوف کرادیا
[illegible]۔ مریضوں کو اپائنٹ منٹس دینا اسی کی ذمے داری تھی مگر میں نے راشد علی سے
[illegible] طور پر درخواست کی تھی کہ جب تک ڈاکٹر صاحب باہر ہیں' فرحین کا کام وہ سنبھال
[illegible] وہ بخوشی راضی ہوگیا تھا۔

ڈاکٹر شعیب کو گئے دوسرا تیسرا روز تھا کہ ایک شام فرحین کو الٹیاں [illegible]
[illegible] پے در پے الٹیوں سے رات تک وہ اتنی نڈھال ہوگئی کہ مجھے اسے ڈاکٹر شعیب
[illegible] ہم پیشہ دوست کے ذاتی اسپتال لے جانا پڑا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اسے دوا اور
[illegible] وغیرہ دے کر رخصت کردیں گے مگر انہوں نے اسے اسپتال میں داخل کرلیا۔
[illegible] سے ہونے والی نقاہت سے قطع نظر ڈاکٹر صاحب کے خیال میں وہ خون کی انتہائی
[illegible] کا بھی شکار تھی۔

"دیکھا' ڈاکٹر شعیب کتنے دن سے مُصر تھے کہ بلڈ ٹیسٹ کرالو مگر تم نے ان کی ایک
[illegible]۔" میں نے فرحین سے کہا۔ فرحین دھیرے سے مسکرادی اور اس نے میرا ہاتھ
[illegible] سے ہاتھ میں دبوچ کر کہا۔ "باجی! بھیا کو بلالیں آپ۔"

"کیوں؟"

"میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"جان! بھیا اتنی دور سے کیسے آسکتے ہیں! وہاں سے آنا جانا کھیل تو نہیں۔"

اس نے آنکھیں بند کرلیں اور موٹے موٹے آنسو اس کی بند آنکھوں سے ڈھلک

کر کنپٹیوں سے نیچے اترنے لگے۔

"خدا نے چاہا تو صبح تک تمہاری طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔"

اس نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھولیں پھر نقاہت میں ڈوبی نگاہوں سے مجھے د بولی۔ "میں بھیا کو ایک بار دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے' میں انہیں لکھ دوں گی۔"

"اتنا وقت کہاں ہے باجی۔" اس نے اس قدر بے بسی سے کہا کہ میں کانپ گئی۔ پھر اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ یقیناً یہ ڈاکٹر کے دیئے ہوئے انجکشن کا اثر

میرا یہ خیال کہ فرحین ایک آدھ روز میں ٹھیک ہو جائے گی' غلط ثابت ہوا۔ اس طبیعت بگڑتی چلی گئی' ڈاکٹر شعیب کو اس کی بیماری کی خبر دے کر میں نے ان کے پر میں خلل ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔ ان کی واپسی تک فرحین برسوں کی بیمار نظر آ تھی۔ اس کی بیماری کی تشخیص کے سلسلے میں معالج متعدد ٹیسٹ کرا چکے تھے مگر ابھی وہ اس کی بیماری کی نوعیت کو سمجھ نہ سکے تھے۔ اس کی تیمارداری میں راشد علی بھیا خلوص اور اپنائیت سے ساتھ دے رہا تھا۔

ڈاکٹر شعیب واپس لوٹے اور میں نے فرحین کی بیماری کی خبر انہیں سنائی۔ اپنے اس خدشے کا اظہار کیا کہ کہیں برسوں بعد سنکھیا کے اثرات تو عود نہ آئے۔ بہت متفکر ہو گئے۔

"کمزور تو اتنی ہو گئی ہے وہ کہ جب میں اس کے بالوں میں کنگھا کرتی ہوں تو بال اترے چلے آتے ہیں۔"

"کتنے دن ہو گئے اسے اسپتال میں داخل کئے؟"

"آج نواں دن ہے۔"

"کمال ہے' تم نے مجھے خبر کیوں نہ کی؟"

"میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

ڈاکٹر شعیب نے شاکی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولے۔ "فرحین کے بارے میں میرے کیا احساسات ہیں' تم اندازہ نہیں کر سکتیں زریں!" انہوں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا۔ "وہ مجھے اولاد کی طرح پیاری ہے۔"

ڈاکٹر شعیب کو دیکھتے ہی فرحین کے زرد چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"کیوں بھئی' ہمارے جاتے ہی بیمار کیوں پڑ گئی ہماری بٹیا؟" ڈاکٹر شعیب نے پیار سے پوچھا۔

"آپ کا ٹور کیسا رہا بابا؟"

"بہت اچھا۔" وہ بولے۔ "اور میں تمہارے لئے وہاں سے بڑی عمدہ سوغاتیں لایا ہوں۔"

"ایک خواہش پوری کردیں گے آپ میری؟"

"بولو۔"

"بھیا کو بلالیں' میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

ڈاکٹر شعیب نے میری طرف دیکھا پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولے۔ "تم ٹھیک ہو جاؤ' بلالیں گے اسے۔"

"بھیا کو بلانے کے لئے آپ میرے ٹھیک ہونے کا انتظار کریں گے تو بہت دیر ہو جائے گی۔ انہیں تو بس آپ بلالیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر شعیب نے اسے دلاسا دیا۔

فرحین کی صحت یابی کے سلسلے میں میری ساری امیدیں ڈاکٹر شعیب کی واپسی سے وابستہ تھیں۔ میرا خیال تھا' وہ آئیں گے تو فرحین چند ہی روز میں بستر سے اٹھ کھڑی ہوگی مگر........ ایسا نہ ہوا۔

اور ایک روز ڈاکٹر شعیب نے مجھ سے کہا۔ "زریں! میرا خیال ہے عارف کو بلا ہی

اس سے پہلے میں نے انہیں اس قدر مایوس نہ دیکھا تھا۔

"کیا........؟" الفاظ میرے حلق میں گھٹ کر رہ گئے۔

"ہاں۔" وہ سر جھکا کر بولے۔ "کچھ زیادہ امید نہیں رکھی جاسکتی۔"

میرے دل میں میخ سی اتر گئی۔

بھیا کو فرحین کی بیماری کی خبر دے دی گئی۔

بھیا کے پہنچنے سے دو روز قبل فرحین کے کمرے کی صفائی کرواتے ہوئے اس کے بیڈ کی سائیڈ بورڈ سے مجھے ایسی چیزیں ملیں جنہوں نے فرحین کی بیماری کی نوعیت بخوبی سمجھادی۔ نصف کلو مٹھائی کے ایک ڈبے میں دو گلاب جامنیں بچی پڑی تھیں جن میں سے ایک تھوڑی سی کتری ہوئی تھی۔ دونوں پر سفید سا سفوف خوب چھڑکا ہوا تھا۔ سائیڈ بورڈ کے اسی خانے میں سے ایک شیشی بھی ملی........ جس پر انگریزی میں "آرسینک" لکھا ہوا تھا۔ گلاب جامنوں پر چھڑکا ہوا سفید سفوف بلاشبہ آرسینک یعنی سنکھیا ہی تھا۔

گویا فرحین کی بیماری کا سبب گلاب جامنوں پر سنکھیا چھڑک کر کھانا تھا۔ یعنی اس نے

موت کو اسی انداز میں گلے لگانے کی کوشش کی تھی جس انداز سے حارث موت کا شکار ہوا تھا۔

فرحین کے کمرے سے ملنے والی دوسری اہم چیز اس کا ایک خط تھا جو اس نے میرے اور بھیا کے نام لکھا تھا۔ خط کا متن یہ تھا۔

"پیاری باجی اور پیارے بھیا!

کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ دونوں ہی میرے اصلی ماں باپ ہیں۔ ممی مجھے ایک بھولا بسرا خواب لگتی ہیں اور ڈیڈی کا میں اس وقت تک تصور نہیں کر سکتی جب تک ان کی تصویر میرے سامنے نہ ہو۔ البتہ حارث مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ جو کچھ آپ دونوں نے میرے لئے کیا' میں اس کے لئے آپ دونوں کی بہت شکر گزار ہوں۔

ممی نے جو ستم ہمارے ساتھ کیا اس کے بعد آپ کی محبت اور پاپا کی شفقت اور عنایت کے طفیل میں بچ تو گئی لیکن مجھے اس تمام عرصے میں بڑی شدت سے اس بات کا احساس رہا کہ میں زیادہ عرصہ نہ جیوں گی اور میں سمجھتی ہوں کہ مجھے جینا چاہئے بھی نہیں۔ نہ تو میں............ بھیا' آپ کی طرح ڈاکٹر بن سکی' نہ باجی' آپ کی طرح کامیاب اداکارہ بن سکتی ہوں اور نہ ہی میں آپ کی طرح ایک پیارے سے گڈے کی ماں بن سکتی ہوں۔ جب زندگی کا کوئی مقصد ہی نہ ہو تو جینے سے فائدہ؟

چنانچہ آپ دونوں سے میری التجا ہے کہ مجھے بچانے کی کوشش نہ کیجئے اور ڈاکٹروں سے میری جان بچانے کی استدعا نہ کریں۔ مجھے مرنے دیں کیونکہ میں مرنا ہی چاہتی ہوں۔ میری موت پر نہ تو آپ دونوں روئیں اور نہ ہی میری تدفین کے بعد مجھے یاد کریں۔ اور ہاں' میری موت کے بعد آپ بھولے سے بھی دل میں یہ خیال نہ لائیں کہ میری موت کی ذمہ داری کسی اور پر جاتی ہے۔ میں نے موت کو از خود گلے لگانا پسند کیا ہے۔ اس دنیا سے جاتے ہوئے بس مجھے ایک ہی بات کا افسوس ہے اور وہ یہ کہ میں راحیل کو بڑا ہوتے نہ دیکھ سکوں گی۔

باجی' آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے بہن نہیں ماں بن کر پالا۔ اور بھیا آپ بھی میرے لئے بھائی سے زیادہ باپ ثابت ہوئے۔ پاپا کا بھی بہت شکریہ کہ انہوں نے مجھے اپنی بیٹی سمجھا۔ ماسی اللہ رکھی اور گھر کے دوسرے ملازموں کا بھی شکریہ۔ آپ سب کا شکریہ کہ آپ نے مجھ سے اپنے تعلق پر کبھی شرمندگی کا اظہار نہیں کیا۔ مجھ سے گھر میں بھی پیار اور مہربانی کا رویہ رکھا اور گھر سے باہر بھی اپنے ساتھ لے جانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

میں ایسی جگہ جارہی ہوں جہاں کوئی میرا مذاق نہیں اڑائے گا' کوئی مجھے بونی نہیں کہے گا۔ میرے چھوٹے قد اور دبلے پتلے جسم کو تماشا نہیں سمجھے گا۔

باجی' راشد کو آپ بتا دیجئے گا کہ میں اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ کاش! میں اس کے قابل ہوتی۔

آپ سب کو خدا حافظ

فرحین"

فرحین کی بیماری کی نوعیت کھلنے کے بعد ڈاکٹر شعیب نے اس کے معالجین کو اعتماد میں لے کر انہیں یہ بتا دیا کہ فرحین نے اپنی ابنارملی کی وجہ سے خودکشی کرنے کے لئے زہر کھا لیا تھا۔ اب اس کا علاج اسی انکشاف کی روشنی میں جاری تھا۔

بھیا کے پہنچنے تک فرحین کی حالت بہت بگڑ چکی تھی۔ اس کی آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں اور رخساروں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ رنگت ہلدی کی طرح تھی اور جسم ہڈیوں کا پنجر نظر آنے لگا تھا۔ قد اور بھی چھوٹا محسوس ہونے لگا تھا۔ کلائیاں سوکھ گئی تھیں اور سر کے بالوں نے جڑیں چھوڑ دیں تھیں۔

علاج معالجے کی بہترین سہولتیں اور ہم سب کی دعائیں اور وظائف بھی کچھ اثر نہ دکھا پا رہے تھے۔ راشد بڑے خلوص سے اس کی تیمارداری کے ساتھ اس کے سرہانے بیٹھ کر وظائف پڑھتا اور اس پر دم کرتا۔ اس کی درازی عمر کے لئے دعائیں مانگتا۔ راشد کی والدہ فرحین کے لئے کسی عامل سے تعویز بھی لکھوا کر لائی تھیں اور اس کے بازو پر باندھ دی تھیں مگر کوئی تدبیر اثر نہ دکھا رہی تھی۔

اس کے معالجین کا کہنا تھا کہ اس کے جسم میں خون کے سرخ جسیمے ختم ہونے کی رفتار اسے چڑھائے جانے والے خون کے مقابلے میں بہت تیز رفتار تھی۔

بھیا کے آنے کے بعد تین دن اور تین راتیں ہم نے اسپتال میں گزاریں۔ ہم سب باری باری اس کے سرہانے آبیٹھتے۔ ہم سبھی اس کے لئے دعاگو تھے۔ ماسی نے اس کی صحت یابی کی دعا کے لئے گھر میں آیت کریمہ کا وظیفہ کروایا۔

بھیا کے آنے کے بعد دوسرے دن جب بھیا' فرحین کے کمرے میں تھے اور میں کمرے کے باہر راہداری میں تنگی تختے پر راشد کے ساتھ بیٹھی بھیا کے باہر آنے پر اپنے اندر جانے کی باری کا انتظار کر رہی تھی' میں نے راشد سے کہا "راشد! فرحین کی بیماری میں تم نے جس خلوص سے اس کی تیمارداری میں ہمارا ساتھ دیا ہے اس کا احسان میں کبھی نہ اتار سکوں گی۔"

"انسان ہونے کے ناطے یہ تو میرا فرض تھا زری باجی۔" اس۔نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں تم سے؟"

"جی پوچھئے۔"

"کیا فرحین نے بیمار پڑنے سے قبل تم سے گزشتہ دنوں میں کوئی خاص بات کی تھی؟"

"اس نے ذرا کی ذرا میری جانب دیکھا پھر شرما کر بولا۔ "جی ہاں کی تھی۔"

"اپنی شادی کے بارے میں؟" میں نے ذرا کھل کر پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیا کہا تھا اس نے تم سے؟"

وہ قدرے تامل سے بولا۔ "وہ کہنے لگیں' میں تم سے شادی تو کرنا چاہتی ہوں مگر خود کو تمہارے لائق نہیں سمجھتی۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں نے انہیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ میں قدو قامت کو نہیں انسان کو اہمیت دیتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا' وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں انہیں ڈاکٹر شعیب کے اسٹیٹس کی وجہ سے پسند کرتا ہوں بلکہ اس لئے کہ وہ دل کی بہت سادہ ہیں اور ان کے مزاج میں آج کل کی لڑکیوں کے سے داؤ پینترے نہیں ہیں۔"

پھر؟

"پھر وہ اپنی بات پر جمی رہیں اور میں اپنی بات پر۔ میں نے ان سے کہہ دیا کہ اگر وہ مجھ جیسے غریب اور سادہ انسان سے شادی کرلیں گی تو میں خود کو خوش قسمت آدمی سمجھوں گا اور ہم یقیناً مطمئن زندگی بسر کرسکیں گے مگر وہ یہی کہتی رہیں کہ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے لوگ تمہیں بھی مذاق کا نشانہ بنائیں۔"

"پھر؟"

"پھر میں نے ان سے کہا' میں ذرا بچوں کا نتیجہ تیار کرکے دے دوں پھر مل کر سوچیں گے۔"

"پھر؟"

"پھر جی وہ بیمار ہی پڑ گئیں۔ مل بیٹھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔"

"وہ صحت یاب ہوجائے تو تم اس سے شادی کرلو گے؟"

"اگر آپ لوگوں نے مجھے اس لائق سمجھا تو میں فخر محسوس کروں گا اور خدا کی قسم

کہتا ہوں کہ مجھے آپ لوگوں سے فرحین کے یا اپنے لئے ایک دمڑی بھی نہیں چاہئے۔ مجھے اپنے خدا' اپنی نیت اور اپنی قوت بازو پر بھروسا ہے۔ خدا نے چاہا تو فرحین کو خوش رکھوں گا۔"

بھیا کے باہر آنے کے بعد جب میں فرحین کے کمرے میں گئی تو میں نے اس پر جھکتے ہوئے بے صدا لبوں سے کہا۔ "میری جان! آنکھیں کھول دے............ صحت یاب ہوجا............ میں ایک بڑی خوشخبری تجھے سناؤں گی۔ میں نے راشد سے بات کرلی ہے۔ وہ بہت اچھا اور نیک لڑکا ہے۔"

مگر فرحین بدستور بے سُدھ پڑی رہی۔

تیسری شب جب بھیا میرے اصرار پر آرام کرنے کی خاطر ڈاکٹر شعیب کے ہمراہ گھر گئے' راشد برآمدے میں نماز ادا کررہا تھا اور میں فرحین کے پلنگ کے قریب ہی کرسی ڈالے بیٹھی تھی' اس نے آنکھ کھول کر مجھے دیکھا۔ میں لپک کر اٹھی اور اس پر جھک گئی۔

"کیسی طبیعت ہے بٹیا؟"

"ٹھیک۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"بھیا دو روز سے تمہیں جگانے اور تم سے بات کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ تم آنکھ کھولتی ہو اور انہیں دیکھ کر پھر سوجاتی ہو۔"

"بھیا آئے؟"

"ہاں۔"

"اچھا ہوا آگئے۔" نقاہت اس کی آواز سے عیاں تھی

"دو دن سے اسپتال ہی میں تھے' ابھی کچھ دیر قبل ہی میں نے زبردستی انہیں گھر بھیجا ہے کہ کچھ آرام کرآئیں۔"

"باجی!" اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "میں مرنے والی ہوں۔"

"ایسی باتیں مت کرو فرحین اور............ وہ تم نے گلاب جامنوں اور آرسینک والی کیا بات کی؟ کیا تم نے ویسی کوئی گلاب جامن کھائی؟"

"ہاں!" اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"کیوں؟ کیوں کیا تم نے ایسا؟" میں رو ہی تو دی۔

"کیونکہ میں حارث کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

"حارث کا خیال ہے میرا نہیں۔" میری آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے۔

"باجی!" اس نے دھیرے سے کہا۔ "ایک راز کی بات بتانا چاہتی ہوں
کو۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا کہ کیا وہ بھی کسی راز کی امین تھی۔
"آپ کو پتا ہے کہ ایک روز می ملی تھیں مجھے۔"
"کب؟ کہاں؟"
"جس روز میں راحیل کو اس کے برتھ ڈے پر دیئے جانے والے کرتہ شلوا
بدلنے بازار گئی تھی نا' اس دن وہ مجھے الفی پر ایک جیولر کے ہاں سے نکلتی ہوئی
تھیں' کوئی دوسرا ان کے ساتھ نہ تھا' وہ اکیلی تھیں۔"
"پھر کیا ہوا؟"
"میں لپک کر ان کے پاس پہنچی۔ میں نے ایکس کیوز می کہہ کر ان کی تو
طرف مبذول کرائی اور کہا' میں آپ کی بیٹی فرحین ہوں۔ انہوں نے حقارت
دیکھا' گردن کو جھٹکا اور بولیں' تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے لڑکی' میری کوئی بیٹی ہے نہ
وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتی اپنی کار کی طرف بڑھ گئیں اور کار میں بیٹھ کر چلی
انہوں نے میری آنکھوں میں آنسو دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔"
یہ جانتے ہوئے بھی کہ می سے ایسا طرزِ عمل خلافِ توقع نہ تھا' میں نے فرحین
دل رکھنے کو کہا۔ "ہو سکتا ہے' تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔ وہ می نہ ہوں کوئی اور
ہوں۔"
"باجی!" فرحین نے شاکی لہجے میں کہا۔ "آپ کیا سمجھتی ہیں' میں می کو نہ
ہوں گی۔ اتنی بے وقوف ہوں کہ کسی اور عورت کو می سمجھ بیٹھوں گی۔ وہ می
تھیں۔"
"ہو سکتا ہے۔"
"ہو سکتا ہے نہیں' وہ سچ مچ می ہی تھیں۔ بس ذرا عمر ان کی زیادہ لگنے لگی
ورنہ وہ ویسی ہی اسمارٹ اور خوبصورت ہیں۔ ان کے گلے میں وہ تتلی والا ہار تک تھا
اکثر پہنا کرتی تھیں۔" فرحین نے توقف کیا پھر بولی۔ "باجی! جب اپنی ماں ہی ہمیں پہچاننے
سے انکار کر دے' ہمارا ہاتھ جھٹک کر چلی جائے تو پھر بھلا ہمیں کون چاہے گا؟ پھر جینے کا
کیا فائدہ؟" فرحین کی آواز رندھ گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ "اس دن
راحیل کے سوٹ کا سائز بدلنے کے بعد میں نے اپنے لئے آرسینک اور گلاب جامن
خرید لیں۔"

نے فرحین کے آنسو پونچھے' جھک کر اس کی پیشانی چومی پھر بمشکل اس
ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ایک وقت آئے گا فرحین جب می ہمیں یاد کریں گی۔
گی۔ روئیں گی اور کوئی انہیں دلاسا دینے والا نہ ہوگا۔"
"وہ وقت کس نے دیکھا!"
"تم دیکھو گی' میں دیکھوں گی' ہم سب دیکھیں گے۔"
"شاید آپ دیکھیں مگر میں نہ دیکھ سکوں گی۔ میں تو بس کچھ دیر کی مہمان اور

"پلیز ایسی باتیں مت کرو۔ میرا دل مت توڑو۔ ہم سب تم سے پیار کرتے ہیں۔
عزیز رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر شعیب' بھیا' میں' راشد' ہم سب فرحین۔ بھیا تمہاری خاطر
سے دوڑے چلے آئے ہیں۔ راحیل تمہارے لئے اداس ہے۔ بار بار تمہیں یاد
ہے۔"
"راحیل کو بہلانے اور اس سے پیار کرنے کے لئے تو آپ سب ہیں۔ حارث کے
ڈیڈی کے سوا اور کوئی بھی نہیں۔ وہ دیکھئے' آپ کے پیچھے حارث ڈیڈی کے ساتھ
اور مجھی کو دیکھ رہا ہے۔ وہ دونوں مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آئے

"خدا کے واسطے فرحین! ایسی باتیں مت کرو۔" میں گڑگڑا دی۔
مگر فرحین نے میرے گڑگڑانے پر کوئی توجہ نہیں دی۔ "میں ڈیڈی اور حارث کے
ساتھ ایک باغ کی طرف جا رہی ہوں۔ وہاں سورج چمک رہا ہے۔ پھول کھلے ہیں۔ پرندے
رہے ہیں۔ میں لمبی ہوتی جا رہی ہوں.......... میں می جتنی لمبی ہو گئی ہوں۔ اب کوئی
مجھے ٹھگنی نہیں کہہ سکے گا' کوئی میرا مذاق نہیں اڑا سکے گا' کوئی مجھ پر نہیں ہنسے گا' اب میں
ایسی ہو گئی ہوں جتنی کہ میں ہونا چاہتی تھی.......... اوہ! میں کتنی خوش ہوں..........
کتنی خوش۔" وہ ہذیانی انداز میں بولتی چلی گئی۔
میں فرحین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے متوحش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس
کی نگاہیں میرے عقب میں دیوار پر مرکوز تھیں' اس کی آواز بتدریج دھیمی پڑتی چلی
گئی۔ یہاں تک کہ وہ چپ ہو گئی۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ آنکھیں دیوار کی جانب
دیکھتے ساکت ہو گئیں۔ گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی اور میری آنکھوں میں خوف
آیا۔ خدایا! فرحین مر گئی تھی۔
میری فلک شگاف چیخ سن کر راشد دوڑا ہوا کمرے میں آیا اور اس کے پیچھے ڈیوٹی پر

موجود نرسیں بھی در آئیں۔ اسپتال کے درو دیوار میری آہ وزاری سے گونج اٹھے سینہ کوبی کر رہی تھی۔ اپنے بال نوچ رہی تھی۔ میں اپنے چہرے کی جلد ادھیڑ کر رکھ دینا چاہتی تھی کہ یہ چہرہ اس عورت کے چہرے سے انتہا درجے مشابہ تھا جو ... تھی۔

"راشد! راشد! یہ کیا ہوگیا؟" میں راشد کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"صبر کیجئے......... صبر کیجئے باجی۔" راشد مجھ صبر کی تلقین کر رہا تھا۔

"کب تک؟ کب تک صبر کرتی رہوں؟" میں نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

ممی ایک مرتبہ پھر میرے دل پر ایک نیا گھاؤ لگا گئی تھیں۔

کاش! وہ فرحین کو افق پر دکھائی نہ دی ہوتیں......... اور اگر بدقسمتی سے ... دکھائی دے ہی گئی تھیں تو انہوں نے اس سے اپنے تعلق کو تسلیم کرنے سے انکار ... ہوتا! اور اگر انکار کرنا ہی تھا تو اسے ایسی رعونت سے تو نہ جھڑکا ہوتا کہ اس کا دل ... ہوگیا ہوتا۔ ممی کی بے مروتی نے اسے سنکھیا کھا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرلینے پر مجبور ... تھا اور سنکھیا بھی اس نے تھوڑا سا نہیں بہت کھالیا تھا۔

حارث کی موت کے بعد یہ خوف دبے پاؤں میرا تعاقب کرتا رہا تھا کہ کہیں ... ظالم ہاتھ حارث کی طرح فرحین کو بھی مجھ سے چھین نہ لے جائے۔ میرا یہ خوف آخر ... درست ثابت ہوا تھا۔ حارث' ممی کی بے رحمی کا براہ راست نشانہ بنا تھا۔ فرحین ... کی سنگدلی اور ... [illegible] ... جب کہ اس کی زندگی میں خوشیوں کا ایک باب کھلنے والا تھا۔

فرحین کی موت میرے لئے ایک ایسا سانحہ تھی جو میرے دل میں ممی کے خلاف ایک عرصے سے پکتے آتش فشاں کے پھٹ پڑنے کا سبب بن گئی۔ دنیا کی کوئی طاقت ... آتش فشاں سے بہہ نکلنے والے لاوے کو ممی کی خوشیاں اور چین اپنی لپیٹ میں ... سے نہ روک سکتی تھی۔

فرحین کی موت کی خبر میں نے اس کی ایک ہنستی مسکراتی تصویر کے ساتھ اخبار ... میں بطور خاص لگوائی۔ پھر ممی کو ایک گمنام خط ارسال کیا۔

"بیگم علی ضیاء صاحبہ!

آپ کی بے مروتی نے آخر کار اس معصوم لڑکی کو بھی نگل لیا جو دھوپ' ... متوازن خوراک اور زنداں میں زہر خورانی کے باعث مناسب نشوونما نہ پاسکی تھی ... اپنی تمام محرومیوں کو اپنے ساتھ لئے اپنی قبر میں جالیٹی ہے۔ آپ اس کی اور اس ...

...ل اس کے معصوم جڑواں بھائی کی موت کا حساب دینے کے لئے تیار

فقط وہ جسے آپ سے شدید نفرت ہے۔

... ی سے ہر قیمت پر فرحین کی موت کا انتقام لینے جارہی تھی! اور جلد سے جلد! ... انگلستان واپس جانے کے بعد میں نے مقامی ٹی وی سینٹر کے ایک ڈرامے ... کار اداکاری کی کہ میری توقع کے عین مطابق ٹی وی اسکرین پر میری واپسی کو ... سے تعبیر کیا گیا اور نہ صرف کراچی اسٹیشن پر مجھے کئی آفرز ملیں بلکہ ملک ... دی مراکز کی جانب سے بھی پیش کشیں موصول ہوئیں۔ میری توجہ کا مرکز ...

... شعیب کو معلوم ہوا کہ میں لاہور مرکز پر کام کرنے کا ارادہ کر رہی ہوں تو ... کہا۔ "کراچی سینٹر پر تمہارے کام کرنے کی حد تک تو میں یہ سمجھا تھا کہ تم خود ... اور مصروف رکھنے کے لئے کام کر رہی ہو مگر یہ لاہور جانے کی کیا سوجھی

"... کچھ مقصد ہے وہاں جانے کا؟"

"... ہاں!" وہ بولے۔ "میں یہ تو نہیں جانتا کہ تمہارے ذہن میں کیا خاکہ ہے مگر اتنا ... جانتا ہوں کہ تم وہاں فرحین کی موت کا بدلہ لینے کے ارادے سے جارہی ہو۔" ... [illegible] ... الو؟ زندگی بہت مختصر ہے۔ اس کا ایک لمحہ بھی ضائع مت کرو راحیل کو تمہاری ... ہے۔"

"... اسے ساتھ لئے جارہی ہوں ڈاکٹر صاحب۔"

"مجھے بھی تو تمہاری ضرورت ہے۔ عمر کی زیادتی سے بڑھ کر مجھے فرحین کی ناوقت ... نے مضمحل کردیا ہے۔ وہ مجھے اولاد کی طرح عزیز تھی۔ اس کی موت کے بعد میں ... تھکا تھکا اور تنہا محسوس کرنے لگا ہوں۔ پلیز! کہیں مت جاؤ' میرے ساتھ ... راحیل کو باپ کی ضرورت ہے اور مجھے شریک حیات کی۔ تنہائی نے مجھے زندگی میں ... اس قدر خوفزدہ نہیں کیا تھا جتنا کہ اب کرنے لگی ہے۔ بالخصوص فرحین کی موت ... مجھے سہارا دو۔"

... میں نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچتے ہوئے انہیں دیکھا۔ اس شخص نے ہمیں کیا نہیں ... ہم اسے آج تک کیا دے پائے تھے؟"

لمحہ بھر کو تو میں ڈگمگا سی گئی پھر میں نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب! بس ا[illegible]
مہلت دیجئے' میرا وعدہ ہے کہ پلٹ کر آپ ہی کی طرف آؤں گی اور آپ [illegible]
رہوں گی۔"

"وہاں راحیل کی دیکھ بھال تم اپنی مصروفیات کے ساتھ تنہا کیونکر کر پاؤ گی؟"
"کوئی ملازمہ رکھ لوں گی۔"
"ماسی کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔"
"نہیں' یہاں گھر کا نظام بگڑ جائے گا' آپ کو پریشانی ہوگی۔"
"تم میری پریشانی کی فکر مت کرو۔"
کیسے فرشتہ صفت آدمی تھے ڈاکٹر شعیب!

لاہور روانگی سے قبل میں نے اپنے اور راحیل کے مشترکہ بینک اکاؤ[illegible]
کل رقم کا ڈرافٹ بنوالیا۔ لاہور جاکر میں مالی مشکلات میں مبتلا ہونا نہیں چاہتی [illegible]
شعیب کے انتہائی اصرار کے باوجود میں نے ماسی کو اپنے ساتھ نہ لیا۔

لاہور پہنچنے کے بعد چند روز تو میں ہوٹل میں مقیم رہی۔ پھر میں [illegible]
پرڈیوسر کے توسط سے ایک انیکسی کرائے پر لے لی۔ مذکورہ پرڈیوسر کی بیگم [illegible]
ان کی ایک سابقہ ملازمہ کو میں نے راحیل کی دیکھ بھال اور کام کاج کے لئے ر[illegible]
جس سلسلہ وار ڈرامے میں کام کرنے کے لئے لاہور آئی تھی اسے تیرہ ہفتوں [illegible]
[illegible] تک چلنا تھا۔

اِدھر میں لاہور پہنچی اُدھر میں نے علی ضیاء پر گھات لگادی۔

علی ضیاء تک میری رسائی کیونکر ہوئی اس کی تفصیل میں جانا عبث ہے۔ [illegible]
نے اسے پہلے ہی تیرِ نظر سے گھائل کردیا۔

"میں آپ کو مس کہوں' میڈم کہوں یا محترمہ کہوں؟" پہلی ملاقات میں [illegible]
بڑی بشاشت سے کہا۔

"صرف زریں کہئے۔" میں نے مسکرا کر کہا پھر بصد غرور بولی۔ "عموماً میں [illegible]
اتنی جلدی بے تکلف نہیں ہونے دیتی۔"
"بھئی' ہمیں اجنبی مت گردانئے' ہم تو آپ کے فین ہیں۔"
"سارا ملک فین ہے جی ہمارا تو۔" میں نے کہا۔
"بے شک! آپ واقعی کمال کی کردار نگاری کرتی ہیں۔"
دوسری ملاقات میں اس نے پوچھا۔ "بائی دی وے' آپ اتنے عرصے [illegible]

[illegible] رہیں؟"
[illegible] مصروفیات تھیں۔"
[illegible] مصروفیات پر مجھے یاد آیا۔ گزشتہ دنوں آپ کی ہمشیرہ کے انتقال کی خبر
[illegible] نے اخبار میں' بہت افسوس ہوا۔ میری بیگم تو جو مجھ سے زیادہ آپ کی مداح
[illegible] ہمشیرہ کے انتقال کی خبر پڑھ کر رو پڑیں اور اس خبر کا تراشہ انہوں نے اپنی
[illegible] محفوظ کرلیا جسے وہ زندگی کی اتنی قیمتی متاع سمجھتی ہیں کہ کسی اور کو اسے
[illegible] ہی نہیں دیتیں۔"
[illegible] کو بھی نہیں؟"
[illegible] نہیں۔"
[illegible] ہے حالانکہ شوہر اور بیوی میں تو اتنی رازداری یا پردہ نہیں ہونا چاہئے۔"
[illegible] ہم ذرا وضعدار اور رکھ رکھاؤ والے لوگ ہیں۔ ہماری شادی لَو میرج ہے
[illegible] دوسرے کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کے قائل نہیں۔"
[illegible] عرصہ ہوگیا آپ کی شادی کو؟"
[illegible] یوں لگتا ہے جیسے کل ہی ہوئی تھی۔"
[illegible] کتنے ہیں؟"
[illegible]"

[illegible]" میں نے مصنوعی حیرت سے کہا۔ "کیا آپ دونوں کو اپنی زندگی میں اس کی
[illegible] نہیں ہوتا؟"
[illegible] کبھی کبھی ہوتا ہے مگر میں اس احساس پر اپنی بیوی کی محبت کو ہمیشہ غالب رکھتا

[illegible] اور آپ کی بیگم صاحبہ؟"
[illegible] بھی ہوتا ہوگا مگر وہ ظاہر نہیں ہونے دیتیں۔"
[illegible] کو اپنی بیگم سے محبت ہے؟"
[illegible] ہاں۔"
[illegible] دی وے کتنی؟"
[illegible] مسکرا کر بولا۔ "آپ کے اس سوال پر آج مجھے پہلی مرتبہ محبت کا اندازہ ظاہر
[illegible] لئے کسی پیمانے کی ضرورت کا احساس ہوا ہے.......... بہرحال یہ سمجھئے کہ
[illegible] کا مداح ہونے کا ایک سبب اگر یہ ہے کہ آپ کمال کی فنکارہ ہیں تو بنیادی

سبب یہ ہے کہ آپ حیرت انگیز حد تک میری اہلیہ سے مشابہت رکھتی ہیں۔"

"اچھا!"

"جی ہاں۔"

"تب تو آپ کی اہلیہ سے ملنا پڑے گا۔"

"وہ ان دنوں اپنی کاسمیٹک سرجری کے سلسلے میں یورپ گئی ہوئی ہیں۔ وہ لوٹ آئیں تو آپ کو ان سے ضرور ملواؤں گا۔"

"مگر.........."

"مگر کیا؟"

"کہیں وہ مجھ سے آپ کے مراسم پر آپ سے خفا نہ ہو جائیں۔"

"آپ اطمینان رکھئے، ہم میاں بیوی کو ایک دوسرے پر کامل بھروسا ہے۔"

"واقعی!"

"جی ہاں۔"

علی ضیاء سے اپنی دوسری ملاقات کے بعد میں دیر تک اپنے حلق میں [illegible] محسوس کرتی رہی۔ ممی اور فرحین کی موت پر روئی ہوں گی! علی ضیاء کا یہ انکشاف میرے لئے ناقابل یقین تھا۔

☆ — ☆ — ☆

لی ضیاء سے میری تیسری ملاقات اس کی دعوت پر ایک فائیو سٹار ہوٹل کے کافی [illegible] میں ہوئی۔

"ایک بات تو بتایئے۔" میں نے کہا۔ "اپنی گزشتہ ملاقات میں آپ نے تذکرہ کیا تھا [illegible] آپ کی بیگم سے انتہا درجہ کی مشابہت رکھتی ہو۔ آپ کی بیگم صاحبہ کا کیا خیال [illegible]"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کیا انہیں اس حد درجہ مشابہت کا احساس ہے؟"

"ہاں، ہے؟"

"اس مشابہت کے بارے میں ان کی رائے کیا ہے؟"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!"

[illegible]

"وہ اسے محض اتفاق قرار دیتی ہیں اور یہ واقعی ایک اتفاق ہی ہے کہ دو اجنبی [illegible] باہم اس قدر مشابہت رکھتی ہوں کہ ایک پر دوسری کی جوانی ہونے کا گمان [illegible]۔ آپ یقین کیجئے کہ آپ میری بیوی کی جوانی کی ہوبہو تصویر ہیں۔"

"آپ کی باتیں میرے دل میں آپ کی اہلیہ سے ملنے کا اشتیاق بڑھائے دیتی ہیں۔"

"انشاء اللہ میں ضرور ملواؤں گا انہیں آپ سے۔"

"بشرطیکہ ان کی واپسی تک میں لاہور میں ہی ہوئی۔"

"انشاء اللہ ہوں گی۔" اس نے کہا پھر بولا۔ "یہ آپ سے میری تیسری ملاقات ہے [illegible] ان تین ملاقاتوں ہی میں مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے میں جنم جنم سے آپ [illegible] واقف ہوں.......... مسحور کن شخصیت کی حامل تو آپ ہیں ہی اندازِ گفتگو بھی بلا کا [illegible] ہے۔ اس پر مستزاد آپ کی دلچسپ باتیں۔"

"جتنی بے تکلفی میں نے آپ کے ساتھ اختیار کر رکھی ہے۔ اتنی میں
سے قبل اپنے شوہر مرحوم کے علاوہ آج تک کسی اور مرد سے اختیار نہیں کی۔"
"نوازش۔" اس نے کہا۔ "سچ پوچھئے تو میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ جب
بیگم دور ہیں' ہر شام آپ ہی کے ساتھ گزرے مگر.........."
تو اتنی محبت ہے ممی آپ کے شوہر کو آپ سے' میں نے جی ہی جی میں سوچا۔
"مگر کیا؟"
"اول تو میری پیشہ ورانہ مصروفیات اتنی فراغت نہیں ملنے دیتیں اور اس
کہ بیگم صاحبہ وعدہ لے کر گئی ہیں کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کی بیمار والدہ کی
گیری رکھوں گا چنانچہ اس عہد کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ جمعرات کی شام میں
ملتان جاتا ہوں ہفتہ کی صبح واپسی ہوتی ہے۔"
"آپ کی ساس ملتان میں رہتی ہیں؟"
"جی ہاں' وہاں بہت بڑی حویلی ہے ان کی اور اللہ کا دیا اور بھی بہت کچھ ہے۔"
"بیماری کیا ہے انہیں؟"
"دو برس قبل فالج کا حملہ ہوا تھا ان پر' بچنے کی امید نہ رہی تھی مگر معجزانہ طور پر
بچ تو گئیں تاہم چلنے پھرنے اور بولنے سے معذور ہو گئیں۔ بس یہ سمجھئے کہ کاملاً
کے رحم وکرم پر رہتی ہیں۔ ایک کل وقتی نرس ان کی خدمت پر مامور ہے۔ گھر
اور نوکر چاکر ہیں وہی ان کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ہماری
صاحبہ کی ایک نظر اچھے اچھوں کا پتا پانی کر دیا کرتی تھی۔ گھر کے نوکروں کی مجال نہ تھی
ان کے سامنے پر مار جائیں مگر آج وہ انہی نوکروں کے رحم وکرم پر ان کی محتاج ہو
ہیں۔ جس سلطنت میں ان کے حکم کا سکہ چلا کرتا تھا' اسی طرح ہے مگر وہ عضو معطل
پڑی ہیں۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ ان کی نرس ان کا خیال رکھتی ہے یا نہیں......... نوکر
کی ضروریات پوری کرتے ہیں یا نہیں' میری بیگم اور میں ہفتے میں ایک دو مرتبہ
آتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ ان کا خیال رکھنا ہمارے بس سے بھی باہر ہے کیونکہ
اپنی بھی مصروفیات ہوتی ہیں۔ باقی دنوں میں ان کے ساتھ نرس اور نوکر کیا رویہ
ہیں' ہمیں پتا نہیں چلنے پاتا' بیگم صاحبہ کو بیرون ملک جانا پڑا تو وہ اپنی والدہ کی
میرے ذمہ کر گئیں۔ اگر یہ ذمہ داری سر نہ ہوتی تو بیگم صاحبہ کی واپسی تک میری
ہی نہیں ہفتہ وار تعطیل بھی آپ کے نام ہوتی۔"
علی ضیاء کی زبانی' نانی جان کی معذوری کا قصہ سن کر مجھے ماننا پڑا کہ یہ دنیا

ہے۔ ہمارے بعض اعمال کا بدلہ تو ہمیں اس دنیا میں مل جاتا ہے۔
آپ کی ساس صاحبہ کا قصہ سن کر افسوس ہوا۔"
سمجھئے کہ وہ دیدۂ عبرت نگاہ بنی ہوئی ہیں۔" علی ضیاء نے کہا۔
نے طے کر لیا کہ اس تصویر عبرت کو دیکھنے کے لئے ملتان ضرور جاؤں گی۔

☆------☆------☆

ہی دنوں کے اندر اندر میں نے علی ضیاء کو اپنے حسن اور اداؤں کے جال میں
اپنی بیوی یعنی میری ممی سے اس کی محبت کے تمام دعوے جن کا اظہار وہ مجھ سے
ملاقاتوں میں کیا کرتا تھا' سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اس کا وہ دعویٰ کہ ہم میاں بیوی
دوسرے پر کامل بھروسا ہے' پارہ پارہ ہونے کے نزدیک آ پہنچا۔ ممی کی عدم
میں ان کے خلاف کھیلے جانے والے اس کھیل کا نقطہ عروج تو بیرون ملک سے ممی
کے بعد ہی سامنے آنا تھا مگر فی الحال عالم یہ تھا کہ ان کی وفاداری کا دم بھرنے والا
قدموں میں پڑا ہوا تھا۔
سے انتقام لینے کے جوش میں' میں شریعت' قانون' سماجی اقدار' اخلاقی
.... غرض سب کچھ بھول گئی تھی۔ مجھے صرف اتنا یاد رہ گیا تھا کہ علی ضیا' ممی کا
تھا اور ممی کے ہم سے نظریں پھیر لینے کی دو بڑی وجوہات میں سے ایک تھا۔ پہلی وجہ
کی جائیداد اور دولت تھی۔ ممی کے آنے سے قبل میں ان کے شوہر کو کاملاً ان سے
چاہتی تھی۔ چنانچہ برسوں کے فاصلے دنوں میں طے ہو رہے تھے۔
علی ضیاء کو میں بڑی اپنائیت اور محبت سے علی کہہ کر پکارتی تخلیہ میں' میں علی سے
آجاتی۔ ہماری شامیں اکٹھی گزرتیں' راتوں کو بھی ہم دیر تک ساتھ ہوتے۔
ل اور ریکارڈنگ سے فارغ ہونے کے بعد جب میں اسٹیشن سے باہر نکلتی تو علی ضیاء
اسٹیشن کے آس پاس کسی مناسب مقام پر اس کی لشکارے مارتی گاڑی میں اپنا منتظر

ہمارے اس تعلق کے بارے میں چرچے ہو رہے تھے۔ ایک مقامی روزنامے نے تو
شام ایڈیشن میں باضابطہ طور پر خبر بھی لگا دی تھی مگر علی نے فوراً اس کے خلاف ایک
وکیل سے ایسا تگڑا نوٹس جاری کرا دیا تھا کہ اور کوئی اوکھلی میں سر دینے کی
میں کر پا رہا تھا اور میرے لئے یہ صورت حال میری انا کی تسکین کا باعث تھی۔ خالد
میری شادی سے قبل اس سے میری دوستی اور بے تکلفی کو یہ اخبار والے کیسے کیسے
اور معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اس کے اور میرے درمیان کوئی

ایسا ویسا تعلق نہ ہوتے ہوئے بھی نہ جانے کیا کیا فسانہ طرازیاں کرلی گ
اب.......... اب علی ضیاء کے ساتھ میں برسوں کے فاصلے دنوں میں طے کر گ
اخبار والے گویا منہ میں گھنگھنیاں ڈالے اور اپنے قلموں کو ٹوپیاں اوڑھا
ایک کا حشر دیکھ کر سب نے عبرت پکڑلی تھی۔ زبانی کلامی' سینہ بہ سینہ' چر
توان کی پرواہ نہ مجھے تھی نہ علی ضیاء کو کہ درپردہ تو لوگ بادشاہوں کو بھی نہیں
علی ضیاء پر غلبہ پاکر میں بہت مسرور تھی۔

ایک روز میں نے اس سے کہا۔ "کیا تم اپنی بیگم کے واپس آنے کے
سے ملتے رہو گے؟"

"کیوں نہیں؟"

"انہیں اعتراض نہ ہوگا؟"

"ہوا کرے۔"

میں اس کے سرفروشانہ انداز میں زیرِ لب مسکرادی۔

"تم تو اپنی بیوی سے محبت کے بلند وبانگ دعوے کیا کرتے تھے علی!" میں

"وہ تم سے ملنے سے پہلے کا قصہ تھا۔"

"مرد بھی بے وفا ہوتے ہیں۔" میں نے اسے چھیڑنے کو کہا۔

"یار!" وہ سر جھٹک کر بولا۔ "میں اس سے دو برس چھوٹا ہوں' عورت
[illegible]

"بری بات۔" میں نے سرزنش کی۔

"وہ بھدی ہوگئی ہے' ویسے نہیں رہی جیسی ہوا کرتی تھی۔ وزن کافی بڑھ گ
چہرے کی کھال بھی لٹکنے لگی ہے۔"

"فکر مت کرو۔ جب وہ انگلستان سے فیس لفٹنگ اور بقول تمہارے
کروا کر واپس لوٹیں گی تو فٹ فاٹ ہوں گی۔"

وہ طنز سے ہنسا' پھر بولا۔ "جانِ من! وہ کچھ بھی کروا آئے' جو بات تم میں
میں کب ہوگی؟"

"محترمہ سنا آپ نے؟" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

☆------☆------☆

سیریل کی غالباً چھٹی یا ساتویں قسط آن ائر جانے کے بعد علی نے مجھے بتایا۔

"بیگم صاحبہ چار پانچ ہفتوں میں واپس آجائیں گی۔"

"اچھا ہے' تب تک میں بھی یہاں سے جاچکی ہوں گی۔"

"کیوں؟"

"ایسے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ یہاں میرا کام ختم ہوچکا ہوگا۔"

"میں تمہیں واپس نہیں جانے دوں گا۔" علی نے کہا۔

"کیوں بھئی؟"

"کیونکہ تم میرے دل کا چین اور سکون بن چکی ہو۔"

"اچھا!" میں ہنس دی' پھر میں نے کہا۔ "تمہاری بیگم نے تمہارا یہ ڈائیلاگ سن لیا تا
کورٹ مارشل کرادیں گی۔"

"وہ سالی جائے جہنم میں۔" علی نے منہ بنا کر کہا۔

"اونہوں.......... ایسی بے مروتی اور بے وفائی اچھی نہیں ہوتی۔"

"زریں!" علی نے مجھے اپنی بانہوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے
کوئی دوسری عورت تمہاری ہمسر ہو ہی نہیں سکتی.......... آئی لو یو زریں..........
تم سے محبت نہیں عشق ہے زریں.......... بخدا میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ
میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

مجھے اسی دن کا انتظار تھا۔

ہاں اسی دن کا انتظار!

"کیا تمہاری بیوی اجازت دے دیں گی؟"

"میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ تمہاری بیوی ایک امیر کبیر خاتون ہیں۔"

"مجھے اس کی دولت سے نفرت ہے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اسی دولت نے مجھے اولاد جیسی نعمت سے محروم رکھا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں انجان بن کر بولی۔

"میری بیوی کے باپ نے اپنی وصیت میں یہ شرط رکھی تھی کہ اگر وہ کبھی ماں بن
گئی تو ترکے میں ملنے والے تمام مال وجائیداد سے محروم قرار پائے گی۔"

"آپ ایک روز بتا رہے تھے کہ آپ کی بیوی کی یہ دوسری شادی ہے۔"

ایسا ویسا تعلق نہ ہوتے ہوئے بھی نہ جانے کیا کیا فسانہ طرازیاں [illegible]
اب......... اب علی ضیاء کے ساتھ میں برسوں کے فاصلے دنوں میں [illegible]
اخبار والے گویا منہ میں گھنگھنیاں ڈالے اور اپنے قلموں کو ٹوپیاں او[illegible]
ایک کا حشر دیکھ کر سب نے عبرت پکڑی تھی۔ زبانی کلامی' سینہ بہ سینہ [illegible]
تو ان کی پرواہ نہ مجھے تھی نہ علی ضیاء کو کہ درپردہ تو لوگ بادشاہوں کو بھی [illegible]
علی ضیاء پر غلبہ پاکر میں بہت مسرور تھی۔

ایک روز میں نے اس سے کہا۔ "کیا تم اپنی بیگم کے واپس آ[illegible]
سے ملتے رہو گے؟"

"کیوں نہیں؟"

"انھیں اعتراض نہ ہوگا؟"

"ہوا کرے۔"

میں اس کے سرفروشانہ انداز میں زیرلب مسکرادی۔

"تم تو اپنی بیوی سے محبت کے بلند وبانگ دعوے کیا کرتے تھے علی!"

"وہ تم سے ملنے سے پہلے کا قصہ تھا۔"

"مرد بھی بے وفا ہوتے ہیں۔" میں نے اسے چھیڑنے کو کہا۔

"یار!" وہ سرجھٹک کر بولا۔ "میں اس سے دو برس چھوٹا ہوں' [illegible]
[illegible]

"بری بات۔" میں نے سرزنش کی۔

"وہ بھدی ہوگئی ہے' ویسے نہیں رہی جیسی ہوا کرتی تھی۔ وزن [illegible]
چہرے کی کھال بھی لٹکنے لگی ہے۔"

"فکر مت کرو۔ جب وہ انگلستان سے فیس لفٹنگ اور بقول تمہار[illegible]
کروا کر واپس لوٹیں گی تو فٹ فاٹ ہوں گی۔"

وہ طنز سے ہنسا' پھر بولا۔ "جان من! وہ کچھ بھی کروا آئے' جو بات تم [illegible]
میں کب ہوگی؟"

"محترمہ سنا آپ نے؟" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

☆------☆------☆

سیریل کی غالباً چھٹی یا ساتویں قسط آن ائر جانے کے بعد علی نے مجھ[illegible]
"بیگم صاحبہ چار پانچ ہفتوں میں واپس آجائیں گی۔"

"[illegible] اچھا ہے' تب تک میں بھی یہاں سے جاچکی ہوں گی۔"

"[illegible]؟"

"[illegible]"

"[illegible]؟"

"[illegible] یہاں میرا کام ختم ہوچکا ہوگا۔"

"[illegible] میں واپس نہیں جانے دوں گا۔" علی نے کہا۔

"[illegible] بھی؟"

"[illegible] تم میرے دل کا چین اور سکون بن چکی ہو۔"

"[illegible]" میں ہنس دی' پھر میں نے کہا۔ "تمہاری بیگم نے تمہارا یہ ڈائیلاگ سن لیا تا
[illegible] مار قتل کرادیں گی۔"

"[illegible] جائے جہنم میں۔" علی نے منہ بنا کر کہا۔

"[illegible]......... ایسی بے مروتی اور بے وفائی اچھی نہیں ہوتی۔"

"[illegible]!" علی نے مجھے اپنی بانہوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے
[illegible] دوسری عورت تمہاری ہمسر ہو ہی نہیں سکتی......... آئی لو یو زریں.........
[illegible] محبت نہیں عشق ہے زریں......... بخدا میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ
[illegible] میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

[illegible] اسی دن کا انتظار تھا۔

[illegible] اسی دن کا انتظار!

"کیا تمہاری بیوی اجازت دے دیں گی؟"

"[illegible] اس کی پرواہ نہیں کرتا۔"

"تم بھول رہے ہو کہ تمہاری بیوی ایک امیر کبیر خاتون ہیں۔"

"مجھے اس کی دولت سے نفرت ہے۔"

"[illegible]؟"

"[illegible] اسی دولت نے مجھے اولاد جیسی نعمت سے محروم رکھا ہے۔"

"[illegible] مطلب؟" میں انجان بن کر بولی۔

"[illegible] بیوی کے باپ نے اپنی وصیت میں یہ شرط رکھی تھی کہ اگر وہ کبھی ماں بن
[illegible] کہ میں ملنے والے تمام مال وجائیداد سے محروم قرار پائے گی۔"

"آپ ایک روز بتا رہے تھے کہ آپ کی بیوی کی یہ دوسری شادی ہے۔"

"ہاں۔"
"پہلی شادی سے ان کے ہاں کوئی اولاد ہوئی تھی؟"
"نہیں۔"
"ہو سکتا ہے ہوئی ہو اور انہوں نے آپ کو بتایا نہ ہو۔"
"نہیں........ اگر ایسا ہوتا تو کبھی نہ کبھی تو وہ ذکر ضرور کرتی۔"
"یہ ضروری نہیں ہے علی کہ عورت اپنا ہر راز ہی مرد کو بتا دے۔"
"اچھا!" وہ مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا تم نے بھی کوئی راز رکھا ہے مجھ سے؟"
"ہاں۔"
"کیا بھلا؟" وہ چونکا۔
"وقت آنے پر بتاؤں گی۔"
"ابھی کیوں نہیں؟"
"کیونکہ میں مناسب وقت کی منتظر ہوں۔"
"بائی دی وے وہ مناسب وقت کب آئے گا؟"
"جلد آئے گا مگر اس سے قبل مجھے ایک اور ڈراما سیریل میں مرکزی کردار ادا کرنے کے لئے ایک پروڈیوسر کی پیشکش پر کچھ ہوم ورک کرنا ہے۔ میں چاہتی ہوں اب ... مرحلہ کا کام ... ہوم ورک شروع کردوں۔"
"کیسا ہوم ورک؟"
"مجھے ایک ایسی معذور عورت کا کردار ادا کرنا ہوگا جو عضو معطل بنی بستر پر پڑی ہے، وہ نہ ہل جل سکتی ہے، نہ بات کرسکتی ہے۔ اسے صرف اپنے چہرے کے تاثرات اور آنکھوں سے اداکاری کرنی ہوگی۔ رول خاصا مشکل مگر چیلنجنگ ہے۔ میں نے کام کی ہامی بھرلی ہے مگر پروڈیوسر سے کہا ہے کہ وہ مجھے حقیقی زندگی میں ایسے کسی کردار کو دیکھنے کی مہلت دیں۔" میں نے توقف کیا پھر بولی۔ "ارے ہاں علی! مجھے یاد آیا۔ ایک روز اپنی ساس کا تذکرہ کیا تھا جو بستر پر مفلوج پڑی ہیں۔ کیا میں انہیں دیکھ سکتی ... میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ اپنے چہرے اور آنکھوں سے زبان کا کام کیونکر کرسکتی ہیں۔ وہ سن تو سکتی ہیں نا؟"
"ہاں سن تو خیر وہ سکتی ہیں مگر رہتی ملتان میں ہیں۔"
"ملتان میرے لئے علاقہ غیر تو نہیں۔"

"... واقعی؟ چلو گی تم ملتان؟"
"ہاں کیوں نہیں، فن کی خاطر تو فنکاروں کو ہر قسم کے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں۔"
"آل رائٹ........ تم اسی ہفتے چلو میرے ساتھ۔ میں تمہیں ان سے ملوا دوں ..."

... سوچ میں پڑ گئی۔
"کیا ہوا؟"
"... سوچ رہی ہوں کہ کہیں تمہارے لئے کوئی مشکل نہ کھڑی کردوں میں۔ تم ... لے گئے تو تمہاری ساس کے گھر کے نوکر چاکر تمہاری بیگم کو میرے مکمل سیاق و ... ساتھ بتائیں گے کہ تم مجھے وہاں لے گئے تھے۔ ظاہر ہے وہ ٹیلی ویژن کے توسط ... صورت سے بخوبی آشنا ہوں گے۔"
"... فکر مت کرو۔ ہم ملتان ایک ساتھ جائیں گے مگر وہاں پہنچنے کے بعد تمہارا قیام ... ہوٹل میں ہوگا تمہیں اپنی ساس کے پاس لے جانے سے قبل میں ان کی نرس کو ... کی چھٹی دے دوں گا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ اس بے چاری پر میں اکثر یہ ... کردیا کرتا ہوں۔ رہے گھر کے نوکر چاکر تو مغرب کے بعد وہ سب اپنے اپنے ... میں ہوتے ہیں۔ میں تمہیں کامل رازداری سے اپنی ساس صاحبہ کے کمرے ... دوں گا، تم اچھی طرح ان کا مطالعہ کرلینا۔"
[illegible]

☆======☆======☆

... نے جیسے پروگرام بنایا تھا ویسے ہی کیا۔ نانی جان کو بے حس و حرکت بستر پر پڑے ... لئے ایک روح فرسا تجربہ تھا۔ وہ زندوں میں تھیں مگر مُردوں سے بدتر۔ علی ... کہا تھا۔ وہ واقعی عبرت کی تصویر بنی پڑی تھیں۔ مجھے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں ... ہلکی سی رو ابھری اور ان کے منہ سے عجیب سی غرغراہٹ نکلی۔ یوں لگتا تھا جیسے ... پہچاننے کی کوشش کررہی تھیں یا پھر یہ پوچھنا چاہتی تھیں کہ میں کون تھی؟
میں نے علی سے کہا۔ "میں کچھ دیر یکسوئی سے انہیں بغور دیکھنا چاہتی ہوں۔"
"ضرور دیکھو........ تم انہیں دیکھو، میں تمہیں دیکھتا رہوں گا۔"
"نہیں تم کچھ دیر کو مجھے ان کے ساتھ بالکل تنہا چھوڑ دو۔ کیونکہ اگر تم اس کمرے ... رہو گے تو میری توجہ بھی بار بار تمہاری طرف مبذول ہوتی رہے گی۔"
"یار، کیوں محروم کرتی ہو ہماری نگاہوں کو اس خوبصورت چہرے کے طواف سے؟"

وہ اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے میری ٹھوڑی کو چھو کر بولا۔
"زیادہ رومینٹک ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یکسوئی سے وہ کام کرنے دو [illegible]
خاطر میں لاہور سے یہاں آئی ہوں۔"
"کب تک فارغ ہو جاؤ گی؟"
"بہت بے صبرے ہو علی!" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "میں آج را[ت] [illegible]
کے ساتھ رہوں گی۔"
"پوری رات انہی کے ساتھ!" وہ منہ بنا کر بولا۔
"ہاں پوری رات۔"
"پوری رات؟"
"ہاں' ہاں پوری رات۔"
"اچھا۔" وہ منہ بسور کر کان کھجانے لگا۔

اور میں نے اس کا یہ پوز دیکھتے ہوئے سوچا۔ عورت بھی کیا بلا ہے' اچھے بھلے [illegible]
فائق آدمی کو گھامڑ بنا کے رکھ دیتی ہے۔ علی ضیاء ممی سے دو برس چھوٹا سہی مجھ [illegible]
برس بڑا تھا۔ مگر میں ان دنوں اپنی اور اس کی عمر کے تضاد اور ممی کی نسبت سے ا[س]
اپنے رشتے کو بالائے طاق دھرے اپنی انگلیوں پر نچا رہی تھی.......... اسے اس [illegible]
سے علی کہتی گویا وہ میرے بچپن یا اسکول' کالج کا ساتھی ہو۔
"اب آپ [illegible]" [illegible]
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ منہ بسورے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں نے دروازے کا قفل چڑھایا اور بستر پر بے حس و [حرکت]
پڑی نانی جان کی طرف پلٹی۔ میرا انداز پیش قدمی کم و بیش ویسا ہی تھا' جیسا برسوں [illegible]
گھر کی بالائی منزل پر واقع ہمارے قفس خانے میں داخل ہونے کے بعد نانی جان کا ہو[ا کرتا]
تھا۔

میں نانی جان کے بستر کے قریب جا کھڑی ہوئی اور اپنا ہاتھ پہلو پر رکھ کر [illegible]
نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ میری سانس پھولنے لگی اور لہو گرم ہونے لگا۔ کچھ دیر [illegible]
انہیں یونہی کھڑی گھورتی رہی۔ یہاں تک کہ نانی جان کی نگاہوں میں خوف تیرنے لگا۔
تب میں استہزائیہ انداز میں مسکرائی اور اپنے ہاتھ ان کے بستر پر ٹیک کر ان پ[ر جھکتے]
ہوئے بولی۔ "مجھے پہچانیں آپ؟"
ان کی نگاہوں میں وحشت امنڈ آئی۔

[illegible] زریں ہوں۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "آپ کی بیٹی کی بیٹی۔"
[نان]ی جان کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔
[illegible] خود کو آپ کی نواسی تو اس لئے نہیں کہہ سکتی کیونکہ آپ نے ہمیں کبھی اس
[illegible] نہیں دی تھی۔" میں نے توقف کرنے کے بعد کہا۔ "یاد ہے نا آپ کو؟ آپ
[illegible] تھی کہ ہم بہن بھائیوں میں سے کوئی آپ کو نانی نہیں کہے گا۔"
[نان]ی جان کے منہ سے غرغراہٹ سی نکلی۔
[نان]ی جان! آپ کو یاد ہے نا وہ وقت جب آپ نے اس زنداں کی کھڑکی کھول لینے
[illegible] کی پاداش میں میرا اور بھیا کا منہ تھپیڑ ڈالا تھا؟ آج آپ کے کمرے کی ساری
[کھڑکیاں] اور دروازے بند ہیں۔ میں اگر چاہوں تو آپ کے منہ پر تکیہ رکھ کر آپ پر
[illegible] دروازہ بند کر سکتی ہوں۔"
[نان]ی جان کی آنکھوں سے وحشت ٹپکنے لگی اور وہ اپنے سر کو نفی میں جنبش دینے کی
[کوش]ش کرنے لگیں' ساتھ ہی ان کے منہ سے ہلکی سی غرغراہٹ نکلی۔
"گھبرائیے مت۔" میں نے زہر خند مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں ایسا کروں گی
[illegible]" پھر میں نے گردن موڑ کر نانی جان کے بستر کے نزدیک سائیڈ بورڈ پر دھری فروٹ
[illegible] کی طرف دیکھا اور دوبارہ نانی جان کی جانب دیکھتے ہوئے بڑے پریم سے بولی۔
[illegible] یاد ہے نانی جان! آپ نے ایک مرتبہ بھیا کے اس جرم کی پاداش میں کہ انہوں
[illegible]
[illegible] تھا' ہم بھائی بہنوں کا کئی روز تک کھانا بند رکھا تھا۔ بھیا نے چھوٹے بھائی بہن کو زندہ
[رکھنے] کے لئے اپنی کلائی میں چیرا لگا کر انہیں اپنا خون چٹایا تھا اور ایک روز ہم بالاخانے کے
[چ]وہوں کا گوشت تک کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ غنیمت ہوا کہ اس روز آپ نے
[illegible] مقررہ راشن جاری کر دیا ورنہ اس روز ہم چوہوں کا سڑا ہوا گوشت کھا ہی
[illegible]........ یاد ہے نانی اماں' آپ کو ہمارا کھانا بند کر دینا؟" میں نے آخری جملہ بڑی
[illegible] سے کہا پھر میں استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "کتنی عجیب بات ہے نانی جان کہ آپ کے
[illegible] تازہ بتازہ پھل موجود ہیں مگر آپ انہیں کھانے سے قاصر ہیں۔ آپ کی نرس ان کا
[رس نک]ال کر آپ کو پلا دے تو پلا دے۔ ورنہ آپ تو انہیں ہاتھ بڑھا کر چھو تک نہیں
[سکتیں]........ اس وقت اگر میں چاہوں تو آپ کے سرہانے رکھے ان پھلوں میں سے کوئی
[illegible] پھل اٹھا کر کھا سکتی ہوں اور آپ میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتیں۔"
[ن]انی جان کی آنکھوں میں بے بسی ہلکورے لینے لگی۔ وہ مجھے ملتجی نگاہوں سے یو[ں]

دیکھنے لگیں جیسے کہتی ہوں جو ہوا سو ہوا۔ اسے بھول جاؤ۔

مگر میں بھلا کیونکر بھول سکتی تھی۔ میرا تو ہر ہر زخم اس وقت ٹیسیں دے رہا تھا۔

"ہاں' یاد آیا نانی جان' آپ اور ممی ایک روز میرے بیمار بھائی کو ہسپتال لے گئی تھیں۔ پھر اسے واپس ہی نہیں لائیں۔ پتا ہے آپ کو اسے کیا ہو گیا تھا؟ وہ بیمار کیوں ہوا تھا؟ اور یہ تو آپ بتائیے کہ اس کی قبر کہاں ہے؟"

نانی جان کی آنکھوں میں ایک بار پھر وہی وحشت خیزی اُمنڈ آئی۔

میں دھیرے سے ہنسی اور میں نے نانی جان کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"پیاری نانی جان! آپ نے تو اپنے نوکروں پر یہ ظاہر کر رکھا تھا کہ آپ بالا خانے کے بے شمار چوہوں کو مارنے کے لئے انہیں زہریلا کھانا پہنچاتی ہیں پھر بھلا وہ باسکٹ آپ ہمیں کیوں دے جایا کرتی تھیں؟ کیا ہم بالا خانے کے چوہے تھے؟ اور نانی جان' وہ گلاب جامنوں پر سفید سفید سی چیز کیا چھڑکی ہوئی ہوتی تھی؟ فرحین کا پالتو چوہا ایک روز گلاب جامن کا ایک ٹکڑا کھلا دینے سے کیوں مر گیا تھا؟"

نانی جان کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ انہوں نے کچھ کہنے کو منہ کھولنا چاہا مگر ان کے منہ سے مبہم غرغراہٹ کے سوا کوئی بامعنی آواز نہ نکل سکی۔

"نانی جان! آپ کو پتا ہے' دھوپ' ہوا اور مناسب خوراک نہ ملنے کے سبب فرحین چھوٹی کی چھوٹی ہی رہ گئی تھی۔ سب اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے پھر ایک روز آپ کی [illegible] اسے ملیں اور جب [illegible] نے انہیں [illegible]

[illegible] ہاتھ بھٹک کر چلی گئیں۔ پھر آپ کو معلوم ہے کیا ہوا؟" میری آواز رندھ گئی اور میں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ "فرحین گلاب جامنیں اور سنکھیا خرید کر لائی اور.......... ہم چوری چھپے گلاب جامنوں پر سنکھیا چھڑک کر کھاتی رہی۔ آدھا کلو میں سے صرف دو [illegible] رہی تھیں۔ باقی سب وہ سنکھیا چھڑک کر کھا گئی تھی.......... پھر.......... پھر وہ بیمار پڑ گئی اور ایک روز.......... ایک روز حارث اور ڈیڈی کے پاس چلی گئی۔ اس کی موت کی ذمہ دار آپ کی بیٹی ہیں اور آپ بھی کہ اگر آپ نے ہمیں تین سال چار ماہ اور سولہ دن تک اس زنداں میں بند نہ رکھا ہوتا تو شاید وہ دھوپ' ہوا اور متوازن خوراک کی کمی کے باعث چھوٹی کی چھوٹی نہ رہ گئی ہوتی۔ اس زنداں میں گزارا ہوا ایک ایک دن مجھے یاد ہے.......... نانی جان۔ اور میں اپنے دل پر لگے ایک ایک گھاؤ کا گن گن کر بدلہ لوں گی۔"

نانی جان نے انتہائی خوفزدہ ہو کر ایک مرتبہ پھر نفی میں گردن ہلانے کی کوشش کی۔

[illegible] وہ کہنا چاہتی ہوں مجھے کچھ نہ کہنا۔

"نہیں نانی جان!" میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بات میری ذات کی ہوتی تو میں آپ کو بھی معاف کر دیتی اور شاید ممی کو بھی مگر.......... حارث اور فرحین کی موت کا بدلہ لینا مجھ پر فرض ہے۔ ان دونوں کی موت کا بدلہ لینے کی تو میں نے قسم اٹھا رکھی ہے۔ آپ کو اور ممی کو یہ قرض ادا کرنا ہو گا۔ حارث اور فرحین کی موت کا حساب لے کر رہوں گی میں۔"

نانی جان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ مجھے ان کی بے بسی پر ترس آنے لگا لیکن میں نے اپنی کمزوری پر جی ہی جی میں خود کو پھٹکارتے ہوئے نانی جان کو غضبناک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "نانی جان! آپ کے آنسو مجھے نہیں پگھلا سکتے۔ جس زنداں میں آپ نے ہمیں رکھا تھا اس کے در و دیوار گونگے نہ ہوتے تو آپ کو بتاتے کہ ہم نے کتنے آنسو بہائے تھے وہاں۔"

پھر میں نے اپنے بیگ میں سے وہ کوزا نکالا جو میں نے فرحین کی علالت کے دوران اس کے سر سے اترنے والے اس کے نرم و ملائم بالوں کو جمع کر کے اس کی موت کے بعد گوندھا تھا اور اسے نانی جان کی آنکھوں کے سامنے زور سے ایک جھٹکا دے کر بولی۔

"دیکھ رہی ہیں اس کوزے کو؟ یہ میں نے فرحین کے بالوں سے گوندھ کر بنایا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس ایک ایک بدھی کے بدلے جو کہ آپ نے میرے اور بھیا کے جسموں پر ڈالی [illegible] سو سو بدھیاں آپ کے [illegible] پر ڈال دوں [illegible] اس قرض کی وصولی کی بات کروں گی۔" یہ کہہ کر میں نے نانی جان کے سرہانے گدے کو ذرا سا اونچا کر کے کوزا اس کے نیچے دبا دیا پھر میں نے گدا درست کیا اور نانی جان پر جھک کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "آپ کے سرہانے دبا فرحین کے بالوں کا یہ کوزا آپ کو ان زیادتیوں کا احساس دلاتا رہے گا جو آپ نے ہمارے ساتھ روا رکھی تھیں۔ آپ کو آپ کے ان مظالم کی یاد دلاتا رہے گا جن کے نتیجے میں فرحین موت کی آغوش میں جا سوئی۔"

نانی جان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ ملتجی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ دفعتاً ان کے منہ سے وہی مبہم سی غرغراہٹ نکلی اور ان کی آنکھوں سے کچھ بے بسی سی جھلکنے لگی۔ پھر انہوں نے بستر پر پڑے پڑے پیشاب کر دیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بدستور رواں رہے۔

اوہ خدایا! کتنی بے بس پڑی تھیں وہ۔ ان کی بے بسی کے احساس سے میرا دل

دُکھنے لگا اور اس بار میں اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اپنی کمزوری پر قابو نہ پا سکی۔ [illegible]
جان کو جو ہڈیوں کا پنجر نظر آتی تھیں' اپنے بازوؤں میں اٹھا کر جوں توں میں نے آرام
کرسی پر ڈالا۔ ان کے نیچے بچھی پلاسٹک کو تولئے سے خشک کیا پھر نانی جان کے کپڑے
تبدیل کئے اور انہیں دوبارہ بستر پر لٹاتے ہوئے سوچا انسان بھی کس قدر احمق ہے! اپنی
ان قوتوں پر اتراتا ہے جو خدا کسی بھی لمحے اس سے چھین سکتا ہے۔ کاش! نانی جان نے ہم
پر ظلم و ستم روا رکھتے ہوئے ایک لمحے کو یہ سوچ لیا ہوتا کہ خدا ان سے ان کی قوت اور
اختیار سب کچھ چھین لینے پر قادر تھا۔ نانی جان کو ان کے بستر پر لٹانے' انہیں چادر
اوڑھانے اور ان کے گیلے کپڑے لپیٹ کر ملحقہ غسل خانے میں رکھنے کے بعد میں ان کے
پلنگ کے نزدیک ہی کرسی پر بیٹھ گئی اور تب مجھے احساس ہوا کہ یہ کمرہ تو غالباً وہی تھا جس
میں نانا جان نے اپنی زندگی کے آخری دن گزارے تھے۔ نانی جان بستر پر چت پڑی چھت
کو دیکھ رہی تھیں بے بسی کی انتہا تھی کہ وہ اپنی گردن کو جنبش دے کر دائیں بائیں دیکھنے
تک سے قاصر تھیں۔

ساڑھے بارہ بجے کے لگ بھگ مجھے دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی پھر علی
ضیاء کی آواز آئی۔ "زریں! بس اب بہت ہو چکا۔ اس سے زیادہ صبر نہیں کر سکتا میں۔"
میں اٹھی اور میں نے قفل گرا کر دروازہ کھول دیا۔

"ہو گیا تمہارا کام؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں .... بہت اچھی طرح۔" میں نے جواب [illegible]
[illegible] کہ تم نے مجھے یہ موقع فراہم کیا۔"

"زبانی کلامی شکریہ سے کام نہیں چلے گا۔"

"تو پھر؟"

وہ میرے روبرو' میرے بہت نزدیک آ رکا اور میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر
انتہائی محبوبیت سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "جانم! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اونہوں! تمہاری ساس دیکھ لیں گی۔"

اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر نانی جان پر ڈالی اور پھر میری جانب دیکھ کر مسکراتے
ہوئے بولا۔ "یہ تو صرف چھت کو تک سکتی ہیں۔"

مجھے یوں علی ضیاء کا نانی جان کا مذاق اڑانا اچھا نہ لگا اور میں نے کہا۔ "خدا کا خوف
کھاؤ۔ برا وقت آتے دیر نہیں لگتی۔" پھر میں تنبیہی لہجے میں بولی۔ "ویسے تم انہیں اتنا
بے ضرر بھی مت گردانو۔ یہ بخوبی سن سکتی ہیں اور اپنی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات

سے اپنے رد عمل کا اظہار بھی کر سکتی ہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے کہا اور اپنا بازو حمائل کر کے مجھے کمرے
سے باہر لے گیا۔

"علی! میں اس گھر کو دیکھنا چاہتی ہوں۔" میں نے فرمائش کی۔

"آؤ دکھاتا ہوں۔"

نادیر علی مجھے اس گھر میں گھماتا رہا۔ گھر کی نچلی منزلوں سے گزر کر جب ہم بالائی
منزل پر پہنچے تو علی ضیاء نے وہ زنداں کھول کر بتی جلائی تو میں یک بیک برسوں پیچھے
[illegible] ہوئی۔ مجھے یوں لگا جیسے حارث اور فرحین وہیں کہیں چھپے تھے اور ابھی کسی کونے
[illegible] سے مسکراتے ہوئے نکل آئیں گے اور میرے سامنے آ کھڑے ہوں گے۔

میں بالاخانے میں بھی گئی۔ وہ مصنوعی باغ جو ہم نے برسوں قبل وہاں آراستہ کیا تھا'
[illegible] اور گرد آلود حالت میں بدستور موجود تھا۔ الگنی پر بیٹھی کاغذی چڑیا' گلہریاں' بلی' کتا
[illegible] کر میرا کلیجا منہ کو آنے لگا۔ بالاخانے کا منظر گواہ تھا کہ ہمارے وہاں سے جانے کے بعد
[illegible] مداخلت کی گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ بالاخانے کی گرد آلود دیواروں میں سے ایک
[illegible] کی تہہ کے نیچے وہ تحریر بھی موجود تھی جو اس زنداں سے فرار ہوتے وقت میں نے
[illegible] کے ایک نکیلے پترے سے دیوار کی سفیدی پر کندہ کی تھی۔
جب ہم پہلی بار اس بالاخانے میں آئے تو ہم چار پھول تھے۔
[illegible] حارث' فرحین اور زریں۔
مگر یہاں سے جاتے ہوئے ہم تین رہ گئے ہیں۔

میرا دل اس خیال سے بے تحاشا دکھنے لگا کہ اب ہم تین بھی نہیں صرف' دو بہن
[illegible] رہ گئے تھے' ایک بھیا اور دوسری میں۔

وہ رات میں نے اس کمرے میں بسر کی' جس کے بارے میں اس کے بتائے بنا ہی
مجھے معلوم تھا کہ وہ اس گھر میں ممی کی اور اس کی خواب گاہ تھی۔ اس رات علی ضیاء نے
مجھ سے کہا۔ "زریں! میں اپنی بیوی کی واپسی سے قبل تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
مجھ سے شادی کے لئے علی ضیاء کا اصرار روز بروز بڑھتا چلا گیا اور میں مختلف نفسیاتی
[illegible] سے اس کی آتشِ شوق کو ہوا دیتی چلی گئی۔

ایک روز جب میں اس کے شوق کو اپنی دلبرانہ اداؤں سے مزید ہوا دینے کی کوشش
کر رہی تھی' اس نے میرے دونوں شانے اپنے ہاتھوں میں دبوچ لئے اور مجھے فیصلہ کن
[illegible] سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "زریں! مجھے تمہارے بطن سے اپنا وارث چاہئے۔"

وارث کی خواہش کا اظہار وہ قبل ازیں بھی بارہا کر چکا تھا مگر یہ بات اس نے پہلی مرتبہ کہی تھی کہ اسے اپنا وارث میرے بطن سے چاہئے تھا۔

"ممی سے انتقام لینے کی اس سے بہتر صورت اور کیا ہوگی کہ علی ضیاء کا وارث میرے بطن سے جنم لے۔" میں نے جی ہی جی میں سوچا۔

"آخر کوئی تو ہو جو میرے بعد میری نسل کی بقا کا ضامن اور میری جائیداد کا وارث بن سکے۔ میں بغیر وارث کے نہیں مرنا چاہتا۔" علی ضیاء نے کہا۔

علی ضیاء کے وارث کے، میرے بطن سے جنم لینے پر ممی تو پاگل ہو جائیں گی۔ اس خیال سے میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔

ممی کے خلاف جذبہ انتقام نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ میں اس سلسلے میں کچھ سوچنا سمجھنا نہ چاہتی تھی۔ میں تو بس اتنا جانتی تھی کہ ان کے دل پر پہلا بھرپور گھاؤ لگانے کا موقع آ پہنچا تھا۔

"علی!" میں نے شہد سے بھی میٹھے لہجے میں کہا۔ "مجھ سے شادی کے لئے تمہیں میری ایک شرط پوری کرنا ہوگی۔"

"سو شرطیں پوری کروں گا ڈارلنگ۔" علی ضیاء نے کہا۔

"مجھ سے شادی کرنے کے لئے تمہیں اپنی بیوی کو طلاق دینا ہوگی۔"

"بالکل دے دوں گا مگر تمہیں اس کی واپسی سے قبل مجھ سے شادی کرنا ہوگی۔"

"اگر تم میری شادی [illegible]"

"وہ آ تو جائے، اسے طلاق دے دوں گا۔"

میں نے مسکرا کر کچھ اس طرح سے علی ضیاء کو دیکھا جیسے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میں اتنی آسانی سے دام میں آنے والی نہیں۔ پھر میں نے کہا۔ "بس تو شادی بھی تبھی ہوگی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں تم سے شادی اس وقت کروں گی جب تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو گے۔ اس سے قبل ہرگز نہیں، کسی قیمت پر نہیں۔"

"میں وعدہ کر رہا ہوں زریں کہ جونہی وہ واپس آئے گی میں اسے طلاق دے دوں گا۔"

"علی جی! اسے طلاق دینے کے لئے اس کی واپسی کی شرط بھلا کیوں؟ عورت کو مرد اس کی عدم موجودگی میں بھی تو طلاق دے سکتا ہے.......... دے سکتا ہے نا؟"

"ہاں، دے تو سکتا ہے۔"

"تو تم اپنی بیوی کو طلاق دینا اس کی واپسی سے کیوں مشروط کرتے ہو؟" میں معنی خیز انداز میں مسکرائی پھر میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اگر تم اپنی بیوی کی واپسی سے قبل مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کی واپسی سے قبل اسے طلاق دینا ہوگی۔"

"آل رائٹ۔" اس نے کہا۔ "میں نے شیریں کو طلاق دی.......... میں نے شیریں کو طلاق دی.......... میں نے شیریں کو طلاق دی۔" پھر وہ میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر وارفتگی سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "بس خوش؟ شرعاً تو میں اپنی بیوی کو طلاق دے چکا۔ قانونی کارروائی اس کے آنے پر ہو جائے گی۔"

"نہیں، پہلے تمہیں اپنی بیوی کے نام طلاق نامہ تیار کروانا ہوگا پھر میں تم سے شادی کروں گی۔"

"تمہاری خاطر یہ بھی کر دوں گا۔" اس نے کہا۔

اور اگلے ہی روز اس نے ممی کے نام طلاق نامہ بھی مجھے لا دکھایا۔

اسی رات علی ضیاء نے چند قریبی دوستوں کی موجودگی میں مجھ سے نکاح کر لیا مگر ان دوستوں پر ممی کو طلاق دینے کا قصہ عیاں نہ کیا۔ نکاح سے قبل ہمارے درمیان دو باتیں طے پائیں۔ اول یہ کہ ممی کے آنے تک انہیں طلاق دینے کا قصہ مشتہر نہ کیا جائے گا اور ان کی طلاق کا قصہ عام ہونے تک ہمارا نکاح راز میں رہے گا۔ ڈاکٹر شعیب اور بھیا کے ... سے میں بھی اس معاملے میں رازداری برتنا چاہتی تھی۔

نکاح کے چند روز بعد ہی علی ضیاء نے میرے نام پر ایک لگژری فلیٹ خرید کر دیا اور میں اس میں منتقل ہو گئی۔ اپنی ملازمہ کو میں نے کاملاً اپنے اعتماد میں لے رکھا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک میں، علی ضیاء سے اپنے نکاح کی خبر کو عام نہیں کرتی، اس وقت تک وہ بھی اپنی زبان کو بند رکھے گی اور میرے پاس علی کی آمدورفت اور شب گزاریوں کو راز رکھے گی۔ علی رات کی تاریکی میں آتا اور صبح کے دھندلکے میں چلا جاتا۔ میں نے ممی سے ان کے شوہر کو چھین لیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں علی ضیاء کے وارث کی ماں بھی ضرور بنوں گی۔

☆------☆------☆

گیارہویں قسط کی ریکارڈنگ کے دوران مجھے ڈاکٹر شعیب کے فون سے اللہ رکھی کی شدید علالت کی خبر ملی۔ اس کا دماغ مفلوج ہو گیا تھا اور بستر مرگ پر بے ہوش و حواس پڑی تھی۔ میں چاہتی تو اسے دیکھنے کے لئے ایک پرواز سے کراچی جا کر دوسری سے واپس آ سکتی تھی مگر میں نے چاہتے ہوئے بھی وہاں جانے سے گریز کیا۔ میرے دل کا چور مجھے

ڈرا رہا تھا کہ اگر میں وہاں گئی تو ڈاکٹر شعیب میری آنکھوں سے میرے دل کا یہ راز لیں گے کہ میں وعدہ خلافی کی مرتکب ہوئی تھی اور میں نے ان سے کیا ہوا عہد توڑ کر کے بجائے علی ضیاء سے شادی کرلی تھی۔

بارہویں قسط کی ریہرسل کے دوران مجھے ماسی اللہ رکھی کے انتقال کی خبر ملی۔ ڈاکٹر شعیب نے پوچھا۔ "زریں' کیا تمہارا انتظار کیا جائے؟"

میرا بس نہ تھا کہ میں اڑ کر اس عورت کا آخری دیدار کرنے کو وہاں جا پہنچتی برسوں پہلے ایک روز گھنگھور اندھیاروں میں ہمارے لئے روشنی کی کرن بن گئی تھی۔ غیر ہوتے ہوئے بھی اپنی بن گئی تھی' جس نے ہمارے ہر راز کو اپنا جانا تھا۔ جس پر ہم آنکھیں بند کر کے بھروسہ کر سکتے تھے۔ جو ہماری کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ تھی!

"بولو زریں' تدفین کے لئے تمہارا انتظار کیا جائے یا نہیں؟" ڈاکٹر شعیب کی نرم رساں آواز میرے کان میں پڑی۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب۔" میں نے دھیرے سے کہا۔ "میرا انتظار نہ کیجئے گا' میں مصروف ہوں' نہ آسکوں گی۔"

"ایک فلائٹ سے آکر دوسری سے واپس چلی جانا۔"

"اب آنے کا فائدہ کیا ہے ڈاکٹر صاحب؟"

"ٹھیک ہے۔" وہ مایوس لہجے میں بولے۔

[illegible]

دلاسے دیتا رہا۔ "وفادار ملازموں سے اسی طرح انس ہو جایا کرتا ہے زریں۔ میں بھی ایک پرانے اور وفادار ملازم کی موت پر اسی طرح تڑپا تھا۔" اس نے کہا۔

کاش! میں اسے بتا سکتی کہ اللہ رکھی ہمارے لئے کیا تھی۔

علی ضیاء کو میں نے اپنا پس منظر مختصراً یہی بتا رکھا تھا کہ میں بیوہ تھی۔ والدین کا انتقال ہمارے بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ہماری دیکھ بھال ہمارے والد کے ایک عزیز نے کی تھی۔ ہم چار بہن بھائی تھے جن میں سے دو کا انتقال ہو چکا تھا۔ میرے بھائی اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں بیرون ملک مقیم تھے اور ہمارا کنبہ چار نفوس پر مشتمل تھا۔ میں' میرا بیٹا' بھائی اور ہمارے والد کے وہ عزیز جو والدین کے انتقال کے بعد ہمارے سرپرست رہے تھے۔

اللہ رکھی کی موت نے مجھے کئی روز اداس اور مضمحل رکھا۔

سیریل کی آخری قسط کی ریکارڈنگ کے بعد ڈاکٹر شعیب نے جو میرے لاہور آ

بعد ہفتے میں تین چار مرتبہ فون کرتے رہتے تھے' مجھ سے کہا۔ "زریں! بس اب فوراً گھر آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔"

"مجھے اگلی سہ ماہی کے لئے ایک نیا پائلٹ ریکارڈ کروانا ہے' ڈاکٹر صاحب۔" میں نے جھوٹ بولا۔

"پلیز! اب یہ سارے چکر چھوڑو اور گھر آجاؤ۔" وہ گڑگڑا کر بولے۔

"آجاؤں گی.......... آجاؤں گی ڈاکٹر صاحب۔" میں نے انہیں اطمینان دلانے کی کوشش کی مگر میرا دل اس خیال سے رو دیا کہ میری بدقسمتی' مجھے ایک مرتبہ پھر ڈاکٹر شعیب سے دور کھینچ لے گئی تھی۔

"خدایا! خدایا کب تک میں اس گرداب میں الجھی رہوں گی۔" میں نے ازحد دل گرفتگی سے سوچا۔

"زریں! مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم مجھ سے بہت دور نہ نکل جاؤ۔" وہ آزردگی سے بولے۔

"آپ فکر نہ کیجئے' میں کتنی ہی دور کیوں نہ نکل جاؤں۔ مجھے پلٹ کر آپ ہی کی طرف آنا ہے۔"

"تمہارے پاس وقت بہت ہے زریں اور میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"بس تھوڑی سی مہلت اور ڈاکٹر صاحب۔" میں نے انہیں دلاسا دینے کی کوشش

اسی روز علی ضیاء نے ملتان سے واپسی پر مجھ سے کہا۔ "خدا جانے کیا بات ہے زریں' جب سے تم شیریں کی والدہ سے مل کر آئی ہو' ان کے آنسو بہتے رہتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے انہیں مجھ سے آپ کی بے تکلفی دیکھ کر ملال ہوا ہو۔ وہ بول نہیں سکتیں مگر دیکھ اور سن تو سکتی ہیں۔ بھلا کون ماں اپنی بیٹی کے شوہر کو کسی دوسری عورت سے چہلیں کرتے دیکھ کر خاموش رہ سکتی ہے۔"

"خیر خاموش تو وہ ہیں۔"

"میرا مطلب تھا سکون سے رہ سکتی ہے۔" میں نے اپنے فقرے کی اصلاح کی۔

دو روز بعد ڈاکٹر شعیب نے پھر فون کیا۔ "عارف تمہاری طرف سے بہت فکرمند ہے زریں۔ کل اس کا فون آیا تھا۔ اسے تشویش ہے کہ کہیں تم لاہور میں رہتے ہوئے کوئی الٹا سیدھا قدم نہ اٹھا بیٹھو۔"

"اب جب ان کا فون آئے تو انہیں اطمینان دلا دیجئے گا کہ میری طرف سے کوئی

فکر' کوئی تشویش نہ کریں۔"

"تم گھر واپس کب آؤ گی زریں؟"

"نیا پائلٹ ریکارڈ کروانے کے بعد۔"

"اور وہ کب ریکارڈ ہو گا؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

"پھر بھی' کچھ تو اندازہ ہو گا۔"

"دو ہفتے بھی لگ سکتے ہیں' اس سے زیادہ بھی۔"

"آئی مس یو زریں۔" انہوں نے کہا۔

"میں بھی آپ کو بہت مس کرتی ہوں ڈاکٹر صاحب۔" میں بولی اور میرا یہ [illegible] بھی تھا' جھوٹ بھی! سچ اس اعتبار سے کہ ایک بار پھر میں اپنے اور ڈاکٹر شعیب [illegible] درمیان فاصلے پا کر خوش نہ تھی اور جھوٹ اس اعتبار سے کہ علی ضیاء کی منکوحہ کی [illegible] سے میں خاصی پُرتعیش زندگی بسر کر رہی تھی اور اکثر اس خیال سے انتہائی لطف اندوز ہو[illegible] کہ جب ممی واپس لوٹیں گی اور انہیں معلوم ہو گا کہ میں ان کے شوہر کو ان سے [illegible] چکی تھی' وہ اب ان کا نہیں رہا تھا' میرا بن گیا تھا تو وہ کس قدر تڑپیں گی! مجھے ممی کی واپسی کا انتہائی شدت سے انتظار تھا۔

ایک روز میں نے علی سے پوچھا۔ "ایک بات تو بتاؤ علی' تمہارے سسر نے [illegible] کی جب تک کہ اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہو؟"

میرے اس سوال پر علی ضیاء کے چہرے پر کچھ ایسی کیفیت ابھری جیسے میں نے [illegible] سے کوئی ایسا سوال کر لیا جو مجھے اس سے نہیں پوچھنا چاہئے تھا۔ پھر وہ بولا۔ "انہوں [illegible] یہ شرط اپنی بیٹی کو اس کی نوجوانی کی ایک خطا کی سزا دینے کے لئے عائد کی۔"

"کیسی خطا؟"

"سنا ہے میرے سسر کی ایک بہن ہوا کرتی تھی یعنی شیریں کی پھوپھی جس کی شادی [illegible] خاندانی دولت اور وقار کے بل بوتے پر ایک ایسے نوجوان سے ہوئی تھی جو عمر میں اس [illegible] سے بہت چھوٹا' وجیہہ و شکیل اور کافی پڑھا لکھا تھا۔ شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد ان [illegible] شیریں سے چکر چل گیا جس کی خوبصورتی کے اسیروں میں' میں بھی شامل تھا۔ شیریں [illegible] پھوپھا نے اس کی پھوپھی کو تو دی طلاق اور شیریں نے اپنے گھر سے فرار ہو کر اس [illegible] کورٹ میرج کر لی۔ شیریں کے والد نے اس شادی کو ختم کروانے کی بہت کوشش کی [illegible]

[illegible] نہ مانی۔ شیریں کی پھوپھی کو اتنا صدمہ ہوا کہ انہوں نے خودکشی کر لی۔ شیریں کے [illegible] نے اپنی بیٹی کو اور بہن کے سابقہ خاوند کو اس کی موت کا ذمہ دار سمجھتے ہوئے ان [illegible] سے دشمنی باندھ لی اور بیٹی کو عاق کر دیا۔"

"پھر؟"

"پھر شیریں اپنے باپ کے ڈر سے اپنے خاوند کے ساتھ کسی اور شہر میں جا بسی اور [illegible] پندرہ سولہ برس اس کا اپنے والدین اور احباب سے کوئی رابطہ نہ رہا۔" اس نے [illegible] کیا پھر بولا۔ "مجھ سے شادی کے بعد شیریں نے بتایا کہ کورٹ میرج کے بعد کچھ [illegible] تو وہ دونوں کوئٹہ میں رہے پھر کراچی جا بسے اور برسوں تک وہیں رہتے رہے۔"

"اس کے بعد کیا ہوا؟" میں نے خاصے اشتیاق سے پوچھا۔

"اس کے بعد شیریں کا شوہر ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا اور وہ اپنے والدین کے گھر واپس لوٹ آئی۔"

"تم سے ملاقات کیونکر ہوئی؟"

"مجھ سے؟" اس کے لبوں پر خفت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں اس پر اپنی نظریں مرکوز کئے ہمہ تن گوش تھی۔

"شیریں کے دو بھائی ہوا کرتے تھے۔ میری ان میں سے ایک سے دوستی تھی۔ خدا [illegible] کرے بے چارے دونوں ہی اس دنیا میں نہیں رہے۔ شیریں کا بھائی میرے ساتھ [illegible] کرتا تھا اور اس دوستی کے ناطے میرا ان کے ہاں آنا جانا تھا۔ اسی آمدورفت کے نتیجے [illegible] شیریں سے میری لائن مل گئی۔ وہ ان دنوں بلا کی خوبصورت ہوا کرتی تھی اور ایک [illegible] ہی نہیں' جو مرد بھی اسے دیکھتا اس پر مرمٹتا تھا............"

"یعنی تم بھی مرمٹے تھے؟" میں نے شرارتاً مداخلت کی۔

"ہاں' بس یہی سمجھو۔" وہ نظریں چرا کر بولا۔

"پھر؟"

"پھر جب وہ اپنی مرضی سے شادی کرنے کے لئے گھر سے بھاگ لی تو ہم جیسے پنکھ[illegible]دوں نے بھی اپنی اپنی راہ لی۔ میں اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں امریکا گیا اور وہیں کا ہو [illegible]"

"کہیں اور دل لگایا؟"

"بخدا نہیں!" وہ بلاتوقف بولا۔

"یعنی شیریں بیگم تمہارا پہلا اور آخری عشق تھیں؟"

"پہلا ضرور مگر آخری ہرگز نہیں۔"

"اچھا خیر' پھر کیا ہوا؟"

"اپنے شوہر کے انتقال کے بعد جب شیریں اپنے والدین کے گھر واپس آئی تو اس کی والدہ نے مجھے خط لکھا جن سے میرے مراسم اس کی شادی کے بعد بھی برقرار تھے۔ اس کی واپسی کی خبر سن کر وطن آیا تو اس سے میری شادی ہو گئی۔ مگر شادی کے وقت مجھے یہ علم نہیں تھا کہ میرے سسر نے اپنے وصیت نامے میں بیٹی پر لاولد رہنے کی شرط عائد کر رکھی تھی۔"

علی ضیاء کا یہ انکشاف کہ ہمارے ڈیڈی اور ممی میں پھوپا اور بھتیجی کا رشتہ ہے، ایک ایسا تحیر انگیز انکشاف تھا جس نے میرے دل و دماغ میں تیز و تند جھکڑوں کا طوفان برپا کر دیا تھا۔ ڈیڈی سے نانی جان کی شدید نفرت کی وجہ اب میری سمجھ میں آ گئی تھی۔

"اخبارات و رسائل نے شیریں بیگم کی تصویریں تو بہت چھاپیں' ان کے ماضی کی داستان کبھی نہیں چھاپی' آخر کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"میں ایک قانون داں ہوں اور میری یہ حیثیت بڑے بڑوں کو مجھ سے خائف رکھتی ہے۔"

"ایک بات تو بتاؤ۔" میں نے کہا۔ "اگر تمہیں شادی سے قبل اپنے سسر کی اس شرط کا علم ہو جاتا تو کیا تب بھی تم اسی عورت سے شادی کرتے۔"

[illegible]

"اس کی دولت کی خاطر! ہے نا؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" وہ بڑے شد و مد سے بولا۔ "میں نے اس سے اس کی دولت کی خاطر شادی ہرگز نہیں کی تھی۔"

"تو پھر؟"

"مجھے اس سے محبت تھی اور محبت اندھی ہوتی ہے۔"

"اندھی تو خیر نہیں ہوتی........ میں نے اخبارات میں محترمہ کی تصویریں دیکھ رکھی ہیں۔ ان کے خوبصورت ہونے میں تو کوئی کلام نہیں۔"

"بہر حال میں نے شیریں سے اس کی دولت کی خاطر شادی ہرگز نہیں کی تھی۔" علی ضیاء نے توقف کیا پھر بولا۔ "میں خود جدی پشتی کھاتے پیتے گھرانے کا فرد ہوں۔ مجھے شیریں کی دولت کا کوئی لالچ نہیں تھا البتہ اس سے محبت تھی۔"

"ٹھیک ہے' میں تمہاری یہ بات مان لیتی ہوں اور یہ بھی تسلیم کہ تمہیں شادی

اپنے سسر کی اس شرط کا علم نہیں تھا جو انہوں نے اپنے وصیت نامے میں درج کرا رکھی تھی لیکن........ اگر تمہیں واقعی شیریں کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور تم وارث کے متمنی بھی تھے تو تم نے شادی کے بعد اپنی بیوی کو باپ کی جائیداد سے دستبردار ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"کون کہتا ہے نہیں کی؟" وہ بولا۔ "میں نے تو شیریں کو بہت سمجھایا مگر........"

"مگر کیا؟"

"وہ کسی صورت آمادہ نہ ہوئی۔"

"یعنی اولاد کی خاطر دولت چھوڑنے پر؟"

"ہاں' یہی سمجھو۔"

"تو تم نے اسے چھوڑنے میں اتنی دیر کیوں کی؟"

"کیونکہ مجھے اس سے محبت تھی۔"

"اب اس محبت کا کیا حال ہے؟"

"بدستور ہے بلکہ اس میں پہلے کی نسبت زیادہ شدت آ گئی ہے۔"

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ یہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

وہ دھیرے سے مسکرا دیا پھر مجھے محبوبانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم حیرت انگیز حد تک شیریں سے مشابہت رکھتی ہو زریں بلکہ کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم [illegible] جیسے شیریں میرے پاس ہے۔ تم سے شادی کرنے کا بڑا سبب یہی ہے کہ تم بالکل اس کی طرح ہو اور مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں نے اسے کھو کر بھی کھویا نہیں ہے۔"

"اگر میں شیریں سے مشابہہ نہیں ہوتی تو کیا تم مجھ سے شادی نہ کرتے؟"

"شاید........ نہیں۔"

مجھے اس خیال سے اذیت پہنچی کہ اس نے مجھ سے شادی محض اس غیر معمولی مشابہت کی بنا پر کی تھی جو میرے اور ممی کے درمیان تھی پھر میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ آخر اپنی بیٹی پر ایسی شرط عائد کر کے آپ کے سسر صاحب بیٹی کو کس قسم کی سزا دینا چاہتے تھے۔ ٹھیک ہے اس نے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کر کے ان کی دل آزاری کی مگر اس غلطی کی سزا وہ کچھ اور بھی تو دے سکتے تھے۔"

"شیریں کے والد آمر اور جابر قسم کے آدمی تھے۔ انہوں نے بیٹی کو ایسی سزا دی جو

تاحیات اس کے ساتھ چلتی رہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ماں بننا ہر عورت کی فطری خواہش ہوتی ہے۔ کسی شادی شدہ عورت کا قدرتی طور پر ماں بننے سے محروم رہنا دوسری بات ہے لیکن اگر کوئی شادی شدہ عورت خود یہ فیصلہ کرتی ہے کہ وہ کبھی ماں نہیں بنے گی تو یہ فطرت سے انحراف ہے اور فطرت سے انحراف انسان کو پارہ پارہ بھی کر سکتا ہے۔"

"تمہاری سابقہ بیگم کا کیا حال رہا؟" میں نے لفظ "سابقہ" پر بطور خاص زور دینے کی کوشش کی۔ "کیا فطرت سے انحراف نے انہیں پارہ پارہ کیا؟"

"وہ تو اس معاملے میں انتہائی بلکہ حیرت انگیز حد تک پُراستقامت ثابت ہوئی۔"

"کہیں اس لئے تو نہیں کہ ان کی اس فطری خواہش کی تسکین ہو چکی ہو؟" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے' پہلے شوہر سے ان کی کوئی اولاد ہو جسے انہوں نے چھپا رکھا ہو۔"

"نہیں.......... ہرگز نہیں.......... ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے بڑے شدومد سے میری بات رد کر دی۔

[illegible] پر زور تردید بھلا کیونکر کر سکتے ہو؟" میں نے [illegible] ٹیڑھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جانم!" علی ضیاء نے مجھے بڑی محبوبیت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں [illegible] کوئی عورت ماں بننے سے تو احتراز کر سکتی ہے مگر ماں بن جانے کے بعد ماں کہلانے سے انکار نہیں کر سکتی۔"

"خود غرض ماں یہ بھی کر سکتی ہے۔" میرے لہجے میں جہاں بھر کی تلخی سمٹ آئی۔

"تو پھر وہ ماں نہیں کہلائے گی۔ اسے تو کوئی اور نام دیا جانا چاہئے۔"

"ڈائن!" میں نے بلا زور رعایت کہا۔

کاش' میں علی ضیاء کو بتا سکتی کہ ممی بے اولاد نہیں تھیں!

☆-------☆-------☆

آخرکار ممی واپس آ گئیں۔ میں تو چاہتی تھی کہ علی ضیاء ان کے واپس لوٹنے [illegible] قانونی طور پر بھی ان کی چھٹی کرے اور میں ممی کے سامنے جا کر کہہ سکوں کہ دیکھو [illegible]

[illegible] وہ عورت جس کی خاطر تمہارے شوہر نے تمہیں طلاق دی ہے مگر علی نے ممی کو [illegible] کے سلسلے میں قانونی کارروائی کے لئے چند روز کی مہلت چاہی۔

ڈاکٹر شعیب بلاناغہ فون کر رہے تھے اور مجھے گھر واپس بلانے کے لئے ان کا اصرار [illegible] چلا جا رہا تھا۔ میں کافی دن تک آئندہ سہ ماہی کے لئے ایک نئی سیریل کے پائلٹ کی [illegible] میں مصروفیت کے بہانے انہیں ٹالتی رہی مگر کب تک؟ آخرکار ایک روز انہوں نے [illegible] وارننگ دے دی۔ "مجھے لگتا ہے تمہیں لینے کے لئے مجھے وہاں آنا پڑے گا۔"

"نہیں نہیں۔" میں گھبرا کر بولی۔ "آپ یہاں نہ آئیں' میں خود آ جاؤں گی۔"

"زریں! میری چھٹی حس کہتی ہے کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ تمہیں راحیل کی قسم' بتا دو [illegible] بات ہے؟" اوہ! یہ کیسی قسم دے دی تھی انہوں نے مجھے!

"پلیز' بتا دو بات کیا ہے۔" وہ مجھے گنگ پا کر بولے پھر انہوں نے دلسوز لہجے میں [illegible] "دیکھو' علی ضیاء اور اپنی ممی سے ٹکر لینے کی کوشش مت کرنا۔"

"ڈاکٹر صاحب۔" میں نے دھیرے سے کہا۔ "ممی سے تو اس مرتبہ میں نے ایسی ٹکر [illegible] ہے کہ وہ ساری زندگی یاد رکھیں گی۔" مجھے اپنی رگوں میں خون کا دباؤ بڑھتا ہوا محسوس [illegible] اور میں نے تلخی سے کہا۔ "ممی روئیں گی' چلائیں گی' تڑپیں گی اور کوئی انہیں تسلی [illegible] والا نہ ہوگا۔ میں نے ان کا دل نوچ لیا ہے ڈاکٹر صاحب' میں نے.......... میں نے [illegible] سے ان کے شوہر کو چھین لیا ہے۔"

[illegible]

ان کے استفسار اور اصرار پر مجھے انہیں علی ضیاء سے اپنے نکاح کا قصہ بتانا ہی پڑا۔

"یہ تم نے کیا کیا زریں؟ کیا تم نے کسی سے مشورہ کیا تھا؟ کسی عالم سے فتویٰ لیا کہ [illegible] اپنی والدہ کو طلاق دلوا کر اپنے سوتیلے باپ سے نکاح کر لینا جائز بھی ہے یا نہیں؟"

اوہ! میں چونکی۔ اس نکتے پر تو میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟"

"بھئی یہ شرعی مسئلہ ہے' کوئی مفتی ہی فتویٰ دے سکتا ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ [illegible] سے قاصر ہوں۔"

میں تشویش میں پڑ گئی پھر میں نے ان سے کہا۔ "بھیا کا فون آئے تو آپ ان سے [illegible] ذکر مت کیجئے گا اس سلسلے میں۔"

"سوری زریں' میں تم سے کوئی ایسا وعدہ نہیں کرنا چاہتا جس کا پابند نہ رہ سکوں۔ [illegible] عارف کو خود تو فون نہیں کروں گا البتہ اگر اس نے فون کیا تو اسے بتائے بغیر نہ رہ

سکوں گا۔ اسے بتانا ضروری بھی ہے۔"

"پلیز! پلیز! ایسا مت کیجئے گا ورنہ بھیا فون پر ہی مجھے خوب لتاڑیں گے۔" میں [illegible]
ڈاکٹر شعیب سے کہا۔

ڈاکٹر شعیب نے معذرت کر لی اور جب بھیا کا فون آیا تو انہیں یہ بتا دیا کہ میں [illegible]
ممی کو علی ضیاء سے طلاق دلوا کر خود اس سے شادی کر لی تھی۔ بھیا نے مجھے فون [illegible]
جو مجھ سے ان کی غیر معمولی ناراضگی کا اظہار تھا۔

ڈاکٹر شعیب نے جس نکتے کی جانب میری توجہ مبذول کرائی تھی وہ انتہائی اہم [illegible]
جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا۔ اگر علی ضیاء سے میرا نکاح ناجائز تھا بھی تو میں اس کا [illegible]
بھی ممی کو سمجھتی تھی۔ ان کے خلاف جذبۂ انتقام نے مجھ سے ایسا کرایا تھا۔ میں نے [illegible]
کیا وہ اگر غلط تھا تب بھی میں ممی کو بہرحال طلاق کا صدمہ پہنچا کر انہیں تڑپتے ہو [illegible]
چاہتی تھی۔

علی ضیاء نے چند روز کی جو مہلت چاہی تھی وہ بڑھتے بڑھتے ہفتوں میں بدل [illegible]
تھی۔ ممی کو شرعاً طلاق دے چکنے کے باوجود بھی وہ ان کے ساتھ رہتا رہا۔ میں جب [illegible]
اس سے ممی کو طلاق نامہ دینے کی بات کرتی اور اس طلاق کا اعلان کر دینے کا تقاضا کرتی [illegible]
کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتا۔ مجھے اس کا تردد گراں گزرنے لگا اور میں نے اس سے دو ٹوک
بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"[illegible]
مقرر ہوا تھا اور اسے طلاق دینے کی صورت میں مجھے اس کا مہر بھی ادا کرنا ہوگا۔"

"تو کیا ہوا' کر دینا۔"

"ڈارلنگ! پچاس لاکھ روپے کا مطلب ہے نصف کروڑ۔ جانتی ہو نصف کروڑ [illegible]
بڑی رقم ہوتی ہے؟"

"جانتی ہوں۔" میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

وہ میرے گھورنے پر مسکرا دیا اور مجھے اپنی بانہوں کے حصار میں لیتے ہوئے بولا۔
"کیا ضروری ہے کہ میں شیریں کو طلاق دوں۔ دو بیویاں بھی تو رکھ سکتا ہوں بلکہ اسلام [illegible]
دو سے زیادہ کا حق دیتا ہے مردوں کو۔"

"مگر تم اپنی بیوی کو شرعاً تو طلاق دے چکے ہو۔" میں نے اسے پھٹی پھٹی آنکھوں
سے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ ہنس دیا اور بولا۔ "جانِ من! ہر روز اس شہر ہی میں نہ جانے کتنی طلاقیں ہو [illegible]

[illegible] ہیں مگر میاں بیوی پھر بھی ساتھ رہتے ہیں۔"

[illegible] دم بھر کو تو مجھے یوں لگا جیسے میں عورت نہیں بلکہ کوئی بے بس چڑیا تھی جو صیاد کے
[illegible] گرفتار ہونے کے بعد کسی قفس میں ڈال دی گئی تھی۔

"علی! تم......... تم قانون داں ہو کر ایسا کہہ رہے ہو!" میں نے گھائل لہجے میں

وہ یوں مسکرا دیا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی تھی پھر بولا۔ "ڈارلنگ!
[illegible] زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آتے ہیں جب سارے اصول' سارے ضابطے
[illegible] اور قانون دھرے رہ جاتے ہیں اور ہم وہی کرتے ہیں جو مصلحت کا تقاضا ہوتا

میں تڑپ کر علی ضیاء کے بازوؤں کے حصار سے نکل آئی اور اسے تنبیہی تیوروں
سے دیکھ کر بولی۔ "علی! تم اپنی بیوی کو طلاق دے چکے ہو۔ مجھ سے اپنے نکاح کا اعلان کرو
[illegible] لیکن اپنی بیوی کی طلاق کا اعلان کرنا ہوگا ورنہ........"

"ورنہ کیا؟" وہ ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"ورنہ میں جس خاموشی سے تمہاری زندگی میں آئی ہوں' جاؤں گی اس خاموشی
[illegible] نہیں۔"

اس کے تیور یک بیک بدل گئے۔

"[illegible]

"میں اس سے بھی زیادہ کر سکتی ہوں علی ضیاء۔"

وہ ہنس دیا اور مجھے استہزائیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولا۔ "اچھا! ذرا
[illegible] تو کیا کر سکتی ہو تم؟"

"پہلے تو میں سنوں کہ تم مجھ سے انتہائی توقع کیا رکھتے ہو؟"

اس نے تحقیر سے مجھے دیکھا اور بولا۔ "زیادہ سے زیادہ یہی کہ تم اخباروں میں یہ
[illegible] دو گی کہ میں نے تم سے چوری چھپے شادی کر رکھی ہے۔" اس نے توقف کیا پھر بولا۔
[illegible] اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ اس شہر میں نہ جانے کتنے مردوں نے اپنی
[illegible] سے چوری چھپے دوسری بلکہ تیسری' چوتھی عورت بھی رکھی ہوئی ہے۔"

"میں رکھیل نہیں ہوں علی ضیاء! تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔"

"کیا.........؟" علی ضیاء نے حیران ہو کر مجھے دیکھا۔

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "تمہارے پاس تو اتنی فرصت تھی نہیں کہ مجھے ڈاکٹر

پاس لے جاسکتے۔ مجھے خود ہی جانا پڑا اور یہ بات آج ہی کنفرم ہوئی ہے۔"

"اوہ! آئی ایم سو ہیپی۔" وہ دونوں بانہیں وا کئے والہانہ انداز میں میری طرف بڑھا مگر میں اس سے دور ہٹ گئی۔

قفس میں پھنس جانے کا خیال میرے دل سے جاتا رہا تھا۔ اب میں علی ضیاء کو فتح مند اور پرغرور نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اگر تمہیں اپنا وارث چاہئے تو تمہیں اپنی بیوی کو طلاق نامہ دے کر طلاق کا اعلان کرنا ہوگا۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"یہ ممکن نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ مشکل ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"افسوس کہ میں نے تمہاری زبان کا اعتبار کیا۔" میں نے ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

مسکراتے ہوئے وہ میری جانب بڑھا مگر میں پھر اس سے پرے ہٹ گئی۔

"ڈارلنگ! شیریں تو آج صبح ملتان چلی گئی ہے۔ آئندہ ہفتے عید ہے اور ہر سال کی طرح اس سال بھی وہ عید کے دوسرے دن اپنی محل نما آبائی حویلی میں ایک شاندار پارٹی منعقد کرے گی۔ اس مرتبہ یہ جشن اس لحاظ سے دو آتشہ ہوگا کہ وہ اسے اپنی [illegible] بڑھاپے کی ایک علامت نظر نہیں آتی اب اس کے چہرے پر! شیریں تقریب کے انتظامات کے سلسلے میں مجھے بھی اپنے ہمراہ لے جانا چاہتی تھی مگر میں دفتری مصروفیات کا بہانہ بنا کر رک گیا۔ آخری روزے کو ملتان کے لئے روانہ ہوں گا۔"

وہ پھر میری طرف بڑھا مگر میں نے بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اسے دیکھا اور بولی
"مجھے چھونے کی کوشش مت کرو۔"

"تم میری بیوی ہو۔" اس نے حق جتایا۔

کاش میں اسے بتا سکتی کہ جس عورت کو شرعاً طلاق دے چکنے کے باوجود ہنوز اس سے اپنے تعلقات برقرار رکھے ہوئے تھا اس کی نسبت سے میرا اس سے کیا رشتہ بنتا تھا۔

"میں تمہیں شیریں سے زیادہ چاہتا ہوں زریں۔" اس نے پھر پیش قدمی کی۔

اس بار میں اپنے بیڈروم کی جانب دوڑی اور میں نے اپنی ملازمہ کو راحیل کے ساتھ دوسرے کمرے کے دروازے کی آڑ میں کھڑے دیکھا۔ بیڈروم کا دروازہ بند کر کے

اوندھے منہ بستر پر گر پڑی اور بلک بلک کر رونے لگی۔ تادیر اس دروازے پر دستک ہوتی رہی مگر میں نے دروازہ نہیں کھولا۔

پھر بہت دیر تک سناٹا چھایا رہا۔

رات سوا گیارہ بجے کے لگ بھگ مجھے علی ضیاء کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔
"مجھے افسوس ہے کہ تم نے مجھے عید کے وہ تحائف جو میں تمہارے، راحیل اور سلیمہ کے لئے لایا تھا، کھول کر دکھانے کی اجازت ہی نہیں دی اور میرے آتے ہی ایک معاملہ چھیڑ دیا۔ خیر، اب میں جا رہا ہوں اور اب عید کے بعد ملتان سے واپسی پر ہی ملاقات ہوسکے گی۔ دو بیویوں والے شوہر کی بقا اور عافیت اسی میں ہے کہ کوئی ایک اس سے خوش رہے۔" پھر اس نے ملازمہ سے بہ آواز بلند کہا۔ "سلیمہ، دروازہ بند کر لو۔"

تھوڑے توقف سے اپارٹمنٹ کا بیرونی دروازہ کھلنے پھر بند ہونے کی آواز سنائی دی مگر میں نے اپنے کمرے کا دروازہ اس وقت تک نہیں کھولا جب تک سلیمہ نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر یہ نہ کہہ دیا کہ علی چلا گیا تھا۔

وہ رات میں نے بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے گزاری۔

میں سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ علی ضیاء میرے اعتماد کو اس بری طرح دھوکا دے گا۔ میری کیفیت ہارے ہوئے جواری کی سی تھی۔

[illegible] آنکھیں [illegible] انگاروں پر لوٹتی رہی اور اس شب بیداری کے دوران میں نے تہیہ کر لیا کہ اپنی اس ہار کو جیت میں بدل دوں گی۔

☆------☆------☆

اگرچہ میں اپنے، راحیل اور سلیمہ کے لئے عید کے کپڑے پہلے ہی خرید کر سلوا چکی تھی مگر اگلے دو تین دن میں، میں اپنے لئے ایک مخصوص ملبوس کی تیاری، اپنے ذہن کے گوشوں میں موجود ماضی کی یادوں کے حوالے سے مخصوص وضع کے زیورات کے انتخاب اور مصنوعات آرائش حسن کی خریداری میں مصروف رہی۔

عید کی صبح پہلی ٹیلی فون کال ڈاکٹر شعیب کی جانب سے موصول ہوئی۔

"عید مبارک!" انہوں نے کہا۔

"آپ کو بھی عید مبارک ہو!" میں نے جواباً کہا۔

"خدا کرے تمہیں اتنی بہت سی خوشیاں ملیں کہ تم اپنا ہر دکھ بھول جاؤ۔"

میرا جی بھر آیا۔ کیسے بتاتی انہیں کہ دکھ تو ہر قدم پر میرا گھیراؤ کرنے کو تیار رہتے تھے!

کیسے بتاتی کہ ایک بہت بڑی بازی ہار کر بیٹھی تھی اور ایک نئی بازی پر اپنی ... پونجی داؤ پر لگانے جارہی تھی!

"کیا بات ہے' آج تمہاری آواز میں لرزش کیوں ہے؟" وہ بولے۔

"نہیں.......... نہیں تو۔" میں نے اپنی آواز کی لرزش کو دباتے ہوئے اور ... پیتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک تو ہو نا؟"

"جی' بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اور خوش بھی؟"

خوشی میرے مقدر میں کہاں تھی! "جی ہاں' بہت خوش۔" میں نے جھوٹ ...

"آپ کیسے ہیں؟"

"تنہا اور اداس۔"

میرا جی پھر بھر آیا۔

"راحیل بیٹے سے بات نہیں کراؤ گی؟"

"ہولڈ کیجئے' بلاتی ہوں۔"

جتنی دیر انہوں نے راحیل سے بات کی' اس دوران میں اپنی جذباتی کیفیت پر ... پانے کی کوشش کرتی رہی۔ ان سے دوبارہ بات ہوئی تو وہ بولے۔ "ایک اہم خبر سناؤں؟"

"ضرور۔"

"عارف آرہا ہے۔"

"سچ! کب؟"

"دن تاریخ تو اس نے نہیں بتایا لیکن بہت جلد پہنچے گا۔ جب سے اسے علی ... سے تمہارے نکاح کی خبر ملی ہے' وہ کافی بے چین ہے یہاں آنے کو۔"

"کاش! آپ انہیں نہ بتاتے۔"

"بتانا ضروری تھا زریں۔ خدانخواستہ تم کسی مشکل میں پڑ جاؤ تو وہی تمہارا ... دہندہ بن سکتا ہے۔ میں اسے نہ بتاتا اور تم کل کلاں کو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتیں ... وہ مجھ سے شکوہ کرتا بلکہ جواب طلبی کا حق رکھتا۔"

"خدایا! خدایا! مجھے کل رات تک کی مہلت اور چاہئے۔" میں جی ہی جی ... گڑگڑائی۔

کل رات میں اپنی حقیقی زندگی میں ایک اہم بہروپ بھرنے جارہی تھی۔

...ن بھر احباب کے فون آتے رہے۔ عید مبارک! عید مبارک! ہر لب پر بس یہی ...صدا تھی۔ راحیل بار بار بالکونی میں جا کھڑا ہوتا اور روز عید کے نظاروں سے کبھی ...بھی دلگیر دکھائی دینے لگتا۔ شام کو میں اور سلیمہ اسے گھمانے پھرانے کے لئے باہر ... گئے۔

رات کو علی ضیاء کا فون آیا۔

"عید مبارک ڈارلنگ!"

میں چپ رہی۔

"مجھے عید مبارک کہو۔ دیکھو' تمہیں فون کرنے کے لئے کتنی دور آیا ہوں۔ وہاں ...سے تو نہیں کر سکتا تھا۔ پہرے لگے تھے۔ شیریں سائے کی طرح ساتھ ساتھ تھی۔ ...وقت بھی اپنے ایک دوست کو کل کی عید ملن کا دعوت نامہ پہنچانے کے بہانے نکل پایا ...اور بہت دور ایک کال آفس سے تمہیں فون کر رہا ہوں۔"

"تف ہے تم پر علی ضیا! اتنے ڈرتے ہو تم اس عورت سے۔" میں جی ہی جی میں ...اور میں نے چپ چاپ ریسیور واپس رکھ دیا۔

"علی ضیاء تم سے اور ممی سے تو کل سامنا ہوگا۔" میں ریسیور کو دیکھتے ہوئے زیر لب ...ال۔

☆------☆------☆

...سلیمہ کو یہ سمجھانے کے بعد کہ کم از کم دو دن ملتان میں رہوں گی' اگلی صبح میں اپنے ...اوری اسباب کے ساتھ ملتان جانے کے لئے روانہ ہوئی۔ وہاں پہنچنے کے بعد میرا ...پروگرام میرے ذہن میں قطعاً واضح تھا۔ ملتان پہنچنے کے بعد میں نے اعلیٰ درجے کے ایک ...ہوٹل میں قیام کیا۔ ہوٹل کی انتظامیہ کے توسط سے کرائے پر ایک کار حاصل کی اور ...شام اس علاقے کا چکر لگایا جہاں نانی جان کا گھر تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہاں عید ...پارٹی منعقد ہو بھی رہی تھی یا..........! نانی جان کا گھر بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ احاطے کی ...دیواریں بیرونی رخ پر رنگین قمقموں کی جھالروں سے مزین تھیں۔ جھاڑ جھنکاڑ بھی رنگ ...رنگ قمقموں سے آراستہ تھے۔ احاطے میں تنے وسیع و عریض پنڈال نے تقریب کے ...انعقاد کی گواہی دی۔ میرے لئے بس اتنا ہی جان لینا کافی تھا۔

ہوٹل واپس پہنچنے کے بعد میں نے کار ڈرائیور کو نو بجے شب تک ہوٹل کے باہر ہی ...انتظار کرنے یا پھر دوبارہ واپس آکر مجھے نو بجے کے لگ بھگ اطلاع کرنے کی ہدایت کی۔

نو بجے میں ممی اور علی ضیاء کی عید ملن پارٹی میں جانے کے لئے ہمہ تن آراستہ

تھی۔ گو میرے زیورات ذرا مختلف تھے لیکن میرا لباس' بالوں کی آرائش اور
گواہی دے رہے تھے کہ میں مجسم ممی کی جوانی دکھائی دے رہی تھی۔ پوری طرح
ہونے کے بعد آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے میں اپنے آپ
نہیں' برسوں قبل نانی جان کے گھر میں منعقد ہونے والی اس عید ملن تقریب میں
دیکھ رہی تھی جس کا نظارہ ممی کی کرم فرمائی سے بھیا نے اور میں نے شرکائے تقریب
نظروں سے چھپ کر' تاریکی میں رہ کر دور دور سے کیا تھا۔ ممی کی طرح میں نے
سراپا لیونڈر کی خوشبو میں بسا رکھا تھا۔ میری سینڈلیں اور میرا پرس بھی اگر بعینہٖ
نہیں تو بڑی حد تک ویسے ہی ضرور تھے۔

نو بج کر تین منٹ پر مجھے ہوٹل کی استقبالیہ سے انٹرکام پر اطلاع دی گئی کہ
میرا منتظر تھا۔

اس سج دھج کے ساتھ جب میں ہوٹل میں اپنے کمرے سے نکلی تو راہداری
زینے تک اور زینے سے کار پارکنگ تک لوگوں کی نگاہیں میرا تعاقب کرتی چلی
ڈرائیور جو شام کے وقت مجھ سے ٹی وی فنکارہ ہونے کی تصدیق لے چکا تھا' اس
میری سج دھج دیکھ کر پہلے متحیر ہوا پھر میرے رعب حسن سے مرعوب دکھائی دینے لگا
نے اسے اسی علاقے میں چلنے کی ہدایت کی جہاں ہم شام کو چکر لگا آئے تھے۔

نانی جان کے گھر کے باہر گاڑیوں کا اژدہام تھا۔ میں نے اپنی گاڑی اس اژدہام
[illegible]
صدر دروازے پر ان کے استقبال کا منظر دیکھتی رہی۔ اپنی گاڑی کے ڈرائیور کو کسی
شبے میں نہ پڑنے دینے کی خاطر میں نے اس سے کہا۔ "میں دیر سے پہنچنا چاہتی ہوں
مجھے مداحوں کے ہاتھوں زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے۔" میں نے اسے بے تکلفی کا
فراہم کیا تو وہ بہانے بہانے ہمکلام ہونے کی کوشش کرتا رہا۔

ساڑھے دس بجے تک مہمانوں کی آمد کا سلسلہ برائے نام رہ گیا۔ غالباً بیشتر مدعو
پہنچ چکے تھے۔ صدر دروازے پر متعین باوردی ملازمین بھی اِدھر اُدھر ہو چکے
سازینے کی لَے باہر تک سنائی دے رہی تھی۔ میں نے ڈرائیور کو گاڑی صدر دروازے
تک لے جانے کی ہدایت کی۔ اس نے میری ہدایت کی تعمیل کی۔ گاڑی سے اترنے
قبل میں نے ڈرائیور کو ہدایت کی کہ وہ میری واپسی تک میرا انتظار کرے۔

اپنا ریشمی ملبوس سنبھالتی میں گاڑی سے اتری اور پُروقار چال چلتی پنڈال
پہنچی۔ پنڈال جگمگا رہا تھا۔ روشنیوں' رنگوں' حسین چہروں اور دھنک رنگ آنچلوں

فانوس ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ سبزہ زار پر کھانے کی میزیں آراستہ تھیں۔ اسٹیج پر
سازینے بجا رہے تھے۔ انتہائی رومان پرور نظارہ تھا۔ مدعوئین مگن تھے۔ میں
ہوشیاری سے اپنا چہرہ چھپاتی اسٹیج کے عقب میں جا پہنچی۔ وہاں سے شرکائے تقریب
پر اچھی نظر رکھی جا سکتی تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں تقریب کے میزبانوں کی تلاش میں
دوڑائیں اور جلد ہی انھیں پا لیا۔ ممی آتشی رنگ کے ریشمی جوڑے میں ملبوس' زیورات
سے لدی پھندی' چہرے پر غازہ و سرخی کی تہیں جمائے' لبوں پر مسکان بکھیرے' شعلۂ
جوالہ بنی مہمانوں سے باتیں کرتی پھر رہی تھیں۔ علی ضیاء ان کے ہمراہ تھا۔

مہمانوں کے بیچ سے گزرتے وہ دونوں سٹیج تک پہنچے پھر اسٹیج پر چڑھ آئے۔ علی ضیاء
ہاتھ تھامے مائیک تک پہنچا پھر اس نے کہا۔ "خواتین و حضرات! ہم دونوں کی جانب
سے عید کی دلی مبارکباد قبول کیجئے۔ خدا آپ کو ایسی ہزاروں عیدیں دکھائے۔ آپ کی
تشریف آوری کا بہت شکریہ۔ کھانے کی میزیں آپ کی منتظر ہیں۔" ممی نے اپنا منہ مائیک
کے نزدیک کیا پھر ادائے خاص سے بولیں۔ "خواتین و حضرات! اس سے پہلے کہ آپ
کھانے کی میزوں کا رخ فرمائیں' میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ بعد طعام موسیقی کا
اہتمام ہے جس میں آپ ایک نئی اور دل پذیر آواز سنیں گے۔" ممی لہرا کر مائیک کے
سامنے سے ہٹیں اور علی ضیاء نے مہمانوں سے کہا۔ "چلئے جناب۔"

مگر اس دوران میں برق کی سی سرعت سے سٹیج پر چڑھ چکی تھی اور جونہی علی ضیاء
نے کہا۔ "چلئے جناب۔" میں نے اس کے اور ممی کے عقب سے چلا کر کہا۔ "ٹھہریے
خواتین و حضرات۔" میں اتنے زور سے چلائی کہ علی ضیاء اور ممی ہڑبڑا کر پلٹے اور مہمان
جو کھانے کی میزوں کی جانب پیش قدمی کے لئے تیار تھے' دم بخود کھڑے رہ گئے۔ میں آن
کی آن میں مرکز توجہ بن گئی تھی!

میں مسکرائی اور کچھ اس طور جیسے کوئی تیمور فاتح اپنے مفتوحہ علاقوں کے دورے پر
ہو' گردن اکڑائے' سر بلند کئے اور لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ لئے مائیک کے سامنے پہنچی
اور ایک اچٹتی ہوئی نظر علی ضیاء اور ممی پر ڈالنے کے بعد روئے سخن مہمانوں کی طرف
کرتے ہوئے کہا۔ "مجھ سے ملئے خواتین و حضرات! میں ہوں آپ کی جانی پہچانی ٹی وی
آرٹسٹ اور........" میں نے گردن موڑ کر دکھاوے کی مسکراہٹ سے علی ضیاء کی جانب
دیکھا اور کہا۔ "معروف قانون داں بیرسٹر علی ضیاء صاحب کے ہونے والے بچے کی ماں
........" اب میں نے استہزائیہ نظروں سے ممی کو دیکھا اور لحظہ بھر کے توقف سے
کلام آگے بڑھایا۔ "علی ضیاء صاحب کی مطلقہ شیریں بیگم کے پہلے شوہر سے ان کی

بنی زریں!"

مہمانوں کی نگاہوں میں تحیر، تذبذب اور بے یقینی کی کیفیت اُمنڈ آئی۔

علی ضیاء ساکت و صامت کھڑا تھا۔ ممی کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔

میں نے ان سب کا باری باری جائزہ لینے کے بعد دوبارہ مہمانوں کی جانب [illegible] سخن کرتے ہوئے کہا۔ "حیران نہ ہوں خواتین و حضرات! میں نے جو کچھ کہا [illegible] درست ہے۔ اسٹیج پر کھڑی میزبان خاتون بد قسمتی سے میری ماں ہیں اور صاحب [illegible] ہونے والے بچے کے باپ۔ گذشتہ دنوں جب میری والدہ اپنی کاسمیٹک سرجری [illegible] میں انگلستان گئی ہوئی تھیں، علی ضیاء صاحب نے انہیں طلاق دے کر مجھ سے [illegible] تھا اور ان کا جانشین میرے بطن سے جنم لینے والا ہے۔ میرے شوہر اپنی پہلی بیوی [illegible] تو دے چکے ہیں مگر بے چارے اس طلاق کا اعلان کرنے سے اس لئے گریزاں ہیں [illegible] صاحبہ کا مہر پچاس لاکھ روپیہ سکہ رائج الوقت مقرر ہے۔ طلاق کا اعلان کرنا تو کجا علی [illegible] صاحب بے چارے تو یہ بات زبان پر لاتے بھی ڈر رہے ہیں مگر انہیں کچھ نہ کچھ [illegible] ہو گا۔ ان کے سامنے تو بس اب دو ہی راستے ہیں، یا تو مذہب، اخلاقیات اور اپنے [illegible] نظریں چرا کر اپنی مطلقہ کے ساتھ ہی گناہ آلود زندگی گزاریں یا طلاق کا اعلان [illegible] اخلاقی جرأت کریں۔"

علی ضیاء آگے بڑھا اور اس نے مائیک کو اسٹینڈ سے اچک لیا۔ "بہت شکریہ [illegible] بی بی!" [illegible]

بولا۔ "مہمانانِ گرامی! آپ کی یہ جانی پہچانی آرٹسٹ اس تقریب میں میری [illegible] درخواست پر لاہور سے تشریف لائی ہیں۔ میں نے اپنی اہلیہ سے ان کی حیرت [illegible] مشابہت کی بنا پر ان سے درخواست کی تھی کہ ہماری اس تقریب کو رونق بخشیں اور آپ [illegible] سب کی تفریحِ طبع کی خاطر قدرے ڈرامائی انداز میں انٹری دیں۔" اس نے ایک خاص [illegible] سے اپنے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "خواتین و حضرات! آیئے پُرزور [illegible] کے ساتھ اس ورسٹائل فنکارہ کو خراجِ تحسین پیش کرنے میں میرا ساتھ دیجئے۔" [illegible] تالیوں سے گونجنے لگا۔ مہمانوں کے چہروں پر ہلکورے لیتی ہوئی حیرانی اور تذبذب کی [illegible] خوشگوار مسکراہٹ نے لے لی اور مجھے داد و تحسین اور مسرت سے معمور نگاہوں [illegible] دیکھا جانے لگا۔ "بہت خوب زریں بی بی! بہت خوب!" علی ضیاء نے انتہائی [illegible] خروش سے مائیک پر کہا اور میری جانب اس طور بڑھ آیا کہ اس کی پشت مہمانوں [illegible] جانب ہو گئی۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور تالیوں کی گونج کا فائدہ اٹھاتے ہوئے [illegible]

[illegible] غصے سے بولا۔ "بے وقوف عورت! تم یہاں کیوں آ گئیں اور یہ کیا بکواس کی [illegible]؟"

[illegible] نے استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھ لیا تم نے کہ میں کیا کر [illegible]؟"

[illegible] کا شور بتدریج دھیما پڑتا چلا گیا۔ ممی کے چہرے کی رنگت بدستور زرد رہی۔

[illegible] ضیاء نے اپنے لبوں پر از سرِ نو مسکراہٹ سجائی اور مہمانوں کی طرف رخ کرتے [illegible] بولا۔ "مہمانانِ گرامی! میزوں کا رخ کیجئے۔" اس نے ذرا کی ذرا اپنی مصنوعی [illegible] کے ساتھ میری جانب دیکھا اور پھر مہمانوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ [illegible] اور آپ کی پسندیدہ آرٹسٹ بھی آپ کے درمیان پہنچ رہی ہیں۔"

[illegible] اس سے پہلے کہ مہمان کھانے کی میزوں کا رخ کرتے، میں نے اپنی تمام تر [illegible] صوت پر مجتمع کرتے ہوئے کہا۔ "خواتین و حضرات! علی ضیاء صاحب کی باتوں [illegible] مت آیئے.......... میں یہاں ان کی دعوت پر نہیں آئی ہوں بلکہ خود آئی [illegible]........." میں نے انگلی سے ممی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ جو خاتون بنی [illegible] آپ کے سامنے کھڑی ہیں ان سے میری مشابہت کو محض اتفاق مت گردانئے۔ [illegible] یہ میری ماں ہیں۔ انہوں نے میرے باپ سے محبت کی شادی کی تھی۔ ان کی [illegible] سزا میں ان کے امیر و کبیر باپ نے انہیں جائیداد سے عاق کر دیا تھا۔ پندرہ سولہ [illegible]

[illegible] نے اپنے والدین سے خط و کتابت کی اور ان سے اپنا رابطہ بحال کر کے ہمیں یہاں [illegible] آئیں۔ ہمیں اس گھر کی سب سے اوپری منزل پر اس وعدے کے ساتھ بند کر دیا گیا [illegible] ہمارے نانا جان اپنی بیٹی کے ساتھ اس کے چار بچوں کو بھی اس گھر میں پناہ دینے [illegible] ہو گئے، ہمیں اس کمرے سے نکال لیا جائے گا۔ پھر پورا گھر ہمارا ہو گا۔ گھر کی [illegible] آسائشیں ہمارے لئے ہوں گی بلکہ بسترِ مرگ پر پڑے نانا جان کی موت کے بعد ان [illegible] مال و اسباب ہمارا ہو گا۔ ہمیں یقین دلایا گیا کہ بس ایک آدھ روز ہی ہمیں اس [illegible] میں رہنا پڑے گا مگر.......... دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں [illegible] لئے چلے گئے اور ہمیں اس قید خانے سے رہائی نہ ملی۔ تین سال، چار ماہ اور سولہ [illegible] ہم اس زنداں میں قید رہے.........."

مہمان تحیر اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات اپنے چہروں پر لئے میری بات سن [illegible] تھے۔

"جی ہاں! تین سال' چار ماہ اور سولہ دن!" میری آواز میں ان آنسوؤں کی
حلول کر گئی جنہیں میں اپنے دل میں اتارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "ہم انتظار
رہے' کرتے رہے اور ہماری والدہ صاحبہ ہمیں ٹالتی رہیں اور دلاسے دیتی رہیں کہ
انہوں نے ہمارا اس زنداں سے نکلنا اپنے والد کی موت کے ساتھ مشروط کر دیا
نے وعدہ کیا کہ جونہی ان کے والد مریں گے' یہ ہمیں اس زنداں سے نکال لیں
انہوں نے ہمیں کھلا دھوکہ دیا۔ انہوں نے دوسری شادی کرلی اور عیش و عشرت
بسر کرتی رہیں۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد انہوں نے ان کے انتقال کی خبر ہم
اور یہی دلاسہ دیتی رہیں کہ جب نانا جان مرجائیں گے تو ہمیں اس زنداں
جائے گی۔ انہوں نے ایسا اس لئے کیا کہ ان کے والد نے اپنے وصیت نامے میں
رکھ دی تھی کہ اگر ان کے ہاں اولاد ہوئی تو انہیں اپنے والد کی تمام جائیداد
پڑے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ اگر کبھی یہ ثبوت مل گیا کہ ان کی اپنے پہلے خاوند سے کوئی
تھی تب بھی وہ وراثت سے محروم قرار ٹھہریں گی.........."

علی ضیاء نے بارہا مداخلت کرنے کی کوشش کی مگر میں نے اس کی ہر کوشش
بنا دیا۔

مہمان مبہوت و متحیر تھے۔ ممی کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ان کا
ہو چکا تھا اور آنکھوں میں خوف و ہراس لرزاں تھا۔

علی ضیاء اور ... کو ایک اپنی ہوئی ... ٹھہروانے کے بعد میں پھر مہمانوں کی
متوجہ ہوئی اور میں نے کہا۔ "خواتین و حضرات! مال و دولت کی چاہ نے ہماری
دل پر ایسا غلبہ جمایا کہ اولاد کی محبت ان کے دل سے جاتی رہی۔ انہوں نے ہم
پھیر لیں۔ سوا تین سال سے زائد عرصے تک ہم اس حویلی کے ایک کمرے میں
ہم چار بہن بھائی ہوا کرتے تھے۔ میں' مجھ سے بڑے ایک بھائی اور مجھ سے چھوٹے
جڑواں بھائی بہن۔"

حارث کا ذکر کرتے ہی میں گلوگیر ہو گئی اور مجھے یوں لگا جیسے دکھ گولا بن کر
حلق میں آن اٹکا ہو۔ میری آواز میں نمی در آئی اور میں نے اپنے آنسوؤں کو
اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ہماری ماں اور نانی نے ہم پر تازہ ہوا' دھوپ
روشنی کے راستے بند کر دیئے۔ ہمیں کھڑکیوں پر پڑے پردے سرکا کر باہر جھانکنے
اجازت نہ تھی۔ ہماری نانی ہمیں انتہائی ناقص کھانا دیتیں۔ گو ہماری ماں ہمیں خوش
اور بہلانے کے لئے ہمارے لئے قیمتی تحائف لاتی رہتی تھیں مگر ہمیں ان میں

دلچسپی نہ ہوتی۔ ہمیں تو اپنے لئے اور بالخصوص اپنے چھوٹے بھائی بہن کے لئے کھلی ہوا'
دھوپ' روشنی اور مناسب غذا کی ضرورت تھی۔ ان ننھی جانوں کو بہلانے کے لئے ہم
نے کمرے سے اوپر بالاخانے میں رنگین کاغذوں اور کاٹھ کباڑ سے ایک مصنوعی باغ لگایا۔
ان کی ڈھارس بندھانے کے لئے نت نئی کہانیاں گڑھیں۔ انہیں جھوٹی تسلیاں دیں اور
ہماری ماں ہماری تکلیفوں اور دکھوں سے بے نیاز رنگ رلیاں مناتی رہیں۔ مجھے یاد ہے کہ
... ایسی ہی ایک عید ملن تقریب کا منظر میں نے اور میرے بڑے بھائی نے اپنی ماں
کی کرم فرمائی سے رات کی تاریکی میں اس زنداں سے نکل کر تاریکی میں چھپ کر دیکھا
... ہماری ماں.........."

"بند کرو یہ بکواس۔" ممی ہذیانی انداز میں چلائیں اور انہوں نے دانت پیس کر کہا۔
نکل جاؤ۔ بند کرو اپنی یہ فضول بکواس اور نکل جاؤ میرے گھر سے۔ میں نہیں جانتی کہ تم
کون ہو.......... نکل جاؤ.......... نکل جاؤ.........."

میں نے ممی کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں سے وحشت مترشح تھی اور وہ پوری قوت سے
چلا رہی تھیں۔

علی ضیاء ان کی طرف بڑھا۔

"جاتی ہو یا نہیں۔" ممی نے اسی طور ہذیانی انداز میں چلا کر کہا۔ "یا پولیس کو بلانا
پڑے گا۔" وہ چیخیں اور انہوں نے بہ آواز بلند گھر کے ملازموں کو نام بنام پکارتے ہوئے
کہا "اس عورت کو دھکے دے کر باہر نکالو۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا سر
ہاتھوں میں تھام لیا۔ علی ضیاء بڑی سرعت سے آگے بڑھا اور اس نے ممی کو سہارا دیتے
ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "شکریہ زریں بی بی! میرا خیال ہے فی الحال بس اتنا ہی کافی
ہے۔"

پھر علی ضیاء نے مہمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مہمانان گرامی! زریں صاحبہ کے
فن کا کمال یہی ہے کہ وہ اس کمال کی اداکاری کرتی ہیں کہ ان کی اداکاری پر بھی حقیقت کا
گمان ہونے لگتا ہے۔ کمال فن کا یہ مظاہرہ خاتون معظم نے میری درخواست پر آپ کی
تفنن طبع کے لئے کیا مگر.......... یہ کھیل بدقسمتی سے میری بیگم کی طبع نازک پر گراں
گزرا ہے۔ میں انہیں کچھ دیر کے لئے اندر لے جا رہا ہوں۔ جب تک ہم آپ کے
درمیان واپس لوٹیں' آپ طعام تناول فرمائیں۔ زریں بی بی بھی میرے ہمراہ جائیں گی اور
ممکن ہے واپسی پر وہ اپنے کسی اور بہروپ سے آپ لوگوں کو اسی طور متحیر و مبہوت کر
دیں...... آپ لوگ ہمیں کچھ دیر کو جانے کی اجازت دیں اور کھانا تناول فرمائیں۔"

میں نے کچھ کہنے کا ارادہ کیا مگر علی ضیاء نے مجھے اس کی مہلت نہ دی اور اپنا بازو سے ممی کو سہارا دیتے ہوئے اس نے دوسرا ہاتھ میری جانب بڑھا کر میری کلائی ہاتھ میں دبوچ لی اور مجھے کھینچتے ہوئے بولا۔ "آیئے زریں بی بی! کچھ دیر کو اندر ہیں۔"

میں نے اس کی گرفت سے اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کی مگر اس نے ایسی نظروں سے مجھے دیکھا کہ میرا دل ڈانواں ڈول ہو کر رہ گیا۔

ممی کو سہارا دیئے اور میری کلائی تھامے وہ اسٹیج سے نیچے اترنے کے بعد کو مرکزی داخلہ گاہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ گھر کے ملازموں نے وفاداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیچھے پیچھے آنے کی کوشش کی تو وہ ڈانٹ کر بولا۔ "تم لوگ ہمارے پیچھے پیچھے کیوں آ رہے ہو؟ جاؤ جا کر مہمانوں کی خاطر مدارات کرو۔"

ممی کو اور مجھے لئے وہ ایک آراستہ و پیراستہ کمرے میں پہنچا۔ اس نے ممی کو آرام کرسی پر بٹھایا۔ انہیں پانی پلایا۔ دروازہ بند کیا اور ممی کے حواس قدرے بحال ہونے تک خاموشی سے کبھی مجھے اور کبھی ممی کو دیکھتا رہا۔

ممی کے حواس بحال ہونے کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔ "یہ سب کیا بکواس تھی؟ تم نے مہمانوں کے سامنے سٹیج پر کی اور........ تمہیں یہاں آنے کی اجازت کس نے دی؟"

"وہ مجھ کر [illegible] ... نہیں ڈرتی ہوں۔" میں نے ... ہونے کے بجائے دلیری سے کہا۔ "میں اپنے معاملات میں مکمل طور پر خود مختار ہوں۔ مجھے کہیں آنے جانے کے لئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں اور........ جو کچھ میں نے اسٹیج پر کہا وہ بکواس نہیں حقیقت تھی۔"

"اپنے اس بیان کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

"سب سے بڑا اور مجسم ثبوت تو میں خود ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "کیا میری شکل و صورت اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت نہیں کہ میں ان خاتون کی بیٹی ہوں۔"

"دو افراد کے درمیان مشابہت کسی رشتے کی دلیل نہیں ہوتی۔ مشابہت محض اتفاقیہ بھی ہو سکتی ہے۔" وہ بولا۔

"مجھے غور سے دیکھو علی۔" میں نے کہا۔ "اور یاد کرو اپنی شادی سے قبل اس گھر میں منعقدہ عید ملن کی اس تقریب کو جب انہوں نے تقریباً ایسا ہی لباس پہنا تھا جو آج میں نے پہن رکھا ہے۔ اس رات میں نے اور بھیا نے زینے کی آڑ میں چھپ کر اس

کا منظر دور دور سے دیکھا تھا اور تم۔" میں نے انگلی سے ممی کی جانب اشارہ کرتے کہا۔ "ان کے ساتھ چپکے پھر رہے تھے۔ اس تقریب میں نانا جان کو وہیل چیئر پر لایا گیا تھا۔"

علی ضیاء نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

"ہاں علی۔" میں نے دوبارہ ممی کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ... سے یہ میری ماں ہیں۔ اپنے باپ کی جائیداد اور دولت نے ان کے دل سے ان بچوں کی محبت کو کھرچ ڈالا جنہوں نے ان کے بطن سے جنم لیا تھا۔ ہم کبھی چار بہن بھائی ہوا کرتے تھے پھر تین رہ گئے اور اب صرف دو ہیں۔"

علی ضیاء کی نگاہوں سے وہی بے چینی جھلکتی رہی۔

"ہم سوا تین برس سے زائد عرصہ تک اس گھر کی سب سے اوپری منزل کے ایک کمرے میں قید رہے۔ ہم نہ زور سے بول سکتے تھے، نہ ہنس سکتے تھے اور نہ رونے کی اجازت تھی۔ کمرے سے اوپر بالاخانہ ہماری واحد تفریح گاہ تھی۔ شروع میں تو کچھ عرصہ ملازم کبھی کبھار اس کمرے کی صفائی کے لئے آ بھی جاتے تھے لیکن پھر یہ سلسلہ ترک ہو گیا اور بالاخانے میں چوہوں کی کثرت کا بہانہ گھڑ کر نہ صرف بالاخانہ بلکہ اس کمرے کو بھی ملازموں کے لئے ممنوعہ قرار دے دیا گیا۔ ہماری نانی صبح سویرے ملازموں کے آنے سے قبل ہمیں دن بھر کا راشن پہنچا جاتیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ناقص سے ناقص تر ہوتا چلا گیا۔ ہماری ماں رات کی تاریکی میں چوری چھپے ہمارے کمرے میں آتیں اور ... ہمیں یہ دلاسا دیتیں کہ نانا جان کے انتقال کرتے ہی ہم اس قید خانے سے باہر ہوں گے۔ کیا تم اس اذیت کا تصور کر سکتے ہو علی جو ہم بہن بھائیوں نے سہی؟ سوا تین برس سے زائد عرصہ ہم اس کمرے میں محصور ایک بوڑھے اور بیمار آدمی کی موت کی خبر سننے کے منتظر رہے جس سے ہماری رہائی مشروط کر دی گئی تھی۔ کھلی ہوا، دھوپ، روشنی اور متوازن غذا نہ ملنے کے باعث میرے چھوٹے چھوٹے جڑواں بہن بھائی ان پودوں کی طرح ٹھٹھر کر رہ گئے جنہیں پیاسا مار دیا جائے۔ ان بے چاروں کے قد چھوٹے اور جسم نحیف و نزار رہ گئے۔ سر اور دھڑ میں توازن نہ رہا۔ آنکھیں بڑی بڑی اور وحشت ناک ہو گئیں، اور وہ مضمحل اور بیمار رہنے لگے۔"

"زریں! کہہ دو یہ سب جھوٹ ہے، من گھڑت فسانہ ہے۔" علی ضیاء نے مجھ سے کہا۔

"کیسے کہہ دوں علی کہ یہ جھوٹ ہے، فسانہ ہے جبکہ یہ تو میری زندگی کی سب سے

تلخ حقیقت ہے۔ کیا تم اندازہ کر سکتے ہو علی کہ ہم نے اس زنداں میں کتنی صعوبت بھیا اور میں نوعمر تھے اور ہمارے بھائی بہن بچے تھے۔ اس قفس میں پانچ منٹ پانچ گھنٹے کر گزرتے تھے۔ دن مہینوں کی صورت' مہینے سال بن کر اور سال صدیوں کی طرح گزرتے تھے۔ اوہ! کوئی اندازہ نہیں کر سکتا اس اذیت کا جو ہم نے اس قید خانے میں بھگتی۔"

"جو تم کہہ رہی ہو اس کا یقین کر لینا آسان نہیں ہے۔" علی ضیاء نے کہا۔

"اگر ثبوت چاہتے ہو تو اس گھر کے بالا خانے میں جا کر اس مصنوعی باغ کو دیکھو جو میرے بڑے بھائی اور میں نے اپنے چھوٹے بھائی بہن کو بہلانے کے لئے بالاخانے میں سجایا تھا۔ بالاخانے کی ایک دیوار پر اس عبارت کو تلاش کرنے کی کوشش کرو جو ہم نے اس زنداں سے فرار ہونے سے قبل لوہے کے ایک پترے سے کندہ کی تھی' میں لکھا تھا۔

"جب ہم اس بالاخانے میں پہلی بار آئے تو ہم چار پھول تھے۔

"عارف' حارث' فرحین اور زریں!

"مگر یہاں سے جاتے ہوئے ہم تین رہ گئے ہیں!

"ہاں علی! جب ہم یہاں آئے تو چار تھے لیکن جب نکلے تو ہم چار نہیں تین رہ گئے تھے۔ میرا چھوٹا بھائی اپنی سگی ماں اور نانی کی زیادتیوں اور مظالم کی تاب نہ لا کر مر گیا۔"

"اوہ! زریں! ایسی باتیں مت کرو کہ ماں کی ہستی پر سے اعتماد اٹھ جائے۔" علی ضیاء نے کہا۔

"تم نے ابھی پوری بات سنی ہی کہاں ہے علی۔" میں نے انتہائی تلخی سے کہا پھر ممی کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔ "ان سے پوچھو کہ یہ اور ان کی جلاد صفت ماں میرے بیمار بھائی کو رات کی تاریکی میں زنداں سے نکال کر کون سے اسپتال میں لے گئی تھیں اور اس کے مرنے کے بعد انہوں نے اس کی قبر کہاں بنوائی تھی؟" میں نے توقف کیا اور انتہائی نفرت سے بولی۔ "یہ تو شاید ہم تینوں کو بھی اسی طرح باری باری قبروں میں دفنا دیتیں اگر بھیا نے ایک رات اس گھر کے ایک نوکر کو اپنی بیوی سے یہ کہتے نہ سن لیا ہوتا کہ بالاخانے کے چوہوں کو ختم کرنے کے لئے گھر کی بڑی مالکن یعنی ہماری نانی ہمارا زہر آلود کھانا بلاناغہ باسکٹ میں اوپر لے جا رہی تھیں اور چوہوں کو دینے کے لئے سنکھیا ہماری ماں خرید کر لائی تھی۔ جانتے ہو علی' بالاخانے کے جن چوہوں کو سنکھیا دیا جا رہا تھا وہ کون تھے؟ وہ ہم تھے علی!.......... ہم! ہمیں گلاب جامنوں پر سنکھیا چھڑک کر دیا جاتا تھا۔

ممی کا چہرہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ میں ممی کی طرف مڑی اور میں نے کہا۔ "جانتی ہیں آپ' ہم نے آپ کی اور آپ کی والدہ محترمہ کے اس فعل مجرمانہ کا ثبوت کیونکر پایا؟ آپ کو یاد ہے نا فرحین نے ایک زخمی چوہا پالا تھا جو دیکھ بھال سے ٹھیک تو ہو گیا تھا مگر بیمار رہا کرتا تھا؟ ہم نے اسے سنکھیا آلود گلاب جامن کا ایک ہی ٹکڑا کھلایا اور وہ بے چارہ مر گیا۔" میں نے توقف کیا پھر بولی۔ "کیا آپ اب بھی اس حقیقت کو جھٹلانے کی جرأت کر سکتی ہیں کہ میں آپ کی بیٹی ہوں؟ کیا آپ اس بات سے انکار کر سکتی ہیں کہ پہلے شوہر سے آپ کے چار بچے پیدا ہوئے تھے؟"

ممی نے مجھ سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جانتی کہ تم مجھے کیوں بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟"

"آپ اب تک مجھ سے اپنے رشتے کی حقیقت کا انکار کر رہی ہیں!" میں نے ممی کی دلیری پر حیرانی کا اظہار کیا۔

"میں تمہاری اصلیت سے واقف نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں ٹی وی اسکرین کے سوا کبھی اور کہیں نہیں دیکھا۔"

میں نے شدید نفرت سے ممی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ مسلسل اپنی زیادتیوں اور اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ کیا آپ اس بات کو بھی جھٹلائیں گی کہ فرحین نے ایک روز کراچی میں الفی پر آپ کو دیکھ کر اپنی شناخت کرانے [illegible]

[illegible] سے میری آواز بوجھل ہو گئی۔ "کیا آپ کو معلوم ہے اس واقعے کے بعد کیا ہوا؟ فرحین' میری عزیز از جان بہن جو مجھے اولاد کی طرح عزیز تھی' بازار سے سنکھیا اور گلاب جامنیں خرید کر لائی اور گلاب جامنوں پر سنکھیا چھڑک کر کھاتی رہی۔ پھر.......... پھر وہ بے چاری بیمار پڑ گئی اور اس دنیا کو چھوڑ گئی جہاں اپنی سگی ماں بھی قابل اعتبار نہ رہی تھی۔ فرحین ساری عمر اس احساسِ کمتری میں مبتلا رہی کہ اس کا قد بہت چھوٹا ہے' سر بہت بڑا اور دھڑ بے ہنگم تھا۔ اسکول اور کالج میں اس کی سہیلیاں اسے مذاق کا نشانہ بنائے رکھتی تھیں۔ وہ باہر نکلتی تو لوگوں کی استہزائیہ نگاہوں کا نشانہ بن جاتی تھی۔ نفسیات میں ایم اے کرنے کے بعد جب وہ ملازمت کی تلاش میں نکلی تو اسے ملازمت کے بجائے استہزائیہ نظریں اور آوازیں ملیں۔ جب آپ الفی پر اسے حقارت سے نظرانداز کر کے چلی گئیں تو اسے اس پُرخلوص نوجوان کا بھی اعتبار نہ رہا جو اس کے بونے پن کے باوجود اس سے شادی کرنے کا خواہاں تھا۔ وہ اپنے دکھ سینے سے لگائے اس دنیا سے گزر گئی اور

آپ.......... آپ بیگم علی ضیاء بنی زندگی کے مزے لوٹتی رہیں!"

"تم.......... تم جھوٹی کہانیاں گھڑ کر مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہو۔" ممی نے نظر[illegible] چراتے ہوئے ایک بار پھر دیدہ دلیری دکھانے کی کوشش کی۔

"علی!" میں نے رُوئے سخن علی ضیاء کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہیں یا[illegible] کہ ایک زمانے میں اس گھر میں تمہارے بٹوے سے پیسے چوری ہونے لگے تھے؟ [illegible] ہے وہ چھوٹی چھوٹی وارداتیں کون کیا کرتا تھا؟ بھیا! بھیا وہ وارداتیں اس لئے کیا کر[illegible] کہ ہم اس زنداں سے فرار ہونے سے قبل اتنے پیسے اکٹھے کر لینا چاہتے تھے کہ [illegible] یہاں سے نکلیں تو ہمیں اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"مگر تم لوگ تو کمرے میں بند ہوا کرتے تھے۔" علی ضیاء نے یوں اس طرح کہا [illegible] میرا جھوٹ پکڑ لیا ہو۔

میں نے اپنا پرس کھولتے ہوئے کہا۔ "ہاں ہم کمرے میں بند ہوا کرتے تھے لیکن [illegible] نے اس کمرے کے دروازے کی چابی کی ایک نقل بنالی تھی جس کے ذریعے دروازہ کھول کر بھیا رات گئے وارداتیں کرنے باہر نکلا کرتے تھے۔"

میں نے اپنے پرس سے برسوں پرانی وہ چوبی چابی نکالی جو بھیا نے ایک روز ممی کی چابی چرا کر بنائی تھی اور علی ضیاء کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "لکڑی کی یہ چابی بھیا [illegible] ایک روز والدہ صاحبہ کی چابی چرا کر بنائی تھی۔ نانی جان تو چابی ہمہ وقت اپنی تحویل میں رکھتی تھیں [illegible] چابی [illegible] سے میز پر ڈال دیا کرتی تھی۔ ایک روز جب یہ بالاخانے میں تھیں، بھیا نے لکڑی پر اس [illegible] خاکہ اتار کر یہ چابی بنالی۔" میں نے توقف کرنے کے بعد کہا۔ "بالائی منزل پر واقع اس کمرے کے دروازے کو اس چابی سے کھول کر میرے بیان کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔"

علی ضیاء ہکا بکا مجھے تک رہا تھا۔ ممی کے تاثرات اب بدل چکے تھے۔ دیدہ دلیری کی جگہ ان کی نگاہوں میں اب خوف و وحشت تھی۔

"اور کوئی ثبوت چاہیے؟" میں نے علی ضیاء سے کہا پھر اپنے پرس سے چار عدد [illegible] سرٹیفکیٹس نکال کر علی ضیاء کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ "یہ ہم چاروں بہن بھائیوں کی پیدائش کے سرٹیفکیٹ ہیں۔ ان پر ہماری ولدیت اور ہماری ماں کے نام دیکھ لو۔"

علی ضیاء متذبذب نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

ممی کی آنکھوں میں اُمنڈتی وحشت دیدنی تھی۔

"میں تمام ثبوتوں کے ساتھ آئی ہوں ممی۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "[illegible]

[illegible] چاروں بھائی بہنوں کے برتھ سرٹیفکیٹس بڑی ہوشیاری سے سوٹ کیس کی تہہ میں [illegible] رکھے تھے، میں نے تلاش کر ہی لئے۔ کیا آپ اب بھی ہماری ماں ہونے سے انکار کر [illegible] سکتی ہیں؟"

علی ضیاء نے باری باری چاروں سرٹیفکیٹس دیکھے پھر مجھے لوٹا دیئے۔

"کیا اب بھی کوئی اور ثبوت درکار ہے علی؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "یہ [illegible]کیٹس آپ کو اپنے والد کے ترکے سے محروم کرسکتے ہیں ممی ڈیئر!"

علی میرے روبرو آتھمنے کے بعد بولا۔ "کیا تم میری بیوی پر الزامات کی بوچھاڑ کر کے [illegible] عدالت کے کٹہرے میں لے جا کھڑا کرنا چاہتی ہو؟"

"تم بھول رہے ہو علی کہ اب یہ تمہاری بیوی نہیں ہیں۔ ان سے تو تمہارا تعلق [illegible] کا ختم ہو چکا۔ تم نے انہیں طلاق دے کر ہی تو مجھ سے نکاح کیا تھا اور.........."

ممی نے چونک کر دیکھا۔

میں نے ممی کے چونکنے پر کوئی خاص توجہ دینے کے بجائے سلسلہ کلام جاری رکھتے [illegible] کہا۔ "جہاں تک والدہ صاحبہ کو عدالت کے کٹہرے میں لے جا کھڑا کرنے کا تعلق [illegible] تو ہم انہیں برسوں پہلے عدالت کے کٹہرے میں لے جا سکتے تھے مگر ہم نے ایسا کرنے [illegible] گریز کیا اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا انصاف اللہ پر چھوڑ دیا۔ میں انصاف [illegible] چاہتی ہوں۔"

[illegible] کیسی ہمارے مروت اب [illegible] کیوں نہ سہی بہرحال ہماری ماں تھیں۔ مجھے ان سے کتنی ہی نفرت، کتنے ہی شکوے کیوں [illegible] سہی، اس نفرت کے پیچھے ان سے محبت کی ہلکی سی رمق ابھی باقی تھی اور ان کی [illegible] آنکھوں میں آنسو دیکھنا میرے لئے موہوم سی دل گرفتگی کا سبب بنا مگر میں نے اپنے آپ [illegible] سے کہا، ممی اسی بلکہ اس سے بھی برے سلوک کی مستحق تھیں!

"ممی!" میں نے تلخی سے کہا۔ "آپ اپنے بچوں کے تمام دکھوں اور صعوبتوں کی [illegible] ذمے دار ہیں۔ آپ اپنے دو بچوں کی قاتل ہیں۔"

"زریں! بس اب میں ایک لفظ نہیں سننا چاہتا تمہاری زبان سے.......... ذرا چپ [illegible] ہو کر بیٹھ جاؤ۔" علی ضیاء نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

علی ضیاء کے تیوروں نے مجھے چپ چاپ بیٹھ جانے پر مجبور کر دیا۔

اس نے ممی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "شیریں! اگر تمہیں مجھ سے واقعی محبت ہے تو سچ [illegible] بتاؤ کہ کیا اس عورت نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے؟ کیا یہ واقعی تمہاری بیٹی ہے؟"

ممی خاموش رہیں۔
"تمہیں میری قسم شیریں' سچ سچ بتادو.......... کیا یہ.......... سچ مچ تمہاری بیٹی
"ہاں۔" ممی نے مردہ سی آواز میں کہا۔
میں نے ایک سرد آہ کھینچی اور مجھے یوں لگا جیسے میرے ساتھ اس گھر کے
بھی کراہ اٹھے ہوں۔
"علی!" ممی نے شرمساری سے اپنی گردن جھکا رکھی تھی۔ "میں نے بارہا
تمہیں بتادوں مگر میری کم ہمتی آڑے آگئی۔ میں تو شروع ہی میں یہ سب کچھ بتادینا
تھی مگر نہ بتا سکی۔ مجھے ڈر تھا کہ تم مجھے چار بچوں کی ماں کی حیثیت سے قبول نہ کرو
میں اپنے باپ کے ترکے سے بھی محروم ہو جاؤں گی جس کی میں جائز طور پر حقدار
میں چاہتی تھی' کوئی ایسی صورت بنے کہ میں تمہیں بھی نہ کھوؤں' میرے بچے بھی
پاس رہیں اور مجھے میری ایک خطا کی اتنی بڑی سزا نہ ملے کہ میں تو اپنے باپ کے
جائیداد سے محروم قرار پاؤں اور دوسرے میرے باپ کی دولت پر عیش کریں۔ میں
اپنے طور پر ایک راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی مگر بھول بھلیوں میں بھٹک کر رہ گئی
"شیریں! ظلم اور قتل کبھی کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتے۔" علی ضیاء نے کہا۔
تم سے محبت تھی' تم پر اعتماد تھا۔ اگر تم بھی مجھ پر اعتماد کر کے مجھے یہ سب کچھ بتا
اپنا ہمدرد اور بہی خواہ سمجھنے کی کوشش کرتیں تو میں یقیناً کوئی نہ کوئی ایسا راستہ نکال لیتا
تم نہ اپنے بچوں کو کھوتیں [illegible]
"مجھے ڈر تھا کہ تم مجھے چار بچوں کی ماں کی حیثیت سے قبول نہ کرو گے۔"
"یہ تم نے کیونکر فرض کر لیا تھا! کیا تمہیں میری محبت کا اعتبار نہیں تھا؟ کیا
مجھ پر بھروسہ نہیں تھا؟ اگر میں تمہیں کھو کر کبھی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر سکتا تھا تو
تمہیں پا کر تمہارے چار بچوں کو بھی بخوشی اپنا سکتا تھا اور.......... اس صورت میں ہم
زیادہ مسرور و مطمئن ہوتے۔"
ممی متاسف دکھائی دے رہی تھیں۔
"انہوں نے صرف اور صرف اپنی ذات کی پروا کی۔ خود غرضی سے کام لیا۔"
نے ممی کو ناگوار نظروں سے دیکھتے ہوئے تند و تلخ لہجے میں کہا۔
"تم نہیں جانتیں.......... تم کچھ نہیں جانتیں۔" ممی بلبلا کر بولیں پھر اپنا چہرہ ہاتھوں
میں چھپا کر سسکنے لگیں۔ "تم کچھ نہیں جانتیں۔" انہوں نے بڑے شد و مد سے اپنے الفاظ
دہرائے۔ چند لمحوں کو توقف کیا پھر بولیں۔ "میرے والدین اور دوست احباب کی

میں ہمیشہ یہ رائے رہی ہے کہ میں بد عقل تھی۔ میرے پاس خوبصورتی تھی مگر
اور ذہانت نہیں مگر.........." وہ ہذیانی انداز میں قہقہہ لگا کر بولیں۔ "میں نے اپنی ماں
اور اپنے باپ کو جو خود کو بہت شاطر سمجھتے تھے' بے وقوف بنا دیا۔" انہوں نے اپنے
کی ایک دیوار گیر تصویر کو تحقیر سے دیکھ کر کہا۔ "ہاں' میں نے آپ کو بے وقوف بنا
پھر انہوں نے میری جانب دیکھا اور بولیں۔ "اور زریں تمہیں بھی! تم سمجھتی تھیں
تم پر ظلم ہوا تھا مگر اصل میں تو ظلم مجھ پر ہوا تھا.......... میرے مقابلے میں تم بہت
اور مزے میں تھیں۔ تمہارے ساتھ تو بس اتنا ہی ہوا تھا نا کہ تمہیں' عارف
اور فرحین کو ایک کمرے میں بند رکھا گیا تھا۔ مجھ سے پوچھو میرے ساتھ کیا ہوتا
میں اپنے والد کی زر خرید باندی بن کر رہ گئی تھی۔ وہ جو کہتے مجھے بے چون و چرا ماننا
ان کے ہر جائز اور ناجائز حکم کی تعمیل کرنی پڑتی۔ میں ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر
گئی تھی۔ وہ جس طرح بھی چاہتے' مجھے نچاتے۔ میں مکمل طور پر ان کے رحم و کرم پر
تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح ان کا دل جیت کر میں ان کے دل میں تم چاروں کے لئے
سکوں گی مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ میرے ساتھ الٹا کھیل کھیل رہے تھے۔ انہوں
باقاعدہ منصوبے کے تحت میری ماں سے علی کو میری بیوگی اور گھر واپسی کے بارے میں
لکھوایا۔ وہ جانتے تھے کہ علی کو مجھ سے اتنی محبت تھی کہ میری خاطر انہوں نے کبھی
شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ علی کے آنے پر میرے والد نے ان سے میری شادی
[illegible]
انہوں نے ترپ چال چلی۔ انہوں نے مجھے اس نفسیاتی دباؤ میں لے لیا کہ اگر میں نے
ان کی مرضی کے خلاف حرکت کرنے کی کوشش کی تو وہ علی کو بتا دیں گے کہ میں
چار بچوں کی ماں ہوں۔"
میں نے چونک کر ممی کو دیکھا۔ "کیا نانا جان کو ہمارے بارے میں معلوم تھا؟" بے
اختیار یہ سوال میرے منہ سے نکلا۔
"ہاں۔"
"کیسے؟"
"تمہارے ڈیڈی سے شادی کے بعد جب میرے والدین نے اس شادی کو ختم
کرنے کی کوشش کی تو تمہارے ڈیڈی مجھے ساتھ لے کر کوئٹہ چلے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں
رہنے کے بعد ہم کراچی جا بسے اور گمنام مگر پُر مسرت زندگی بسر کرنے لگے۔ ہمارا خیال تھا
کہ میرے والدین اور اعزہ و اقارب ہمیں فراموش کر چکے ہوں گے مگر یہ ہماری بھول

تھی۔ درحقیقت میرے والد نے ہمارے پیچھے اپنے کارندے چھوڑ رکھے تھے۔ جنہوں
انہیں تمہارے ڈیڈی کے اور میرے بارے میں ایک دو دن تک نہیں بلکہ تقریباً
سال تک باخبر رکھا اور جب تمہارے ڈیڈی کا انتقال ہو گیا تو ان کے بیمہ زندگی او
واجبات کی وصولی کے سلسلے میں مجھے ایک وکیل کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔ میر
نے اپنے کارندے کے ذریعے اس وکیل سے سازباز کر لی اور انہوں نے نفسیاتی
سے مجھے اپنے آبائی پس منظر کا راز فاش کرنے پر مجبور کر دیا اور مجھے بظاہر بڑے
سے مشورہ دیا کہ ان حالات میں میرا اپنے والدین کے پاس چلے جانا ہی بہتر ہو گا۔
اسی کے مجبور کرنے پر میں نے اپنی والدہ کو خط لکھا اور کافی دن یہ خط و کتابت رہی
تم لوگوں کو لے کر یہاں آ گئی۔ اپنی والدہ کے کہنے پر میں نے تم چاروں کو ایک کمر
چھپا دیا۔ انہوں نے مجھے یہ تاثر دیا کہ میرے والد کو انہوں نے تم لوگوں کے بار
کچھ نہیں بتایا تھا۔ انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ جب تک میرے والد میری طرف
دل بالکل صاف نہیں کر لیتے اس وقت تک میں تم چاروں کو ان سے چھپاؤں۔ چنانچ
نے ان کے مشورے کے مطابق عمل کیا مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ مشورہ انہوں
مجھے اس لئے دیا تھا کہ میرے والد نے سازباز کر رکھی تھی۔ وہ یہ جانتے ہوئے
میرے چار بچے تھے، مجھے یہ تاثر دے کر کہ وہ مجھے بے اولاد سمجھتے تھے، تم چاروں کو
گھر میں قید کر لینا چاہتے تھے۔ علی سے شادی ہونے تک میں اسی گمان میں رہی کہ
[illegible]
انہوں نے ترپ چال چلی۔ انہوں نے باپ ہو کر بھی والدہ کے ساتھ مل کر میرے
ایسا جال بچھایا کہ میں بے بس ہو کر رہ گئی۔"

"یعنی ماؤں کا اپنی اولاد کے ساتھ مخلص نہ ہونا آپ کے خاندان کی روایت
میں نے طنز سے کہا۔

ممی نے تڑپ کر میری جانب دیکھا۔ "میری ماں کو مجھ سے اس لئے نفرت
میرے بچپن میں میرے والد نے مجھے میرے دونوں بھائیوں کے مقابلے میں
اہمیت اور زیادہ پیار دیا بلکہ میری محبت میں تو وہ اکثر میری والدہ سے بھی بھڑ جایا کر
جبکہ میری والدہ کو بیٹے زیادہ پیارے تھے۔"

"غالباً مجھ سے آپ کی شدید نفرت کا سبب بھی یہی رہا کہ ڈیڈی مجھے زیادہ پیار کر
تھے۔" میں نے ممی کو پھر ایک کچوکا دیا۔

ممی نے شاکی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ مجھے ان کی آنکھوں میں آنسو تیر

"تم نہیں جانتیں زریں کہ تم چاروں کی خاطر میں نے اپنے والد کے کتنے مظالم
تو وہ تم لوگوں کے وجود سے انجان بنے رہے پھر علی سے میری شادی کر دینے
انہوں نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا اور جب میں ان کی زیادتی کے خلاف
اٹھانے کی کوشش کرتی تو وہ مجھے مارنے پیٹنے تک سے دریغ نہ کرتے، وہ بہت ظالم
تھے زریں۔"

"آپ مجھے اس من گھڑت افسانے سے متاثر نہیں کر سکتیں۔" میں نے کہا۔ "میں
بھولی نہیں ہوں جب میں اور میرے بہن بھائی قفس میں بند ہوا کرتے تھے اور
سنوری، اڑی اڑی پھرتی تھیں۔ مظالم سہنے والوں کے چہرے اتنے شگفتہ نہیں ہوا
جتنا آپ کا ہوا کرتا تھا۔ جن پر مظالم توڑے جاتے ہیں وہ یا تو حارث کی طرح رات
میں لقمۂ اجل بن جاتے ہیں یا پھر دل گرفتہ ہو کر فرحین کی طرح از خود موت کی
میں جا سوتے ہیں۔"

"مجھ پر طنز مت کرو زریں۔" ممی روہانسی ہو گئیں۔

"آپ کے آنسو مجھے ہرگز نہیں پگھلا سکتے۔" میں نے کہا۔

"خدارا! خدارا! مجھ پر یہ ظلم مت کرو۔"

"ظلم! ظلم تو آپ نے ہم پر کیا۔"

[illegible]

"ابھی کیا! ایک وقت آئے گا جب آپ کو اپنی صورت سے نفرت ہو جائے گی۔
پناہ مانگیں گی اور آپ کو کوئی پناہ دینے والا نہ ہو گا۔ آپ فریاد کریں گی اور کوئی فریاد
والا نہ ہو گا۔ یہ دنیا کلجگ نہیں کرجگ ہے۔ آپ نے جو فصل بوئی ہے وہی کاٹیں
...... جھوٹی سچی داستانیں گھڑ کر آپ مجھے نہیں پھسلا سکتیں۔"

"تم نے کبھی میرا اعتبار نہیں کیا زریں۔"

"کیونکہ آپ نے ہمیں وہ اعتماد نہیں دیا جو ماں اولاد کو دیا کرتی ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے۔"

"ہاں، مجھے آپ سے اتنی نفرت ہے جتنی شاید میں نے آج تک کسی سے بھی نہیں

"پلیز!" وہ گڑگڑا دیں۔ "تم سمجھنے کی کوشش کرو۔"

میں ہنسی اور تلخی سے کہا۔ "والدہ صاحبہ! میں نہ تو آپ کی کوئی بات سمجھ پا رہی ہوں نہ آپ کی کسی بات کا اعتبار کر سکتی ہوں۔"

"بیٹا! تم لوگوں کے ساتھ مجھ سے جو زیادتیاں بھی سرزد ہوئیں وہ تمہارے نانا کے ہاتھوں مجبور ہو کر.........." ممی نے کہا اور اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگیں۔

"آپ کے ان آنسوؤں کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہو گا کیونکہ آپ نے ہم سے اتنی بے اعتنائی برتی کہ میرے دل میں آپ کے لئے سوائے نفرت کے اور کچھ نہیں بچا۔ مجھے آپ کے یہ آنسو بھی ان جھوٹے دلاسوں کی طرح دکھاوا محسوس ہوتے ہیں جو آپ ہمیں زنداں میں دیا کرتی تھیں۔ آپ پر ہمارا اعتبار کبھی بحال نہ ہو سکے گا۔"

"شیریں!" علی ضیاء کے لہجے کی گھمبیرتا نے مجھے اس کی جانب متوجہ کر دیا۔ "تم نے میرا اعتبار کھو دیا ہے۔" ممی چونکیں۔ علی ضیاء نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے آنسو، تمہارا گڑگڑانا تصدیق ہے اس امر کی کہ تم نے اپنے بچوں کے ساتھ وہی کیا جو زریں نے کہا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی ماں اس حد تک بھی بے رحم ہو سکتی ہے۔ تم لاکھ آنسو بہاؤ، لاکھ اپنی صفائی پیش کرو اور اپنے بچوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کا ذمہ دار اپنے والد کو ٹھہراؤ، میں تمہارے ان آنسوؤں اور صفائیوں کا اعتبار نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے تو تمہارے والد کو ہمیشہ تم پر از حد مہربان پایا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی ان کو ٹیڑھی نظر سے بھی تمہاری طرف دیکھتے پایا ہو۔ تمہارے [illegible]

کی طرف سے پوری آزادی تھی۔ تم اپنے معاملات میں مکمل طور پر خودمختار تھیں اور جہاں چاہتیں آ اور جا سکتی تھیں۔ جس سے چاہتیں میل جول رکھ سکتی تھیں۔ تمہارے والد نے تمہیں بے پناہ آسائشیں فراہم کر رکھی تھیں۔ روپے پیسے کی فراوانی تھی۔ ایسے میں تمہارے لئے اپنے بچوں کو اس گھر سے نکال کر کہیں اور لے جانے میں کیا قباحت تھی۔ تمہارے والد تو بستر علالت پر تھے۔ بغیر سہارے کے اٹھنے اور چلنے پھرنے سے قاصر تھے۔ تم اپنے بچوں کو بالکل آسانی سے یہاں سے لے جا سکتی تھیں مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ اگر میں یہ نہ جانتا ہوتا کہ تم اپنے معاملات میں ہمیشہ خودمختار اور آزاد رہی ہو تو شاید میں تمہاری اس داستانِ بے بسی کا یقین کر لیتا مگر میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے شادی سے قبل بھی مکمل طور پر خودمختار اور آزاد تھیں اور شادی کے بعد بھی ایسا ہی رہا۔ اس لئے میں تمہیں اتنا معصوم اور بے قصور نہیں باور کر سکتا جتنا کہ تم ظاہر کر رہی ہو۔ تم اپنی اولاد کے ساتھ ہونے والے تمام مظالم کی ساری ذمے داری اپنے والد مرحوم پر ڈال کر اپنی اولاد کو بے گناہ قرار نہیں دے سکتیں۔ تم کم از کم میری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتیں۔"

"علی! تم بھی! تم بھی مجھے قصور وار سمجھ رہے ہو۔" ممی گڑگڑائیں۔

"ہاں.......... قصور وار ہی نہیں بلکہ قابل نفرین بھی۔"

"علی! پلیز ایسا نہ کہو.......... مجھ سے بدگمان مت ہو۔ مجھے اعتراف ہے میں نے ماضی میں ضرور تم سے جھوٹ بولا اور اپنے بچوں کی موجودگی کو تم سے چھپا کر تمہیں دھوکا دیا مگر.......... اب میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔"

علی ضیاء نے زہر خند نگاہوں سے ممی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے کس قسم کا انسان سمجھتی ہو؟ کیا میں احمق اور بدھو ہوں؟ یا انسانی جذبات و احساسات سے عاری ہوں؟ شیریں! مجھے تم سے محبت تھی۔ اگر تم نے مجھے یہ سب کچھ اسی وقت بتا دیا ہوتا اور یہ گھناؤنا اور مجرمانہ کھیل نہ کھیلتیں جو کہ تم کھیل گئی ہو تو یقین کرو میں تمہیں مع تمہارے بچوں کے تحفظ دینے کے علاوہ ہر امکانی اور قانونی طریق کار اختیار کرنے کی کوشش کرتا۔ اگر تمہیں اپنے بچوں کی نسبت اپنے والد کے مال و جائیداد سے زیادہ محبت تھی تو میں اس سے بھی محروم نہ ہونے دیتا۔ تمہیں تمہارے بچوں اور وراثت کے ساتھ قبول کر لیا جاتا مگر افسوس کہ تم اپنے بچوں کے ساتھ تو مخلص تھیں ہی نہیں۔ تم نے مجھے بھی دھوکا دیا اور اپنے بچوں کا ہی نہیں اپنے اوپر میرا اعتبار بھی کھو دیا۔"

"میرے والد سے نمٹنا ہمارے لئے آسان نہ ہوتا علی۔ وہ جہاندیدہ اور چالاک آدمی تھے۔ ان کا ظاہر کچھ تھا باطن کچھ اور۔ بظاہر میں خودمختار اور آزاد تھی مگر ان کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بنی ہوئی تھی۔ اگر میں ان کے اشاروں پر نہ ناچتی تو وہ اپنے اثاثوں کا بڑا حصہ اس شخص کے نام کر جاتے جو ان کے ایما پر پندرہ برس تک میرے بارے میں خبریں بہم پہنچا رہا تھا اور جس کے بارے میں یہ جان لینے کے بعد وہ پندرہ برس تک میری نجی زندگی پر نظر رکھے رہا تھا، مجھے اس سے شدید نفرت ہو گئی تھی۔"

"افسوس کہ آپ نے اپنی اولاد سے زیادہ اپنے باپ کی دولت سے محبت کی۔" میں نے طنزیہ کہا۔

ممی نے بلبلا کر مجھے دیکھا پھر بولیں۔ "زریں! تم نے کبھی مجھے ماں نہیں سمجھا۔ ہمیشہ اپنے برابر کی جان کر مجھ سے زبان چلاتی رہیں۔ تم تو عارف کو بھی جو تم سے بڑا تھا، بات بات پر ٹوکتی تھیں۔ عارف تو مجھ سے پیار کرتا تھا، مجھے احترام دیتا تھا، میرے خلاف ورغلانے کی کوشش کرتی رہیں۔ تم نے کبھی میری کسی بات کا اعتبار نہیں کیا اور مجھے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر

جب بھی اولاد سے میرا سامنا ہوگا تو تم ہی میری دل آزاری کا باعث بنو گی۔"

"سچ ہمیشہ کڑوا ہی لگتا ہے۔" میں نے کہا۔

می نے سراپا عجز و نیاز بن کر علی ضیاء سے کہا۔ "علی! یقین کرو میں تم سے [illegible] کے اپنے ساتھ تمہیں بھی الجھنوں میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر میرے والد [illegible] سے شادی کرنے پر مجبور کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ میں تم سے شادی کے بعد [illegible] بچوں کے بارے میں بتا دوں گی مگر میرے والد نے مجھے ان کے وجود سے انتہائی خا[illegible] دیا۔ انہوں نے مجھے ڈرایا کہ اگر تمہیں معلوم ہو گیا کہ میں چار بچوں کی ماں [illegible] مجھے طلاق دے دو گے۔ شادی کے بعد مجھے تم سے ایسا دلی انس ہو گیا تھا کہ میرے [illegible] سے جدائی کا تصور ہی روح فرسا تھا۔ پھر بھی میں نے بارہا یہ ہمت کی کہ تمہیں [illegible] لے کر اپنے بچوں کے بارے میں بتا دوں مگر میری بدقسمتی کہ جب بھی میں نے [illegible] بات بتانے کا ارادہ کیا کوئی نہ کوئی رکاوٹ آڑے آ گئی پھر میں نے صبر کر لیا اور یہ [illegible] خاموش ہو رہی کہ جب میرے والد مر جائیں گے تو میں تمہیں اپنے بچوں کے بار[illegible] بتا دوں گی مگر وہ اپنے معالجین کی پیش گوئیوں کے برخلاف کافی عرصہ جیتے رہے اور [illegible] کم ہمتی اور بدعقلی کے سبب تمہیں کچھ نہ بتا سکی۔ کاش! میں نے عقل سے کام [illegible] اور یہ جان لیتی کہ جو راز طویل عرصے پنہاں رکھا جائے اس کا عیاں کرنا بہت مشکل [illegible] ہے۔ ادھر میرے بچوں کا اصرار بڑھتا چلا گیا کہ انہیں جلد از جلد اس کمرے [illegible] [illegible] زریں کی طرف سے رہی۔ اس [illegible] میرے سمجھانے بجھانے اور میری مجبوریوں کا احساس نہیں کیا۔ میں نے زریں [illegible] چاروں بچوں کے لئے تحائف کے ڈھیر لگا دیئے۔ عارف بے چارہ ہمیشہ میری مجبوریوں [illegible] مصلحتوں کو سمجھ کر ان سے اتفاق کر لیتا تھا مگر یہ.......... زریں.......... کبھی [illegible] ہوئی بلکہ اس نے ہمیشہ عارف کو میرے خلاف ورغلانے کی کوشش کی۔"

"اور جب کبھی میں تم سے یہ پوچھتا تھا کہ بچکانہ تحائف تم کس کے لئے [illegible] ہو تو تمہارا جواب یہ ہوتا تھا کہ تم اپنی دوستوں کے بچوں کے لئے خریدتی ہو۔" [illegible] نے کہا۔

می خجل نظر آنے لگیں مگر پھر انہوں نے اپنی اس خجالت کو دبانے کی کوشش [illegible] ہوئے کہا۔ "تو اور کیا کہتی میں تم سے! میں تم سے جھوٹ بولنے پر مجبور تھی علی۔"

"اف اللہ! کتنی مجبور اور بے بس تھیں آپ۔" میں نے استہزائیہ انداز میں [illegible] میں بھبک کر بولی۔ "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ وہ بھلا کون سی مجبوری تھی جس نے [illegible]

[illegible] بچوں کو زہر دینے پر مجبور کر دیا تھا؟"

[illegible]می کی نگاہوں میں یک بیک انتہائی ناگواری عود کر آئی جسے وہ فوراً ہی آنسوؤں کی [illegible] دباتے ہوئے رقت سے بولیں۔ "جن دنوں میں یہاں آئی اس سے کچھ عرصہ قبل [illegible]ارے نانا جان کے معالجین یہ کہہ چکے تھے کہ وہ کچھ زیادہ عرصے تک نہ جی سکیں [illegible] تم بہن بھائیوں کو اس کمرے سے باہر نکالنے کے لئے میں ان کی موت کا انتظار کرتی [illegible] لیکن جب میں نے دیکھا کہ وہ تو مرنے کا نام نہیں لیتے، جیے ہی چلے جا رہے ہیں تو [illegible] میں نے یہ تدبیر اختیار کی۔ تمہارے نانا جان نے تمہاری نانی کے علاوہ اپنے ایک [illegible] ملازم وارث علی شاہ کو جو تمہارے ڈیڈی سے میری شادی کے بعد بھی چوری چھپے [illegible] نگرانی کرتا رہا تھا، اس امر پر مامور کر رکھا تھا کہ تم چاروں اس کمرے سے باہر نہ نکلنے [illegible] دراصل تمہارے نانا جان کا پروگرام تو یہ تھا کہ تم چاروں اس کمرے میں گھٹ گھٹ [illegible] مر جاؤ۔ وارث علی شاہ سے تو خیر میں کچھ کہہ سن نہ سکتی تھی تاہم میری والدہ خواہ کتنی [illegible] سخت مزاج کیوں نہ سہی، آخر کو میری ماں تھیں۔ ان کو اعتماد میں لے کر میں نے تم [illegible] کو باری باری اس قید خانے سے باہر نکالنے کی خاطر یہ منصوبہ بنایا کہ تمہیں کسی [illegible]ے تھوڑا تھوڑا سا سنکھیا دے دیا جائے اور جب تم لوگ بیمار ہو جاؤ تو بیماری کے [illegible] میں تمہیں اس قید سے نکال کر باہر لے جاؤں، پہلے اسپتال پھر وہاں سے کہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] سے نکالنے کا۔"

میں نے توقف کیا پھر علی ضیاء کی طرف دیکھ کر بولی۔ "سن لیا آپ نے بیرسٹر [illegible]ب! کیا عمدہ طریقہ اختیار کیا ہماری والدہ محترمہ نے ہمیں قید سے نکالنے کا۔" پھر میں [illegible] می کو گھائل نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ "شاید آپ بھول رہی ہیں کہ ہمارے راشن میں [illegible] اور گلاب جامنوں کا اضافہ نانا جان کے انتقال کے بعد کیا گیا تھا۔"

می نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"جی!" میں نے تلخی سے کہا۔ "آپ نے یاد رکھا ہو یا نہ رکھا ہو مگر ہم نے ایک [illegible] دن کو اپنی بیاضِ دل میں محفوظ کر رکھا ہے۔ اگرچہ آپ نے تو نانا جان کے انتقال کی [illegible] کو ہم سے تقریباً ایک سال تک چھپا کر رکھا تھا مگر ہمیں پتہ چل ہی گیا تھا۔ آپ تو [illegible] تفریح کے لئے یورپ سدھار گئی تھیں مگر بھیا نے گھر کے ایک ملازم کو اسی رات اپنی [illegible] سے باتیں کرتے سن کر یہ پتہ چلا لیا تھا کہ نانا جان کو گزرے تو برس بھر ہو چکا تھا اور

آپ نے ہمیں اسی دھوکے میں رکھا کہ وہ زندہ تھے۔"
ممی خفیف دکھائی دینے لگیں لیکن انہوں نے اپنی خفت پر فوراً ہی کمالِ فن
پاتے ہوئے کہا۔ "وہ مر گئے تھے تو کیا' ان کا کارندہ وارث علی شاہ تو زندہ تھا۔ مر
قبل انہوں نے اسے تم چاروں کی اس وقت تک کڑی نگرانی کرنے کی وصیت کی
جب تک تم اس قید خانے میں گھٹ گھٹ کر نہیں مر جاتے۔ وہاں سے تمہیں
بس یہی ایک تدبیر تھی کہ........"

"کہ آپ ہمیں زہر دے دیں۔" میں نے ان کا ادھورا جملہ استہزائیہ مسکرا
ساتھ مکمل کر دیا۔ میں نے علی ضیاء کو کچھ اس طور ممی کو دیکھتے پایا جیسے اس کے
کوئی اجنبی' انجانی عورت تھیں جسے وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

"ذرا یہ تو بتایئے کہ آپ حارث کو کون سے اسپتال لے گئی تھیں اور اس
مرنے کے بعد اسے کہاں اور کس نام سے دفنایا تھا؟" میں نے ممی سے پھر ایک
سوال پوچھا۔

ممی نے چونک کر کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا مگر اگلے ہی لمحے انہوں
کمال ہوشیاری سے اپنے تاثرات کو انکسار کے قالب میں بدل دیا اور دھیمی آواز
بولیں۔ "اس بدنصیب کو اسپتال لے جانے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ اس نے تو را
میں ہی دم توڑ دیا تھا۔"

"اور اسے دفنایا کہاں گیا تھا؟"

ممی نے میرے اس سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کی۔

"بولئے' اسے دفن کہاں کیا گیا تھا؟"

"کیا اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے؟" ممی نے نظریں چرا کر کہا۔

"جی ہاں کیونکہ اس بدنصیب کی قبر کا کوئی نشان تو ملنا چاہئے۔ وارثوں کے ہو
ہوئے اس کی قبر لاوارث کیوں رہے؟"

ممی بدستور خاموش رہیں۔

"اگر آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا تو میں ابھی باہر آپ کے مہمانوں
جا کر چلا چلا کر بتا دوں گی کہ آپ اپنی اولاد کی قاتل ہیں۔" میں نے پل بھر کو توقف کیا
بولی۔ "مجھے حارث کی قبر کا پتہ چاہئے۔"

ممی نے خائف نظروں سے مجھے دیکھا۔

"جی ہاں' مجھے اپنے بھائی کی قبر کا پتہ چاہئے۔" مجھ پر ہذیانی کیفیت طاری ہو

"اسے........ اس کی میت کو ہم نے ایک خیراتی ادارے کے حوالے کر دیا تھا۔"
بولیں۔

"آپ جھوٹ بولتی ہیں۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔"

"مجھے اس خیراتی ادارے کا پتہ بتایئے۔"

ممی نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر بلک بلک کر
رونے لگیں۔

"آپ کے ان آنسوؤں کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ حارث کی موت پر میں نے کہیں
آنسو بہائے تھے۔" میں نے قطعاً بے رحمی سے کہا پھر وہی تقاضا کیا۔ "مجھے حارث کی
نشان بتایئے۔"

"اس بدنصیب کو تو نہ کفن ملا نہ قبر۔" ممی نے اپنا چہرہ بدستور ہاتھوں سے چھپا رکھا
"اس کی میت کو میں گھر نہ لا سکتی تھی۔ اسپتال لے جاتی تو پوسٹ مارٹم ہوتا' ان
مسائل اٹھ کھڑے ہوتے اس لئے........" وہ بولتے بولتے رک گئیں۔

"ہاں ہاں' بولئے رک کیوں گئیں؟"

"اسے تمہاری نانی جان کے مشورے پر میں نے ایک نالے میں........"

اوہ! کسی بے رحم کسی ظالم کسی سفاک ہیں آپ! میں نے دانت پیستے ہوئے
اس سے مجھے اپنی رگوں میں خون ابلتا محسوس ہو رہا تھا۔

"شیریں! لعنت ہے تم پر........ تم عورت نہیں عورت کے نام پر دھبا ہو۔" علی
نے ممی سے کہا پھر وہ میری جانب متوجہ ہو کر بولا۔ "تمہاری ماں نے واقعی تمہارے
ساتھ بہت برا کیا مگر تم نے بھی خود اپنے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میں تو تم سے اپنے رشتے کی
ت ناواقف تھا مگر تم تو جانتی تھیں کہ تمہاری ماں کی نسبت سے تم سے میرا کیا رشتہ
مجھ سے تمہارا نکاح جائز ہی نہ تھا۔ کاش' تم نے مجھے یہ سب کچھ پہلے بتا دیا ہوتا یا کم
کم کسی عالم دین ہی سے چوری چھپے فتویٰ لے لیتیں۔"

"انتقام اندھا ہوتا ہے۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"اندھا نہیں جنونی کہو جو اچھے برے اور جائز و ناجائز کا خیال نہیں رکھتا۔" علی ضیاء
توقف کیا پھر دلسوز لہجے میں بولا۔ "مجھے تم سے ہمدردی ہے زریں اور میں تمہیں اپنی
کے خلاف مجسم انتقام بن جانے میں بھی حق بجانب سمجھتا ہوں مگر انتقام لینے کے لئے

تم کوئی اور مناسب اور جائز طریقہ بھی اختیار کر سکتی تھیں۔ یہ کیا کہ آدی کنو [illegible] کر کھائی میں جا گرے۔"

"میں تو یہ سمجھی تھی کہ می کو طلاق دے دینے کے بعد مجھ سے آپ کا [illegible] ہو گا۔"

"نہیں زریں یہ درست نہیں تھا بلکہ............"

تب ہی کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور علی ضیاء کی بات ادھوری رہ گئی۔ علی ضیاء نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

بھیا تیزی سے اندر آ گئے۔ فکر اور تشویش ان کے چہرے سے عیاں تھی [illegible] میں عجلت تھی۔ میں دم بخود انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ ڈیڈی کا نقشِ ثانی دکھائی [illegible] تھے۔

خدایا! وہ یہاں کیونکر چلے آئے تھے! انہیں کس نے بتا دیا تھا کہ میں یہاں [illegible] بھیا کو دیکھ کر می کی نگاہوں میں خوف امنڈ آیا۔ وہ سہم کر دیوار سے [illegible] کھڑی ہو گئیں اور انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بھیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "[illegible] پھر وہ دونوں ہاتھوں کو مخصوص انداز میں حرکت دیتے ہوئے وحشت کے عالم میں [illegible]
"نہیں آصف............ اس طرح مت دیکھو مجھے............" پھر انہوں نے کہا۔ [illegible]
"نہیں............ مجھے کچھ مت کہنا............ میں تو ان سے پیار کرتی تھی۔ انہیں [illegible] [illegible] باپ کے رویے سے مجبور ہو کر زہر دیا تھا [illegible] ہاتھوں میرے بچوں کو مروا کر وہ مجھے اس غلطی کی سزا دینا چاہتے تھے جو میں [illegible] مرضی کے خلاف تم سے شادی کر کے کی تھی!" ان کی آنکھوں کے آنسو زار و قطار [illegible] لگے تھے اور وہ ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھیں۔ "مجھے اپنے بچوں سے بہت پیار تھا [illegible] مجبور کر دی گئی۔ میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا آصف............ انہیں ان [illegible] سے نکالنے کا بس یہی ایک طریقہ سوجھا تھا مجھے کہ انہیں سنکھیا دوں اور [illegible] جائیں تو انہیں وہاں سے نکال لے جاؤں............ وارث علی شاہ ان کی نگرانی [illegible] آصف، میں اور کیا کرتی بھلا؟ پلیز! تم مجھے اس طرح مت دیکھو............ [illegible] مت دیکھو............ میں نے جان بوجھ کر حارث اور فرحین کو نہیں مارا............ تم تو [illegible] ہو نا کہ مجھے اپنے بچوں سے کتنا پیار تھا............ وہ میرے بچے تھے! وہ ہم دونوں [illegible] تھے!" پھر می نے سہم کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا اور اپنی انگلیوں [illegible] سے انتہائی خوفزدہ ہو کر پاگلوں کی طرح بھیا کو دیکھنے اور ان سے ڈرنے لگیں۔

بھیا جو انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے، آگے بڑھے اور انہوں نے می کے روبرو [illegible] کے بہت نزدیک جا تھمنے کے بعد کہا۔ "تو آپ نے ہمیں جان بوجھ کر زہر دیا............ [illegible] خودغرض اور بے رحم ہیں آپ! آج سے پہلے مجھے آپ پر محض شبہ ہی رہا مگر آج [illegible] ہو گیا ہے کہ آپ نے ہمیں زہر دیا تھا۔ آپ میرے بھائی اور بہن کی موت کی ذمے [illegible] ہیں۔ ان کی قاتل ہیں!"

می نے اتنی زور سے چیخ ماری کہ میں سہم کر رہ گئی۔ اپنی پوری زندگی میں، میں نے [illegible] انسان کو اس قدر وحشت ناک اور بلند آہنگی سے چلاتے نہیں سنا تھا۔ پاگلوں کی طرح [illegible] چلاتی می اس کمرے سے نکل بھاگیں۔

"آپ یہاں کیسے پہنچے؟" میں نے بھیا سے پوچھا۔

"لاہور فون کرنے پر تمہاری ملازمہ سے معلوم ہوا کہ تم ملتان گئی ہوئی ہو۔ بس اتنا معلوم ہو جانے کے بعد میرے لئے یہاں پہنچنا کون سا دشوار تھا۔ میں نے پہلے تو تمہیں باہر [illegible] میں ڈھونڈا، جب وہاں نہ ملیں تو کسی سے پوچھے بغیر خود ہی اندر چلا آیا۔"

"اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ زریں کے بھائی ہیں؟" علی ضیاء نے مداخلت کی۔

"آں ہاں۔" میں جیسے کسی گہرے خواب سے چونکی پھر میں نے کہا۔ "جی ہاں، یہ [illegible] بھائی عارف احمد ہیں............ آپ ہیں علی ضیاء صاحب۔"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" علی ضیاء نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

بھیا نے مصافحہ کرنے میں خاصی سرد مہری کا مظاہرہ کیا پھر میری طرف [illegible] خاصی ناگواری سے بولے۔ "اور یہ تم کیا حماقتیں کرتی پھر رہی ہو؟"

میں نے سر جھکا لیا اور میری آنکھیں بھر آئیں۔

"میں کافی ڈانٹ چکا ہوں۔" علی ضیاء نے کہا۔ "ان سے ایسی حماقت سرزد ہوئی ہے [illegible] کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔ انتقام کے بجائے معاف کر دینا اس اعتبار سے بہتر ہوتا [illegible] کہ انسان آئندہ بہت سی تکلیفوں سے بچ جاتا ہے۔"

علی ضیاء نے توقف کیا پھر بولا۔ "ہم انسانوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ مکافاتِ عمل پر [illegible] رکھنے کے بجائے آگ میں کود پڑتے ہیں۔"

بھیا جو ہمیشہ مجھے معاف کر دینے اور بھول جانے کی تلقین کرتے رہے تھے، تائید میں [illegible] ہلانے لگے۔

"عارف صاحب! آپ اجازت دیں تو ایک بات پوچھوں۔" علی ضیاء نے کہا۔

"جی فرمائیے۔"

"کیا یہ خاتون جو کچھ دیر قبل اس کمرے سے پاگلوں کی طرح چیختی چلاتی بھاگی تھی آپ سے ان کا کوئی رشتہ ہے؟"

میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھی کہ علی ضیاء نے بھیا سے یہ سوال محض ماحول کی گھمبیرتا میں افاقے کی خاطر پوچھا تھا یا وہ میرے بیانات کی تصدیق چاہتا تھا۔

"یہ میری والدہ ہیں۔" بھیا بولے۔ "اور زریں کی بھی.......... کبھی ہم چار بھائی بہن ہوا کرتے تھے مگر ہمارے والد کے انتقال کے بعد ہماری والدہ ہمیں اسی گھر میں لے آئیں اور یہاں انہوں نے تین سال' چار ماہ اور سولہ دن تک ایک کمرے میں بند رکھا۔ اس بند کمرے میں ہمارا چھوٹا بھائی بیمار پڑ گیا اور ایک رات ہماری ماں اور نانی اسے اسپتال میں داخل کرانے لے گئیں مگر پھر وہ کبھی واپس نہیں آیا۔ ہماری والدہ کا کہنا تھا کہ وہ نمونیا کا شکار ہو کر چل بسا تھا۔" بھیا نے لحظہ بھر کو توقف کرنے کے بعد کہا۔ "اگر آپ کو مزید تفصیلی معلومات درکار ہوں تو اس قصے کو بعد کے لئے اٹھا رکھئے۔ اس وقت میں ذرا جلدی میں ہوں اور اپنی بہن کو اپنے ہمراہ لے جانے کے لئے آیا ہوں۔"

"انشاء اللہ آپ سے ملاقات ضرور رہے گی۔" علی ضیاء نے کہا۔

"علی ضیاء صاحب!" بھیا گھمبیر لہجے میں بولے۔ "میرا خیال ہے کہ یہ ہماری پہلی اور آخری ملاقات ہے۔"

"آپ کا یہ خیال اس اعتبار سے تو درست ہے کہ آج کے بعد آپ کی والدہ [illegible]"

"مگر کیا؟"

"آپ کی ہمشیرہ سے سرزد ہو جانے والی غلطی ایک عجیب سے تعلق کی بنیاد بن گئی ہے۔ میں اس تعلق کو کوئی نام دینے سے قاصر ہوں.........." اچانک کمرے سے باہر زبردست شور و غل سنائی دیا۔ ہم تینوں حواس باختہ ہو کر کمرے سے نکلے۔

"گھر کو آگ لگ گئی ہے۔ جلدی سے فائر بریگیڈ کو فون کرو۔" کوئی زور زور سے چلا رہا تھا اور پنڈال میں بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔

ہم تینوں تیزی سے گھر کی عمارت سے باہر نکل آئے اور احاطے میں نکل کر ہم نے دیکھا' بالاخانے اور اس سے نچلی منزلوں میں آگ لگی ہوئی تھی اور عمارت کی نچلی منزلوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے کے درپے تھی۔ چوبی دروازے اور کھڑکیوں کے پٹ دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔

"اوہ! آگ بجھانے والوں کو فون تو کرو۔" کسی مہمان نے چلا کر کہا۔

علی ضیاء نے فائر بریگیڈ کو گھر کی زیریں منزل سے فون کیا پھر باہر نکل کر بہ آواز بلند پکارا۔

"شاید وہ اوپر ہی ہیں۔" بھیا بولے۔

"اوہ میرے خدا!" علی ضیاء نے اوپر جانے کو پر تولے۔ تب ہی دو ملازم ممی کو دبوچے زینے سے نیچے اترتے دکھائی دیئے۔ ممی پر ہذیانی کیفیت طاری تھی اور وہ پاگلوں کی طرح چیخ چلا رہی تھیں۔

"انہیں سنبھالو علی۔" میں نے علی ضیاء سے کہا اور علی ضیاء ہجوم کو چیرتا ممی کی طرف بڑھ گیا۔ شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔

نانا جان کا عظیم الشان گھر جل رہا تھا۔

مہمان انتہائی سراسیمہ تھے۔

علی ضیاء نے ممی کو سہارا دیتے ہوئے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"خدایا! یہ کیا ہو گیا؟" ممی چلا رہی تھیں' ہاتھ مل رہی تھیں۔ پھر یک بیک وہ انہیں پھاڑ کر گھر کی بالائی منزلوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "ارے' میری ماں کی تو ابھی چھٹی پر ہے علی' انہیں بچاؤ۔"

علی نے ممی کو چھوڑا اور بے اختیار اندر کی طرف لپکا۔

"علی! مت جاؤ' آگ بہت تیز ہو گئی ہے۔" میں چلائی۔

[illegible] اور ہجوم کی پروا کئے بغیر بہ آواز بلند کہا۔ "گھبراؤ مت زریں' میں ابھی واپس آیا۔" پھر وہ لپک جھپک سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔ میرے دل پر وحشت سی طاری ہو گئی اور میں رونے لگی۔ بھیا نے اپنا بازو میرے شانوں پر دراز کر دیا اور مجھے تسلی دینے لگے۔

ممی اسی طرح ہذیانی انداز میں چلاتی ہوئی میری طرف بڑھ آئیں اور انہوں نے میرا گریبان پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "تو سمجھتی ہے کہ تو.......... تو میرے علی کو مجھ سے چھین لے گی! یہ تیری بھول ہے۔ وہ صرف اور صرف مجھ سے محبت کرتا ہے۔ وہ میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔"

بھیا نے ایک زور دار جھٹکا دے کر مجھے ممی سے چھڑایا۔

"تو ہمیشہ میری خوشیوں کی دشمن رہی۔ تو نے ہمیشہ مجھے دکھ پہنچایا۔ علی کو کچھ ہوا تو اس کی ذمہ دار صرف اور صرف تو ہی ہو گی۔" ممی نے مجھے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ممی!" بھیا بولے۔ "اگر علی کو کچھ ہوا تو اس کی ذمے دار صرف اور صرف

آپ ہوں گی۔ آپ ہی نے علی سے کہا تھا کہ وہ آپ کی ماں کو بچائے۔"

می نے چیخنا بند کر دیا اور ٹھٹک کر بھیا کو دیکھنے لگیں پھر وہ کچھ سہم سی گئیں اور انہوں نے سکڑتے ہوئے کہا۔ "تم آصف نہیں عارف ہو! عارف' میرے بیٹے! میرے بچے! میں تمہاری ماں ہوں۔ کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی؟ کیا میں تمہارے لئے اچھی اچھی چیزیں نہیں لاتی تھی؟ انسائیکلو پیڈیا' کتابیں' کھلونے' کپڑے' بتاؤ اور کیا چاہیے تمہیں؟ کس چیز کی ضرورت ہے تمہیں؟ بتاؤ' میں تمہیں لا کر دوں گی۔ دیکھو کچھ دن اور صبر کر لو.......... بس تھوڑے سے دنوں کی بات اور ہے' جیسے تمہارے نانا جان مریں گے میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گی۔ خدا کی قسم ان کے مرنے کے بعد میں تمہیں فوراً یہاں سے نکال لوں گی۔ بس' زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا [illegible]۔ تھوڑے دنوں کی بات اور ہے.......... تھوڑا سا انتظار اور کر لو.......... تھوڑا سا انتظار اور کر لو.......... تھوڑا سا انتظار اور کر لو۔" وہ بے تکان بولتی چلی گئیں۔ میں نے سہم کر بھیا کی آڑ میں پناہ لے لی تھی۔

پھر فائر انجن آ پہنچے اور ان کے بعد ایمبولینس بھی مگر فائر بریگیڈ کے آنے تک نانا جان کا بلند و بالا گھر اوپر تا نیچے شعلوں میں گھر چکا تھا۔

آگ پر کافی دیر بعد قابو پایا جا سکا۔ علی' نانی جان کے کمرے میں اس طور پایا گیا کہ نانی جان اس کے بازوؤں میں تھیں۔ دونوں شعلوں سے تو محفوظ رہے تاہم دھوئیں میں دم گھٹ جانے کے باعث [illegible]

علی کی لاش باہر لائی گئی تو میں بلک بلک کر رو دی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور جب میں نے اسے دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے وہ کہہ رہا ہو۔ "میں اس تعلق کو کوئی نام دینے سے قاصر ہوں۔"

علی کی لاش دیکھ کر می پر دورہ سا پڑ گیا اور وہ یہ کہتے ہوئے مجھ پر جھپٹیں کہ میں نے علی کو ان سے چھین لیا تھا مگر بھیا نے بڑی سرعت سے مجھے ان سے بچا لیا۔

نانی جان کی لاش دیکھ کر مجھے ذرا افسوس نہ ہوا۔ انہوں نے جیسا کیا تھا ویسا بھرا تھا۔

علی ضیاء اور نانی جان کی لاشیں ایک ایمبولینس میں رکھی گئیں۔ دوسری ایمبولینس میں می کو بدقت تمام سوار کیا گیا۔ جائے حادثہ پر موجود تمام افراد کا متفقہ خیال یہی تھا کہ صدمے سے ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا۔ آتشزدگی کے اس واقعے کے بارے میں تمام عینی شاہدین کا بیان یہی تھا کہ اس کا آغاز بالاخانے سے ہوا تھا اور نانی جان کے ایک ملازم کے بیان کے مطابق اس نے آتشزدگی سے کچھ دیر پہلے می کو اوپر جاتے دیکھا تھا۔

بھیا نے پُریقین لہجے میں مجھ سے آہستہ سے کہا۔ "آگ می نے لگائی ہوگی۔"

بھیا نہ بھی کہتے تو مجھے یقین تھا کہ آگ می نے ہی لگائی تھی۔ شدید نوعیت کی بات ہی تو پاگل پن کا روپ دھار لیا کرتی ہے۔

نانا جان کے محل نما مکان کو می نے اپنے ہی ہاتھوں سوختہ کھنڈر میں بدل ڈالا تھا۔

پو پھٹنے تک ہم وہیں رہے۔ بھیا نے نانی جان اور علی ضیاء کی تدفین کے معاملے اور [illegible] میں الجھنے سے گریز کیا۔ صبح جب ہم وہاں سے نکلے تو نانا جان کے گھر کے دروازے سے باہر آنے کے بعد اس سوختہ کھنڈر پر آخری نظر ڈالتے ہوئے میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ گزشتہ شب یہاں کیسی جگمگاہٹ' رونق اور زندگی تھی! ہم انسان بھی کتنے بے وقوف ہیں۔ فانی چیزوں پر گھمنڈ کرتے ہیں اور مانند حباب زندگی پر اتراتے ہیں۔

ملتان سے لاہور کے لئے روانہ ہوتے سے میری آنکھیں اس خیال سے بھر آئیں [illegible] میرے بطن میں نمو پاتا علی ضیاء کا بچہ میرے پہلے بچے راحیل کی طرح پیدائشی یتیم [illegible]

میں پچھتا رہی تھی کہ کیوں وہاں آئی۔ نہ آئی ہوتی تو یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔ سارا [illegible] میرا تھا۔ می سے انتقام لینے کی کوشش میں' میں ایک بہت بڑے سانحے کا صدمہ دل [illegible] لائی تھی۔ علی ضیاء سے میرا نکاح غلط سہی مگر میرے بطن میں نمو پاتا بچہ تو اسی کا [illegible]

میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ کیا میں یہی چاہتی تھی؟

جواب ملا' نہیں!

نتائج ہمیشہ ہماری توقعات کے مطابق کب نکلتے ہیں!

ملتان سے لاہور کے لئے روانہ ہونے کے بعد بھیا نے راستے میں مجھے بتایا کہ ڈاکٹر [illegible] پر دل کا دورہ پڑا تھا۔ وہ اسپتال میں داخل تھے اور ہمیں لاہور پہنچنے کے بعد پہلی [illegible] سے کراچی روانہ ہونا تھا۔

میرا خیال تھا کہ بھیا مجھے اس سانحے کا ذمے دار قرار دیتے ہوئے مجھے بہت زیادہ ملامت کریں گے مگر انہوں نے غالباً میری ابتر ذہنی کیفیت کے پیش نظر دلسوز لہجے میں اتنا کہا۔ "زریں' آخر کب تک تم اس گرداب میں اُلجھی رہو گی؟ کب تک میری ناصحانہ نصیحت پر عمل نہیں کرو گی کہ بھول جانا اور معاف کر دینا انتقام کی آگ میں جلنے سے بہتر ہوتا ہے۔"

"اب تو سب کچھ ختم ہو چکا بھیا۔" میں نے متاسف و ملول لہجے میں کہا۔

"سب کچھ کہاں ختم ہو چکا۔ تمہاری اصل حریف تو ابھی زندہ ہیں۔" بھیا بولے۔

میں سمجھ گئی کہ ان کا اشارہ ممی کی طرف تھا۔ "آپ سمجھتے ہیں ممی سے میرا رشتہ نہیں۔" میری آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلی ہوئی تھی۔ بھیا نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"وہ میری بھی ماں ہیں۔ مجھے ان سے کتنی ہی نفرت کیوں نہ سہی مگر دل کے نہاں خانوں میں ان سے محبت کی وہ شمع ہنوز ٹمٹما رہی ہے جو ان سے میرے اٹوٹ تعلق کی دلیل ہے۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو زریں! تم!" بھیا نے خاصی حیرانی سے کہا۔

"اس میں اس قدر حیران ہونے کی بات نہیں۔ ممی نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا وہ الگ بات، مگر اس حقیقت کو تو کبھی نہیں جھٹلایا جا سکتا کہ وہ ہماری ماں ہیں۔ ہم نے ان کے بطن سے جنم لیا ہے۔ ان سے ہمارے ناطے پر کتنے ہی بڑے حادثے کی ضرب کیوں نہ پڑ جائے، یہ ایک اٹوٹ ناطہ ہے اور اس ناطے کے حوالے سے ہمارے دلوں میں ان کی محبت کی شمع کبھی نہ بجھ پائے گی۔"

"تو پھر تم ممی سے انتقام لینے کے درپے کیوں رہی ہو؟"

"کیونکہ جس طرح ہر عدد کی مخصوص اہمیت ہوتی ہے اسی طرح ہر رشتے کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔ حارث اور [illegible]

تھا۔ ان کی موت کے صدمات میخوں کی طرح میرے دل میں اترے ہوئے ہیں۔ [illegible] کرتی ہوں دل میں ہوکیں اٹھنے لگتی ہیں۔ ممی کے لئے میرے دل میں جو فطری محبت موجود ہے اس پر وہ دکھ غالب آ جاتے ہیں جو ممی کی بے مروتی اور خود غرضی کے سبب ہمیں بھگتنے پڑے۔"

"آئندہ کے لئے کیا ارادے ہیں؟"

"کوشش کروں گی کہ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔"

بھیا نے ایک گہری سانس کھینچی پھر بولے۔ "نانی جان کی موت کا مجھے ذرا افسوس نہیں۔ انہوں نے جو بویا وہ کاٹا مگر علی ضیاء کی موت کا مجھے دکھ ہے۔"

میری آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

"تم نے یہ حماقت کیوں کی؟"

"مجھ سے تو بہت سی حماقتیں سرزد ہوئی ہیں۔ آپ کس حماقت کی بات کر رہے ہیں؟"

"علی ضیاء سے نکاح کرنے کی۔"

"سینے میں انتقام کی آگ جل رہی ہو تو انسان کچھ بھی کر جاتا ہے۔"

"کیا ممی کو اس نے ڈیوورس..........؟"

"جی ہاں، میرے سامنے دی تھی مگر بعد میں وہ پچاس لاکھ روپیہ حق مہر کی وجہ سے [illegible] کا اعلان کرنے سے گریزاں رہا۔"

"ڈاکٹر شعیب تمہاری وجہ سے بہت پریشان رہے۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" میں نے کہا۔ "اگر وہ پریشان نہ ہوتے تو آپ کو فون پر سب [illegible] کر یہاں نہ کھینچ بلاتے۔"

"میں اپنا امتحان چھوڑ کر آیا ہوں۔"

"سوری! میری وجہ سے آپ کو پریشان ہونا پڑا۔"

"مگر اچھا ہی ہوا کہ میں آگیا۔"

ہاں، واقعی اچھا ہی ہوا تھا کہ بھیا آگئے تھے۔

"کیا ڈاکٹر شعیب کو آپ کے آنے کی اطلاع نہیں تھی؟"

"بس اتنا معلوم تھا کہ میں آ رہا ہوں۔"

"کل ہی تو میری ان سے بات ہوئی تھی۔ آپ کب آئے؟"

[illegible] فون پر بات کرنی چاہی تو ملازمہ نے بتایا کہ تم دو تین دن کے لئے ملتان جا چکی تھیں۔ چنانچہ میں نے فوری طور پر ملتان [illegible] کی تیاری کر لی۔"

"اور ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کب خراب ہوئی؟"

"آج صبح۔"

"کیا زیادہ طبیعت خراب ہے؟"

"شدید نوعیت کا دورۂ قلب۔" بھیا بولے۔ "انتہائی نگہداشت میں ہیں۔ اگر مجھے [illegible] طرف سے تشویش اور فکر نہ ہوتی تو میں انہیں اس حالت میں چھوڑ کر ہرگز یہاں [illegible].......... لاہور پہنچتے ہی تم اپنا سامان باندھو گی اور ہم پہلی پرواز سے کراچی جانے کی [illegible] کریں گے۔"

"جی بہتر۔"

"تم لاہور میں رہ کہاں رہی ہو؟"

"پہلے تو کرائے پر رہ رہی تھی مگر اب اپنے اپارٹمنٹ میں ہوں۔"

"اپنے اپارٹمنٹ میں؟" بھیا کے لہجے میں استفہامیہ کیفیت تھی۔

"جی ہاں.......... علی ضیاء نے نکاح کے بعد مجھے میرے نام سے ایک لگژ... اپارٹمنٹ خرید کر دیا تھا۔"

"ہمیں جلد از جلد کراچی روانہ ہونا ہوگا۔" بھیا نے موضوع بدل دیا۔ پھر وہ راح... کا حال چال پوچھنے لگے۔ بعد ازاں ماسی اللہ رکھی کا ذکر چل نکلا اور ہم دونوں تادیر اس مہربان و مخلص عورت کی یادوں میں گم رہے جو اجنبی ہونے کے باوجود ہمارے لئے اپنوں سے بڑھ کر ہمدرد اور پرخلوص ثابت ہوئی تھی۔

لاہور پہنچنے پر اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی میری آنکھیں بھیگ گئیں۔ علی ضیاء سے وابستہ بیسیوں یادیں اس گھر کے بام و در سے لپٹی پڑی تھیں۔ گو علی ضیاء نے مجھ سے نکاح کرنے کے لئے ممی کو طلاق دینے کے باوجود اس سے پھر کر میرے اعتماد کو ٹھو... دیا تھا' مجھے صدمہ پہنچایا تھا۔ جب میں ملتان جانے کے لئے اس گھر سے روانہ ہوئی تھی تو علی ضیاء کے خلاف بیسیوں شکایتیں اور حکایتیں میرے سنگ تھیں۔ میں اس سے بس... تھی مگر اب میرے دل میں اس کے خلاف کوئی گلہ شکوہ نہیں تھا۔

افسوس کہ ممی کے خلاف جذبۂ انتقام کی شدت نے مجھے یہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی کہ علی ضیاء سے میرا نکاح جائز تھا یا ناجائز۔

سلیمہ میری ملازمہ بخوشی میرے ساتھ کراچی جانے پر آمادہ... بھال سے قطع نظر مجھے اللہ رکھی کے بعد گھر کے کام کاج میں مدد کے لئے ایک ملازمہ کی ضرورت تو بہرحال تھی۔ گذشتہ چند ماہ کے دوران مجھے سلیمہ کے بارے میں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک محنتی اور ایماندار عورت تھی چنانچہ اس نے میرا اور راحیل کا اسباب ہی نہیں بندھوایا اپنا مختصر سا اسباب بھی باندھ لیا۔

علی ضیاء نے مجھے جو اپارٹمنٹ خرید کر دیا تھا' اس کے دروازے پر تالا پڑ گیا۔

☆------☆------☆

میں کراچی پہنچی تو ڈاکٹر شعیب کو دنیا و مافیہا سے بے خبر بستر علالت پر پڑے دیکھا۔ انہیں کچھ ہوش نہ تھا۔ ایک مسیحا کو طلبگار مسیحائی بنا پڑے دیکھنا کم از کم میرے لئے ایک جاں گسل تجربہ تھا۔ ڈاکٹر شعیب اسپتال میں انتہائی نگہداشت کے شعبے میں تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے بہت قلق ہوا۔ لاہور جاتے وقت میں انہیں ایسی کمزور حالت میں تو نہیں چھوڑ گئی تھی۔ وہ بالکل تندرست اور بھلے چنگے تھے مگر اب تو انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا

...دنوں سے بیمار تھے۔ ان کی رنگت بالکل زرد تھی اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر شعیب کو اسپتال میں تشویش ناک حالت میں بستر علالت پر پڑے ہوئے دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے' کیا نہیں کیا تھا اس شخص نے ہمارے لئے اور ہم نے کیا دیا تھا۔

"خدایا! مجھے اپنے محسن' اپنے محبوب کی خدمت کا موقع ضرور دینا۔" میں نے ڈاکٹر کے سرہانے آنسو بہاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر التجا کی۔

اس رات ان پر دوسری مرتبہ دورۂ قلب پڑا۔ میں تو یہ سمجھی تھی کہ بس اب وہ ...وزدہ ہو کر میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں مگر میرا دل اللہ کے حضور گڑگڑا رہا تھا۔ "انہیں زندہ رکھنا۔"

اللہ نے میری سن لی اور ڈاکٹر شعیب موت کی دہلیز پر جا کر پلٹ آئے۔

جب انہوں نے آنکھیں کھولیں تو میں ان کے سرہانے موجود تھی۔

"زریں! کیا یہ تم ہو؟" انہوں نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"جی!" میں ان پر جھک کر بولی۔

"کب آئیں؟" ان کی آواز سے نقاہت ٹپک رہی تھی۔

"میں تو آپ کی بیماری کی خبر سنتے ہی دوڑی چلی آئی ڈاکٹر صاحب۔" میں نے ان کا ... ہاتھ ... لیتے ہوئے ...

"علی ضیاء سے کتنے دن کی اجازت لے کر آئی ہو؟"

"ہمیشہ کی۔"

انہوں نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا ڈاکٹر صاحب' کہ ایک نہ ایک دن آپ ہی کی طرف لوٹ آؤں گی' سو میں آپ کے پاس لوٹ آئی ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔" وہ مدہم سُروں میں بولے۔

میں اور جھک گئی اور میں نے کہا۔ "آپ کو زیادہ بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کچھ نہ بولئے' کچھ مت پوچھئے بس.......... اتنا جانئے کہ.......... میں آپ سے اتنی ...ل آئی ہوں جتنی نہ میں خالد سے کرپائی نہ کسی اور سے۔"

"کیا تم علی ضیاء کو.........."

"میں اسے چھوڑ کر نہیں آئی' وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔" میں نے ان کا سوال

پورا ہونے سے قبل ہی جواب دیتے ہوئے کہا۔

انہوں نے مزید کچھ کہنے کو لب کھولنا چاہے مگر میں نے ان کے لبوں پر اپنی انگلی رکھ دی اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ نے خاموشی اختیار نہ کی ڈاکٹر صاحب تو مجبوراً نرس یا ڈاکٹر کو بلانا پڑے گا۔"

انہوں نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

چند دن میں جب ان کی حالت بہتر ہو گئی تو ان کے اصرار پر میں نے انہیں [illegible] علی ضیاء کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس سلسلے میں تفصیل میں نے بعد [illegible] اٹھا چھوڑی۔

ڈاکٹر شعیب تیرہ دن اسپتال میں رہے اور اس دوران میں نے ان کی دیکھ بھال [illegible] دن رات ایک کر دیا اور ان کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ان کے اصرار پر مجھے ساری تفصیل بتانا پڑی جو میں نے انہیں بعد میں بتانے کے لئے اٹھا رکھی تھی۔

تیرہ دن تک اسپتال میں رہنے کے بعد جب ڈاکٹر شعیب گھر آئے تو ہم نے [illegible] صحت یابی کی خوشی میں جشن منایا۔ جس میں وہ' میں' بھیا' راحیل اور گھر کے ملازم [illegible] تھے۔

ڈاکٹر شعیب کی صحت یابی کے بعد بھیا ممی کی خبر گیری کے لئے ملتان گئے تو [illegible] ہوا کہ آتشزدگی کے سانحے کے بعد ان کا ذہنی توازن درہم برہم ہو جانے کے باعث [illegible] [illegible] کرا دیا گیا تھا۔ چنانچہ ملتان [illegible] لاہور گئے اور وہاں ممی کی خیر خبر لینے کے بعد کراچی واپس ہوئے۔

بھیا کے بیان کے مطابق ممی کی حالت اچھی نہ تھی۔ وہ بہکی بہکی باتیں کرتی [illegible] اور انہیں کچھ ایسا وہم ہو گیا تھا کہ وہ سارا دن آئینے میں اپنی صورت دیکھتیں اور چہرے کو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے کھروچتی رہتی تھیں اور چلا چلا کر کہتی تھیں۔ "[illegible] لعنت ہے شیریں!"

تقریباً ڈیڑھ ماہ پاکستان میں گزار کر بھیا انگلستان واپس جانے لگے تو انہوں [illegible] سے کہا۔ "زریں' ہم دونوں بھائی بہن ہی نہیں دوست بن کر رہے ہیں۔ ایک دوست [illegible] حیثیت سے تمہیں میرا مشورہ یہ ہے کہ............ ڈاکٹر شعیب سے شادی کر لینا۔ اگرچہ [illegible] یہاں نہیں ہوں گا مگر میری دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔"

"میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف پہنچی۔" میں نے شرمندگی ظاہر کی۔

بھیا نے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

☆-------☆-------☆

شرجیل کی پیدائش کے کچھ عرصے بعد میں نے ڈاکٹر شعیب سے نکاح کی خواہش کی [illegible] کے لبوں پر حزنیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور انہوں نے کہا۔ "ایک مریض قلب سے [illegible] خیال کر کے تم خود کو آزمائش سے دوچار کرنے کی غلطی مت کرو زریں۔ دو مرتبہ [illegible] قلب کا شکار ہو چکا ہوں۔ اپنی جسمانی کیفیت مجھے ریت کا گھروندہ محسوس ہوتی ہے جو [illegible] ٹھیس سے زمین بوس ہو سکتا ہے' تم جوان ہو' پُرامنگ ہو' تمہیں اپنے جوڑ کے [illegible] سے شادی کرنی چاہئے۔"

میری آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے اور یہ نمی میری آواز میں بھی اتر آئی۔ "ڈاکٹر [illegible]!" میں نے دلگیر ہو کر کہا۔ "نوجوانی کی عمر سے میں آپ کی داسی بنی آپ کی پوجا کر [illegible] ہوں۔ وقت کا بے رحم ہاتھ دو مرتبہ میرے آپ کے بیچ خلیج حائل کر چکا مگر میں اپنے [illegible] مراد پا کر ہی رہوں گی۔"

"ہر بات اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہے زریں۔" وہ بولے۔ "اب تو میں بوڑھا ہو [illegible] ہوں۔"

"وقت سے پہلے۔" میں نے آزردگی سے کہا۔ "آپ بوڑھے بھی تو ہماری ہی وجہ [illegible] ہوئے۔ ہمیں آرام و آسائش بہم پہنچانے کی خاطر آپ نے ضرورت سے زیادہ ذمہ [illegible] اپنے سر لی۔ کیا نہیں کیا آپ نے ہمارے لئے! اگر میں سو بار جنم لے کر آپ کے [illegible] احسانات کا بدلہ اتارنے کی کوشش کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے بھائی بہن پر کئے [illegible] نہیں اتار سکتی۔"

"ایسا مت کہو............ ایسا مت کہو زریں۔ میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ انسان [illegible] کے ناطے یہ میرا فرض تھا کہ تم لوگوں کی مصیبت میں کام آؤں' سو اتنا سا کام میں [illegible] اسے تم احسان کا نام مت دو۔"

"آپ عظیم انسان ہیں ڈاکٹر صاحب!"

"مجھے شرمندہ مت کرو۔"

"مجھے اپنے چرنوں میں بیٹھ جانے کی اجازت دے دیجئے۔"

میں نے ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکاتے ہوئے بہت عاجزی سے کہا۔

انہوں نے میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے آہستہ سے کہا۔ "میں دوڑتے دوڑتے [illegible] ہوں ڈاکٹر صاحب۔ مجھے اپنی محبت کی چھاؤں میں بیٹھ جانے کی اجازت دے

دیجئے۔"

"خود کو آزمائش میں مت ڈالو زریں' وقت بہت آگے نکل چکا ہے۔"

"ابھی چند ماہ پہلے ہی تو آپ لاہور سے میری واپسی کے بے چینی سے منتظر [illegible]"

"تب میں بیمار نہیں تھا۔"

"مجھے آپ کی خدمت کر کے سکون ملتا ہے۔ آپ کی شریک زندگی بن کر [illegible] کی زیادہ بہتر طور پر خدمت کر سکوں گی.......... پلیز! پلیز ڈاکٹر صاحب! مجھے [illegible] کیجئے۔"

وہ سوچ میں پڑ گئے۔ میری طرف دیکھ کر بولے۔ "سوچ لو۔"

"میں تو کب کی سوچ چکی۔" میں نے سرفروشانہ انداز میں کہا۔

"ایک بار پھر سوچ لو۔"

"سوچ لیا ہے.......... فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اپنے فیصلے پر نظرثانی کر لو۔"

وہ ہار گئے میں جیت گئی!

بہت سادگی سے ڈاکٹر شعیب اور میں جیون بھر کے بندھن میں بندھ گئے۔ [illegible] مطمئن اور مسرور تھی۔

☆------☆------☆

ڈاکٹر شعیب [illegible] لیا۔ ڈاکٹر شعیب سے میری انسیت اور وفاداری کا یہ عالم تھا کہ میں نے شرجیل کا [illegible] کے باپ کی نسبت سے شرجیل علی رکھنے کے بجائے ڈاکٹر شعیب احمد کی [illegible] شرجیل احمد رکھا تھا تاہم اس کی پیدائش کے سرٹیفکیٹ پر اس کی ولدیت علی ضیاء [illegible] تھی۔

میں ایک مکمل خانہ دار عورت بن گئی۔ شوبزنس اور شوبزنس سے متعلق [illegible] میرا تعلق قطعاً منقطع ہو گیا۔ اب میں ڈاکٹر شعیب کی وفاشعار اور خدمت گزار [illegible] راحیل اور شرجیل کی ماں تھی۔ بہت پہلے میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ [illegible] نے کبھی شادی کی اور میرے ہاں اولاد ہوئی تو میں اپنے بچوں کو اتنا پیار اور [illegible] تحفظ دوں گی کہ ماں کے نام پر لگے وہ تمام دھبے مٹا دوں گی جو ممی جیسی مائیں [illegible] پر لگایا کرتی ہیں۔ راحیل اور شرجیل کو بے پناہ محبت اور احساس تحفظ دے کر میں [illegible] کو نبھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

راحیل اور شرجیل سے میں نے اس حقیقت کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی کہ [illegible] مختلف باپوں کی اولاد تھے۔ میں جانتی تھی کہ ایک نہ ایک دن یہ حقیقت کھلنا ہی تھی [illegible] کیوں ڈالے جائیں البتہ اس حقیقت پسندی کے باوجود مجھ سے چوک ہو ہی گئی [illegible] یہ کہ شرجیل کی پیدائش کے اول روز سے ڈاکٹر شعیب پر اس کا غیر معمولی التفات [illegible] ہوئے میں نے راحیل اور شرجیل کو یہ بتایا تھا کہ ڈاکٹر شعیب ہی اس کے باپ تھے [illegible] اپنی اس چوک پر نہ تو مجھے ندامت تھی' نہ پچھتاوا نہ تشویش کیونکہ میں دیکھتی تھی کہ [illegible] شعیب شرجیل ہی نہیں بلکہ راحیل کو بھی سگی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ ان کی [illegible] اور احسانات کا تقاضا تو یہ تھا کہ میں بچوں کے قلوب میں ان کے لئے احترام و [illegible] کے ویسے ہی جذبات پیدا کرنے کی کوشش کروں جیسے اولاد اپنے سگے باپ کی نسبت [illegible] ہے۔ راحیل اور شرجیل میں باہم اتنی محبت تھی کہ ان میں سے کسی ایک کے دل [illegible] ڈاکٹر شعیب کے لئے ایسے جذبات بیدار کر دینے کا مطلب تھا دوسرے کے دل میں ویسے ہی جذبات کو نمو دینا۔ اپنی اس چوک پر تشویش مجھے اس لئے نہ تھی کہ مناسب [illegible] آنے پر میں بچوں کو اعتماد میں لے کر ان پر اصل حقیقت ظاہر کر دینے کا مصمم ارادہ [illegible] تھی۔

راحیل سے میں اس کے باپ کی نسبت کوئی غلط بیانی کر ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ [illegible] کی دادی اس سے مسلسل اپنا تعلق برقرار رکھے ہوئے تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے [illegible] انتقال ہو چکا ہے۔

راحیل کو میں نے اسکول میں داخل کرا دیا اور دونوں بچوں کے سلسلے میں میری [illegible] الانوع ذمہ داریاں اور امور خانہ داری مجھے اس بری طرح مصروف رکھتے کہ کبھی [illegible] تو میں بولا جاتی مگر ان تمام ذمے داریوں اور مصروفیات کے ہجوم کے باوجود ڈاکٹر [illegible] کی محبت ایک لمحے کے لئے بھی میرے دل سے محو نہ ہونے پاتی اور میں کسی داسی [illegible] طرح ان کی پوجا کئے جاتی۔ ان کے خیال کو اپنے دل سے لگائے رکھتی۔ وہ سامنے نہ [illegible] ہوتے تو ان کی صورت کو اپنی آنکھوں میں بسائے رکھتی۔ ان کی خدمت میں مجھے [illegible] ملتی' ان کی قربت میں بے پایاں سکون اور طمانیت کا احساس ہوتا۔ میرے دل کو [illegible] مندر سے تشبیہ دی جاتی تو وہ بلاشبہ اس مندر کے دیوتا قرار پاتے۔

ڈاکٹر شعیب سے میری شادی کے بعد بھیا کو میری جانب سے انتہائی اطمینان ہو گیا [illegible] بیرون ملک اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے وہیں ایک اسپتال سے وابستگی [illegible] کر لی حالانکہ ڈاکٹر شعیب کی خواہش تو یہ تھی کہ بھیا وطن واپس آ کر نہ صرف ان کا

کلینک سنبھالیں بلکہ ذاتی اسپتال کے اس منصوبے پر از سر نو کام کریں جسے انھوں نے اپنی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے بیرون ملک روانگی کے بعد التوا میں ڈال دیا تھا مگر ذاتی اسپتال کے قیام سے زیادہ اپنی پیشہ ورانہ استعداد اور مہارت میں ناموری حاصل کرنے سے دلچسپی تھی۔

ہفتہ عشرہ میں بھیا کا فون آ جاتا۔ عید تہوار پر ہم ایک دوسرے کو تہنیت نامے دیتے اور آتے جاتے شناساؤں کے توسط سے سوغاتوں کا باہمی تبادلہ ہو جاتا۔ جب کوئی اچھی سی لڑکی نظر آتی میرے دل میں بھیا کو دولہا بنانے اور ان کا گھر بسے دیکھنے کی انگڑائی لینے لگتی لیکن جب میں فون پر بھیا سے اپنی خواہش کا اظہار کرتی یا اس سلسلے میں انہیں خط لکھتی تو وہ حسب عادت ٹال جاتے۔

اپنی تعلیم مکمل ہونے کے بعد جب بھیا نے مجھے فون پر یہ بتایا کہ وطن واپس آنے کے بجائے وہیں ایک اسپتال سے وابستگی اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو مجھے دکھ پہنچا۔ "آپ یہاں کیوں نہیں آ جاتے بھیا؟" میں نے اداس ہوتے ہوئے پوچھا۔

"آؤں گا ضرور آؤں گا مگر ابھی دو تین برس تک نہیں۔"

"کچھ دن ہی کو آ جایئے۔"

"جی تو بہت چاہتا ہے میرا بھی۔"

"تو کیوں نہیں آ جاتے؟ آ جایئے نا۔"

[illegible] میں وہاں آیا تو زخم پھر سے ہرے ہو جائیں گے۔ چند دنوں کو وہاں آ کر زخموں کو ہرا ہونے کا موقع دینے سے فائدہ؟ دو تین برس یہاں کام کر لوں، تجربہ حاصل کر لوں پھر وہاں آ کر دیکھوں گا کہ زخم کتنی گہرائی میں ہیں۔"

اوہ ممی! آپ نے ہمیں کتنا گھائل کر دیا تھا۔

پھر بھیا نے یہاں سے جانے کے بعد پہلی مرتبہ مجھ سے پوچھا۔ "ممی کی کبھی خبر لینے کی کوشش کی تم نے؟"

"جی نہیں اور نہ میں ضرورت محسوس کرتی ہوں۔"

پھر بھیا نے اس سلسلے میں مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔ میرے جواب سے وہ سمجھ گئے تھے کہ ممی کے سلسلے میں، میں آج بھی وہیں تھی جہاں کل تھی!

☆------☆------☆

ڈاکٹر شعیب کا اور میرا تین برس کا ساتھ رہا اور یہ رفاقت میرے لئے با[illegible]

ثابت ہوئی۔ اس دوران ہم نے دو مرتبہ بھیا کے پاس جانے کا ارادہ کیا مگر اول بار ڈاکٹر جیل کی اچانک شدید بیماری کے سبب ارادۂ سفر منسوخ کرنا پڑا۔ دوسری بار اپنا پروگرام ڈاکٹر شعیب کے تیسرے دورۂ قلب کی بنا پر ملتوی کرنا پڑا۔

میں نے بھیا کو ڈاکٹر شعیب کی علالت کی خبر دے کر انھیں پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا اور تنہا اس بحران سے گزری لیکن جب یہ بحران گزر گیا اور ڈاکٹر شعیب اسپتال سے گھر آ گئے تو میں نے بھیا کو بتا دینے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔

"زریں! جونہی وہ سفر کے لائق ہو جائیں تو انہیں اور بچوں کو ساتھ لے کر یہاں آ جاؤ۔ علاج معالجے کے لئے جدید ترین اور بہترین سہولتیں یہاں میسر ہیں۔"

"کوشش کروں گی۔"

"کوشش نہیں بلکہ تم لوگ سب کے سب ہر صورت میں یہاں آ رہے ہو............

[illegible]؟"

"اوکے!"

ڈاکٹر شعیب کو بھی کوئی پس و پیش نہ ہوا اور طے پایا کہ وہ اپنی جسمانی کمزوری پر ذرا قابو پالیں پھر بھیا کے پاس جانے کے لئے رخت سفر باندھیں گے۔ ان کا علاج بھی ہو جائے گا، کچھ سیرو تفریح بھی ہو جائے گی اور ایک دوسرے سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔

[illegible]

[illegible]گھری!

اسپتال سے ڈاکٹر شعیب کی گھر منتقلی کے دو ہفتے بعد ایک روز شام کے وقت جب ہماری ملازمہ دونوں بچوں کو گھر کے نزدیک واقع ایک پارک میں سیرو تفریح کرانے لے گئی ہوئی تھی، ڈاکٹر شعیب نے جو کمرے میں لیٹے تھے، مجھے پکارا۔ میں ان کی ایک ہی آواز پر لپک کر کمرے میں گئی تو انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے نزدیک بیٹھنے کو کہا۔ میں نے مسکراتے ہوئے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز حالت میں بیٹھے تھے۔ جب میں ان کے نزدیک بیٹھ گئی تو وہ اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر مجھے غور سے دیکھنے لگے۔ جب انہیں مجھ پر ٹکٹکی باندھے کافی دیر ہو گئی تو میں نے بے چین ہو کر نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟"

انھوں نے ایک گہری سانس کھینچی اور پھر بولے۔ "دیکھ رہا ہوں کہ تم کتنی دلکش اور معصوم ہو! اور سوچ رہا ہوں کہ تمہاری قسمت نے ہر مقام پر کیسے سنگدلی کا مظاہرہ کیا

"

لمحہ بھر کو تو یوں لگا جیسے میرے دل پر لگا ہر گھاؤ یک بیک ٹیسیں دینے لگا ہو گر ا
ہی لمحے میں نے دکھ کی اس لہر کو دباتے ہوئے، مسکرا کر کہا۔ "مگر اب تو میں بہت
مطمئن ہوں۔"

"ذرا میری الماری کا لاکر تو کھولو۔" وہ بولے۔

میں ان کے پاس سے اٹھی اور ان کے حکم کی تعمیل کی۔

انہوں نے گردن اونچی کرتے ہوئے الماری کے لاکر کی جانب دیکھا پھر ا
اشارے سے بولے۔ "یہ جو دائیں جانب والی فائلیں رکھی ہیں، ان میں سے
اوپر والی فائل تو اٹھالاؤ میرے پاس۔"

میں نے ویسے ہی کیا جو انہوں نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے مجھ سے فائل لیتے ہوئے کہا۔

میں دوبارہ ان کے نزدیک بیٹھ گئی۔

انہوں نے فائل کھول کر سرسری سی ورق گردانی کی پھر فائل میری طرف
بولے۔ "اس فائل میں میرا وصیت نامہ ہے۔"

مجھے یوں لگا جیسے مجھے سزائے موت سنادی گئی ہو!

ڈاکٹر شعیب کھنکارنے کے بعد بولے۔ "بقیہ تمام ضروری کاغذات اور فائلیں
لاکر میں مل جائیں گی۔ سکھر میں موجود تمام اراضی اور یہ مکان تمہارے نام کے
... اور ... کے نام کردی ہے۔ اسپتال
پلاٹ خریدا تھا' وہ اور ایک کلینک عارف کے نام جائیں گے۔ عارف کے نام میں
وصیت کردی ہے کہ اسپتال کو فرحین کی یاد میں فرحین میموریل اسپتال کا نام دیا جا
انہوں نے توقف کیا پھر بولے۔ "تمہارے لاہور جانے کے بعد میں نے ایک نوجوان ڈا
کو ایک کچی آبادی میں زوہیب میموریل کلینک کے نام سے ایک کلینک کھلوا کر دیا
وصیت نامے میں اس کا ذکر بھی ہے۔ اس کلینک کو کاملاً اسی ڈاکٹر کے حوالے کر دیا
میں اس کے جذبۂ خدمت گزاری سے بہت مطمئن رہا ہوں۔"

میرا رواں رواں لرزنے لگا۔

"یہ......... یہ......... آپ......... کیا کہہ رہے ہیں؟" مجھے اپنی آواز کسی اور
کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔

انہوں نے فائل میرے نزدیک رکھ دی اور بولے۔ "کل بینک گیا تھا اور میں
اپنے اکاؤنٹ کی تمام رقم تمہارے اکاؤنٹ میں منتقل کردی۔ تاکہ تمہیں بعد میں

و۔"

مجھے اپنی رگوں میں خون منجمد سا ہوتا محسوس ہوا۔

"آ......... آج آپ کیسی......... باتیں کر رہے ہیں!"

"میرے بیمہ زندگی کے کاغذات بھی تمہیں لاکر میں مل جائیں گے۔"

"پلیز!" میں گھٹی گھٹی آواز میں گڑگڑا دی۔ میرے لبوں کے گوشے پھڑکنے لگے۔
میرے وجود پر لرزش طاری ہوگئی اور میری آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے۔
ٹپ! ٹپ! ٹپ! آنسو میری آنکھوں سے میری آغوش میں ٹپکنے لگے۔

انہوں نے اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھ دیا اور دھیمی آواز میں بولے۔ "بہتر یہی
ہوگا کہ تم بچوں کو لے کر عارف کے پاس چلی جانا۔"

میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ میرا شانہ تھپتھپا کر مجھے تسلی دینے لگے۔

میرے آنسو تھمے تو انہوں نے کہا۔ "جتنا رونا ہے ابھی رو لو۔ میرے بعد مت رونا'
بچے پریشان ہوں گے۔"

"پلیز! ایسی باتیں مت کیجئے۔" میں نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرا حوصلہ مت
آزمائیے۔"

"ہمت سے کام لو......... ہمت سے کام لو۔" انہوں نے توقف کیا پھر بولے۔
"انسان کو ہر آزمائش' ہر امتحان کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"میں بڑی آزمائشوں سے گزر چکی ہوں۔ اب کسی آزمائش' کسی امتحان سے نہیں
گزرنا چاہتی۔" میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

انہوں نے میرا شانہ تھپتھپایا۔

"آپ تو جانتے ہیں کہ میں نے زندگی میں کتنے عذاب' کتنے دکھ سہے ہیں۔" میرا
لہجہ دل گیر تھا۔

"ہاں جانتا ہوں۔" وہ بولے۔ "مگر تمہیں آنے والے وقت کے لئے تیار کرنا بھی
ضروری ہے۔"

میں خود کو نیم جاں ہوتا پا رہی تھی۔

"ایک کپ چائے تو پلا دو۔" انہوں نے کہا۔

میں اٹھی تو مجھے اپنی ٹانگیں بے جان سی لگیں۔

ان کی باتوں نے مجھے اتنا وحشت زدہ کر دیا تھا کہ ان کے لئے چائے بنانے کے

دوران میں نے تین مرتبہ کچن سے نکل کر ان کے کمرے میں جھانکا۔
جب میں چائے لئے ان کے کمرے میں پہنچی تو وہ آنکھیں بند کئے بستر پر پڑے [illegible]
"ڈاکٹر صاحب!" میں نے انہیں بے تابی سے پکارا۔
انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور مسکراتے ہوئے مجھے دیکھنے لگے۔ پھر اٹھ کر [illegible] ہوئے انہوں نے کہا۔ "گھڑی دو گھڑی کو غنودگی سی چھائی تھی کہ عذرا اور زوہیب [illegible] میں آ گئے۔ دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑے مجھے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔" انہوں نے توقف کیا پھر بولے۔ "عجیب بات ہے کہ عذرا خواب میں مسکراتی ہوئی دکھائی دی حالانکہ وہ شاذ ہی مسکراتی تھی.......... عجیب عورت تھی وہ بھی! کبھی مجھے وہ خوشی نہ [illegible] پائی جس کی میں اس سے توقع رکھتا تھا۔"
میں نے چائے کی پیالی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "خدا نے چاہا تو میں آپ کی خوشی کا اتنا سامان کروں گی کہ آپ کو کبھی بھولے سے بھی عذرا کا خیال نہ آئے گا۔"
انہوں نے چائے کی پیالی میرے ہاتھوں سے لینے کے بجائے میرے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے اور مجھے وارفتہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "تم نے تو [illegible] رفاقت ادا کر دیا زریں.......... سچ پوچھو تو تمہاری رفاقت میں گزارا ہوا ہر لمحہ مجھے اپنی زندگی کا حاصل محسوس ہوتا ہے.......... تھینک یو.......... تھینک یو ویری مچ زریں!"
میرے ہاتھ سے چائے کی پیالی مع پرچ لیتے ہوئے انہوں نے اپنے کمرے کی [illegible] والی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ دن میری زندگی کا خوش قسمت دن تھا زریں جب ماسی اللہ رکھی تمہیں، عارف اور فرحین کو اپنے ہمراہ میرے گھر میں لائی تھی۔"
"حیدر آباد والے گھر میں۔" میں نے انہیں انتہائی جذب کے عالم میں برآمدے کی جانب دیکھتے پا کر کہا۔
"مجھے یاد ہے.......... مجھے اچھی طرح یاد ہے.......... بہت اچھی طرح یاد ہے۔"
انہوں نے چائے کا ایک گھونٹ لیا پھر خوابناک لہجے میں بولے۔ "چھٹی کا دن تھا۔ میں برآمدے میں کرسی ڈالے بیٹھا تھا جب تم اس زخمی ہرنی کی مانند جس کے پیچھے شکاری دوڑے چلے آ رہے ہوں، فرحین کو آغوش میں دبوچے ڈری ڈری، سہمی سہمی سی میرے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں۔"
میرا دل دھیرے دھیرے رسنے لگا۔
"ڈاکٹر صاحب!" میں نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "میں تو آج بھی ویسے ہی ڈری ڈری [illegible]

[illegible]سی کھڑی ہوں۔"
"مجھے افسوس ہے۔" وہ سر جھکا کر بولے۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں زیادہ دور تک [illegible]ارا ساتھ نہ دے سکا۔"
"اتنا تو ساتھ دیا ہے آپ نے ہمارا۔" میری آواز رندھ گئی۔
کاش! میں ان کی بات کا مطلب سمجھ پاتی!
ان کے چائے پی چکنے کے بعد میں خالی پیالی اور پرچ باورچی خانے کے سنک پر رکھنے کے بعد ان کے پاس واپس آئی تو وہ آنکھیں موند کر پڑ چکے تھے۔
"ڈاکٹر صاحب!" میں نے انہیں دھیرے سے پکارا۔
مگر انہوں نے سر مو حرکت نہ کی۔
میں نے انہیں دوبارہ پکارا لیکن وہ بدستور آنکھیں موندے پڑے رہے۔
یوں پل بھر میں گہری نیند سو جانے کا تو سوال ہی نہ تھا۔
کیا وہ تھک گئے تھے؟ یا انجانے میں میرے منہ سے کوئی ایسی بات نکل گئی تھی جس نے انہیں مجھ سے خفا کر دیا تھا۔ میں ان پر جھک گئی اور پھر پکارا۔ ان کے لبوں پر تو ہلکی سی مسکان تھی۔ گویا وہ خفا نہ ہوئے تھے بلکہ شاید مجھے ستانے کو آنکھیں موند کر پڑ گئے تھے۔
میں نے پھر پکارا! پھر پکارا! اور پکارتی ہی چلی گئی! مگر انہیں آنکھیں کھولنا تھیں نہ کھولیں۔
[illegible] وہ میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے!
اس شام انہوں نے مجھ سے جو باتیں کی تھیں وہ دونوں مجھے رلاتی اور میرا دل [illegible] رہیں۔ خدایا! کیا بعض لوگوں کو اپنی موت کا الہام اس طور ہو جایا کرتا ہے!
ڈاکٹر شعیب کی موت کے بعد مجھے موت سے ازحد خوف آنے لگا۔ موت میرے بچپن سے میرا پیچھا کر رہی تھی اور میرے عزیزوں کو یکے بعد دیگرے مجھ سے چھینے چلی جا رہی تھی۔
پہلے اس نے ڈیڈی کو مجھ سے چھینا!
پھر حارث کو!
اس کے بعد خالہ!
پھر فرحین!
فرحین کے بعد علی ضیا!
اور اب ڈاکٹر شعیب!

نانا جان اور نانی جان کو تو میں نے اپنے عزیزوں کی فہرست سے جدا کر دیا تھا!

☆-------☆-------☆

مجھے پچھلی تمام موتوں کی طرح ڈاکٹر شعیب کی موت کی ذمے دار بھی ممی ہی لگیں
نہ ممی ہمیں اس زنداں میں ڈالتیں نہ ہم ان کی اور نانی جان کی زیادتیوں اور مظالم
عاجز آ کر اس زنداں سے فرار ہونے کے بعد ماسی اللہ رکھی کے توسط سے ڈاکٹر شعیب
تک پہنچے ہوتے! تب شاید انہوں نے بروقت دوسری شادی کر لی ہوتی اور وہ اس دنیا سے
بے نام و نشان جانے کے بجائے اپنی اگلی نسلوں کے امین چھوڑ کر جاتے۔ ہو سکتا تھا
دوسری شادی سے انہیں اتنی خوشیاں ملتیں کہ وہ زیادہ عرصہ جیتے رہتے۔ ڈاکٹر شعیب
ساتھ رہنے کی وجہ سے ہمارے دکھوں کے سائے خواہ مخواہ ان کا تعاقب بھی تو کرتے
تھے۔ کاش! کاش کہ میں دو مرتبہ راہ بھٹک کر ڈاکٹر شعیب سے دور نہ نکل گئی ہوتی اور
میرے دونوں بیٹوں کی ولدیت کے خانے میں دو مختلف ناموں کا اندراج ہونے کے بجائے
ڈاکٹر شعیب ہی کا نام ہوتا! تب شاید ان کی موت کے بعد اپنے اور اپنے بیٹوں کے حصے
میں آنے والی وراثت میرے لئے دکھ کا موجب نہ بنتی!

☆-------☆-------☆

ڈاکٹر شعیب کی موت کی خبر بھیا کو پاکستان کھینچ لائی۔ میں ان دنوں خود کو بہت دلگیر
اور تنہا محسوس کر رہی تھی اور دونوں بچے میری اس کیفیت سے خاصے متاثر تھے۔ بھیا
کے آنے سے مجھے یوں لگا جیسے کوئی ہمدرد اور خیر خواہ دوست' غمگسار اور مسیحا آ پہنچا ہو۔
کے آنے سے مجھے تقویت ملی۔ ان کے سینے سے لگ کر میں جس قدر بھی رو سکتی تھی

یکے بعد دیگرے تین مرد میری زندگی میں آئے تھے۔
خالد آفاق!
علی ضیا!
ڈاکٹر شعیب احمد!
ان میں سے اول الذکر دو مردوں کی جیتی جاگتی نشانیاں میرے بچوں راحیل اور
نبیل کی صورت میرے پاس موجود تھیں جو مجھے اگلی منزلوں کا پتہ دیتی تھیں۔ گھنگھور
[illegible]
کا ہوا تھا خالد اور علی ضیاء کی اموات کا دکھ یکجا ہو کر بھی اس کا پاسنگ نہ تھا!
واقعی ہر عدد کی طرح ہر شخص کی بھی اپنی مخصوص اور انفرادی اہمیت ہوتی ہے!
دس' پچاس' سو یا ہزار بھلا لاکھ کے منہ کو کب آ سکتے ہیں؟ ڈاکٹر شعیب............ ہاں
وہ ڈاکٹر شعیب جنہیں میں نے اول تا آخری دن انتہائی ادب اور احترام سے ڈاکٹر
صاحب ہی کہا تھا' وہ تو لاکھوں میں ایک تھے! اور ان کی موت نے مجھے صحیح معنوں میں بیوہ
ہو جانے کے دکھ سے آشنا کیا تھا!
زندگی میں صرف ایک مرتبہ............ صرف ایک مرتبہ میں ان سے بدگمان ہوئی
تھی اور وہ اس وقت جب ان کی پہلی بیوی عذرا کی بہن زہرا فریدی نے اپنی غلط بیانی سے
میرے اور ان کے درمیان دیوار کھڑی کر دی تھی اور یہ میری زندگی کا سب سے بڑا
پچھتاوا تھا اور ڈاکٹر شعیب کی موت کے بعد بھی یہ پچھتاوا اکثر میرے دل کو دکھ پہنچاتا رہا۔

کاش! کبھی زہرا فریدی ملتیں تو میں ان سے پوچھتی تو سہی کہ انہوں نے ایسا کیا تھا؟ مگر افسوس ایک مرتبہ کے بعد وہ پھر کبھی زندگی کے راستے پر میرے سامنے آئیں۔ کیا عجب کہ کونے کھدروں سے وہ مجھ پر اور ڈاکٹر شعیب پر پھر بھی کھا رہی ہوں۔ بہرحال وہ وقتی طور پر اپنے حربوں میں کامیاب ضرور ہو گئی تھیں مگر تھیں! خدا جانے لوگوں کو قزاق بن کر دوسروں کی خوشیاں لوٹ لینے میں کیا مزہ آتا

شوہر کی حیثیت سے میری زندگی میں آنے والے تین مردوں میں ڈاکٹر شعیب مرد تھے جن کی موت کے بعد میں نے شرعی اصول کے مطابق عدت میں بیٹھنے کی کی مگر برا ہو زندگی کی تیزرفتاری اور خودغرضی کا کہ میں ایسا نہ کر سکی۔ بھیا کے پاس مہلت نہ تھی حالانکہ ان کے آنے پر میں تو اس خوش گمانی میں مبتلا ہو گئی تھی کہ وہ یہیں رہیں گے!

بھیا نہ صرف خود یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ مجھے اور بچوں کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ میں نے تردد ظاہر کیا تو انہوں نے تردد کا سبب پوچھا۔

"میں اپنی زمین' اپنے گھر اور اپنے لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتی۔" میں نے جواب دیا۔

"اپنے لوگ!" بھیا کے لہجے میں دکھ اور تلخی کی ملی جلی کیفیت تھی پھر وہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔ "کون سے اپنے لوگ بیٹھے ہیں یہاں۔" پھر انہوں نے لحظہ بھر کے توقف سے انتہائی آزردگی سے کہا۔ "جب ہماری ماں ہی اپنی نہ ہوئی تو کون اپنا؟"

میرے دل کے زخم ہمیں دینے لگے۔

بھیا کو میں نے اس قدر دل شکستہ اور ملول پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"آپ کو ممی سے اب بھی اتنی ہی محبت ہے بھیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"آپ اپنی اصل کیفیت اب بھی مجھ سے راز رکھنا چاہتے ہیں۔" میں نے نظروں سے انہیں دیکھا۔

انہوں نے جبڑے بھینچ لئے اور ان کا چہرہ ہیجانی کیفیت غماز نظر آنے لگا پھر انہوں نے ایک گہری سانس کھینچنے کے بعد کہا۔ "زرین! تمہیں یاد ہے نا ہم اپنے ڈیڈی اور ممی سے کتنا پیار کیا کرتے تھے اور کتنا اعتبار ہوا کرتا تھا ہمیں ان پر۔ میں تو یہ سمجھا کرتا تھا ہمارے ممی ڈیڈی کبھی کوئی غلط بات کر ہی نہیں سکتے............ ڈیڈی کی موت کے بعد واحد سہارا ممی رہ گئی تھیں اور میں نے ڈیڈی کے نام کی محبت اور ان سے وابستہ

ممی کے نام منتقل کر دیا تھا مگر............ ممی نے ہمیں مایوس کیا............ پھر بھی............ کم ہیں۔"

بھیا یوں الجھ گئے جیسے انہیں اپنی بات کہنے کے لئے الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

"ممی کی بے مروتی کے باوجود ان سے محبت کرتے اور میرے اندیشوں کو غلط سمجھتے ہے۔" میں نے بھیا کی مشکل کو آسان کرنے کی کوشش کی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولے۔

"اور اب بھی ایسا ہی ہے۔" میں چاہنے کے باوجود اپنے جذبات' اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکی۔

"نہیں۔" بھیا نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "آج اعتراف کر رہا ہوں کہ اس رات علی ضیاء کے سامنے ممی کو یہ اقرار کرتے دیکھنے سے قبل کہ انہوں نے واقعی سنکھیا دیا تھا' میرے دل کے گوشے میں یہ اعتبار جاگزیں تھا کہ کبھی نہ کبھی جب ممی سے ہمارا سامنا ہو گا تو یہ بات کھل جائے گی کہ ہمیں زہر دینے والی صرف اور صرف نانی جان تھیں۔ ممی کو اس کا علم ہی نہیں تھا' لیکن اس رات ممی پر اعتبار پارہ پارہ ہو گیا۔"

بھیا کی آواز بتدریج بوجھل ہوتی چلی گئی۔

"یعنی آپ اتنے برس تک مجھے غلط سمجھتے رہے۔" میں نے شاکی لہجے میں کہا۔

بھیا نے سر جھکا لیا۔

"[illegible]"

"نہیں۔" بھیا نے کہا۔ "ممی اگر میری ماں تھیں تو تم بہن تھیں۔ ممی کو ایک گھناؤنے جرم سے بری الذمہ دیکھنے کی خواہش ان کی تمام زیادتیوں پر تو بہرحال سفیدی نہیں پھیر سکتی تھی جو انہوں نے ہمارے ساتھ روا رکھی تھیں۔"

"مگر آپ کو ان سے محبت تھی' ہے اور رہے گی۔" میں نے بھیا کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں نہیں ہے؟"

بے اختیار میرا جی بھر آیا اور دل کا درد رقیق صورت اختیار کر کے میری آنکھوں میں لہریں مارنے لگا اور ان لہروں کا عکس مجھے بھیا کی آنکھوں میں ڈولتا دکھائی دیا!

بظاہر کتنی عجیب سی بات تھی کہ جس ماں نے ہمیں زہر دے کر صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی نہ صرف کوشش کی تھی بلکہ ہمارے سامنے اپنے اس گھناؤنے جرم کا اقرار بھی کر لیا تھا' خواہ خود کو معصوم اور بے گناہ ثابت کرنے کے لئے ایک مضحکہ خیز اور ناقابل یقین

کہانی کی صورت ہی سہی............ ہم بھائی بہن اسی ماں کے لئے ہنوز اپنے دل میں [illegible]
دبائے چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرح رو رہے تھے۔

ممی! کاش آپ اتنی بے مروت' اتنی ظالم اور اتنی خود غرض نہ ہوتیں!

"بہتر یہی ہے کہ میرے ساتھ چلو۔" بھیا نے پھر اصل موضوع کی طرف پلٹتے [illegible]
کہا۔

"مجھے اپنے گھر سے محبت ہے' میں اپنا گھر نہیں چھوڑنا چاہتی۔" میں نے جواب [illegible]

"ہمیں اس گھر سے بھی تو بہت پیار ہوا کرتا تھا جس میں ہم اپنے ڈیڈی' ممی [illegible]
بھائی بہنوں کے ساتھ رہتے تھے مگر جب وقت پڑا تو ہمیں بادل ناخواستہ ہی سہی' [illegible]
چھوڑنا پڑا۔"

"اور اسے چھوڑ کر ہم کیسے دربدر ہوئے۔"

"دربدر یا پابند قفس؟" بھیا نے تصحیح کی۔

"میں تو کہتی ہوں آپ بھی اب کہیں نہ جائیں' یہیں رک جائیں۔ شادی کر کے [illegible]
گھر بسائیں............ مجھے بھی دسراہٹ اور سہارا رہے گا۔"

"شادی نارمل لوگوں کی لگژری ہے زریں اور میں نارمل آدمی نہیں ہوں [illegible]
بھی نارمل نہیں ہو ورنہ............"

"ورنہ کیا؟"

"ورنہ ایک [illegible]"

مجھے دکھ اور پچھتاوے نے آ لیا مگر میں نے اپنی اس کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔
"غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ مجھے اپنی غلطیوں کا اعتراف ہے۔" قدرے توقف [illegible]
میں نے مزید کہا۔ "آپ کسی ایک مگر اچھی سی لڑکی سے شادی کر ڈالئے۔"

بھیا کی نگاہوں میں گھائل مگر فیصلہ کن سی کیفیت عود کر آئی۔

"سچ سنو گی؟"

"جی ضرور سنوں گی۔"

میں نے یہ جانا کہ وہ کسی لڑکی سے اپنی محبت کا اقرار کرنے یا کسی میم سے اپنی شادی
کا راز فاش کرنے جا رہے تھے۔

"ممی کے اوپر سے اعتبار اٹھ جانے کے بعد میرا دنیا کی کسی عورت پر اعتبار نہیں [illegible]
ہے اور اس لئے میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔"

میں نے چونک کر قدرے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ ان کے چہرے پر اٹل [illegible]

[illegible] کیفیت تھی۔

"مجھ پر بھی اعتبار نہیں رہا ہے آپ کو؟" میں نے پوچھا۔

انہوں نے بڑی محبت سے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تمہیں اپنی ذات سے جدا
سمجھنا زریں............ تم تو مجھے اپنی ذات کا عکس محسوس ہوتی ہو۔ ہم نے ایک ساتھ
[illegible] دکھ اور صعوبتیں سہی ہیں۔ ہمارے دکھ سکھ مشترک رہے ہیں اور............ آئندہ
[illegible] رہے گا۔" بھیا تھمے پھر انہوں نے کہا۔ "میرے ساتھ چلو۔ ایک نئی سرزمین پر
[illegible] اور غیر لوگوں کے بیچ ہم اپنے گذشتہ دکھوں کو بھلا کر یکسر نئے انداز سے زندگی بسر
[illegible] کی کوشش کریں گے............ وہاں ہم راحیل اور شرجیل کو دکھ کی دھوپ سے
[illegible] رکھنے کی حتی الامکان کوشش کریں گے۔ ہم انہیں پیار دیں گے' تحفظ دیں گے اور
[illegible] کچھ جو ہمیں نہیں مل سکا۔"

میں نے ملتجی نظروں سے بھیا کو دیکھا اور گڑگڑا کر بولی۔ "پلیز! شادی کر لیجئے۔"

"پگلی!" بھیا مسکرا کر بولے۔ "شادی مقصد حیات نہیں ہے۔ زندگی میں اور بہت
[illegible] اچھے کام ہیں کرنے کو۔"

"پلیز!"

"نہیں۔" انہوں نے فیصلہ کن بلکہ قدرے غصیلے انداز میں کہا۔ "میں نہیں
[illegible] گا کہ تم مجھ سے اس سلسلے میں آئندہ کوئی بات کرو۔"

[illegible]

☆-------☆-------☆

جلد از جلد بھیا نے ڈاکٹر شعیب کے ترکے سے متعلق مقامی معاملات نمٹائے۔ ان
[illegible] آباد والی کوٹھی کے سوا جو انہوں نے راحیل اور شرجیل کے نام چھوڑی تھی' تمام
[illegible] فروخت کر دی۔ بعد ازاں ہم اس اپارٹمنٹ کی فروخت کے سلسلے میں لاہور گئے جو
[illegible] نے مجھ سے نکاح کے بعد میرے نام پر خرید کر دیا تھا اور میرے لاہور سے کراچی
[illegible] کے بعد سے مقفل پڑا تھا۔

میری ملازمہ سلیمہ بھی جو گذشتہ کئی برس سے میرے پاس تھی' میرے ہمراہ لاہور
[illegible] ہم نے اسے بچوں کی آیا کے طور پر اپنے ہمراہ بیرون ملک جانے کی پیشکش کی تھی
[illegible] اس نے شکریہ کے ساتھ رد کر دیا تھا۔

لاہور پہنچنے کے بعد جب میں نے بھیا سے ممی کی خیر خبر لینے کو کہا تو وہ بولے۔ "کیا
[illegible] ورت ہے؟"

"دیکھ لیں کہ اب ان کی حالت کیسی ہے؟ کس اسپتال میں رکھا گیا تھا انہیں؟"
"وہاں سے تو وہ چند ماہ بعد ہی صحت یاب ہو کر گھر چلی گئی تھیں۔"
"اچھا!" میں چونکی۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"
"یہاں سے جانے کے بعد میں نے ان کے اسپتال کی انتظامیہ اور ان کے ... مستقل رابطہ رکھا اور ان سے اپنا کوئی تعلق ظاہر کئے بغیر ان کی خیر و عافیت معلوم ... رہا۔" بھیا نے نظریں چرا کر جواب دیا۔
"آپ نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟"
"کیونکہ میں تم سے کوئی طعنہ نہیں سننا چاہتا تھا۔"
"کون سا طعنہ؟"
"ممی سے محبت کا۔"
"آئی ایم سوری بھیا۔"
بھیا نے میرے شانوں پر بازو دراز کرتے ہوئے کہا۔ "غلطی پر تو میں رہا ... سوری کیوں کہہ رہی ہو؟"
"نہیں غلطی پر تو میں تھی کہ ممی سے بے پناہ نفرت کے دعوے رکھنے کے باوجود ... سے اپنی محبت کو اپنے دل سے کلیتاً بے دخل نہ کر سکی اور اب مجھے اس سے نظریں ... پڑتی ہیں............ یہی محبت تو تھی جس نے اس زنداں سے نکلنے کے بعد ہمیں ممی اور ... کے خلاف قانون کا سہارا لینے سے باز رکھا اور یہی محبت تو ہے جس نے مجھے ... اپنے بہن بھائیوں کے برتھ سرٹیفکیٹس کی بنیاد پر ممی کو نانا جان کے اثاثوں سے محروم ... دینے سے باز رکھا۔ نانا جان کی وصیت تھی کہ ممی کی نہ صرف یہ کہ اپنے دوسرے ... سے کوئی اولاد نہ ہوگی بلکہ اگر کبھی یہ پتہ چل گیا کہ ان کی اپنے پہلے شوہر یعنی ... ڈیڈی سے کوئی اولاد تھی تو وہ نانا جان کے تمام ترکے سے محروم قرار پائیں گی۔ ... کہ اپنے ان ملبوسات اور زیورات تک سے جو انہوں نے نانا جان کے ... خریدے ہوں گے۔"
"بھول جاؤ' بھول جاؤ ان باتوں کو۔" بھیا بولے۔
"اتنا تو معلوم کر لیں کہ والدہ محترمہ کہاں ہیں اور زندگی کیونکر بسر کر رہی ہیں؟"
"وہ جہاں بھی ہوں گی خوش ہی ہوں گی۔" بھیا نے کہا۔
"معلوم کر لینے میں کیا حرج ہے؟"
بھیا چند ثانئے تنکی باندھے مجھے دیکھتے رہے پھر بولے۔ "وہ لاہور میں نہیں ..."

... کے گھر کی از سر نو تعمیر کے بعد آج کل وہیں رہتی ہیں تاہم لاہور میں بھی ان کا گھر ... ہے جہاں ان کا ملازم رہتا ہے۔"
میں نے چونک کر بھیا کو دیکھا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"
"اگر میں یہ کہوں کہ لاہور پہنچنے کے بعد میں نے تمہیں اور بچوں کو ہوٹل میں ... کے بعد ہوٹل سے باہر جا کر سب سے پہلے انہی کے بارے میں معلومات حاصل ... تو تم پھر مجھ سے بدگمان ہو جاؤ گی اور مجھے وہی طعنہ دو گی۔"
"کاش! حارث اور فرحین نہ مرتے تو............" میں نے دھیمے سُروں میں کہا۔
"تو کیا ہوتا؟"
"میں ممی کے اس جرم کو بھی بھلا دیتی کہ انہوں نے مجھے اور میرے بہن بھائیوں کو ... تھا۔"
"اب کیا حال ہے؟"
"معاف کر دیا ہے مگر بھلا دینے میں ناکام ہوں۔ حارث اور فرحین جب بھی یاد آتے ... میرا دل پھوڑے کی طرح دکھنے لگتا ہے۔"
"شاید نئی سرزمین پر نئی فضاؤں اور نئے لوگوں کے درمیان جا کر تم حارث اور ... ان کو بھلانے میں کامیاب ہو جاؤ۔" بھیا بولے۔
"[illegible]"

☆-------☆-------☆

گو راحیل کی دادی کے مزاج اور راحیل سے ان کی غیر معمولی محبت کے پیش نظر ... نے ان سے اپنے ترک وطن کی خبر راز رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی مگر انہیں ... مل گئی۔ انہوں نے پہلے تو مجھے پیار و محبت سے میرے اس ارادے سے باز رکھنے کی ... کی مگر جب انہوں نے یکے بعد دیگرے ہماری املاک کے سودے ہوتے دیکھے تو وہ ... پر اپنا حق جتا کر اسے روکنے کی کوششوں میں لگ گئیں۔
"راحیل آپ سے ملنے کے لئے آتا رہے گا۔" میں نے ان سے کہا۔
"تم اسے میرے پاس ہی کیوں نہیں چھوڑ جاتیں؟"
"یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟"
"کیوں' ممکن نہ ہونے کی کیا بات ہے اس میں؟" وہ غصے سے بولیں۔
"راحیل میری اولاد ہے۔ میں اسے اپنے سے جدا کیونکر کر سکتی ہوں۔"
"میری تو یہ اولاد کی اولاد ہے۔ اگر تم اسے اپنے سے جدا نہیں کر سکتیں تو مجھ سے

دور کیوں لے جانا چاہتی ہو؟"

"اس کے بہتر مستقبل کے لئے۔"

"بہتر مستقبل اسے یہاں بھی دیا جا سکتا ہے۔ تم شرجیل کو اپنے ساتھ لے جاؤ [illegible] میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ میں اسے پڑھاؤں گی' لکھاؤں گی' بہتر مستقبل دوں گی اور [illegible] اسے تم سے ملوانے لایا کروں گی۔"

"میں ماں ہوں' اسے اپنے سے جدا نہیں کر سکتی۔"

"میں اس کی دادی ہوں' تم مجھ پر بھروسا کر سکتی ہو۔"

"درست مگر.........."

"مگر کیا؟"

"میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ اپنے سے جدا نہیں کر سکتی۔"

وہ بہت گڑگڑائیں مگر میں نے انہیں مایوس کیا۔ وہ جھنجلا کر اوچھے ہتھکنڈوں [illegible] آئیں۔

"تم نے میرے بیٹے کو تو مجھ سے جدا کر دیا' اب میرے پوتے کو بھی مجھ [illegible] لے جانا چاہتی ہو!" وہ چلانے لگیں۔

"میں آپ کے بیٹے کو آپ سے جدا کیوں کرتی بھلا؟ اس کی موت نے [illegible] سے جدا کر دیا۔"

"معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔ تم نے......... تم نے اسے مجھ [illegible] ہے......... تم نے اسے مجھ سے جدا کیا......... اس کی موت کی ذمہ دار تم ہو۔"

وہ مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اس نے خودکشی کی تھی' اور اپنے آخری خط میں لکھا تھا کہ اپنی موت [illegible] وہ خود ہے۔"

"اسے خودکشی پر تم نے مجبور کیا تھا۔ اس نے تمہاری وجہ سے خودکشی کی تھی۔"

"میری وجہ سے نہیں آپ کی اور آپ کے شوہر کی وجہ سے۔ آپ نے [illegible] محبت اور توجہ سے محروم رکھ کر اسے نفسیاتی مریض بنا دیا تھا۔"

"نفسیاتی مریض وہ نہیں تھا' تم ہو۔ یکے بعد دیگرے تین مردوں کو کھا چکی [illegible] ان کا مجھے تین مردوں کو کھا جانے کا طعنہ میرے لئے گالی سے کم نہ تھا۔ میں [illegible] پھوٹ کر رونے لگی۔ بھیا کو مجبوراً مداخلت کرنا پڑی۔

"دیکھئے مسز آفاق!" بھیا نے کہا۔ "زرین راحیل کی ماں ہے اور باپ کی

[illegible] اس کی قانونی سرپرست۔ اسے پورا حق ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھ جہاں چاہے لے [illegible]' جہاں چاہے رکھے اور اس کے بالغ ہونے تک اس کے مستقبل کے بارے میں جو [illegible] کرے' آپ کو روک ٹوک کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر آپ تعلقات خوشگوار رکھیں [illegible] تو مستقبل میں راحیل برس دو برس میں آپ سے ملنے کے لئے یہاں آتا رہے گا اور [illegible] چاہیں تو آپ وہاں آ جایا کیجئے لیکن اگر آپ نے باہمی تعلقات کو خوشگوار نہ رکھا اور [illegible] جھگڑے کے ذریعے راحیل کو اس کی ماں کے ساتھ جانے سے روکنے کی کوشش کی تو [illegible] کے اور راحیل کے درمیان دیوار کھڑی ہو جائے گی اور آپ راحیل سے اپنے اس [illegible] سے بھی جائیں گی جسے زرین نے اب تک خاصی خوش اسلوبی سے برقرار رکھا ہوا ہے۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو!" انہوں نے بھیا پر آنکھیں نکالیں۔

"جی نہیں بلکہ آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

انہوں نے بھیا کو زہرخند نگاہوں سے دیکھا۔

"مسز آفاق!" بھیا انتہائی رساں لہجے میں بولے۔ "راحیل سے آپ کی محبت کا ہمیں [illegible] احساس ہے اور زرین آپ کے ان جذبات کی بہت قدر کرتی ہے اور احترام بھی مگر [illegible] بھی کچھ مجبوریاں ہیں اور مسائل ہیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد میری بہن بے آسرا [illegible] ہے۔ بچے جوں جوں بڑے ہوں گے ان کی ذمے داریوں میں بھی اضافہ ہوتا جا [illegible] گا اور وہ تنہا شاید ان ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے سے قاصر رہے گی۔ میں یہاں رہنا [illegible] چاہتا۔ اس لئے یہی فیصلہ کیا کہ یہ بھی اپنے بچوں کے ہمراہ میرے ساتھ چلے۔ میں [illegible] کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے پوتے سے آپ کا تعلق برقرار رہے گا اور اسے حسب [illegible] وقت آپ سے ملوانے کی کوشش بھی کی جائے گی۔ علاوہ ازیں جب کبھی آپ اس سے [illegible] کے لئے وہاں آنا چاہیں بلا تکلف آیئے گا۔ ہم آپ کو خوش آمدید کہیں گے اور اپنے [illegible] آنکھوں پر بٹھائیں گے۔"

[illegible] بھیا کا سمجھانا بجھانا بھی بہ آسانی ان کی سمجھ میں نہ آیا مگر وہ ہمارے راستے میں [illegible] کھڑی کرنے میں ناکام رہیں۔

حیدر آباد والی کوٹھی کے علاوہ جو ڈاکٹر شعیب نے راحیل اور شرجیل کے لئے [illegible] میراث کے طور پر چھوڑی تھی اور جس کو ان دونوں کے بالغ ہونے تک ان کی [illegible] کے بغیر فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی' ہم نے پاکستان میں موجود اپنی تمام املاک [illegible] کرڈالیں اور اس دوران سفر کی تیاریاں بھی مکمل کر لیں۔

ہماری روانگی کے وقت راحیل کی دادی راحیل کو الوداع کہنے کے لئے ائرپور[illegible]
موجود تھیں۔ ان کی آنکھوں سے اداسی مترشح تھی اور آنسو بار بار بہنے لگتے۔ مجھے ان [illegible]
جذبات کا پورا پورا احساس تھا اور احترام بھی مگر میں مجبور تھی۔
جوں ہی طیارہ ہمیں لئے فضاؤں کے دوش پر بلند ہوا' طیارے کی کھڑکی سے باہر [illegible]
دیکھتے ہوئے میری آنکھیں بھر آئیں۔
کتنی عجیب بات تھی کہ اس سرزمین پر اپنی عزیز ترین اور قریب ترین ہستیوں [illegible]
ہاتھوں ان گنت دکھ اور صعوبتیں بھوگنے کے باوجود میں اپنا دل وہیں چھوڑے جا رہی [illegible]
راحیل اور شرجیل اگلی نشستوں پر بیٹھے تھے۔
بھیا نے بیلٹ کھولنے کے بعد اچک کر ان دونوں کے سر باری باری چھوئے۔ دونوں
نے نشستوں کے درمیان جھری سے مسکراتے ہوئے پیچھے دیکھا تو ان کی معصوم مسکراہٹ
آپ ہی آپ میرے لبوں تک آ پہنچی۔
بھیا نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ "اب ہمیں ان دونوں کی خاطر جینا ہے مگر ہم [illegible]
بھی انہیں اپنے دکھوں کی داستان نہیں سنائیں گے۔"
"کیوں؟" میں نے پوچھا۔
"کیونکہ یہ داستان سن کر قریب ترین رشتوں پر سے ان کا بھی اعتبار ڈانواں ڈول ہو
سکتا ہے۔ کیا تمہیں یہ گوارا ہوگا کہ ہمار[illegible] بچے ہمیں مشکوک نظ[illegible] [illegible]"
میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔
ہمارے بچے! بھیا کا یہ دو لفظی فقرہ اپنے اندر کیسی مٹھاس اور کس قدر تقویت [illegible]
تھا۔
راحیل اور شرجیل اب صرف میری نہیں بھیا کی اولاد بھی تھے اور ہم اپنی اولاد [illegible]
خاطر جینے اور انہیں وہ اعتبار دینے کا تہیہ کر چکے تھے جو ہمیں ہمارے قریب ترین ر[illegible]
سے نہ مل پایا تھا۔
زمین بہت نیچے رہ گئی تھی۔ ہم بردوش فضا تھے۔
نئی منزلیں ہماری راہ تک رہی تھیں!

☆-------☆-------☆

بھیا کی جائے کار لندن تھی۔ وہ لندن کے ایک معروف اسپتال سے وابستہ [illegible]
رہائش شہر سے دور ایک سرسبز و شاداب قصباتی علاقے میں تھی۔ اس گھر کو میں [illegible]
بار دیکھا تھا تو مجھے یوں لگا جیسے میں آرٹ پیپر پر چھپا کوئی خوشنما اور رنگ برنگ [illegible]

[illegible] تھی۔ چہار اطراف تاحد نظر سبزہ ہی سبزہ تھا اور اس سبزے پر ایک دوسرے سے
[illegible] دور دور سرخ اینٹوں' شفاف شیشوں اور بلند چمنیوں والے گھر ایستادہ تھے۔
بھیا کا گھر وسیع و عریض ڈھلواں سبزہ زار کے بیچ وسیع رقبے پر محیط تھا۔ گھر کے گرد
[illegible] تھی جس کے ساتھ ساتھ اندر کے رخ پر رنگ برنگ پھولوں کے نوع بنوع پودے
[illegible] ہوئے تھے۔ ہر سو سناٹا تھا اور جہاں تک نظر جاتی تھی ہریالی اور شادابی کا راج دکھائی
[illegible] تھا۔ ایسا نظر افروز منظر میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔
"ممی کتنا اچھا گھر ہے انکل کا!" راحیل نے کہا۔
"پسند آیا تمہیں؟" بھیا نے جھک کر اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے
[illegible] پوچھا۔
"جی۔" راحیل نے بہت تمیز سے جواب دیا پھر میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "ممی!
کیا اب ہم اسی گھر میں رہیں گے؟"
"ہاں بیٹا' اب ہم یہیں رہیں گے۔"
"اور جناب یہاں ہم آپ کو ایک اچھے سے اسکول میں بھی داخل کرا دیں گے۔"
[illegible] بھیا نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے مگر.........."
"مگر کیا؟"
"جی کو بھی۔" وہ مشروط انداز میں بولا۔
"ہاں ہاں' شجی کو بھی داخل کرا دیں گے۔"
"یہاں اسکول بس آتی ہے؟" راحیل نے پوچھا۔
"نہیں' ہم آپ کو گاڑی میں چھوڑ کر آیا کریں گے۔"
"پھر ہم گھر کیسے آیا کریں گے؟"
"ہم ہی لے کر آیا کریں گے یا پھر آپ کی ممی۔"
"یہ گھر تو بہت ہی اچھا ہے!" راحیل نے چہار اطراف نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔
"آپ کے پہلے والے گھر سے بھی اچھا؟"
"جی۔"
شام کو جب ایک گھڑ سوار گھوڑے کی لگامیں تھامے ہمارے گھر کے سامنے سے گزر
کر نشیب کی جانب گیا تو ہم باغیچے میں کھڑے تھے۔ دونوں بچے فرط مسرت سے چلا اٹھے۔
بھیا نے کہا۔ "دونوں بہت خوش ہیں یہاں آ کر۔"

"جی۔" میں نے تائید کی۔

"تم خوش ہو زریں؟" بھیا نے مجھ سے پوچھا۔

میری آنکھوں کے کنارے چپکے سے بھیگ گئے اور میں نے دھیمی آواز میں کہا "شاید یہاں رہ کر ہم اپنے دکھ بھلا سکیں۔"

"کیا تم جانتی ہو میں نے یہاں رہنے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ........ شاید یہاں رہ کر ہم اپنے ماضی کو بھلا سکیں۔"

"کاش ایسا ممکن ہو!" میں نے سوچا۔

سناٹے کا سینہ چیر کر کہیں دور سے آنے والی کسی خوش گلو پرندے کی کوک میرے دل میں اترتی چلی جارہی تھی۔ لگتا تھا وہ بھی ہماری ہی طرح گھائل تھا!

☆-------☆-------☆

چند ہی دنوں میں دیارِ غیر میں ہماری زندگی ایک مخصوص اور مقررہ ڈگر پر چل پڑی۔ گو مروجہ قواعد و ضوابط کے مطابق میرا مع بچوں کے مستقل طور پر وہاں قیام کرنا آسان نہ تھا مگر بھیا اس سلسلے میں کسی بھی کٹھن مرحلے سے گزرنے کے لئے تیار تھے اور مجھے بھی تیار کر رکھا تھا۔

بچوں کو ایک پرائیویٹ اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ بھیا صبح انہیں چھوڑتے اور ... میں ... سے ان کے اسکول جاتی۔ صبح سے رات تک مجھے خانہ دارانہ مصروفیات گھیرے رکھتیں۔ گھر کے تمام کام مجھی کو تنہا کرنے پڑتے۔ ہفتہ وار شاپنگ بھیا اور میں عموماً اکٹھے جا کر کرتے لیکن کوئی مقررہ ضابطہ نہ تھا۔ ضرورت پڑنے پر میں تنہا بھی چلی جاتی۔

جس علاقے میں ہم رہائش پذیر تھے وہاں گنتی کے گھر تھے اور وہ بھی ایک دوسرے سے اتنی دور دور کہ ہمسائیگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ مکانات قریب قریب بھی ہوتے تو مغرب کا طرزِ زندگی مشرق والوں' بالخصوص ہمارے خطے سے مختلف ہونے کے باعث ہمسایوں کے مابین غیر ضروری بے تکلفی کی اجازت نہ دیتا۔ ہیلو........ ہائے۔ تھینک یو........ بائے........ اللہ اللہ خیر صلا!

ہم نے وطن میں قریبی ناتوں کو خیرباد کہہ کر ترکِ وطن کیا ہوتا یا وہاں ہمارا حلقہ احباب وسیع ہوتا تو صبح سے شام تک خاموشیوں بلکہ سناٹوں میں گھری زندگی سے میں شاید بہت جلد گھبرا جاتی مگر ہم نے تو اس طور زندگی گزاری تھی کہ دوست نہ ہونے کے برابر

تھے اور میں اپنے زمانۂ شہرت میں بھی ایک خول میں بند رہی تھی بلکہ اپنے نجی حالات کے باعث میری تو یہ کوشش ہوا کرتی تھی کہ لوگوں سے دور دور ہی رہوں۔ شوبزنس سے میری وابستگی بھی ممی کا دوبدو مقابلہ کرنے کی غرض سے رہی تھی۔ چنانچہ ایک نئی سرزمین پر سکون اور خاموش زندگی گزارنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

زندگی میں سکون اور اطمینان کی کیفیت آگئی تھی!

ویک اینڈ پر بھیا' مجھے اور بچوں کو لمبی ڈرائیو یا سمندر کنارے لے جاتے۔ راحیل اور شرجیل چونچالیاں کرتے پھرتے اور ہم بھائی بہن پرانی یادوں میں گم ہوجاتے اور ایک دوسرے کے زخموں پر پھاہے دھرنے کی کوشش کرتے۔ اپنی کوشش بسیار کے باوجود میں بھیا کو شادی کے لئے آمادہ نہ کرپائی۔

میں تو بھیا کو شادی کے لئے آمادہ نہ کر سکی تاہم خود مجھے دیارِ غیر میں اپنے اور بچوں کے مستقبل کو ممکن بنانے کی خاطر ایک گورے سے "پیپر میرج" یعنی دکھاوے کی شادی کرنا پڑی۔ اس شادی کے عوض بھیا نے مذکورہ گورے کو معقول رقم ادا کی اور اس سودے کو سستا سمجھا۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا دونوں بچے اور میں مغربی طرزِ زندگی کے عادی ہوتے چلے گئے۔ بلاشبہ یہ طرزِ زندگی مشینی تھا مگر سہولتیں بہت تھیں۔ گھر کے تمام کام مجھے تنہا کرنا ہوتے مگر سہولتیں اور آسائشیں اتنی تھیں کہ سارے کام کھٹاکھٹ ہوتے چلے جاتے اور میں بھیا اور بچوں کے لئے ہی نہیں بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی تھوڑا بہت وقت نکال لیتی۔ میں تو کوئی جز وقتی ملازمت بھی کرلینے کی خواہش مند تھی لیکن بھیا نے سختی سے منع کردیا۔

راحیل کے نام اس کی دادی کے خط بھی آتے۔ وہ فون بھی کرتیں اور خصوصی مواقع پر تہنیتی کارڈز بھی ارسال کرتیں۔ راحیل سے ان کی بے لوث محبت سے انکار نہ تھا۔ انہوں نے اپنی وصیت تیار کروا کے اس کی ایک نقل ارسال کردی تھی۔ اپنی وصیت میں انہوں نے اپنی موت کے بعد اپنی تمام املاک کا واحد وارث راحیل کو قرار دیا تھا۔ خدانخواستہ ان کی موت کی صورت میں راحیل کے بالغ ہونے تک مجھے اس وراثت کی دیکھ بھال کرنا تھی مگر اس کی فروخت یا اس میں کسی تصرف کی اجازت نہ تھی۔

جس روز یہ نقل ہمیں موصول ہوئی' بھیا ہنس کر مجھ سے بولے۔ "بھئی زریں! ہمارے بچے تو اپنے بچپن ہی میں لکھ پتی ہو گئے۔"

بھیا میرے بچوں کے لئے ہمیشہ "ہمارے بچوں" کا فقرہ استعمال کرکے مجھے یک گونہ

تقویت فراہم کر دیا کرتے تھے۔

"ڈاکٹر شعیب کی طرف سے دونوں کو کوٹھی ملی جو کسی بھی صورت میں بیس ا
لاکھ سے کم نہ ہوگی اور اب راحیل کی دادی کی طرف سے یہ کاغذات آ گئے۔ میں
ہوں کہ ان کا مکان ہی تیس لاکھ سے کم نہ ہو گا۔ راحیل صاحب تو خاصے امیر آدمی
گئے۔"

"ہو سکتا ہے شجی کبھی راحیل سے بھی زیادہ امیر ہو جائے۔" بے اختیار میر
سے نکلا۔

"ہو سکتا ہے۔" بھیا نے تائید کی پھر بولے۔ "علی ضیاء کچھ کم امیر آدمی نہیں تھا۔"
بھیا نے کس سرعت سے میری بات کا مطلب سمجھ لیا تھا!

مگر دولت کو میں نے سچے رشتوں کے بیچ دیوار بنتے دیکھا تھا چنانچہ قدرے
سے میں نے کہا۔ "مگر میں اسے اس جنجال سے دور رکھنے کی کوشش کروں گی.....
راحیل کی دادی نے کاغذات بھیج تو دیئے ہیں مگر میری حتی الامکان کوشش ہوگی کہ ا
بچوں کو وراثت میں ملنے والی جائیداد و املاک کے چکروں سے دور رکھوں۔"

"کیوں بھئی' یہ تو ان کا جائز حق بنتا ہے۔" بھیا بولے۔

"نانا جان کی املاک پر ممی کا بھی جائز حق ہی بنتا تھا لیکن آپ نے دیکھا ممی کس
طرح وراثت کے چکر میں الجھیں کہ مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنی اولاد
بھول گئیں۔ آپ ... [illegible]
دن قبل ہی پڑھ رہی تھی کہ مال کی محبت بہت بڑا فتنہ ہے۔ میں اپنے بچوں کو اس
سے دور رکھنے کی حتی الوسع کوشش کروں گی۔"

☆------☆------☆

ہمیں پردیس میں رہتے کئی سال ہو گئے تھے اور اس دوران بھیا کی پیشہ ورا
مصروفیات اتنی بڑھ گئی تھیں کہ انہیں روزانہ طویل سفر کی صعوبت اور وقت کے ضیا
سے بچانے کے لئے ہمیں لندن منتقل ہونا پڑا تاہم میری خواہش پر بھیا نے کنٹربری وا
مکان فروخت نہیں کیا بلکہ ویک اینڈز پر ہم اکثر وہیں چلے جاتے۔ لمبی تعطیلات گزار
کے لئے میرا انتخاب ہمیشہ کوئی ساحلی تفریح گاہ ٹھہرتی۔ تفریح گاہ کے قرب و جوار میں ہم
کرائے پر کوئی قیام گاہ حاصل کر لیتے اور میرا زیادہ وقت سمندر کی شوریدہ سری کا نظارہ
کرتے ہوئے یا بھیا اور بچوں کے ہمراہ ساحل پر اپنے نقوش ثبت کرتے چلے جانے یا
دھوپ تاپنے میں گزرتا۔ بچے اکثر ہمیں دکانوں میں کھینچ لے جاتے اور بھیا کی جیب او

... ہلکا کر دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔

بھیا میرے دونوں بچوں سے اتنی محبت کرتے تھے کہ کبھی کبھی تو مجھے اپنے بچوں کی
... پر رشک آنے لگتا۔ شاید ان کے سگے باپ بھی ان پر اتنے مہربان اور نثار نہ رہتے
بھیا ان پر رہا کرتے تھے۔ مجال تھی کہ کبھی ان دونوں میں سے کسی کی کوئی فرمائش رد
ہو۔ بھیا کے اس پیار و محبت کا وہ اکثر ناجائز فائدہ بھی اٹھا جاتے اور مجھے روک ٹوک
کے لئے دونوں پر کبھی کبھی برہمی اور خفگی کا اظہار بھی کرنا پڑتا چنانچہ بعد میں ماموں
... نے اپنے معاملات مجھ سے راز ہی رکھنا شروع کر دیئے اور مجھے ان کی ملی بھگت کا
... وقت علم ہوتا جب راحیل یا شرجیل کی فرمائش پر بھیا کوئی مہنگا تحفہ خرید کر دیتے۔
... معترض ہوتی تو بھیا کہتے۔ "یہی ان کے کھانے پینے' کھیلنے کودنے اور ہم سے فرمائش
... کے دن ہیں زریں۔"

جب میں راحیل اور شرجیل کو کھلی فضاؤں میں بھاگتے دوڑتے' دھوپ اور روشنی
... ان کے چہروں کو دمکتے اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے دیکھتی تو
... دل میں ٹیسیں سی اٹھنے لگتیں۔ مجھے حارث اور فرحین یاد آنے لگتے جو ایک نیم
... ایک زنداں میں محصور کر دیئے گئے تھے۔ سورج اور چاند کو دیکھنا جن کے لئے خواب
... بن گئی تھی۔ جو تازہ ہوا' دھوپ اور بارش کو ترسا کرتے تھے۔ جن کے پالتو جانور
... سے چھن گئے تھے اور انہیں بہلانے کو ہمیں ایک زخمی چوہا بطور پالتو رکھنا پڑا تھا اور
[illegible]

جب میں اپنے بچوں کو آزادانہ ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے اور چونچالیاں کرتے
... تو حارث اپنی اداس اداس آنکھوں کے ساتھ اپنا گٹار لئے میری چشم تصور میں در
... اور میری سماعت میں اس کی آواز کی بازگشت ابھرنے لگتی۔

میں باہر جانا چاہتا ہوں
میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں
میں گھر اچھا سا بناؤں گا
اور اس گھر کی چھت پر سے میں
سورج اور چاند کو دیکھوں گا
میں باہر جانا چاہتا ہوں
میں باہر جانا چاہتا ہوں

حارث کی تمنا بالآخر پوری ہو گئی تھی۔ وہ اس زنداں سے باہر چلا گیا تھا مگر پھر وہ کبھی

واپس نہیں آیا! خدا جانے اس رات وہ باہر نکلنے کے بعد چاند کو دیکھ پایا تھا کہ نہیں؟ دیکھ پایا ہوگا بے چارہ کہ جب ممی اور نانی جان اسے رات کی تاریکی میں ہمارے پاس لے کر گئی تھیں تو اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس پر دنیا و مافیہا سے بے خبری کی طاری تھی!

جب میرے بچے گھر میں دھما چوکڑی مچاتے تو میرے دل میں ہوکیں سی اٹھنے لگتیں۔ حارث اور فرحین بالاخانے میں کبھی کھیلتے تو کتنے ڈر ڈر کر، سہم سہم کر اور گھٹ گھٹ کر! اگر کبھی وہ بے ساختگی میں چلانے کی کوشش بھی کرتے تو بھیا یا میں اس خوف سے کہ کہیں ان کی آواز نیچے نہ جا پہنچے، ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کرتے تھے۔ ان کی آواز منہ ہی منہ میں گھٹ کر رہ جاتی اور وہ خائف ہو کر انتہائی بے بسی سے ہمیں دیکھنے لگتے۔

خدایا! خدایا! کتنے دکھ سہے تھے ان ننھی ننھی جانوں نے!

اپنے بچوں کو روز بروز تیزی سے بڑھتا اور پھلتا پھولتا دیکھ کر مجھے حارث اور فرحین کا خیال آتا جو تازہ ہوا، دھوپ، متوازن خوراک اور ماں کی محبت سے محرومی کے باعث ٹھٹھر کر رہ گئے۔ فرحین بے چاری جب تک حیات رہی اپنے غیر متوازن سراپا کے احساس کمتری اور یاسیت کا شکار رہی۔ کتنی محبت تھی اسے بچوں سے! راحیل کی پیدائش کے بعد دن رات اس کی سیوا ہی میں لگی رہتی تھی۔ ایک روز میں نے پوچھا۔ "راحیل تمہیں بہت پیارا لگتا ہے؟"

بولی۔ "جی بہت پیارا۔"

میں نے پوچھا۔ "کتنا؟"

جواب دیا۔ "اتنا کہ اس کی خاطر میں جان تک دے سکتی ہوں۔"

پھر راشد میں اس کی دلچسپی شروع ہونے کے بعد جب ایک روز میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "آخر کیا کمی ہے تم میں؟ بات بس اتنی ہی سی تو ہے نا کہ تمہارا قد تھوڑا چھوٹا رہ گیا ہے اور قد کی نسبت سے تم دبلی پتلی ہو اور بس.......... ورنہ صورت تو تمہاری کسی حور سے کم نہیں۔ ماشاء اللہ پڑھی لکھی ہو، باشعور ہو، خوش سلیقہ ہو، کھانا پکانا، سلائی بنائی سبھی کچھ تو آتا ہے تمہیں۔ گھرداری جتنی اچھی تم کر سکتی ہو میں بھی نہیں کر سکتی۔ راحیل کی پرورش میں جس طور تم نے میرا ہاتھ بٹایا ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تم اپنے بچوں کے لئے بہترین ماں ثابت ہوگی۔"

فوراً ہی اس کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے تھے۔

"باجی! مجھے بچے واقعی بہت اچھے لگتے ہیں مگر میں جانتی ہوں کہ میں اس اعزاز سے محروم رہوں گی۔" اس نے کہا تھا۔

"کیوں بھئی؟"

"کیونکہ میں خود اتنی کمزور ہوں، بچوں کا بوجھ کب سہار سکوں گی۔"

اپنی کمزوری کا احساس اسے کتنی شدت سے تھا!

مرنے سے قبل بھیا کے اور میرے نام اس نے جو خط لکھا تھا اس میں اس نے کتنی حسرت سے لکھا تھا کہ اس دنیا سے جاتے ہوئے مجھے بس ایک ہی بات کا افسوس ہے اور وہ یہ کہ میں راحیل کو بڑا ہوتے نہ دیکھ سکوں گی۔

کاش! فرحین زندہ ہوتی تو دیکھتی کہ راحیل کتنی تیزی سے بڑا ہو رہا تھا۔

بھیا نے اور میں نے سوچا تھا کہ شاید ایک نئی سرزمین ہمیں ہمارے پرانے دکھوں کو بھلا دینے میں مدد دے گی.......... مگر ایسا نہیں ہوا تھا! ہمارے پرانے دکھ بدستور ہمارے ساتھ ان سے چمٹے ہوئے تھے اور باوجودیکہ اب ہمیں بہت سکھ، بہت شانتی تھی، پرانے دکھ اب بھی ہمیں مضطرب رکھتے تھے۔ دل کی گہرائیوں میں اکثر ہوکیں اٹھتی رہتی تھیں۔

ہزاروں میل دور آ کر بھی ہم اپنے ماضی سے دامن نہ چھڑا سکے تھے۔

خدایا! ممی کے طفیل ہم نے کیسا کرب انگیز ماضی پایا تھا۔

☆--------☆--------☆

[illegible] بچے [illegible] کا [illegible] مختلف [illegible] تھے [illegible] فطرت [illegible] بھی بعض اوقات اپنی بوالعجبیوں سے انسان کو ششدر کر کے رکھ دیتی ہے۔ دونوں بچے فطرتاً اپنے اپنے باپ پر جانے کے بجائے ایک دوسرے کے باپ پر گئے تھے۔

راحیل اپنے باپ خالد آفاق کے برعکس دھیمے مزاج کا حامل تھا۔ انتہائی تمیزدار اور صلح پسند تھا اور شرجیل کی زیادتیوں کو اکثر درگزر کر کے اپنے بڑے پن کا ثبوت دینے میں تامل نہ کرتا۔ شرجیل کی خاطر اکثر اپنے جائز حق سے بھی بخوشی دستبردار ہو جاتا۔ ہر ایک سے محبت کرنا گویا اس کا مسلک تھا۔ شرجیل پر تو وہ جان چھڑکتا تھا۔ مجھ سے اور بھیا سے اسے انتہائی محبت تھی۔ غیروں کو بھی تکلیف میں دیکھتا تو بے چین ہو جاتا۔

شرجیل کے مزاج میں اپنے باپ علی ضیاء کے برخلاف تندی اور تیزی تھی۔ زود رنج اور جھگڑالو تھا۔ راحیل کی بے پناہ محبت کے باوجود وہ بات بے بات لڑائی جھگڑے پر اتر آتا۔ غصہ اور بدمزاجی اس کی ناک پر دھرے رہتے۔ اکثر راحیل کے جائز حق پر بھی ناجائز قبضہ جما کر بیٹھ جاتا۔ ہم سب اس کا انتہائی خیال رکھتے پھر بھی اسے گلے شکوے

رہتے۔ بھیا کے اور میرے بارے میں اسے اکثر یہ غلط فہمی رہتی کہ ہم اس کی ب[illegible]
راحیل سے زیادہ پیار کرتے تھے حالانکہ ایسا ہرگز نہ تھا بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ شرجیل ا[illegible]
زود رنج اور جھگڑالو طبیعت کے سبب ہم دونوں ہی راحیل سے زیادہ اس کا خیال ر[illegible]
تھے تاکہ کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو اور اس سلسلے میں راحیل بے چارہ ہم سے حتی المقدو[ر]
تعاون کرنے کی کوشش کرتا۔

فطرت کی اس بوالعجبی پر حیران ہوتے ہوئے کہ شرجیل کے مزاج میں راحیل [illegible]
باپ خالد آفاق کی خصوصیات کیوں در آئی تھیں اور راحیل اپنے باپ کے بجائے شرجیل
کے باپ علی ضیاء کی طرح ذہین' متین اور معتدل مزاج کا حامل کیوں تھا' میں حتی المقدور
[ک]وشش کرتی کہ شرجیل کو کوئی گلہ شکوہ نہ ہونے پائے مگر پھر بھی اس کی تشفی نہ ہوتی [illegible]
اور مجھے آئے دن شرجیل کی بے جا ضدوں اور ہٹ دھرمی کا سامنا کرنا پڑتا اور کبھی [illegible]
میں اس سے عاجز آ کر اسے ڈانٹ پھٹکار کرنے کے علاوہ ایک آدھ طمانچہ بھی رسید کر د[illegible]
جس پر بھیا مجھے ٹوکتے اور سمجھاتے کہ ہم ایسے ملک میں رہ رہے تھے جہاں ایک چھوٹا ب[illegible]
بھی والدین کی زیادتی کے خلاف پولیس کی مدد طلب کرنے کا مجاز تھا۔

"میں کیا کروں بھیا' شجی مجھے انتہائی مجبور کر دیتا ہے۔" میں بہت بے بسی سے کہتی۔

"جب بھی تمہیں اس پر غصہ آئے یہ سوچ لیا کرو کہ ہم نے اپنے بچوں کو نہ صرف
ان کے حصے کی بلکہ اپنے حصے کی وہ محبت بھی دینے کا عہد کر رکھا ہے جو ہمیں ہماری ماں
اور نانی' نانا سے نہ مل سکی۔"

بہت پہلے میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ ماں بن کر اپنے بچوں کو اتنا تحفظ اور
اتنی محبت دوں گی کہ ماں کے مقدس نام پر لگا ہر دھبا مٹ جائے گا۔

شرجیل پر اگر میں کبھی کبھی سختی کرتی تھی تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہ تھا کہ میں اپ[نے]
آپ سے کئے ہوئے اس عہد کو بھول چکی تھی۔ شرجیل اور راحیل دونوں ہی میرے جگر
کے ٹکڑے تھے۔ دونوں یکساں عزیز تھے۔ بلکہ سچ تو یہ تھا کہ چھوٹا ہونے کے باعث میں
شرجیل کا راحیل سے زیادہ ہی خیال رکھتی تھی اور اس پر کبھی کبھار کی جانے والی سختی کا
صرف ایک ہی مقصد ہوتا تھا اور وہ یہ کہ شرجیل کی ضدیں اور بات بے بات ہٹ دھرمی'
خودسری کی حدوں کو نہ چھونے لگیں۔

شرجیل کی جس عادت سے میں اکثر عاجز رہا کرتی تھی وہ یہ تھی کہ جب اسے کسی
بات پر غصہ آتا یا ضد سوار ہوتی تو وہ اپنا اور راحیل کا مشترکہ کمرہ تتربتر کر ڈالتا اور دیکھتے
ہی دیکھتے کمرے کو کباڑیئے کی دکان بنا کر دروازے پٹختا' چیزوں کو ٹھوکریں مارتا' زینہ اتر کر

[illegible] عقبی حصے میں نکل لیتا جہاں گارڈن بھی تھا اور گیراج بھی۔ گارڈن کے ایک گوشے
[illegible] ان کے پالتو کتے چوزی کا چوبی گھر دھرا تھا۔ وہاں شرجیل یا تو باغبانی میں مصروف ہو
[illegible] چوزی سے کھیلنے لگتا۔ خاصا وقت وہاں گزار کر جب وہ گھر واپس لوٹتا تو کپڑوں اور
[illegible] کی حالت دیدنی ہوتی۔ مجھے سب سے زیادہ اسی کے کپڑے واشنگ مشین میں ڈالنا
[illegible] اور جتنے عرصے میں راحیل کا ایک جوتا خراب ہوتا اتنے عرصے میں اس کے تین
[illegible] جوتوں کے خریدنے پڑ جاتے کیونکہ چیزوں کو ٹھوکریں مارتے ہوئے چلنا اس کی
[illegible] ثانیہ بن چکی تھی۔

ایک روز راحیل میری اجازت سے شرجیل کا واک مین لے کر اپنے کسی دوست
[کے] ہاں چلا گیا۔ شرجیل کو جو سو رہا تھا' بیدار ہونے پر جب یہ پتہ چلا کہ راحیل اس کا
[واک] مین لے کر باہر گیا ہوا ہے تو اس نے حسب عادت خاصی ہنگامہ آرائی کی اور راحیل
[کے] پیچھے جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے اس خیال سے کہ کہیں وہ راحیل کے دوست کے ہاں
[جا] کر زیادہ بدتمیزی نہ کر بیٹھے' اسے پکڑا' کھینچتی ہوئی اوپر بالاخانے تک لے گئی اور اسے
[بالاخ]انے میں بند کر کے دروازہ باہر سے بند کر کے کچن میں کام کرنے لگی۔ کچن گھر کی
[نچل]ی منزل پر تھا اور کچن کی ایک کھڑکی گھر کے عقب میں گارڈن اور گیراج کی سمت اور
[دوس]ری ہمسایوں کے گارڈن کی جانب اس طور کھلتی تھی کہ میں اس کھڑکی سے گھر کی
[نچل]ی منزل اور بالاخانے کے عقبی رخ پر کھلنے والی کھڑکیوں پر نظر رکھ سکتی تھی۔ شرجیل
[illegible]
[illegible] شرجیل کھڑکی کے نزدیک کھڑا تو نظر آیا اور اس نے مجھے دیکھا بھی مگر وہ نہ کچھ بولا
[نہ چ]لایا حالانکہ میں اس خوش فہمی میں تھی کہ وہ خاصی دہائی مچائے گا' معافی مانگے گا۔ مجھے
[اس] کی ڈھٹائی پر غصہ آیا۔

راحیل جو میری اجازت سے اس کا واک مین لے کر اپنے دوست کے ہاں گیا تھا'
[گھر] واپس لوٹا اور اسے معلوم ہوا کہ شرجیل نے اس کے واک مین لے جانے پر فساد مچایا
[تھا] اور میں نے غصے میں آ کر اسے بالاخانے میں بند کر دیا تھا تو سخت متاسف ہوا اور لگا
[شر]جیل کو معاف کر دینے کی درخواست کرنے مگر میں نے صاف کہہ دیا کہ جب تک وہ
[مجھ] سے معافی نہیں مانگ لیتا اور آئندہ بدتمیزی کرنے سے توبہ نہیں کر لیتا' میں اسے
[بالا]خانے سے نہیں نکالوں گی۔

راحیل گارڈن میں چلا گیا اور منہ اوپر کر کے بالاخانے کی کھڑکی میں کھڑے شرجیل کو
[مجھ]سے معافی مانگنے کی ترغیب دلانے کی کوشش کرنے لگا مگر اس کی کوشش ناکام رہی۔

شرجیل منہ پھلائے اسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ اسے بڑوں کی طرح منہ پھلائے اور
کا اظہار کرتے دیکھ کر مجھے دل میں ہنسی آتی رہی مگر بظاہر میں خفگی کا اظہار کرتی اور
آواز بلند اسے ڈراوے دیتی رہی۔

رات تک میں نے شرجیل کو بالاخانے میں بھوکا پیاسا بند رکھا مگر وہ سر مو پہ پا
پر آمادہ نہ ہوا۔ رات کو جب بھیا واپس ہوئے اور یہ صورت حال ان کے علم میں آئی
وہ مجھ پر آنکھیں نکال کر اس بری طرح بھبک پڑے کہ میں دم بخود رہ گئی۔ زندگی میں
مرتبہ وہ مجھ پر اس بری طرح خفا ہوئے تھے۔ انہوں نے میرے دونوں شانے دبو
جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "یہ تم نے کیا حماقت کی زریں؟"

مجھے بھیا کی شعلہ بار نگاہوں سے خوف آنے لگا۔

انہوں نے مجھے زوردار جھٹکا دے کر میرے شانے چھوڑ دیئے' میں لڑکھڑا کر دیوار
سے جا ٹکرائی۔

"تمہیں عقل سے کام لینا چاہئے۔" بھیا نے غصے سے کہا۔

خدایا مجھ سے کیا حماقت سرزد ہو گئی تھی جو بھیا مجھے عقل سے کام لینے کا مشو
دے رہے تھے اور اس بری طرح گرج برس رہے تھے۔

انہوں نے کرسی کو ایسی زوردار ٹھوکر ماری کہ کرسی الٹ گئی۔

"تم بچوں کے ساتھ وہی ستم دہرا رہی ہو جو ہماری ماں نے ہم پر کیا تھا۔" بھیا نے
انتہائی درشتی سے کہا۔ تب میں نے جانا کہ بھیا کیوں [illegible]

"کیا تم بھول گئیں کہ کمروں میں بند کر دیئے جانے والے بچوں کے دلوں پر کیا گزرتی
ہے؟ کتنے خوفزدہ ہو جایا کرتے ہیں وہ؟"

"بھیا کیا کروں۔" میں نے سر جھکا لیا پھر دھیرے سے بولی۔ "اس نے مجھے عاجز
تو بہت کر رکھا ہے۔"

"کتنا ہی عاجز کیوں نہ کر رکھا تھا........... تمہیں ایسی سزا نہیں دینی چاہئے تھی جس
سے اس کی نفسیاتی کیفیت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہو۔"

"وہ تو بڑے مزے سے سارا دن کھڑکی میں کھڑا باہر دیکھتا رہا۔"

"تو اور کیا کرتا؟" بھیا بھڑک اٹھے۔ "تم اور ہم بھی تو کھڑکیوں پر پڑے پردوں کے
پیچھے سے چپکے چپکے باہر جھانکنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ قید خانے میں بند بچہ اور کر ہی
کیا سکتا ہے!"

بھیا تیزی سے زینہ چڑھتے اوپر گئے اور شرجیل کو بالاخانے سے باہر نکال کر

پھر دیر تک اسے چپکے چپکے جانے کیا کچھ سمجھاتے بجھاتے رہے جس کے نتیجے میں اس
نے اپنی غلطی پر معافی مانگی۔

راحیل اور شرجیل کے سو جانے کے بعد بھیا نے مجھ سے کہا۔ "زریں! آئندہ کبھی
ایسا نہ کرنا۔ بچوں کا دل بہت چھوٹا ہوتا ہے۔"

"بھیا! میں آپ کو کیا بتاؤں کہ شجی کتنا بدتمیز ہو گیا ہے۔ ہٹ دھرمی کی انتہا یہ ہے
راحیل نیچے کھڑا اسے لاکھ سمجھاتا رہا کہ ممی سے سوری کہہ دو مگر اس کے کان پر جوں
رینگی۔"

"وہ کامپلیکس کا شکار ہے۔"

"ہاں' سمجھتا ہے کہ میں راحیل کو زیادہ پیار کرتی ہوں حالانکہ زیادہ مجھے اسی نالائق
سے ہے۔"

"دیکھو کچھ بھی ہو' چاہے وہ کتنی ہی ضد کرے' کیسی ہی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرے'
ایسی سزا کبھی مت دینا۔" بھیا نے مجھے سمجھایا۔

☆--------☆--------☆

بھیا کے ساتھیوں میں ایک مخلوط النسل خاتون ڈاکٹر بھی شامل تھی جس کا نام ماریہ
ڈاکٹر ماریہ کی ماں مسلمان تھی' باپ انگریز۔ ماریہ کے والدین میں اس کے بچپن میں
علیحدگی ہو گئی تھی۔ جن دنوں ماریہ طب کی تعلیم حاصل کر رہی تھی اس کی ماں بھی
[illegible] ماریہ نے ایک عرب مسلمان سے شادی کی
جو دو برس کی رفاقت کے بعد طلاق پر منتج ہوئی تھی۔ اس دوران ماریہ کے ہاں ایک
پیدا ہوئی تھی جس کا نام انہوں نے جاسمین رکھا تھا۔

ڈاکٹر ماریہ کی بھیا سے خاصی دوستی تھی اور اس دوستی کے ناطے کبھی کبھار گھر بھی
آ جاتا تھا۔ گو ڈاکٹر ماریہ کے طور طریقے مغربی تھے مگر ماں اور اپنے سابق شوہر کے
مسلمان ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر ماریہ کو اسلام سے خاصی دلچسپی تھی اور وہ جب بھی
ہمارے ہاں آتی' اس کا بیشتر وقت مجھ سے مسلمانوں کے عقائد' عبادات' اسلامی طرز حیات
اور اسلام میں عورت کے مقام سے متعلق باتیں کرنے میں گزرتا۔

طبعاً ڈاکٹر ماریہ بہت خوش مزاج اور روتوں کو ہنسا دینے والی تھی۔ اس کی سب سے
اچھی بات دوسروں کے نجی معاملات میں قطعاً مداخلت نہ کرنا تھی۔ ہمارے ہاں جب وہ
پہلی مرتبہ آئی تو بھیا نے اس سے میرا تعارف کراتے ہوئے اسے بتایا تھا کہ میں ان کی بیوہ
بہن تھی اور راحیل و شرجیل میرے بیٹے۔ بعد ازاں اس سے میری کئی مرتبہ ملاقات ہوئی

مگر مجال تھی کہ اس نے کبھی مجھ سے میرے مرحوم شوہر یا میری سابقہ زندگی کے [illegible] میں کوئی سوال کیا ہو۔

ڈاکٹر ماریہ مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ بھیا سے اس کی دلچسپی بھی مجھ پر عیاں تھی [illegible] اگرچہ بھیا کئی مرتبہ سختی سے منع کر چکے تھے کہ میں ان سے ان کی شادی کے موضوع [illegible] کوئی بات نہ کیا کروں لیکن میں بھی ایک بہن کے دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔ بھیا کا [illegible] بسے دیکھنا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر ماریہ سے ملنے کے بعد میں نے بھیا سے بارہا دبی زبان میں [illegible] ماریہ کے بارے میں بات کی۔ میری خواہش تھی کہ بھیا اس سے شادی کر لیں مگر بھیا [illegible] مجھے ہمیشہ کی طرح مایوس کیا۔ ڈاکٹر ماریہ سے ہمارے تعلقات استوار رہے۔

ڈاکٹر ماریہ کی بیٹی جاسمین بلا کی پیاری تھی۔ مجھے تو اس پر اتنا پیار آتا کہ ڈاکٹر ماریہ [illegible] اسے جب بھی اپنے ہمراہ ہمارے گھر لاتیں میں جی بھر کر لاڈ پیار کرتی۔ راحیل بھی [illegible] بہت پیار کرتا تھا مگر شرجیل، خدا کی پناہ جس روز جاسمین اپنی ماں کے ساتھ ہمارے [illegible] آتی، شرجیل اسے بے حد ستاتا اور ڈاکٹر ماریہ کے سامنے پے در پے بدتمیزیوں کا مظاہرہ [illegible] کے مجھے انتہائی شرمندہ کر دیتا۔

اگرچہ راحیل اور شرجیل کو یکساں ماحول میسر تھا۔ شرجیل کی اخلاقی تربیت پر [illegible] راحیل کی نسبت زیادہ توجہ رکھتی تھی۔ زیادہ محبت اور شفقت کا رویہ رکھتی تھی مگر دونوں کے رویوں میں زمین آسمان کا تضاد تھا! چھوٹی سی عمر میں شرجیل میرے لئے بڑی فکر اور تشویش کا باعث [illegible]

اکثر مجھے روہانسا کر دیتیں۔ مختلف النوع خانہ دارانہ مصروفیات کے دوران بھی میرا [illegible] اسی الجھن اور کشمکش میں رہتا کہ شرجیل اتنی چھوٹی سی عمر میں میرے لئے اتنی فکر اور تشویش کا باعث کیوں بن گیا تھا؟ میری انتہائی توجہ کے باوجود اس کی شخصیت میں سقم [illegible] تھا؟ وہ بے جا شرارتوں، خودسری اور ہٹ دھرمی پر کیوں آمادہ رہتا تھا؟ میری انتہائی تو[illegible] اور محبت کے باوجود اس کے دل میں یہ بات کیوں بیٹھ گئی تھی کہ میں راحیل سے زیادہ اسے چاہتی تھی؟

شرجیل کا طرز عمل اکثر مجھے ایک گہرے احساس گناہ سے دوچار کر دیتا۔ میں سوچنے پر مجبور ہو جاتی کہ یکساں ماحول اور تربیت میسر ہونے کے باوجود شرجیل کا بگڑا ہوا طرز عمل میرے اس گناہ کی پاداش تو نہ تھی جو ممی سے انتقام لینے کی خاطر مجھ سے میری [illegible] علمی کے سبب سرزد ہو گیا تھا یعنی میں اس شخص سے نکاح کرنے کو جائز سمجھ بیٹھی [illegible] جس سے میرا نکاح جائز نہ تھا۔ میں جی ہی جی میں خدا سے توبہ کرتی۔ اس کے سوا میں اور [illegible]

[illegible] ہی کیا سکتی تھی!

☆-------☆-------☆

ڈاکٹر ماریہ ایک روز اسپتال میں اپنی ڈیوٹی ختم کر کے گھر واپس لوٹ رہی تھی کہ [illegible] کی کار ایک حادثے کا شکار ہو گئی۔ ماریہ کو شدید زخمی حالت میں اسپتال پہنچایا گیا اور [illegible] روز تک موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد وہ چل بسی مگر مرنے سے [illegible] اس نے اپنی بیٹی جاسمین کو ہمیں دے دیا۔ آخری وقت میں اس نے بھیا سے کہا۔

"اگرچہ میں مذہب کے بہت نزدیک کبھی نہیں رہی مگر میری ماں اور جاسمین کے [illegible] مسلمان تھے۔ میری خواہش ہے کہ جاسمین بڑی ہو کر اگر کسی مذہب کی پیروی کرنا [illegible] تو اسلام کی پیروی کرے، اس لئے میں اسے آپ کی سرپرستی میں دینا چاہتی ہوں۔"

جاسمین اپنی ماں کے مرنے سے قبل ہی ہمارے گھر میں آ گئی تھی۔ ماں کی موت کے [illegible] وہ اسی گھر کی ہو گئی اور مجھے مم اور بھیا کو ڈیڈی کہنے لگی۔ ہم نے اس کا نام جاسمین [illegible] یاسمین کر دیا۔ اس کے نام میں اس خفیف سی تبدیلی کا اس کے نام کے معنی پر کوئی [illegible] نہ پڑا۔

[illegible] بیٹیاں مجھے اچھی لگتی تھیں اور جتنا عرصہ ڈاکٹر شعیب میرے رفیق رہے، میری بہت [illegible] اش رہی کہ ہمارے ہاں ایک بیٹی بھی ہو جائے۔ بھیا سے مجھے جو بے لوث اور بے [illegible] محبت تھی اس کے باعث میں اپنے بیٹوں کے لئے بھی ایک بہن کی متمنی تھی۔ [illegible] مین مجھے ویسے ہی بہت پیاری لگتی تھی۔ قسمت نے اسے میری ہی آغوش میں لا ڈالا تو [illegible] مجھے اپنی بھی لگنے لگی اور چند ہی دنوں میں مجھے اس سے ایسی محبت ہو گئی جیسے وہ [illegible] اور شرجیل کی طرح میری اپنی اولاد ہو! ننھی یاسمین کے آ جانے سے میری ذمہ [illegible] میں اضافہ ہو گیا اور نتیجتاً راحیل اور شرجیل پر میری توجہ خفیف سی بٹ گئی۔

یاسمین کے ہمارے گھر میں آ جانے سے راحیل تو بہت مسرور ہوا لیکن شرجیل جو [illegible] ہی اس احساس کا شکار تھا کہ میں راحیل کو اس سے زیادہ چاہتی ہوں، یاسمین کے [illegible] سے ذرا خوش نہ ہوا اور اس پر میری اور بھیا کی توجہ دیکھ کر اسے ناپسندیدہ نگاہوں [illegible] دیکھنے لگا بلکہ حسد کرنے لگا اور موقع ملتے ہی اسے کسی نہ کسی طرح آزار پہنچانے کی [illegible] شش کرنے لگا۔ کبھی اس کے چٹکی بھر لیتا، کبھی چپکے سے دھکا دے کر گرا دیتا۔ کبھی اس [illegible] سر پر چپت رسید کر دیتا، کبھی اس کے کھلونے چھپا دیتا یا توڑ دیتا۔ اس کی گڑیوں کے [illegible] پاؤں توڑ دیتا، چہرہ مسخ کر دیتا، بال نوچ دیتا، کبھی اس کے ہاتھ سے کھانے پینے کی چیز [illegible] کر یوں انجان بن جاتا جیسے کچھ کیا ہی نہ ہو یا پھر اسے پریشان کر کے اسے چیختا چلاتا

چھوڑ کر گارڈن میں نکل لیتا۔

☆--------☆--------☆

تمام بچوں کی طرح میرے بچے بھی اپنے ننھیال اور ددھیال کے بارے میں متجسس رہا کرتے تھے۔ ننھیال کے بارے میں' میں نے انہیں بتایا تھا کہ ان کے نانا کا ایک حادثے میں انتقال ہو چکا تھا۔ ایک ماموں جن کا نام حارث تھا' بہت چھوٹی عمر میں گئے تھے۔ خالہ فرحین کا انتقال راحیل کی پیدائش کے بعد ہوا تھا۔ جب میں راحیل کو اس کی خالہ کی اس سے محبت کے قصے سناتی تو راحیل کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک آتی اور شرجیل اسے رشک سے دیکھنے لگتا۔

"سب بھائی جان ہی سے پیار کرتے ہیں۔" ایک روز اس نے شاکی لہجے میں کہا۔

"میری جان! ہم تم سے بھی اتنا ہی پیار کرتے ہیں۔" میں نے محبت سے کہا۔

"بھائی جان کی تو دادی بھی ہیں جو ان سے اتنا پیار کرتی ہیں۔ انہیں خط لکھتی ہیں کارڈز بھیجتی ہیں' ان کے لئے تحفے بھجواتی ہیں۔"

"تو کیا ہوا؟ آپ کے لئے بھی تو آپ کے انکل اور ہم اچھی اچھی چیزیں لاتے ہیں۔"

"وہ تو آپ لوگ بھائی جان اور یاسمین کے لئے بھی لاتے ہیں۔ میں تو بھائی جان کی دادی جان کی بات کر رہا ہوں۔ ان کی دادی جان ہیں اور میری نہیں ہیں۔"

"کوئی بات نہیں میری جان' تمہارے لئے ہم سب ہیں۔ ذرا دیکھو تو راحیل بھائی تم سے کتنی محبت کرتے ہیں کہ ان کی دادی جان انہیں جو تحفے بھجواتی ہیں وہ آدھے تمہیں دے ڈالتے ہیں۔"

راحیل کی دادی کو ہم نے پاکستان سے روانگی کے وقت اطمینان دلایا تھا کہ راحیل کو ان سے ملنے کے لئے گاہے گاہے پاکستان بھیجتے رہیں گے مگر ہم اپنے اس عہد کو پاس نہ رکھ سکے' اس لئے نہیں کہ ہمیں راحیل کی دادی سے کوئی عناد تھا یا ہم راحیل کو ان سے دور رکھ کر انہیں آزار پہنچانا چاہتے تھے بلکہ اس لئے کہ ہم اپنے بچوں پر دکھوں کا سایہ نہ پڑنے دینا چاہتے تھے جو ہم نے جھیلے تھے مگر راحیل کی دادی نے یہ باور کر لیا تھا کہ ہم راحیل کو ان سے دور رکھنا چاہتے تھے اور اسی بنا پر ہم سے ناراض تھیں۔ ان کی ناراضگی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا تھا کہ ہمارے انگلستان میں بسنے کے بعد وہ امریکا میں مقیم اپنی ایک بھانجی سے ملنے براستہ لندن دو مرتبہ امریکا گئی تھیں مگر انہوں نے ہم سے ملنا گوارا نہ کیا تھا اور اپنی انا کی خاطر اپنے دل پر پتھر رکھ کر راحیل سے ملے بنا لندن سے گزر گئی تھیں تاہم راحیل سے ان کی بے لوث اور بے انتہا محبت میں کلام نہ تھا۔ اس کا بڑا ثبوت تو یہ تھا کہ انہوں نے اپنے وصیت نامے کی رو سے تمام املاک اپنی زندگی ہی میں راحیل کے نام کر دی تھی۔ علاوہ ازیں وہ راحیل سے مسلسل خط و کتابت رکھتی تھیں۔ اسے مختلف مواقع پر تہنیتی کارڈز ارسال کرتی رہتی تھیں اور کسی نہ کسی ذریعے سے اسے قیمتی تحائف بھجواتی رہتی تھیں۔ راحیل ان کے خطوط کا بڑی باقاعدگی سے جواب دیتا۔ اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اپنی دادی سے ملنے کے لئے پاکستان ضرور جائے گا۔

راحیل سے شرجیل کے رشک و حسد کی ایک بنا راحیل کی دادی جان بھی تھیں جو دور ہونے کے باوجود اس سے محبت کرتی تھیں اور اسے ہر موقع پر یاد رکھتی تھیں۔

راحیل اور شرجیل اپنے باپ کے بارے میں بھی مجھ سے اپنے ان گنت استفسارات کی بوچھاڑ میں رکھتے تھے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے باپ کے بارے میں ہر ممکنہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش میں رہا کرتا تھا۔ اپنی اپنی سائڈ بورڈ پر انہوں نے اپنے اپنے باپ کی تصویر آراستہ کر رکھی تھی۔

راحیل کو میں نے اس کے باپ کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ بہت ہینڈسم تھا اور ایک بینک افسر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت مشہور ٹی وی آرٹسٹ بھی تھا مگر اس کی شخصیت قدرے الجھی ہوئی تھی۔ اسے اپنے والدین سے گلہ تھا کہ انہوں نے اسے اتنی توجہ اور محبت نہیں دی تھی جس کا وہ مستحق تھا۔ اپنے اسی احساسِ محرومی کے باعث اس نے خودکشی کر لی تھی۔

راحیل کی دادی بھی اپنے خطوں میں اسے اس کے باپ کے بچپن' لڑکپن' جوانی اور اس کی عادات و معمولات کے بارے میں تفاصیل لکھا کرتی تھیں۔

راحیل کی سائڈ بورڈ پر اس کے باپ خالد آفاق کی فریم شدہ تصویر آراستہ تھی۔

شرجیل کو میں نے اس کے باپ کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ ایک مشہور و معروف ڈاکٹر تھے۔ انتہائی نفیس مزاج کے حامل' نیک فطرت' شریف النفس' مجبوروں اور حاجت مندوں کے کام آنے والے' لوگوں کی خدمت ان کا مسلک تھا۔ راحیل سے بھی انہیں اتنی ہی محبت تھی جتنی کہ وہ شرجیل سے کیا کرتے تھے۔ وہ ایک عظیم انسان تھے! میں اکثر ان کی نیک طبعی کے قصے شرجیل کو بطور خاص سنایا کرتی۔ شرجیل کی سائڈ بورڈ پر ڈاکٹر شعیب کی تصویر سجی تھی!

شرجیل ڈاکٹر شعیب ہی کو اپنا باپ سمجھا کرتا تھا اور انگلستان میں آ بسنے کے بعد میں

نے اسے اس حقیقت سے آگاہ کرنے کا خیال ترک کر دیا تھا کہ ڈاکٹر شعیب اس
نہیں تھے۔

مگر جب وہ سمجھدار ہو گیا تو ایک روز اس نے مجھ سے پوچھا۔ "مم! آپ
ڈیڈی کا نام شعیب احمد کیوں بتاتی ہیں؟ میرے برتھ سرٹیفکیٹ میں تو ان کا نام علی
ہے؟"

اس کے اس سوال پر پہلے تو میں ہڑبڑا گئی پھر میں نے کہا۔ "بیٹے! وہ شعیب احمد
نام سے مشہور تھے۔ مگر ان کا اصل نام علی ضیاء تھا۔"

"وہ شعیب احمد کے نام سے کیوں مشہور ہو گئے تھے؟"

شرجیل کا سوال مجھے خاصا ٹیڑھا محسوس ہوا۔ میں اس کے سوال کا جواب
رہی تھی کہ اس نے میری مشکل خود ہی آسان کر دی۔ "ان کو اپنا اصلی نام پسند
ہو گا نا مم؟"

"ہاں.......... ہاں بیٹا.......... تم ٹھیک سمجھے۔ انہیں اپنا اصلی نام پسند نہیں تھا۔"

"آپ انہیں کس نام سے پکارا کرتی تھیں؟"

"میں؟ میں تو.........."

"ڈاکٹر شعیب احمد؟" شرجیل نے میری بات اچک لی۔

"بھئی میں تو انہیں صرف ڈاکٹر صاحب کہا کرتی تھی۔"

"آپ کو میرے ڈیڈی اچھے لگتے تھے؟"

"ہاں بہت۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ میرے ڈیڈی زیادہ اچھے تھے یا بھائی جان کے؟"

"دونوں۔"

"آپ کو زیادہ اچھے کون لگتے تھے؟"

"دونوں ہی۔"

"میرے ڈیڈی زیادہ اچھے ہوں گے۔" وہ وثوق سے بولا۔ "میرے ڈیڈی زیادہ اچھے
تھے نا مم؟" اس نے میری تائید چاہی۔

"بیٹا! میں نے کہا نا دونوں ہی اچھے تھے۔" میں نے راحیل کی موجودگی کا خیال
ہوئے کہا۔

"نہیں، میرے ڈیڈی زیادہ اچھے تھے۔"

"چلو اچھا مان لیا تمہارے ڈیڈی ہی زیادہ اچھے تھے۔" مجھے شرجیل کی جھگڑالو

بھی رکھنا تھا۔

"دیکھا بھائی جان، میرے ڈیڈی زیادہ اچھے تھے۔" شرجیل نے راحیل کو چڑانے کی
ش کی۔ راحیل نے شاکی نظروں سے مجھے دیکھا۔

میں نے بڑی سرعت سے آنکھ دبا دی۔ راحیل مسکرا دیا۔

"ہاں وہ تو اچھے تھے۔" راحیل کی فطری صلح پسندی عود کر آئی۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

☆-------☆-------☆

ہمیں ترکِ وطن کئے نو سال بیت چکے تھے۔ راحیل اپنی عمر کی سولہویں بہار دیکھ رہا
شرجیل بارہ برس کا ہو کر تیرہویں میں لگ چکا تھا۔ یاسمین جو تین برس کی عمر میں
ارے پاس آئی تھی، چھ برس کی ہو کر ساتویں میں لگ چکی تھی۔

یاسمین کی چھٹی سالگرہ منائے چند روز ہی گزرے تھے۔ ایک روز اسے شام کے
ت معمولی حرارت ہوئی اور وہ بستر پر پڑ گئی۔ رات بھر میں اسے تیز بخار ہو گیا، صبح تک
ی طبیعت خراب ہوئی کہ اسے اسپتال میں داخل کرانا پڑا۔ اسی بخار میں اسے یرقان ہو
اور وہ علالت جو معمولی حرارت سے شروع ہوئی تھی، طویل ہوتی چلی گئی۔ یاسمین
مجھے کم و بیش ویسی ہی محبت ہو چکی تھی جتنی راحیل اور شرجیل سے تھی۔ یاسمین کی
اری کے دوران میں نے اس کی دیکھ بھال میں دن رات ایک کر دیا۔ دل کو جو بے کلی
ی اس کا اندازہ کرنا محال ہے۔ بستر علالت پر بے سدھ پڑی زرد زرد سی بچی کو دیکھ کر مجھے اتنا
ہوتا کہ میرا بس چلتا تو اپنی رگوں کا خون اس کی رگوں میں منتقل کر دیتی اور اس کے
تے ہوئے جسم سے زائد حرارت کو اپنے ہونٹوں سے چوس لیتی۔ پھول سی بچی دیکھتے ہی
تے کملا گئی اور معالج یہ خدشہ ظاہر کرنے لگے کہ اس علالت کے نتیجے میں اس کی ذہنی
کیفیت متاثر ہونے کا احتمال تھا۔

اسپتال میں بھیا نے یاسمین کے لئے علیحدہ کمرہ لے دیا تھا اور اس کی علالت کے
دوران میں اس کے پاس ہی رہی۔ دوسرے تیسرے دن کچھ دیر کو گھر ہو آتی ورنہ یاسمین
کے پاس ہی رہتی۔ مجھے وہ اپنے پاس سے ہٹنے کی اجازت ہی نہ دیتی تھی۔ جتنے دن یاسمین
اسپتال میں رہی اس کے پاس رہنے کی وجہ سے راحیل اور شرجیل کی طرف سے میں
خاصی غافل رہی۔

پھر جب یاسمین کی حالت سنبھل گئی اور اسے اسپتال سے رخصت کر کے گھر بھیج
دیا گیا تب بھی کافی دن تک میرا زیادہ وقت اس کی دیکھ بھال میں گزرتا رہا اور اس دوران

بھی راحیل اور شرجیل دونوں ہی نظرانداز ہوتے رہے۔ بہرحال مناسب علاج اور
توجہ کے نتیجے میں یاسمین صحت یاب ہو گئی۔

یاسمین کی صحت یابی کے بعد ایک روز میں اپنے گھر کے زینے سے اتر کر
منزل سے پہلی منزل پر جا رہی تھی کہ بے دھیانی میں پاؤں الجھ کر رہ گیا اور میں
ہوئی نیچے آ گری۔ ذرا دیر کو تو مجھے یوں لگا جیسے دنیا یک بیک تاریک ہو گئی ہو۔ آنکھوں
کے سامنے سے اندھیرا چھٹنے کے بعد اٹھنے کی کوشش کی تو چیخیں نکل گئیں۔ خوش
سے راحیل نے اس روز اسکول سے چھٹی کر رکھی تھی۔ اس نے فوراً بھیا کو فون کیا۔
ایمبولینس لے کر گھر پہنچے اور مجھے اسپتال پہنچایا گیا۔ معلوم ہوا پنڈلی میں کمپاؤنڈ فریکچر
گیا تھا۔ یاسمین کی طویل علالت کے دوران مجھے ہو جانے والی تھکن ابھی اتری نہ تھی
جان پر یہ نئی افتاد آن پڑی۔ بہرحال اب تو بھگتنا ہی تھی۔

لندن میں ہمارا گھر خوشحال آبادی پر مشتمل ایک مشہور و معروف علاقے میں
ہمارا مکان لبِ سڑک واقع تھا۔ ہمسایوں سے ہمارے تعلقات اپنے گھر کے بائیں
متصل مکان میں رہنے والی معمر انگریز خاتون مسز الفریڈ کے سوا کسی سے بھی نہ تھے۔
کبھی میں باغیچے کی تزئین یا چہل قدمی کو نکلتی اور مسز الفریڈ بھی اپنے باغیچہ میں نظر آ
جاتیں جو کہ شاذ ہی نظر آیا کرتی تھیں تو ہمارے درمیان ہیلو' ہائے' ہاؤ آر یو' فائن تھینک
یو' بائے' قسم کے رسمی مکالمات کا تبادلہ ہو جایا کرتا تھا' یا پھر برس کے برس کرسمس پر
ان کے ہاں ہو آتے او، ... سز الفریڈ سے میری ملا
ہو جاتی اور وہ سرراہ مجھے اِدھر اُدھر کی چند باتیں بتا اور میرا اور میرے اہل خانہ کا حال
چال پوچھ کر اپنی راہ ہو لیتیں اور میں اپنی راہ۔

مسز الفریڈ بیوہ عورت تھیں۔ ان کے شوہر برطانوی بحریہ میں اعلیٰ افسر تھے اور بیوی
کے لئے اتنا کچھ چھوڑ کر مرے تھے کہ انہیں فکر معاش نہ تھی۔ مسز الفریڈ کا ایک ہی بیٹا تھا
جو اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ویلز میں رہا کرتا تھا۔ مسز الفریڈ جب بھی ملتیں اپنے بیٹے
اور بہو کی بے اعتنائی کا شکوہ ضرور کرتیں۔ راحیل' شرجیل اور یاسمین سے وہ بہت پیار
کرتی تھیں اور مجھ سے اکثر کہتی تھیں۔ "تم بہت خوش قسمت ہو کہ خدا نے تمہیں ایسے
بچے دیئے ہیں' ان میں سے کوئی ایک تو تمہارا وفادار رہے گا اور تمہاری خبر گیری کرے
گا۔"

مسز الفریڈ قرب و جوار کی ہمسایوں سے میری طرح بے تعلق نہ رہا کرتی تھیں۔
ان کے توسط سے مجھے اکثر آس پاس کے ہمسایوں کی بھی خیر خبر مل جاتی جن سے مجھے کچھ

دلچسپی بہرحال نہ تھی۔ میرا تو یہ عالم تھا کہ دائیں بائیں سے بھی بے نیاز رہا کرتی
تھی۔ مسز الفریڈ ہی نے بتایا کہ ہمارے گھر کے دائیں پہلو میں واقع مکان میں ایک انگریز
... اور ان کی فرانسیسی نژاد بیوی رہا کرتے تھے جن کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی بیلے ڈانسر
... چھوٹی آکسفورڈ میں قانون کی طالبہ تھی جبکہ گھر کے بائیں پہلو میں واقع مکان ایک
... رنڈوے پروفیسر کا تھا جو بقول مسز الفریڈ کے بیوی کے انتقال کے بعد سٹھیا سے گئے
تھے۔ کبھی وہ اس گھر کو فروخت کرنے کا ارادہ کر لیتے تو کبھی اسے اپنی بیوی کی یادگار کے
طور محفوظ رکھنے کی سوچنے لگتے۔ کبھی اسے کسی رفاہی ادارے کو عطیہ کرنے کا ارادہ ظاہر
کرتے تو کبھی اس وفادار ملازمہ کو گفٹ کرنے کا خیال ظاہر کرتے جو عرصہ دراز سے ان
کے ہاں جز وقتی ملازم تھی۔ بڑے میاں کا ایک مکان ڈے ون میں بھی تھا اور بیوی کے
انتقال کے بعد وہ زیادہ تر وہیں رہنے لگے تھے۔

ٹانگ ٹوٹنے کے بعد میں بستر پر ایسی پڑی کہ ہفتوں تو بستر سے اٹھنا محال رہا۔ پھر
وقت تمام اٹھ کر بیٹھنا اور بیساکھی ٹیک ٹیک کر پلاستر چڑھی ٹانگ پر زور دیئے بغیر چلنا
شروع کیا۔ پلاستر اترنے کے بعد بھی کئی ہفتے میں چلنے پھرنے سے معذور رہی۔ تقریباً چار
پانچ ماہ بڑی مشکل سے گزرے۔ اس دوران راحیل نے میرا بہت ساتھ دیا اور بیٹا ہونے کا
حق ادا کر دیا۔ میری تیمارداری ہی نہیں بلکہ امورِ خانہ داری بھی اس نے اتنی توجہ اور
... سے سرانجام دیئے کہ میرے دل میں اس کی محبت اور بھی بڑھ گئی۔ ابتدا میں تو خیر
... ہی کام اس کے سر پڑ گئے تھے۔ پھر جب میں بیساکھی کے سہارے اٹھنے بیٹھنے اور بتدریج
چلنے پھرنے لگی تو امورِ خانہ داری کے سلسلے میں اس کی ذمے داری کچھ کم ہو گئی۔ جب
تک میں بیساکھی کے رحم و کرم پر رہی' بازار سے سودا سلف لانا' لانڈری جانا' کپڑے دھلوا
کر لانا' انہیں استری کرنا اور دوسرے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام بھی وہی بے چارہ کرتا
رہا۔ مسز الفریڈ میری عیادت کے لئے دو مرتبہ ہمارے گھر آئیں۔ پہلی مرتبہ تو خیر میں خود
اٹھ کر بیٹھنے سے معذور رہی۔ جب وہ دوسری مرتبہ آئیں تو میں بیساکھی کے سہارے اٹھ
کھڑی ہونے کے لائق ہو چکی تھی۔ تبھی مجھے ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ہمارے ہمسایہ
میں رنڈوے پروفیسر کا مکان بک گیا تھا اور غالباً کسی عرب مسلمان فیملی نے خریدا تھا۔

تقریباً چار پانچ ماہ تک میں معذوری کی ایسی کیفیت سے دوچار رہی کہ مجھے گھر سے
باہر تو کجا اکثر یہ بھی خبر نہ ہوتی کہ میرے گھر کے دوسرے کمروں میں اور دیگر منزلوں پر کیا
ہو رہا تھا؟ بچے اسکول جانے کو خود ہی تیار ہوتے' خود ہی جایا کرتے۔ اسکول سے واپس
آنے کے بعد یاسمین تو بیشتر وقت میرے آس پاس رہ کر گزارتی۔ راحیل خانہ دارانہ

ذمے داریوں میں تنہا گھرا رہتا یا میرا ہاتھ بٹاتا۔ شرجیل کا اکثر کچھ پتہ نہ ہوتا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا تھا؟

شرجیل ویسے بھی اپنی اس غلط فہمی کی بنا پر کہ میں راحیل کو اس سے زیادہ پیار کرتی ہوں، مجھ سے اکثر کھنچا کھنچا رہا کرتا تھا، اس پر مستزاد ہمارے ہاں یاسمین کی آمد! یاسمین تو اس نے خدا واسطے کا بیر باندھ لیا تھا۔ یاسمین کی علالت سے ایک روز قبل ہی تو اس نے صرف اتنی سی بات پر کہ یاسمین نے اس کی رنگین پنسلیں اس کی اجازت کے بغیر اس کے بیگ سے نکال کر استعمال کر لی تھیں، اس بے رحمی سے اس کے طمانچہ مارا تھا کہ اس کی نکسیر پھوٹ نکلی اور جب میں نے اسے ڈانٹا تو اس نے اس بری طرح مجھ سے زبان چلائی کہ بھیا نے جو سوئے اتفاق گھر پر ہی تھے، اسے جلد ہی کسی ماہر نفسیات کو دکھانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

مگر اگلے ہی دن یاسمین بیمار پڑ گئی۔ پھر اسپتال سے یاسمین کے گھر آنے کے چند روز بعد میری ٹانگ ٹوٹ گئی اور ان پے در پے پریشانیوں کے نتیجے میں شرجیل کو کسی ماہر نفسیات کے پاس لے جانے کا ارادہ مؤخر رہا۔

میری وقتی معذوری کے دوران شرجیل کے رویئے میں سیمابی تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں جنہوں نے بالآخر ہماری چھوٹی سی دنیا میں بڑی ہلچل مچا دی!

☆------☆------☆

[illegible] ٹوٹنے کے بعد میں کچھ عرصہ تک ایسی معذوری سے دوچار رہی جس نے میرے معمولات ہی نہیں میری نفسیاتی کیفیت کو بھی انتہائی متاثر کیا۔ آزادانہ اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا محال رہا۔ گھر سے باہر آمد و رفت تو کجا گھر کی ایک منزل سے دوسری منزل پر اترنا چڑھنا بھی متروک رہا۔ بچوں کے اسکول اور بھیا کے اسپتال چلے جانے کے بعد مجھے خوف سا آ گھیرتا۔ وسوسے اور خدشات ستانے لگتے۔ کبھی میں سوچتی خدانخواستہ گھر میں آگ لگ جائے تو اپنی جان بچانے کے لئے کیونکر بھاگ سکوں گی؟ کبھی یہ خدشہ ستانے لگتا کہ خدانخواستہ کوئی چور یا جنونی گھر میں گھس آئے تو کیا کروں گی؟ ٹیلیفون نزدیک ہوتے ہوئے بھی مجھے دور محسوس ہوتا اور کارآمد ہونے کے باوجود بے کار لگتا۔

بچے اسکول سے لوٹ آتے تو میری جان میں جان آتی۔ یاسمین تو خیر مجھ سے [illegible] ہی رہتی۔ راحیل کو بھی میں ہمہ وقت اپنے آس پاس ہی دیکھنا چاہتی۔ اسکول سے گھر آنے کے بعد وہ زیادہ تر وقت میرے نزدیک ہی رہتا اور میری ہدایات کے مطابق مختلف کام انجام

دیتا یا مختلف امور کی انجام دہی میں میرا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتا۔ شرجیل کے بارے میں ہم اس گمان میں رہتے کہ اپنے کمرے میں ہوگا یا گارڈن میں۔ اور جب کبھی میں اسے کئی مرتبہ پکارنے کے باوجود بھی کوئی جواب نہ پاتی تو مجھے جھنجلاہٹ تو ضرور ہوتی مگر تشویش نہ ہوتی کہ سن کر ان سنی کر دینا شرجیل کی ایسی بڑی عادت تھی جس کی میں عادی ہو چکی تھی۔

پہلی پکار پر تو وہ شاذ ہی کان دھرتا۔ جب تک میں اسے تین چار مرتبہ نہ پکار لیتی وہ [illegible] نہ دکھاتا اور جب میں اسے ان سنی کر دینے پر ملامت کرنے کی کوشش کرتی تو وہ عجیب و غریب قسم کے جوابات دیتا جو میری دل آزاری کا باعث بنتے۔

یاسمین کی علالت سے دو تین دن قبل ہی کی تو بات تھی کہ ایک روز جب اس نے میرے بارہا پکارنے پر بھی کوئی جواب نہ دیا تو میں بھنا کر اس کے کمرے میں جا پہنچی۔

"شجی! میں کتنی دیر سے تمہیں پکار رہی ہوں۔" میں نے کہا۔

"مجھے تو آپ کی آواز سنائی نہیں دی۔" وہ بولا۔

"میں کوئی میلوں پرے سے تو پکار نہیں رہی تھی۔ صرف ایک منزل کا فرق تھا تمہیں میری آواز سنائی دی ہوگی۔"

"میں نے کہا نا مجھے نہیں سنائی دی تھی آپ کی آواز۔"

"کیا تمہارے لئے گھر کی تینوں منزلوں پر لاؤڈ اسپیکرز لگوانے پڑیں گے؟" میں نے [illegible]

"لگوا کر دیکھ لیجئے۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

مجھے غصہ تو بہت آ رہا تھا مگر میں نے غصہ پیتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! میں تمہاری ماں ہوں۔ تمہیں میری ایک آواز پر دوڑے چلے آنا چاہئے۔"

"معاف کیجئے میں اتنی سعادتمندی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔" اس نے شانے اچکا کر کہا پھر استہزائیہ انداز میں بولا۔ "اس قسم کی سعادت مندی کی توقع آپ اپنے چہیتے بیٹے راحیل ہی سے منسوب رکھئے۔"

میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"تم بھی میرے بیٹے ہو۔"

"جسے آپ اپنے بڑے بیٹے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں سمجھتیں۔"

"مجھے تم دونوں ہی یکساں عزیز ہو۔"

"جھوٹ!" اس نے بدلحاظی سے کہا۔ "مجھ سے زیادہ پیار تو آپ یاسمین سے کرتی

ہیں اور مجھ سے زیادہ خیال تو آپ انکل کا رکھتی ہیں۔"

"بیٹا! انکل بھی تو ہم سب کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔"

"آپ سب کا رکھتے ہیں' میرا نہیں۔" میں دم بخود رہ گئی۔

شرجیل کو اب بھیا سے بھی شکوہ ہو چلا تھا! خدایا! بھیا کے کانوں تک اس کے یہ شکوے ہرگز نہ پہنچیں۔ میں تو ماں ہوں' شرجیل کی الٹی سیدھی شکایتیں حکایتیں درگزر کردیتی ہوں۔ بھیا سنیں گے تو انہیں رنج ہوگا۔ میں نے جی ہی جی میں دعا کی۔

☆-------☆-------☆

بچوں کو صبح کے وقت بھیا ان کے اسکول چھوڑتے ہوئے اسپتال جاتے۔ یاسمین کا اسکول گھر سے زیادہ دور نہ تھا اسے چھٹی کے وقت میں خود گھر لے آیا کرتی تھی۔ جب تک راحیل اور شرجیل سمجھ دار نہ ہوئے' سہ پہر کو انہیں بھی اسکول سے گھر لانا بھیا کی ذمہ داری رہی لیکن راحیل کے سمجھ دار ہونے کے بعد دونوں بھائی چھٹی کے بعد خود ہی گھر آجاتے۔

اسکول سے گھر آنے کے بعد بچوں کا زیادہ وقت گھر ہی میں گزرتا۔ ہم نے ان کے لئے گھر پر ہی ایسی دلچسپ مصروفیات فراہم کر رکھی تھیں کہ اسکول سے گھر آنے کے بعد ان کے پاس جو فارغ وقت ہوتا اس میں وہ اپنی گوناگوں دلچسپیوں میں منہمک رہتے۔ کبھی انہیں اپنے کسی دوست کے ہاں یا کہیں اور جانا ہوتا تو مجھ سے اجازت لئے بغیر کبھی [illegible] جانے کی اجازت دے دیتی لیکن شرجیل کو میں تنہا گھر سے باہر نہ جانے دیتی۔ اسے اپنے کسی دوست کے ہاں بھی جانا ہوتا تو راحیل اسے چھوڑنے اور لینے کے لئے جاتا۔

گھر سے باہر آمدورفت کے معاملے میں' میں نے بچوں پر سختی اس لئے رکھی تھی کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ بہت سے ایشیائی گھرانوں کے نوعمر بچوں کی طرح میرے بچے بھی اوٹ پٹانگ حرکتوں یا بے راہ روی کا مظاہرہ کرتے پھریں۔ بازاروں' سڑکوں اور زیر زمین ریلوے اسٹیشنوں پر کبھی کبھی بڑے عجیب وغریب مناظر دیکھنے میں آتے تھے۔ ایک تو کسی ایشیائی لڑکے کو جو چہرے مہرے سے ہمارے ہی خطے کا لگتا تھا میں نے دو تین مرتبہ لندن کے ایک پُرہجوم راستے پر اس طور تماشا بنے دیکھا تھا کہ وہ سر کے بل قلابازیاں کھا کھا کر [illegible] کرتا تھا۔

گھر سے باہر بچوں کی آمدورفت کے معاملے میں' میں راحیل کی نسبت شرجیل کے سلسلے میں زیادہ احتیاط روا رکھتی۔ بزرگوں کی یہ کہاوت کہ' پوت کے پاؤں پالنے ہی میں

فرماتے ہیں' شرجیل کے معاملے میں مجھے اس تشویش سے دوچار رکھتی کہ خدانخواستہ اگر مہلت ملی تو راحیل کی نسبت شرجیل بلا جھجک اس کے اثرات قبول کرنے والوں میں ہوگا۔ میں جانتی تھی کہ وہ جس قسم کے احساسِ کمتری میں مبتلا تھا وہ اس کی توجہ دم بھر میں کسی بظاہر چمکتی' بباطن مہلک چیز کی جانب مبذول کرانے میں ذرا تامل نہ دکھائے گا۔ میں تو ٹی وی بھی مناسب اوقات میں کھولنے کا معمول اپنائے ہوئے تھی۔

مگر میری معذوری نے خواہ وہ عارضی ہی سہی میری مذکورہ ریاضت اور احتیاط پر پانی پھیر دیا!

مسز الفریڈ کی زبانی یہ اطلاع ملنے کے بعد کہ ہمارے پڑوس میں رہنے والے مجرد بوڑھے پروفیسر نے اپنا مکان کسی عرب فیملی کے ہاتھ فروخت کردیا تھا راحیل اور شرجیل ہمسایوں کے بارے میں خاصے متجسس ہوئے۔

"مم! اب اس علاقے میں ہم دو مسلمان گھرانے ہوجائیں گے۔" راحیل نے کہا۔

"ہاں بھئی' یہ بہت اچھی اور قابلِ تقویت بات ہے۔"

راحیل اور شرجیل کئی دن تک اپنے گھر کی کھڑکیوں اور چوباروں سے پروفیسر صاحب کے فروخت شدہ مکان میں تاکا جھانکی کرتے رہے اور اپنی اس تاکا جھانکی کی رُوداد سے مجھے بھی باخبر رکھا۔

پہلے ایک روز گھر کی صفائی کرنے کے لئے کچھ لوگ آئے جن میں مرد اور عورتیں [illegible] عمل ہوا۔ بعد ازاں دروازوں اور کھڑکیوں کی چوکھٹوں پر رنگ روغن کرنے والے ہنر مند آئے۔ اُدھر رنگ روغن ہوتا رہا اِدھر دو آدمی کھڑکیوں اور دروازوں کے شیشے بھی رگڑ رگڑ کر چمکاتے چلے گئے۔ ٹوٹے ہوئے شیشوں کی جگہ نئے شیشے لگائے گئے۔

اُدھر باغیچے میں تراش خراش اور صفائی ستھرائی کا عمل جاری رہا۔ پیشہ ور مالیوں نے پرانے پودوں' درختوں اور باڑھ کی تراش خراش کی۔ نئے پودے لگائے' کیاریاں سنواریں' سبزہ زار کو ہموار کیا' باغیچے کی روشوں کو صاف ستھرا کیا۔ باغیچے کے وسط میں لگے فوارے کے گرد دائروی سنگی منڈیر کو رگڑ رگڑ کر چمکایا پھر اس پر روغن لگایا۔

دروازوں اور کھڑکیوں کی چوکھٹوں پر رنگ و روغن کا کام نمٹنے کے بعد دیواروں کے اندر چسپاں کرنے والے وال پیپرز کے بڑے بڑے رول لے کر آئے اور کئی روز تک کام کرتے رہے۔ پھر قالین بچھانے والے رنگ برنگے نوع بنوع قالین گاڑیوں میں لاد کر لائے۔ راحیل کے خیال میں سادہ سرخ قالین زینوں پر اور راہداریوں میں بچھانے کے لئے

اور مشرق وسطیٰ میں عرب شیوخ کے محلات ضرور دیکھوں گا............ مجھے بہت اشتیاق ہے عربوں کے محلات دیکھنے کا۔ میں نے پڑھا ہے کہ کسی زمانے میں مسلمانوں کی فرمانروائی اسپین تک تھی اور وہاں آج بھی مسلمانوں کی یادگاریں موجود ہیں .... کیا یہ سچ ہے مم؟"

"ہاں میری جان' بالکل سچ ہے۔"

"مم! جب میں دنیا کی سیر کرنے نکلوں گا تو ان یادگاروں کو بھی ضرور دیکھوں گا۔"

"ضرور دیکھنا۔"

"مم! ہمارے نئے پڑوسی بہت زیادہ امیر ہیں۔"

"ہاں ہوں گے۔"

"جب آپ کی ٹانگ ٹھیک ہو جائے گی اور آپ چلنے پھرنے لگیں گی تو کسی روز ہم اپنے نئے پڑوسیوں کے ہاں بھی چلیں گے اور ان کے مکان کی سجاوٹ دیکھیں گے .... آپ چلیں گی نا؟"

"ہاں چلیں گے۔"

"اور اگر ان کے ہاں ہماری عمر کے بچے ہوئے تو آپ ہمیں ان سے دوستی کرنے دیں گی نا؟"

"بیٹا! ابھی تو تمہارے بیان کے مطابق صرف خاتونِ خانہ ہی پہنچی ہیں۔ پہلے ہمسایوں [illegible]

"ہوں گے مم۔ ضرور ہوں گے۔"

کافی دن تک راحیل اور شرجیل نئے ہمسایوں کے بارے میں خاصے متجسس اور مشتاق رہے۔ اپنے گھر کی کھڑکیوں اور چوباروں سے وہ چپکے چپکے نئے ہمسایوں کی امارت سے مرعوب ہوتے رہے۔ میں انہیں لاکھ سمجھاتی کہ دوسروں کے گھر میں تاک جھانک کرنا اچھی عادت نہیں ہوتی مگر وہ ذرا دیر کو شرمسار ہو کر پھر تاک جھانک شروع کر دیتے۔ دونوں کو سب سے زیادہ تجسس اس امر کا تھا کہ نئے ہمسایوں کے ہاں ان کی عمروں کے بچے بھی تھے یا نہیں' جن سے کہ وہ دوستی کر سکتے۔

دس بارہ روز تک مسلسل تاکا جھانکی کے باوجود راحیل اور شرجیل کو نہ صرف گوہرِ مقصود دکھائی نہ دیا بلکہ کوئی عرب شیخ بھی گھر میں آتے جاتے نظر نہ آئے۔ گھر کی مالکن بھی دس بارہ روز کے دوران صرف دو مرتبہ گاڑی میں بیٹھ کر کہیں باہر جاتی دکھائی دیں۔ راحیل کے بیان کے مطابق انہوں نے ہر مرتبہ سیاہ چغہ پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پر سیاہ

[illegible] تھا اور حسبِ سابق آنکھوں سے نیچے چہرے کا زیریں نصف حصہ سیاہ نقاب سے [illegible]پ رکھا تھا۔ گاڑی کو وہی شخص چلا کر لے گیا جو گھر کی تزئین و آرائش کی نگرانی کرتا [illegible]تھا اور گزشتہ دس بارہ دنوں کے دوران چمن کی آبیاری' گاڑی کی جھاڑ پونچھ' بازار سے [illegible]سودا سلف لانے کے علاوہ اپنی نقاب پوش مالکن کے ہمراہ آنے والی ملازمہ کے ساتھ کبھی [illegible] چمن میں دھوپ تاپتا بھی نظر آتا رہا تھا۔ اس روز بھی نقاب پوش مالکہ نے ہمارے [illegible] کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا!

مسلسل کئی روز تک ہمسایوں کے ہاں تاک جھانک کے باوجود بھی جب راحیل اور [illegible]یل کو ان کے ہاں اپنے ہم سن بچے نہ دکھائی دیئے تو ان کا تجسس اور اشتیاق بتدریج [illegible] پڑ گیا۔ پڑوسیوں کی امارت سے آخر وہ کب تک اور کہاں تک مرعوب ہو سکتے تھے۔ [illegible] خیال تو یہ تھا کہ شاید اس گھر میں ان کے ہم سن بچے آئیں اور ان کے دوست بن [illegible]۔ یہ توقع پوری نہ ہونے پر انہیں مایوسی ہوئی۔ راحیل نے ہر ذرا دیر بعد کھڑکی یا [illegible]نی سے ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا بند کر دیا۔ شرجیل بھی جو برابر والوں کے گھر کی [illegible]ارہ بازی کے لئے میرے کمرے کی بالکونی میں اس لئے آ کر کھڑا ہونے لگا تھا کہ اپنے [illegible]رے کی بالکونی کی نسبت میرے کمرے کی بالکونی سے وہ پڑوسیوں کے گھر کی زیادہ بہتر [illegible]یے سے نظارہ بازی کر سکتا تھا............ وہ دوبارہ اپنا بیشتر فارغ وقت حسبِ سابق اپنے [illegible]رے ہی میں گزارنے لگا۔

پندرہ [illegible]

اس دوران میں بیساکھی کے سہارے باتھ روم اور کچن تک چلنے لگی تھی تاہم زینہ [illegible]نے اور چڑھنے کے لائق ابھی نہ ہوئی تھی۔ ٹانگ ٹوٹنے کے بعد جب مجھے اسپتال سے [illegible] کر کے گھر بھیجا گیا تھا تو میں نے زیریں منزل پر ایک کمرہ خالی پڑا ہونے کے باوجود [illegible]سری منزل پر اپنے کمرے میں رہنے کو ترجیح دی تھی کیونکہ کچن دوسری منزل پر تھا [illegible]ن پر نظر رکھنے کے لئے میرا اسی منزل پر رہنا ضروری تھا۔ خدایا' وہ دن میں کبھی نہ [illegible]ول سکتی تھی جب مجھے اسٹریچر پر ڈال کر اس گھر کی دوسری منزل تک پہنچایا گیا تھا جس کی [illegible] منزل سے دوسری منزل پر میں برق کی سی سرعت سے لپکتی پھرتی تھی۔

ایک روز راحیل نے اسکول سے واپسی پر مجھے ایک عجیب سرخوشی کے عالم میں [illegible]

"مم! ہمارے ہمسایوں کا ملازم اردو بولتا ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"اس نے ہم سے اردو میں بات کی............ ابھی جب ہم اسکول سے گھر آ رہے تھے

تو وہ ہمیں گھر سے کچھ دور راستے میں ملا تھا۔ اس نے پہلے تو ہم سے ہیلو ہیلو کی' پھر
تم دونوں بھائی ہمارے برابر والے گھر ہی میں رہتے ہو نا؟ ہم نے کہا جی ہاں تو بولا'
مالکن بچوں سے بہت پیار کرتی ہیں۔ کسی روز آپ دونوں بھائی ہمارے گھر آئیں۔
آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا ہماری والدہ کی ٹانگ میں تکلیف ہے اور وہ ان دنوں چلنے پھر
معذور ہیں۔ جب وہ اچھی ہو جائیں گی تو ہم ان کے ساتھ آپ کی مالکن سے ملنے
ضرور آئیں گے۔"

"پھر اس نے کیا کہا؟"

"کہنے لگا والدہ کے ساتھ بھی آجانا لیکن اگر تم اکیلے بھی آجاؤ تو کوئی حرج نہیں
مالکن ہماری بہت اچھی ہیں۔ بچوں سے بہت پیار کرتی ہیں۔ تم ان سے ملنے آؤ گے
بہت خوش ہوں گی۔ انہوں نے تم دونوں بھائیوں کو تمہارے گھر کی بالکونی میں
دیکھا ہے۔ تمہاری بہن کو دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ ان بچوں کو کسی روز
گھر تو بلاؤ۔ آج تم دونوں بھائیوں سے ملاقات ہو گئی تو میں مالکن کی طرف سے د
دے رہا ہوں تم دونوں کو۔"

"تم نے پوچھا ہو تا کہ کیا تمہاری مالکن کے اپنے بچے نہیں ہیں؟"

"پوچھا تھا۔"

"پھر کیا بولا وہ؟"

"اس نے کہا مالکن کے بچے نہیں ہیں۔"

"اور شوہر؟"

"شوہر مر گئے۔"

"یہ لوگ آئے کہاں سے ہیں؟"

"یہ میں نے نہیں پوچھا مگر وہ بتا رہا تھا کہ اس کی مالکن بہت امیر ہیں۔" راحیل
توقف کیا پھر بولا۔ "مم! اس نے بہت اصرار سے ہمیں اپنی مالکن کی طرف سے دعوت
ہے۔ کہہ رہا تھا کہ مالکن کے اپنے بچے تو ہیں نہیں اس لئے وہ دوسروں کے بچوں پر
حد مہربان رہتی ہیں اور جب بھی کوئی مہمان بچہ گھر آئے تو اس کی بہت زیادہ خاطر مدارات
کرتی ہیں اور اسے اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی قیمتی تحفہ دینا نہیں بھولتیں۔" اتنا کہنے کے
بعد راحیل نے ایک بار پھر توقف کیا پھر ہچکچاتے ہوئے بولا "مم! اگر.......... آپ

ت دیں تو.......... شجی اور میں ہو آئیں ان کے گھر؟"

"بیٹا! میری ٹانگ ٹھیک ہو لینے دو میں خود تمہیں لے کر چلوں گی ان کے ہاں۔"

"اوہ! مم آپ کی ٹانگ ٹھیک ہونے میں تو نہ جانے کتنے دن اور لگ جائیں۔ آپ
ہو آنے دیجئے پھر ہم آپ کے ساتھ بھی چلے جائیں گے۔"

"بیٹے! میرا دل نہیں مانتا کہ میں تمہیں اجنبیوں کے گھر اکیلے جانے دوں۔"

"مم! اجنبی کہاں' وہ تو ہمارے ہمسائے ہیں۔"

"بے شک ہمسائے ہیں لیکن جب تک ہم ان سے واقف نہیں ہو جاتے ان سے
ری جان پہچان نہیں ہو جاتی اس وقت تک تو وہ ہمارے لئے اور ہم ان کے لئے اجنبی
رہیں گے اور تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے تمہیں اجنبی لوگوں سے ہمیشہ
رہنے کی تلقین کی ہے پھر بھلا میں تمہیں ایک اجنبی گھر میں اکیلے جانے کی اجازت
مگر دے سکتی ہوں؟"

"مم! میں اکیلا تھوڑی جاؤں گا شجی بھی میرے ساتھ ہو گا۔"

"وہ تو تم سے بھی زیادہ ناسمجھ ہے۔"

"ہم اتنے ناسمجھ نہیں ہیں مم' جتنا کہ آپ ہمیں سمجھتی ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ
ل چھوٹے بچوں والا رویہ رکھتی ہیں۔ ہم اب چھوٹے نہیں رہے ہیں مم! ہمیں
دانہ باہر آنے جانے اور تجربات سے گزرنے کا موقع دیجئے ورنہ تو ہم خود اعتمادی سے
وم رہ جائیں گے۔"

میں راحیل کا منہ دیکھتی رہ گئی کہ اس سے پہلے اس نے مجھ سے کبھی اس طرح کی
نہیں کی تھی۔

"آپ اس طرح کیا دیکھ رہی ہیں؟" راحیل نے مجھے ٹکٹکی باندھے اپنی طرف دیکھتے
پوچھا۔

"دیکھ رہی ہوں کہ تم واقعی بڑے ہو گئے ہو۔"

راحیل میری بات کی تہہ تک نہ جا سکا اور بولا۔ "جب میں اپنے دوستوں کو بتاتا
ہوں کہ ہماری مم ہمیں بغیر اجازت کے کہیں نہیں آنے جانے دیتیں اور ہم اسکول سے
کے بعد سیدھے گھر ہی جاتے ہیں تو وہ میرا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ مجھے بے وقوف
کہہ کر پکارتے ہیں.......... مم! ہمیں نئے پڑوسیوں کے ہاں جانے دیجئے نا۔"

"خدا جانے وہ کس قسم کے لوگ ہوں۔"

"دیکھئے اگر وہ اچھے نہ ہوئے تو آپ سے میرا وعدہ ہے کہ ایک مرتبہ وہاں سے ہو کر

آنے کے بعد دوبارہ ان کے ہاں کبھی نہیں جاؤں گا اور یہی بات میں شجی کو بھی سمجھا[illegible]
گا۔ آپ ہمیں ایک مرتبہ جانے تو دیں۔"

الغرض راحیل نے اتنا اصرار کیا کہ مجھے بادل نا خواستہ اسے شجی کے ہمراہ
پڑوسیوں کے ہاں جانے کی اجازت دیتے ہی بنی۔

بھیا جو اکثر مجھے یہ سمجھاتے رہتے تھے کہ انگلستان میں رہ کر ہمیں بچوں کو تم[illegible]
بہت آزادی اور خود مختاری بہر حال دینا ہوگی' بہت خوش ہوئے۔

☆--------☆--------☆

سنیچر کی شام راحیل اور شرجیل خاصے بن ٹھن کر نئے ہمسایوں کے ہاں گئے او[illegible]
تقریباً دو ڈھائی گھنٹے بعد گھر واپس لوٹے۔

ہماری ہمسائی نے ان دونوں کو تحائف بھی دیئے تھے۔

"کہئے جناب کیسا رہا' نئے ہمسایوں کے گھر آپ دونوں کا دورہ؟" بھیا نے پوچھا۔

"بہت اچھا! بہت مزہ آیا!" شرجیل نے جو خاصا خوش دکھائی دیتا تھا کہا۔

"کیوں صاحبزادے؟" بھیا کا روئے سخن اب راحیل کی طرف تھا۔ "کیسی رہی
ہمسایوں سے آپ کی ملاقات؟"

"بس ٹھیک ٹھاک۔" راحیل نے کچھ زیادہ گرمجوشی ظاہر نہ کی۔

"لگتا ہے نئی پڑوسن آپ کو کچھ زیادہ پسند نہیں آئیں۔"

"[illegible] میاں تھا نہ وہ یہ بات [illegible]
کہہ رہا تھا۔

"آنٹی نے بھیا کی تو کچھ زیادہ خاطر مدارات ہی نہیں کی بس میری آؤ بھگت میں لگ[illegible]
رہیں۔" شرجیل نے بہت فخر سے بتایا پھر مزید بولا۔ "انہوں نے مجھے پیار کیا۔ مجھے اپ[illegible]
سینے سے لگایا اپنے ہاتھوں سے کھلایا پلایا اور بار بار یہی کہتی رہیں کہ دوبارہ ضرور آنا۔"

"ویسے مجھے حیرت ہوئی کہ عرب النسل ہونے کے باوجود وہ اتنی اچھی انگریزی [illegible]
بول رہی تھیں۔" راحیل نے کہا۔

"بیٹا! ضروری تو نہیں کہ بس گورے ہی اچھی انگریزی بول سکیں۔ ہم لوگ بھی [illegible]
پاکستانی ہونے کے باوجود اچھی بھلی انگریزی بولتے ہیں۔"

"ہماری بات اور ہے انکل۔" راحیل نے کہا۔ "ہم تو برسوں سے یہاں رہ رہے ہی[illegible]
اور وہ کچھ عرصہ قبل ہی عرب سے یہاں آئی ہیں۔"

"تو کیا ہوا انہوں نے وہاں انگریزی پڑھی ہوگی۔ بیٹا! انگریزی تو بین الاقوامی [illegible]

[illegible] دنیا کے ہر خطے میں پڑھی' سمجھی اور بولی جاتی ہے۔"

مجھے چونکہ اردو سے خاص رغبت تھی اور میں نے دیارِ فرنگ میں رہنے کے باوجود
اپنے بچوں کو اردو بولنا ہی نہیں بلکہ پڑھنا لکھنا بھی سکھایا تھا اور راحیل مجھے بتا چکا تھا کہ
[illegible]ے ہمسایوں کے ملازم نے ان سے اردو میں بات کی تھی چنانچہ میں نے پوچھا۔ "کیا وہ
اردو بھی سمجھ لیتی ہیں؟"

"پتا نہیں' ہمارے سامنے تو وہ تمام وقت انگریزی ہی بولتی رہیں۔"

"اور اپنے ملازموں سے وہ کس زبان میں بات کررہی تھیں؟"

"ان سے انہوں نے بات ہی نہیں کی۔ ان کے ملازم تو ان کے سامنے مشینی
انسانوں کی طرح کام کرتے دکھائی دیے۔ ملازمہ اشیائے خوردو نوش سے لدی پھندی ٹرالی
[illegible]ڈھکیلتے چپ چاپ کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی مالکن کے اشارے پر ٹرالی ان کے
[illegible]یک پہنچا کر ایک لفظ کہے سنے بغیر واپس چلی گئی۔ جب وہ ہماری خاطر مدارات کر چکیں
[illegible]ملازمہ آئی اور خاموشی سے برتن سمیٹ کر ٹرالی واپس لے گئی۔ بہت ہی بارعب خاتون
[illegible]تی ہیں!"

"صورت شکل کی کیسی ہیں؟" میری خالص زنانہ فطرت رگ پھڑکی۔

"پتا نہیں؟"

"ہیں! اتنی دیر تم ان کے ہاں گزار کر آئے ہو اور تمہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ وہ
[illegible] ہیں: [illegible] نے کہا۔

"ان کا چہرہ میں نے دیکھا ہوتا تو میں آپ کو بتا سکتا تھا کہ وہ کیسی ہیں۔"

"کیا مطلب؟ تم نے ان کا چہرہ نہیں دیکھا؟"

"جی نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ ان کی آنکھوں کے سوا باقی سارا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔"

"انہوں نے تم لوگوں کے ساتھ چائے وغیرہ کیونکر پی؟"

"کہاں پی؟ وہ تو تمام وقت شجی کو اپنے ہاتھوں سے یوں کھلانے پلانے میں لگی رہیں
[illegible]ے وہ کوئی دودھ پیتا بچہ ہو۔"

"آپ کیوں جل رہے ہیں؟" شرجیل نے اترا کر کہا۔

"میں جل نہیں رہا ہوں۔"

"تو پھر؟"

"مجھے ان کی یہ بات بالکل اچھی نہیں لگی کہ تمہارے ساتھ ان کا برتاؤ ایسا ...
جیسے تم ننھے سے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر تم ان کے ہاں ایک دو مرتبہ اور چلے گئے تو ...
سے واپسی پر مم سے دودھ کی بوتل اور چوسنی مانگو گے۔" راحیل نے مسکراتے ہوئے ...

شرجیل نے منہ بنا کر بھائی کو گھورا اور دانت کچکچا کر اسے مکا دکھاتے ہوئے ...

"میں آپ کا سر توڑ دوں گا۔"

میں نے شرجیل کو اس کی اصلیت پر آتے دیکھ کر کہا۔ "اچھا بس! اب یہ قصہ ...
ہونا چاہیے۔ نئے پڑوسیوں کے ہاں جانے کا آپ دونوں کو بہت شوق ہو رہا تھا۔ شوق پورا ...
ہو گیا۔ بات ختم۔"

"انہوں نے ہم دونوں کو جو تحائف دیئے وہ تو دیکھ لیجئے۔" راحیل نے کہا۔

پھر دونوں نے باری باری مجھے اپنے تحائف دکھائے۔ ہماری ہمسائی نے دونوں کو ...
ویڈیو گیم دیئے تھے۔

راحیل نے یاسمین کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے پا کر اپنا تحفہ اسے دے دیا۔

"ان کے ہاں بچے تو ہیں نہیں پھر یہ ویڈیو گیمز ان کے ہاں کہاں سے آئے؟"

"بتا رہی تھیں کہ گھر آنے والے مہمان بچوں کو دینے کے لئے وہ ہمیشہ اس قسم ...
تحائف گھر میں رکھتی ہیں۔" راحیل نے کہا۔

"اور یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ جب تم لوگ اگلی مرتبہ آؤ گے تو اس سے بھی اچھا ...
[illegible]

"اور مم!" راحیل کی آنکھوں میں شوخی ناچنے لگی۔ "جب انہوں نے شجی سے پوچھا
کہ اس کا سب سے زیادہ پسندیدہ تحفہ اسے وہ کیا دے سکتی ہیں تو پتا ہے اس نے کیا کہا؟"

"کیا؟"

"گھوڑا .... کھلونا نہیں سچ مچ کا گھوڑا۔"

"تو کیا ہوا مجھے گھوڑا اچھا لگتا ہے۔"

"اور وہ بھی ایسی سخی دل نکلیں کہ انہوں نے فوراً ہی وعدہ کر لیا کہ شجی کی آئندہ
سالگرہ پر وہ اسے سچ مچ کا گھوڑا ہی تحفے میں دیں گی۔"

"بھئی واہ۔ لگتا ہے نئی ہمسائی تو شجی پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہو گئی ہیں۔" بھیا ...
رشک سے کہا۔

"وہ بہت اچھی ہیں!" شرجیل بولا۔

"کیا مم سے بھی زیادہ اچھی؟" میں نے پوچھا۔

شرجیل جو اپنے تمام تر گلوں شکووں اور ناخلفیوں کے باوجود مجھ سے انتہائی محبت
کرتا تھا میری طرف بڑھ آیا اور میری گردن میں اپنی بانہیں حمائل کر کے بولا۔ "نہیں مم،
آپ سے اچھی ہرگز نہیں .... آپ سے اچھا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

"مم کو مکھن لگا رہے ہو۔" راحیل نے اسے چھیڑا۔

"جی نہیں۔ میں آپ کی طرح نہیں ہوں۔" شرجیل چراغ پا ہو کر بولا۔

"بس .... بس۔" معاملہ رفع دفع کرنے کو مجھے اپنے دونوں ہاتھ بلند کرنے
پڑے۔

☆-------☆-------☆

اگلے روز سہ پہر کے وقت جب میں یاسمین کا سوئٹر بننے میں مصروف تھی، شرجیل
میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے نئے پڑوسیوں کے ہاں جانے کی اجازت چاہی۔

"بیٹا! کل ہی تو تم ان کے ہاں ہو کر آئے ہو۔"

"آج اور مم۔" وہ لجاجت سے بولا۔

"نہیں بیٹا، روز روز کسی کے ہاں نہیں جاتے۔ کوئی دس مرتبہ اپنے ہاں آنے کی
دعوت دے تو ایک مرتبہ جاتے ہیں۔"

"انہوں نے دس سے بھی زیادہ مرتبہ مجھے دوبارہ اپنے ہاں آنے کی دعوت دی
تھی۔"

تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں [illegible]
سے تکلفاً کہا ہی کرتے ہیں کہ پھر آیئے گا اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ مہمان ہر روز ہی
دھمکنے لگیں۔"

"مم! انہوں نے تکلفاً نہیں کہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں دوبارہ ان
کے ہاں ضرور آؤں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے، کسی روز چلے جانا۔"

"آج نہیں؟"

"نہیں۔"

"پلیز!"

"بات کیا ہے آخر؟ تمہاری عمر کا کوئی بچہ ان کے ہاں ہے نہیں جو اس گھر میں
تمہاری دلچسپی کا باعث ہو۔ پھر وہاں جانے پر اتنے مصر کیوں ہو؟"

"وہ بہت اچھی ہیں مم .... بہت مہربان اور پیار کرنے والی۔"

"روز روز جاؤ گے تو وہ جلدی اکتا بھی جائیں گی۔"

"اچھا آج تو جانے دیجئے۔"

میں نے شرجیل کی طرف دیکھا۔

"پلیز!"

"اچھا ٹھیک ہے' مگر بھائی جان کو ساتھ لے کر جانا۔"

"شکریہ مم۔"

شرجیل قلانچیں بھرتا نیچے چلا گیا مگر تھوڑی ہی دیر بعد واپس پلٹ آیا۔

"مم! بھائی تو میرے ساتھ جانے کو تیار ہی نہیں ہو رہے۔"

"کیوں؟"

"وہ کہہ رہے ہیں کہ میں وہاں جا کر بور ہونے کے بجائے اپنی دادی جان کو خط لکھنا پسند کروں گا۔"

"بس تو مجبوری ہے آپ بھی نہیں جا سکتے۔"

"تو برائے خدا آپ نے میرے لئے بھی ایک دادی جان کا بندوبست کیا ہوتا تاکہ بھائی کی طرح میں بھی اپنی دادی کو خط لکھ سکتا۔" شرجیل جھنجلا کر بولا۔

مجھے اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔

"میری اگر کوئی دادی جان نہیں ہیں جنہیں میں چھٹی والے دن بیٹھ کر خط لکھ سکوں تو اس میں میرا کیا قصور ہے بھلا؟" شرجیل [illegible] تھی۔

"تو پھر کس کا قصور ہے بھلا؟" میں نے اس کی جھنجلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ کا اور کس کا!" اس نے برملا کہا۔

"وہ کیسے؟"

"آپ کو کسی ایسے آدمی سے شادی کرنی چاہئے تھی جس کی ماں بھی ہوتی۔"

"میری جان!" میں نے راحیل کو محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "اگر تمہیں اس بات پر غصہ ہے کہ تم ہمسایوں کے ہاں کیوں نہیں جا پا رہے تو غصہ تھوک دو اور اگر اکیلے جا سکتے ہو تو چلے جاؤ۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔"

شرجیل کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک عود کر آئی۔ "واقعی! کیا میں اکیلا جا سکتا ہوں؟"

"یہ سوال تو تم اپنے آپ سے پوچھو۔ میرا کام تمہیں اجازت دینا تھا سو میں نے

دے دی۔"

"شکریہ مم۔"

"اکیلے جا سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔"

"تو جاؤ دیکھو جلدی لوٹ آنا اور وہاں کوئی الٹی سیدھی بات مت کرنا۔"

"جی اچھا۔"

شرجیل کوئی گھنٹا سوا گھنٹا ہمسائی کے ہاں گزار کر واپس لوٹا۔

اس روز پڑوسن نے اسے ایک برقی کھلونا ریل گاڑی دی تھی جسے راحیل اور یاسمین کو دکھا دکھا کر وہ انہیں للچانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے راحیل سے کہا۔ "بھائی! اگر آپ میرے ساتھ چلتے تو وہ آپ کو بھی کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور دیتیں۔"

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے ان بچگانہ تحفوں سے۔" راحیل بولا۔

"جی بھائی! اگلی بار میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔" یاسمین نے کہا۔

"جی نہیں تم میرے ساتھ نہیں جا سکتیں۔" شرجیل نے کورا جواب دیا۔

"کیوں؟" یاسمین نے منہ بسور کر پوچھا۔

"کیونکہ انہیں لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔"

"تم سے کس نے کہا؟" میں نے پوچھا۔

"[illegible]"

"واقعی؟"

"جی........ وہ کہہ رہی تھیں کہ انہیں لڑکیاں پسند ہی نہیں۔" میں نے دزدیدہ نظروں سے یاسمین کو دیکھا جو ہنوز منہ بسورے کھڑی تھی۔

شرجیل اسے آزار پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔

"کیا انہوں نے میرے بارے میں پوچھا؟" راحیل نے دریافت کیا۔

"ہاں پوچھ رہی تھیں کہ آج تمہارا بھائی کیوں نہیں آیا۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا وہ اپنی دادی کو خط لکھ رہے تھے۔"

"پھر؟"

"پھر میں نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ میرے بھائی کی دادی ہیں جو انہیں خط بھی لکھتی ہیں' کارڈز بھی بھیجتی ہیں' فون بھی کرتی ہیں۔ تحفے بھی بھجواتی ہیں مگر میری کوئی دادی

نہیں ہیں۔"

"تو انہوں نے کیا کہا۔"

"انہوں نے۔" شرجیل کی آنکھوں میں مسرت کوندنے لگی۔ "انہوں نے کہا کوئی بات نہیں تم مجھے گرینی کہہ سکتے ہو۔"

"انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ ایسا کیوں ہے کہ تمہارے بھائی کی تو دادی ہیں تمہاری نہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نے خود ہی انہیں بتادیا کہ بھائی کے اور میرے ڈیڈی الگ الگ تھے۔ بھائی کے ڈیڈی کی والدہ تھیں مگر میرے ڈیڈی کی والدہ نہیں تھیں اس لئے میری کوئی دادی نہیں ہیں۔"

میں بچوں کی پڑوسیوں کے ہاں آمدورفت پر اسی لئے پابندی رکھتی تھی کہ بچوں کی سادگی، ناسمجھی اور ناتجربہ کاری کے سبب ان نجی حالات کے مشتہر ہونے کا احتمال نہ رہے۔ [illegible] میں دیارِ غیر میں غیر متعلق لوگوں پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ راحیل تو خیر کافی سمجھدار ہوچکا تھا اور اس پر میں بھروسا کر سکتی تھی مگر شرجیل ابھی راحیل جتنا سمجھدار نہ ہوا تھا۔ نئی پڑوسن کے ہاں میں نے اس کے انتہائی اصرار سے مجبور ہوکر جانے کی اجازت دی تھی اور جاتے جاتے اسے سمجھادیا تھا کہ وہ وہاں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کرے مگر وہ بتا آیا تھا کہ اس کے اور اس کے بھائی کے ڈیڈی الگ الگ تھے یعنی وہ اپنی ماں کی دو شادیوں کا قصہ تو انہیں بتا آیا تھا۔ خیر مجھے [illegible]

ہماری نئی پڑوسن عربی النسل تھیں اور کسی پاکستانی یا ہندوستانی خاتون کی طرح دوسروں کے نجی معاملات میں ان کے کھوجی ہونے کا زیادہ کھٹکا نہ تھا۔ ویسے بھی دیارِ فرنگ میں عورت کا ایک سے زائد شادیاں کرنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہ سمجھی جاتی تھی۔ پھر بھی میں نے شرجیل کو محتاط کردینے کی خاطر ٹوکا۔ "بیٹے! یہ سب کچھ انہیں بتانے کی ضرورت کیا تھی! میں نے تم سے کہا تھا نا کوئی الٹی سیدھی بات مت کرنا ان کے ہاں جاکر۔"

"مم! میں نے کب کوئی الٹی سیدھی بات کی ہے۔" شرجیل نے کہا۔

"بیٹا! گھر کی باتیں اجنبیوں سے نہیں کیا کرتے۔"

"وہ اجنبی کہاں رہی ہیں مم! انہوں نے تو مجھ سے کہا ہے کہ میں انہیں بلا [illegible] گرینی کہہ سکتا ہوں۔"

"شرجیل کا باپ زندہ ہوتا تو میں اس سے کہتی۔ لو تمہارے صاحبزادے نے گھر بیٹھے تمہارے لئے ایک عدد ماں کا بندوبست کردیا!

مگر اس وقت میں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ انگریزی زبان میں ننھیالی اور ددھیالی رشتوں کے لئے استعمال ہونے والے صیغوں میں نمایاں تخصیص نہیں ہوتی۔ انگریزی زبان میں تو شرجیل کے باپ کی ماں بھی اس کی گرینی کہلا سکتی تھی اور ماں کی ماں بھی!

☆------☆------☆

بہت جلد ہماری نئی ہمسائی کے ہاں شرجیل کی آمدورفت یوں بندھی کہ اسکول سے گھر واپس آنے کے بعد اور تعطیلات والے دنوں میں وہ ان کے ہاں جانے کی تاک میں رہنے لگا۔ میں لاکھ منع کرتی، سمجھاتی کہ روز روز کسی کے ہاں جانا اچھی بات نہیں ہوتی مگر ہماری ہمسائی نے اس پر نہ جانے کیا پڑھ کر پھونکا تھا کہ ان کے ہاں جانے کی اجازت پانے کو تو وہ میری ایسی منت سماجت پر اتر آتا کہ مجھے حیرت ہوتی۔

ایک روز میں نے اسے اجازت نہ دی تو وہ میری اجازت کے بغیر ہی چوری چھپے گھر سے نکل گیا۔ واپس لوٹا تو میں نے اسے خوب ڈانٹا۔ میں ڈانٹ پھٹکار کر رہی تھی کہ بھیا خلافِ معمول جلدی گھر لوٹ آئے۔ انہوں نے ماجرا پوچھا میں نے کہہ سنایا۔ میرے سامنے تو انہوں نے شرجیل کو بڑے پیار سے سمجھا بجھا دیا کہ ماں کی اجازت کے بغیر بچوں کا کہیں آنا جانا اچھا نہیں ہوتا مگر اس کے جانے کے بعد مجھ سے بولے۔ "زری، اگر شجی پڑوسیوں کے ہاں جانا پسند کرتا ہے تو اس کے حق میں اور ہمارے حق میں بھی بہتر یہی ہے کہ وہ تمہاری اجازت سے وہاں جائے۔ [illegible] ہوگا......... جو آج ہوا ہے، یعنی وہ تم سے چوری چھپے وہاں جائے گا۔"

"بھیا! خدا معلوم وہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ میں ذرا چلنے پھرنے لگوں۔ باہر آنے جانے لگوں، ایک دو مرتبہ ہمسایوں کے ہاں جاکر یہ دیکھ آؤں کہ کیسے ہیں۔ اچھے ہوئے تو یہ بے شک وہاں جائے مگر انہیں جانے بوجھے بغیر اسے وہاں جانے کی اجازت دیئے چلے جانا مجھے کچھ مناسب نہیں لگتا۔ بارہا یہ وہاں جاچکا ہے۔ روز روز کسی کے ہاں جانا ویسے بھی اچھی بات نہیں اور پھر......... وہاں جانے کے لئے یہ جس انداز سے میری منت سماجت کرتا ہے اس سے میں کھٹکتی ہوں۔"

"وہ لاولد خاتون ہیں۔ شجی پر مہربان رہتی ہیں اور شجی کو چونکہ یہ غلط فہمی ہے کہ راحیل کے مقابلے میں اسے ہم لوگ کم پیار کرتے ہیں اس لئے وہ ان کے ہاں جانا پسند کرتا ہے۔ تاہم اگر میری یہ بات تمہارے دل کو نہیں لگتی تو ایسا کرو تم ایک روز ہمسائی کو اپنے ہاں مدعو کرلو، تمہیں اندازہ ہوجائے گا کہ وہ کس قسم کی عورت ہیں۔"

میں نے بھیا کے مشورے پر عمل کیا اور راحیل کے ذریعے ہمسائی کو دعوت بھجوا
کہ کسی روز ہمارے ہاں آئیں۔

میرے اس پیغام کے جواب میں انہوں نے راحیل سے کہلوایا کہ وہ ان دنوں بہ
مصروف ہیں جیسے ہی فرصت ملی ہمارے ہاں آنے کی کوشش کریں گی۔ ساتھ ہی انہو
راحیل سے کہا اپنی والدہ سے کہو شرجیل کو ہر روز تھوڑی دیر کے لئے میرے پاس بھیج دیا
کریں۔ اس کے آجانے سے میرا دل بہل جاتا ہے۔

ان کے اس جواب کے بعد میں نے راحیل ہی کے توسط سے انہیں یہ پیغام بھجوایا
کہ اگر وہ ہمارے ہاں آنے کا وقت نہیں نکال سکتیں تو کم از کم فون پر ہی مجھ سے بات
کرلیں یا مجھے اپنا فون نمبر بھجوادیں میں خود ان سے بات کرلوں گی۔"

میرے اس پیغام کے جواب میں انہوں نے راحیل سے کہا۔

"اپنی والدہ سے کہنا میں زیادہ اچھی انگریزی نہیں بول سکتی۔ فون پر اٹک اٹک کر
بات کرنا اچھا معلوم نہ ہوگا۔ انشاء اللہ روبرو ملاقات ہوگی۔"

انہوں نے اپنا فون نمبر دینے سے بھی گریز کیا۔

ٹیلی فون ڈائریکٹری سے ان کا فون نمبر تلاش کرنے کے لئے ان کا نام معلوم ہونا
ضروری تھا اور ان کا نام نہ راحیل کو معلوم تھا نہ شرجیل کو۔ میں نے ان کا نام دریافت
کروانے کی علت میں پڑنے کے بجائے روبرو ملاقات کے موقعے کا انتظار کرنا ہی بہتر
سمجھا۔

راحیل جو میری تشویش سے آگاہ تھا بولا۔ "مم! ویسے آپ اطمینان رکھئے وہ مجھے
ٹھیک ٹھاک قسم کی خاتون لگتی ہیں۔"

"ہیں کیسی؟ خوب صورت یا بد صورت؟"

"پتا نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ آنکھوں سے نیچے اپنا چہرہ زیرِ نقاب رکھتی ہیں۔"

پھر وہی جواب ملا!

اگلے روز جب شرجیل میری اجازت سے ان کے ہاں گیا تو واپسی پر میرے نام
ہمسائی کا ایک خط بھی لایا۔ شکستہ خط میں انہوں نے انگریزی میں لکھا تھا۔

عزیزہ!

شرجیل کو آپ ہر روز تھوڑی دیر کے لئے میرے گھر ضرور بھیج دیا کریں۔ میں تنہا

رہتی ہوں۔ دو ملازم ہیں جو اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ شرجیل بہت اچھا بچہ ہے۔ اس
کے آجانے سے میری طبیعت بہل جاتی ہے اور میں آپ کی خوش قسمتی پر رشک کرتی
ہوں کہ خدا نے آپ کو کتنے پیارے پیارے بچے دیئے ہیں۔ آپ کا بیٹا راحیل بھی کچھ کم
پیارا نہیں مگر شرجیل اس کے مقابلے میں بہت ہی بھولا بھالا ہے۔ جب وہ مجھے "گرینی"
کہتا ہے تو میرا دل خوشی سے سرشار ہوجاتا ہے۔ امید ہے کہ آپ میری درخواست رد
نہیں کریں گی اور انشاء اللہ ایک نہ ایک دن ہماری روبرو ملاقات بھی ضرور ہوگی۔

یوں ہماری ہمسائی کے ہاں شرجیل کی بلا روک ٹوک آمدورفت کی راہ ہموار ہوگئی۔
وہ ہر روز شام کے وقت ان کے ہاں جانے کو تیار ہوتا اور۔ "مم! میں گرینی کے ہاں جا رہا
ہوں۔" کی صدا لگاتا گھر سے نکل جاتا۔ ہمسائی تقریباً روزانہ ہی اسے کوئی نہ کوئی تحفہ
ضرور دیتیں جو اچھی خاصی قیمت کا ہوتا۔ دوسرے تیسرے دن وہ شرجیل کے توسط سے
راحیل اور یاسمین کے لئے بھی کوئی تحفہ بھجوا دیتیں۔

چند دن تو میں نے یہ سلسلہ دیکھا پھر ایک روز شرجیل کو ٹوکا کہ مجھے اس کا ہمسائی
سے ہر روز کوئی نہ کوئی تحفہ لئے چلے آنا پسند نہیں۔ ٹوکنا ضروری بھی تھا کہ بچوں پر ہمسائی
کی ان نوازشات کا بار بہرحال مجھی پر پڑ رہا تھا۔ آج نہیں تو کل جب میں ٹانگ ٹھیک
ہوجانے کے بعد ان سے ملنا جلنا شروع کرتی تو ان کی ان نوازشات کا بدلہ اتارنا بہرحال
لازم تھا۔

[illegible]

"بیٹا! کبھی کبھار کی بات اور ہے' روز روز کسی سے تحفہ لے کر گھر چلے آنا اچھی
بات نہیں۔"

اگلی مرتبہ جب ہمسائی نے شرجیل کو پھر کوئی چیز دینی چاہی تو اس نے ان سے غالباً یہ
کہہ دیا کہ میری والدہ نے مجھے آپ سے آئندہ کوئی تحفہ لینے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ ان
کی جانب سے دوسرے شکستہ خط میں میرے نام پھر ایک التجا نامہ آپہنچا۔

عزیزہ!

آپ کے بچے مجھے اتنے ہی عزیز محسوس ہوتے ہیں جتنے کسی عورت کو اپنی اولاد یا
اولاد کی اولاد عزیز ہوسکتی ہے۔ بالخصوص شرجیل سے تو مجھے گہری انسیت ہوگئی ہے۔
شرجیل کو چھوٹی چھوٹی چیزیں دینے میں مجھے انتہائی مسرت اور راحت محسوس ہوتی ہے۔
کبھی کبھار میں اس کے ذریعے آپ کے باقی دونوں بچوں کے لئے بھی کوئی چھوٹی
موٹی چیز بھجوا دیتی ہوں۔ آج شرجیل نے مجھے بتایا کہ اسے آپ نے آئندہ مجھ سے کوئی چیز

لینے سے منع کیا ہے۔ یقین کیجئے کہ مجھے دلی رنج ہوا اور میرا جی چاہا کہ میں جتنا بھی رو سکتی ہوں روؤں مگر شرجیل کا خیال مانع رہا۔ ہم اور آپ اجنبی دیس میں رہ رہے ہیں۔ آپ بھی تارکِ وطن ہیں اور میں بھی اپنا وطن چھوڑ کر آئی ہوں۔ پردیس میں بیگانے بھی اپنے بن جاتے ہیں۔ میں آپ سے دست بستہ التجا کرتی ہوں کہ آپ شرجیل کے مجھ سے کوئی چیز لینے کا برا نہ منائیں اور اس کے توسط سے کبھی کبھار کوئی چیز راحیل اور یاسمین کے لئے بھجواؤں تو منع نہ کریں۔ میں اپنے شوہر کی موت کے بعد گزشتہ کئی برس سے بڑی تنہائی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ جب سے یہاں آئی ہوں اور شرجیل نے میرے پاس آنا جانا شروع کیا ہے' میرے احساسِ تنہائی میں کافی کمی ہوگئی ہے۔ کیا میں امید رکھوں کہ آپ شرجیل پر عائد کردہ پابندی ہٹا کر مجھ حرماں نصیب عورت کو خوشی فراہم کریں گی؟

آپ سب کے لئے بہت دعائیں اور پیار!

یہ رُوداد بھیا کے علم میں آئی تو انہوں نے ہمسائی کا خط پڑھنے کے بعد کہا۔ "یہ بیچاری بڑی بی بری طرح تنہائی کی ماری لگتی ہیں۔"

"آپ انہیں خواہ مخواہ بڑی بی کیوں کہہ رہے ہیں کیا پتا جوان بی ہوں۔"

"نہیں۔ یہ تو خیر میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بڑی بی ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"وہ ایسے۔" بھیا مسکرا کر بولے۔ "کہ کوئی نوجوان خاتون اپنے آپ کو نانی یا دادی کہلوانے کا حوصلہ نہیں کر سکتی [illegible] گرینی کہلواتی ہیں۔"

گو بھیا نے یہ بات مذاق کے طور پر کہی تھی مگر عین فطرت تھی۔

"بہرحال۔" میں نے اصل موضوع پر پلٹتے ہوئے کہا۔ "ایک غیر عورت کا شجی پر اتنا زیادہ مہربان ہونا مجھے کھلتا ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے بچوں پر ان کی عنائتیں میرے شانوں پر بوجھ سا ڈالے دے رہی ہیں۔ غیر لوگوں کی نوازشوں کا بدلہ ادا کرنا بھی تو لازم ہو جاتا ہے۔ میں تو یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی ہوں کہ جب ہمسائی کے ہاں جاؤں گی تو انہوں نے بچوں کو جو اتنے بہت سے تحائف دیئے ہیں ان کا بدلہ کیونکر اتارا جا سکے گا۔"

"بھئی تم بھی انہیں اچھا سا قیمتی تحفہ دے دینا۔"

"میں ایک تحفہ دوں گی جبکہ وہ تو شجی کو ہر روز ہی کوئی نہ کوئی نئی چیز تھما دیتی ہیں اور اس کے توسط سے گاہے گاہے راحیل اور یاسمین کو بھی تحائف بھجواتی رہتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ جو اُن کا جی چاہے وہ کرتی رہیں ہم جو بہتر سمجھیں گے' وہی کریں گے۔ کوئی ایک قیمتی اور یادگار سی چیز دے دینا تم انہیں۔ ویسے تم نے ایک بات نوٹ کی ہے؟"

"کیا؟"

"جب سے شجی پڑوسیوں کے ہاں جانے لگا ہے راحیل اور یاسمین سے معرکہ آرائی بہت کم ہو گئی ہے۔"

"کم!" میں وفورِ مسرت سے بولی۔ "حیرت انگیز حد تک کم............ اور اب تو وہ شاذ ہی یہ گلہ کرتا ہے کہ راحیل اور یاسمین سے ہم دونوں یعنی آپ اور میں اس کی نسبت زیادہ پیار کرتے ہیں۔ بلکہ ابھی دو تین روز پہلے ہی کی بات ہے کہ وہ نہ جانے کس بات پر راحیل سے کہہ رہا تھا کہ اب وہ اس خوش فہمی کو دل سے نکال دے کہ بس اُسی کی دادی ہوسکتی ہے۔ میں نے شجی کو بڑے فخر سے راحیل سے کہتے سنا کہ اب اس کی بھی ایک گرینی ہیں۔"

"بچوں کے کردار کی تشکیل میں نانیاں اور دادیاں بھی بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ بچپن میں نانی دادی سے سنے ہوئے قصے کہانیاں آدمی ساری زندگی نہیں بھلا پاتا............ نانی دادی سے بچپن میں ملنے والی محبت تا حیات ہر فرد کے ساتھ چلتی ہے۔" بھیا بولے۔

"اور نفرت بھی!" میں نے گھڑی بھر کو توقف کیا پھر کھڑکی سے باہر پردیس کی فضاؤں میں اپنی نگاہیں دوڑاتے ہوئے ایک سرد آہ کھینچ کر مزید کہا۔ "نانی جان کی طرف سے ملنے [illegible] بولی۔ "بھیا! ہم نے سوچا تھا کہ اپنی سرزمین سے دور ہو کر ہم ان دکھوں کو بھلا سکیں گے جو ہمیں اپنی زمین پر اپنوں کے ہاتھوں بھگتنے پڑے تھے مگر............ کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے ہم ان دکھوں کو کبھی نہ بھلا سکیں گے۔"

میں نے غلط نہ کہا تھا۔

رات کو جب میں سونے کے لئے بستر پر لیٹتی تو میری کھلی آنکھوں کے سامنے ممی کی بے مروتی اور سرد مہری اور نانی جان کی زیادتیوں اور مظالم کی فلم سی چلنے لگتی۔ فرحین اور حارث کے اداس' مایوس اور سہمے ہوئے چہرے میرے سینے میں ہوکیں سی بھر دیتے۔ نیند میں بھی اکثر ماضی کی دلخراش یادیں ڈراؤنے خواب بن کر میری بند آنکھوں میں اتر آتے اور میں متوحش ہو کر بیدار ہو جاتی۔

حارث اور فرحین کی یادیں تو اکثر و بیشتر دن میں بھی میرے دل پر دستک دینے لگتیں۔ میں حلفیہ دعویٰ کر سکتی تھی کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جو میں ان دونوں کو یاد

نہ کرتی ہوں۔ ان کی یادیں میرے دل کے تمام خانوں کو آنسوؤں سے بھر دیتیں۔

اپنی زمین سے ہزاروں میل پرے اور کئی سمندر پار آکر بھی میں اپنے ماضی کی ا دُکھا دینے والی یادوں کو نہ بھلا سکی تھی!

☆------☆------☆

ہمسائی کے ہاں شرجیل کی آمدورفت نے دھیرے دھیرے اس کی جون ہی بدل رکھی دی۔ کہاں تو یہ عالم تھا کہ وہ بہانے بہانے سے راحیل سے لڑنے جھگڑنے اور پائی کے درپے رہا کرتا تھا۔ بات بات پر ایسا مشتعل ہوجاتا کہ الاماں! خلافِ طبع ذرا سی بات پر اسے ایسا جنون سوار ہوتا کہ آن کی آن اپنے کمرے کو تتر بتر کر ڈالتا۔ کتابیں یہاں تو کھلونے وہاں! کپڑے الماری سے باہر بستر پر تو جوتے اوندھے قالین پر! مجھے اپنی حرکتوں سے اس قدر عاجز رکھتا کہ کبھی کبھی تو میں روہانسی ہوجایا کرتی تھی۔ سمجھانے بجھانے اور راہِ راست دکھانے کی کوشش کرتی تو میرے سمجھانے بجھانے کو ذرا خاطر میں نہ لاتا اکثر کشی دکھاتا اور یہ طعنہ دیتا کہ آپ کا سگا بیٹا تو بھائی جان ہیں، میں تو آپ کا سوتیلا بیٹا ہوں جب سے یاسمین گھر میں آئی تھی، اسے بھی رقیبانہ تیوروں سے دیکھا کرتا تھا۔ اور اب یہ حال تھا کہ اس کا بات بے بات راحیل سے لڑنا جھگڑنا، چیخ پکار، اودھم بازی، یا کو رقیبانہ نگاہوں سے دیکھنا اور مجھ سے زبان درازی کرنا، غرض ساری بدتمیزیاں اور کشی جاتی رہی تھی۔ بھیا اور میرے خلاف یہ گلہ بھی اب شاذ ہی اس کی زبان پر آتا کہ ہم اس کی نسبت راحیل کو زیادہ عزیز رکھتے تھے

شرجیل کے رویے میں اس غیر معمولی تبدیلی کا سہرا بھیا اور میں اپنی اَن دیکھی اور انجانی ہمسائی کے سر باندھتے تھے۔ یہ انقلابِ عظیم بلاشبہ انہی کا مرہونِ منت تھا۔

جوں جوں دن گزرتے جارہے تھے شرجیل زیادہ باتمیز ہوتا چلا جارہا تھا۔ بد مزاجی اور اکھڑپن کی جگہ خوش مزاجی نے لے لی تھی۔ وہ پہلے کی طرح الجھا الجھا، کھویا کھویا سا نظر آتا بلکہ جگت بازیاں کرنے لگا تھا۔ اسے اپنے لباس کی صفائی ستھرائی، جوتوں کی چمک، بالوں کی آراستگی کا خاص خیال رہنے لگا تھا۔ پڑھائی میں بھی زیادہ دلچسپی لیتا اور جب بھی راحیل اپنی دادی کا ذکر کرتا تو وہ بڑے غرور سے گرینی نے یہ کہا گرینی نے یہ دیا، گرینی نے فلاں چیز دی اور گرینی مجھے فلاں چیز دیں گی، کی گردان شروع کر دیتا میں چپ چاپ دیکھے جاتی سنے جاتی۔ الغرض دو ڈھائی ماہ کے دوران شرجیل کی کایا ہی پلٹ گئی!

اس دوران میری ٹانگ پر چڑھا ہوا پلاستر اتار دیا گیا اور میں بیساکھی کے سہارے ! نہی کے سہارے آہستہ آہستہ چلنے پھرنے لگی۔ تاہم گھر کی ایک منزل سے دوسری منزل

چڑھنے اترنے سے اب بھی قاصر تھی۔ اگرچہ ہمسایوں کے ہاں تاک جھانک سے مجھے نہ دلچسپی نہ تھی بلکہ میں اسے معیوب بھی سمجھتی تھی مگر نئی ہمسائی کے ہاں شرجیل کی آمدورفت نے مجھے ان کے ہاں تاک جھانک میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا۔ اپنے اوقات میں، میں اکثر اپنے کمرے کے اگلے رخ پر واقع بالکونی میں یا عقبی رخ پر کے قریب کرسی ڈال کر بیٹھ جاتی اور ان کے گھر کی طرف دیکھے جاتی۔ بالکونی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر تین چار مرتبہ گھر سے باہر جاتی دکھائی دیں۔

ہمسائی مجھے جب بھی باہر آتی جاتی دکھائی دیتیں۔ سیاہ برقعے میں ملبوس ہوتیں۔ صبح، شام ان کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھا دکھائی دیتا۔ ان کی پیشانی ڈھکی ہوتی اور آنکھوں سے نیچے چہرے کا بقیہ حصہ زیرِ نقاب ہوتا اور دونوں ہاتھوں پر سیاہ دستانے ہوتے۔ میں جب بھی انہیں دیکھتی، انہیں بھی اپنی جانب ہی دیکھتے پاتی اور ہمارے درمیان اشاروں ہی اشاروں میں علیک سلیک ہوجاتی۔

شام کے وقت شرجیل کو میں یا تو ان کے باغیچے میں جھولا جھولتے دیکھتی یا پھر وہ گھر کے اندر ہی اُن کے پاس ہوتا۔ دو تین مرتبہ میں نے شرجیل کو ہمسائی کے ملازم کے ساتھ بالی میں دلچسپی لیتے اور اس سے باتوں کے دوران ہنستے مسکراتے بھی دیکھا تھا۔

شرجیل میری اجازت سے دو مرتبہ ہمسائی کے ہمراہ بازار بھی گیا تھا۔ جہاں سے وہ قیمتی ملبوسات، جوتے اور کھلونے دلوا کر لائی تھیں۔ میں معترض ہوئی تو بھیا نے کہا۔ اری! پڑوسن بی ان نوازشات کا بدلہ اتارنا اتنا مشکل ہرگز نہیں جتنا ہمارے لئے شجی کو سدھارنا مشکل تھا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہمارے پڑوس میں ان خاتون کا آبسنا ہمارے حق میں غیبی امداد سے کم نہیں۔ تمہیں یاد ہے نا، ہم تو شجی کو کسی ماہرِ نفسیات کے پاس لے جانے کی سوچ رہے تھے۔"

"جی ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"اور اب تمہیں صرف ہمسائی کے ہاں جانا ہوگا۔ تم اچھی طرح چلنے پھرنے لگو تو فرصت میں ان سے ملنے کے لئے جانا۔ اچھے پڑوسی خدا کی رحمت ہوتے ہیں۔"

"میں دور دور سے اشاروں ہی اشاروں میں ان سے علیک سلیک کر ہی لیتی ہوں۔ تو اس خوش فہمی میں تھی کہ شاید پلاستر اترتے ہی آرام سے چلنے پھرنے لگوں گی مگر تو ایسے آثار دکھائی نہیں دے رہے کہ جلد ہی بغیر سہارے کے چلنے پھرنے لگوں۔ جانے کتنے دن اور لنگڑاتی رہوں گی۔ ایسا کیجئے نا کسی روز آپ ہو آئیے ان کے ہاں۔" نے کہا۔

"نہیں بھئی یہ فریضہ تم خود ہی انجام دینا۔ ویسے بھی وہ بقول تمہارے انتہائی [illegible] دار خاتون ہیں۔"

"کیا فرق پڑتا ہے؟ راحیل اور شجی بتاتے ہیں کہ گھر میں بھی وہ تمام وقت اپنا چہرہ [illegible] نقاب رکھتی ہیں اور جس سے بھی ملتی ہیں باپردہ ملتی ہیں۔ پرسوں ہی وہ مجھے بتا رہا تھا [illegible] وہی پروفیسر صاحب جنہوں نے یہ مکان فروخت کیا ہے' کسی کام سے ہمسائی سے ملنے آ[illegible] تھے وہ ان سے باپردہ ملیں اور دیر تک ان سے بات کرتی رہیں۔ آپ سے بھی اسی طر[illegible] مل لیں گی۔"

مگر بھیا ان کے ہاں جانے پر آمادہ نہ ہوئے۔

تین چار دن بعد میں بدقسمتی سے غسل خانے میں پھسل کر دوبارہ گر پڑی اور [illegible] کی ہڈی کا جوڑ کھل گیا۔ خدایا' ایسی تکلیف ہوئی کہ میں اپنی گزشتہ تکلیف کو بھول گ[illegible] تین چار روز تو اسپتال میں گزرے اور اس دوران مجھے روزانہ ہمسائی کی طرف سے [illegible] بتازہ پھول اسپتال میں پہنچتے رہے۔ اسپتال سے گھر آئی تو بھی یہ سلسلہ برقرار رہا۔ میں [illegible] سر نو بستر پر پڑ گئی تھی اور وہ بھی نہ جانے کتنے دنوں کے لئے۔

ہمسائی کی جانب سے گھر پر بھی میرے لئے اس طرح پھول پہنچتے رہے کہ میری [illegible] صحت یابی کے دعائیہ کلمات سے مزین ایک ننھا سا "گیٹ ویل کارڈ" پھولوں کے [illegible] ساتھ منسلک ہوتا اور بھیجنے والے کا نام "آپ کی خیر خواہ" درج ہوتا۔

بلاناغہ موصول ہونے والے تازہ بتازہ پھول اور ان کے ساتھ منسلک "گیٹ ویل کارڈ" مجھے غیر معمولی تقویت اور احساسِ اپنائیت دیتے!

ایک روز میں نے شرجیل سے کہا۔ "تم مجھے اپنی گرینی کا فون نمبر تو لا کر دو تاکہ [illegible] ان کا شکریہ تو ادا کر دوں۔"

جواب میں شرجیل نے مجھے ہمسائی کی جانب سے لفافے میں ملفوف ایک رقعہ تھمایا۔

عزیزہ من!

آپ نے ایک مرتبہ پہلے بھی مجھ سے فون نمبر منگوایا تھا۔ مجھے فون نمبر دینے [illegible] کوئی تردد نہیں مگر اپنے شوہر کی موت کے بعد میں ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہوں۔ مجھے اپنے شوہر کی حادثاتی موت کی خبر ٹیلی فون پر ملی تھی تب سے یہ عالم [illegible] ٹیلی فون کی گھنٹی سنتے ہی مجھ پر وحشت سی طاری ہو جاتی ہے اور اگر میں ٹیلی فون اٹھا[illegible] لوں تو گنگ ہو جاتی ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے اس سے قبل بھی مجھ سے فون [illegible]

[illegible] کروایا تھا اور اس وقت میں نے یہ بہانہ تراشا تھا کہ انگریزی زبان پر پوری قدرت نہ [illegible] کے باعث میں فون پر اچھی طرح بات نہ کر سکوں گی مگر اصل عذر وہی ہے جو میں [illegible] اوپر بیان کیا ہے۔ امید ہے کہ آپ میری عذر خواہی کا برا نہ منائیں گی۔

برا ماننے کی بات ہی نہ تھی۔ مجھے تو اپنی ہمسائی سے جن کی صورت سے بھی میں [illegible] نا تھی' انتہائی ہمدردی محسوس ہوئی!

☆-------☆-------☆

میں بستر ہی پر پڑی تھی کہ اسی دوران عید آگئی۔ حالات کی ستم ظریفی نے اگرچہ [illegible] اپنی سرزمین سے دور کر دیا تھا مگر میں ان لوگوں میں سے تھی جو اپنی زمین سے دور [illegible] کر بھی دور نہیں ہوتے۔ پردیس میں رہ کر بھی اپنے دیس کی یادوں میں کھوئے رہتے [illegible] ہیں۔ ان کا نفس نفس اپنی مٹی کی خوشبو میں بسا ہوتا ہے۔ اپنی اقدار اور روایات انہیں [illegible] عزیز ہوتی ہیں۔ بیگانی سرزمین پر رہتے ہوئے بھی وہ اپنی زمین کے ہر حوالے کو یاد رکھتے ہیں۔

انگلستان میں آبسنے کے بعد میرا طریقہ رہا تھا کہ برس کے برس رمضان میں روزے رکھتی۔ جب سے بچے بڑے ہوئے تھے انہیں بھی روزے رکھوانے کی کوشش کرتی اور [illegible] عید کا تہوار پورے اہتمام سے منانے کا بندوبست کرتی۔ لندن سے شائع ہونے والے ایک [illegible] جریدے میں' میں نے ایک مرتبہ پڑھا تھا کہ یورپ میں رہنے والے بہت سے مسلمان [illegible] گھرانوں کے بچے عید و [illegible] تہواروں [illegible] سے [illegible] ہیں۔ جریدے سے یہ بات [illegible] طور پر لکھی تھی مگر افسوس ہوا تھا ان بچوں کے بڑوں اور سرپرستوں پر جو انہیں اپنی روایات اور اقدار کا شعور دینے سے قاصر رہے تھے۔ میرے بچے عید الفطر ہی نہیں عید [illegible] الضحیٰ اور عید میلادالنبی ﷺ کی اہمیت اور فضیلت سے بھی بخوبی آگاہ تھے مگر افسوس کہ اس مرتبہ میں گزشتہ برسوں کی طرح عید الفطر کو شایانِ شان طریقے سے منانے سے قاصر تھی۔ عید کی صبح ایک گورا ہرکارہ ہمسائی کی جانب سے پھول' دیسی مٹھائی اور ہم سب کے لئے علیحدہ علیحدہ تحائف لئے آپہنچا۔ بھیا کے لئے کرتا شلوار اور پوٹھوہاری جوتے' میرے لئے جھلمل کرتی ساڑھی مع بلاؤز۔ ہم رنگ سینڈلیں' پرس اور زیورات کا ایک سیٹ بھی۔ راحیل اور شرجیل کے لئے بھی کرتا شلوار سوٹ اور سلیم شاہی جوتے' یاسمین کے لئے بھوپالی وضع کا جوڑا' جوتے اور چوڑیاں۔ بچے تو صبح ہی صبح یہ تحائف پاکر بہت مسرور ہوئے۔ میں دنگ رہ گئی کہ ایک عربی خاتون نے ہمارے کنبے کے لئے عید کے تحائف کے انتخاب میں کیسی عمدگی کا مظاہرہ کیا تھا اور اس سے بھی زیادہ حیرانی مجھے اس امر پر ہوئی تھی

کہ بھیا کے کپڑوں، جوتوں اور میرے بلاؤز اور سینڈلوں کے سائز کے معاملے میں ان کا اندازہ حیرت انگیز حد تک درست رہا تھا۔ بچوں کے کپڑے اور جوتے بھی بالکل مناسب سائز کے تھے تاہم بچوں کے سائز کے سلسلے میں ان کے اندازے پر مجھے حیرت اس لیے ہوئی کہ بچوں کو تو انہوں نے دیکھ رکھا تھا۔ دیکھا تو خیر مجھے بھی تھا مگر دور دور سے۔ عجب کہ بھیا کو بھی کبھی دیکھ لیا ہو۔ مگر پھر بھی ان کے اندازے کی درستگی اور کاملیت کی داد نہ دینا ناانصافی ہوتی!

تمام تحائف لندن کی ایک معروف ترین اور مہنگی دکان سے خریدے گئے تھے۔ چیزوں کے انتخاب میں انتہائی نفاست اور اعلیٰ ذوق کا مظاہر کیا گیا تھا۔ میرے اعتبار سے ہمسائی نے غیر معمولی فیاضی دکھائی تھی۔ ان تحائف کو دیکھ کر مجھے اپنے سر پر دھرا ہوا اور بھی بھاری محسوس ہونے لگا۔

"خدایا! یہ بڑی بی کیا غضب کر رہی ہیں۔ بوجھ پر بوجھ ڈالے چلی جا رہی ہیں ہم پر!" میں نے ان تحائف کو دیکھ کر اپنا سر ہاتھوں پر تھامتے ہوئے کہا۔

"اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" بھیا بڑے آرام سے بولے۔

"کمال ہے۔ ایک اجنبی خاتون ہم پر احسان پر احسان کئے چلی جا رہی ہیں اور آپ ہر بار میری تشویش پر یہی کہہ دیتے ہیں کہ کوئی بات نہیں۔ آخر کیونکر اتار سکیں گے ہم ان نوازشات کا بدلہ؟"

"...ضرورت ہی کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یہ محترمہ جو ہمارے پڑوس میں آ کر آباد ہوئی ہیں۔ ضرور کسی شاہی گھرانے کی رکن رہی ہیں۔" بھیا نے مخملیں ڈبے میں آراستہ زیورات دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہزار پونڈز سے تو کیا کم ہوگا یہ سیٹ!" میں نے کہا۔

"ارے بابا! ہزار پونڈز ان شیخانی یا شاہزادی کے لئے کیا اہمیت رکھتے ہوں گے۔"

"آپ کی یہ بات بجا، مگر غیروں پر بلا سبب اور بے غرض تو ایک پیسہ خرچ کرنے سے پہلے آدمی دس مرتبہ سوچتا ہے۔"

"اور یہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے کہ خرچ وہ محترمہ کر رہی ہیں اور تشویش میں تم پڑی ہوئی ہو۔" میں جھینپ گئی۔

"آپ کم از کم اتنا کر لیجئے کہ آج انہیں عید کی مبارکباد دینے کے بہانے ان کا شکریہ بھی ادا کر آئیں۔"

بھیا نے حسب سابق ٹالنے کی کوشش کی مگر اس روز میں نے انہیں مجبور کر ہی دیا۔ بھیا شرجیل اور یاسمین کے ہمراہ پڑوسن کے ہاں گئے اور میری توقع کے برخلاف انہیں وہاں سے آنے میں خاصی دیر ہوئی۔ بھیا جس موڈ میں گھر سے گئے تھے اس موڈ میں واپس نہیں لوٹے۔

"بڑی دیر لگادی آپ نے تو، حالانکہ میں تو یہ سمجھ رہی تھی کہ آپ جائیں گے اور آپ پوش پڑوسن کو عید کی مبارکباد دے کر اور ان کی نوازشوں کا شکریہ ادا کر کے ذرا سی دیر میں پلٹ آئیں گے۔" میں نے کہا۔

بھیا چپ رہے اور مجھے ان کی خاموشی میں تفکر کا رنگ گھلا محسوس ہوا۔

"خیریت تو ہے، آپ کچھ چپ چپ ہیں؟"

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔" بھیا نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"ہمسائی سے ملاقات کیسی رہی؟"

"آں.......... ہاں.......... بس ٹھیک ٹھاک۔"

"کچھ معلوم کیا کون ہیں کہاں سے آئی ہیں؟ کیا کرتی ہیں؟"

"نہیں مجھے یہ سب کچھ معلوم کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟"

"تو پھر اتنی دیر آپ وہاں کیا کرتے رہے؟"

"باتیں۔"

"یا اللہ! ایسی کون سی باتیں تھیں جو اتنی دیر جاری رہیں؟"

"موسم، پودوں، پھولوں، مریضوں اور بیماروں کی باتیں۔"

"واللہ کیا حسین امتزاج ہے موضوعات کا! کہاں موسم، پودے اور پھول اور کہاں مریض اور بیماریاں۔"

"بھئی انہوں نے اپنے شوق کی باتیں کی، میں اپنے مطلب کی کرتا رہا۔"

"بہت خوب!"

"پردہ تو کیا ہوگا؟"

"ظاہر ہے، جب وہ راحیل اور شرجیل سے پردہ کرتی ہیں تو مجھ سے کرنا ہی تھا۔"

"اور بچو، تم لوگ کیا کرتے رہے اتنی دیر؟"

"آنٹی کی ملازمہ نے وی سی آر پر کارٹون فلم لگادی تھی۔ میں تو وہی دیکھتی رہی، بہت اچھی فلم تھی۔" یاسمین نے بتایا۔

"اور شجی تم؟"

میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے وہ دزدیدہ نظروں سے بھیا کی جانب دیکھ
لگا۔

"شجی میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے بیٹے!"
"میں گرینی کے ملازم سے باتیں کرتا رہا اور دوسروں کی باتیں بھی میں نے سنیں۔"
بھیا نے بے ساختہ چونک کر شرجیل کی طرف دیکھا اور ان کا چونکنا مجھے معنی خیز
محسوس ہوا۔
"میں تھک گیا ہوں اور اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔"
شرجیل نے اعلان کیا اور میرے کمرے سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں
بھیا سے پوچھا۔ "کیا وہاں کوئی خاص بات ہو گئی تھی؟"
"نہیں........... نہیں تو۔"
"شجی مجھے آج کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔"
"آپ کا اندازہ درست ہے مم........... مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوا ہے۔" راحیل
نے میری تائید کی۔
"کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔"
"کوئی بات نہیں ہوئی۔" بھیا نے رسانیت سے کہا۔ "شجی غیر معمولی حساس بچہ
ہے۔ عین ممکن ہے اسے یہ بات ناگوار گزری ہو کہ آج میری وجہ سے خاتون کی توجہ اس
پر کم رہی۔"
"ہو سکتا ہے۔" میں نے بھیا کے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا۔
بھیا نے جو بات کہی وہ غلط نہ تھی۔ شرجیل یہ بات برداشت ہی نہ کر سکتا تھا کہ اسے
کسی اور کے مقابلے میں نظر انداز کیا جائے۔ مجھ سے اور بھیا سے اسے شکایت بھی یہی
تھی۔ یہی کہ ہم اس کے مقابلے میں راحیل سے زیادہ پیار کرتے تھے۔

☆------☆------☆

آئندہ چند دنوں میں شرجیل کے انداز و اطوار میں ایک نئی تبدیلی دیکھنے میں آئی۔
وہ گم صم رہنے لگا۔ ہمسائی کے ہاں اس کی آمدورفت تو بدستور رہی مگر ان کے ہاں سے وہ
پہلے کی طرح خوش خوش نہ آتا۔ اس کی آنکھیں ہمہ وقت کسی گہری سوچ اور اضطراب
میں ڈوبی دکھائی دیتیں۔ وہ گھر میں ہوتا تو زیادہ تر اپنے کمرے ہی میں رہتا اور مجھ سے کھنچا
کھنچا رہتا۔
شرجیل کے رویے میں رونما ہونے والی اس تبدیلی پر مجھے تشویش لاحق ہوئی تو بھیا
نے کہا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' وہ موڈی بچہ ہے۔"
میں چپ ہو رہی۔
اس دوران میں' میں بستر سے اٹھ کر بیساکھی کے سہارے چلنے پھرنے لگی تھی۔
شرجیل میں پھر ایک معنی خیز تبدیلی رونما ہوئی۔ اس نے میرے آس پاس ڈولنا
شروع کر دیا۔ وہ گھر میں ہوتا تو اس کی نظریں مجھ پر ٹکی رہتیں۔ میں مصروفِ کار ہوتی تو وہ
میرے اس پاس بیٹھا مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھا رہتا۔ میں چن میں ہوتی تو وہ چن میں آ بیٹھتا
اور میری حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لئے جاتا۔ کبھی دروازے کی چوکھٹ سے لگ کر
کھڑا ہو جاتا اور مجھے گہری نگاہوں سے دیکھے جاتا۔ کبھی کبھی تو مجھے اس کی نگاہیں اپنے وجود
کے آر پار ہوتی محسوس ہوتیں اور مجھے خوف آنے لگتا۔
آخر کار ایک روز میں نے پوچھا۔ "کیا بات ہے بیٹے! تم اس طرح کیا دیکھا کرتے ہو
مجھے؟"
"کچھ........... کچھ نہیں۔" وہ گھبرا کر بولا۔
"بیٹا! کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے پہلے تو تم مجھے کبھی اس طرح نہیں دیکھا کرتے
تھے۔"
وہ اس وقت تو جھینپ سا گیا مگر اس کے اس طرزِ عمل میں کوئی فرق نہ پڑا۔
ایک روز میں نے بھیا سے کہا۔ "خدا جانے کیوں شجی آج کل مجھے اتنے غور غور

سے دیکھا کرتا ہے کہ کبھی کبھی تو مجھے اس سے وحشت سی ہونے لگتی ہے۔"

"محض وہم ہے تمہارا۔"

پھر میں نے آئندہ دنوں میں شرجیل میں ایک نئی تبدیلی مشاہدہ کی۔ اسے ا... ہاتھوں کو باہم مروڑنے کی عادت پڑ گئی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم مروڑتے ہو... الجھی الجھی نگاہوں سے مجھے دیکھے جاتا۔ مجھے یوں لگتا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو مگر کہہ ... ہو۔

میں نے بھیا سے شرجیل کی اس نئی تبدیلی پر تشویش ظاہر کی تو وہ بولے۔ "تم زیادہ پریشان مت ہو۔ گو میں ماہر نفسیات نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ انسانی مزاج میں مدوجزر کی کیفیت رہتی ہے۔ شجی عمر کے ایک نازک دور سے گزر رہا ہے۔ اس دور میں بعض ... یونہی الجھے الجھے رہنے لگتے ہیں۔"

میں چپ ہو رہی، تاہم شرجیل کی بابت میری تشویش رفع نہ ہو پائی۔

☆------☆------☆

موسم سرما اپنے جوبن پر تھا۔ میں بغیر کسی سہارے کے چلنے پھرنے لگی تھی مگر میرا سابقہ تجربہ مجھے غیر معمولی محتاط رکھے ہوئے تھا۔ ٹانگ پر پورا زور دیتے ہوئے ڈرتی تھی اور ہر قدم دیکھ بھال کر اٹھاتی تھی۔ راحیل جو بے چارہ کئی ماہ سے اپنی تعلیم پر پوری توجہ دینے سے قاصر رہا تھا اب اپنی تعلیم پر پہلے سے بھی زیادہ توجہ دے کر گزشتہ چند ماہ کی کمی

ایک روز شام کے وقت جب راحیل لاؤنج میں بیٹھا یاسمین کو کوئی نیا تعلیمی کھیل کھیلنا سکھا رہا تھا اور شرجیل حسب معمول ہمسائی کے ہاں حاضری دینے گیا ہوا تھا، میں رات کے کھانے کے لئے مرغی کا سالن دم پر چھوڑ دینے کے بعد اپنے کمرے میں آتشدان کے نزدیک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور اس نئے کیٹلاگ کی ورق گردانی کرنے لگی جو اسی روز بذریعہ ڈاک موصول ہوا تھا۔ میں ایسے رخ پر بیٹھی تھی کہ مجھے خبر ہی نہ ہوئی کہ کب شرجیل میرے کمرے کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ میں تو اس کے چھینکنے پر چونکی اور جب میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اسے اپنی جانب دیکھتے پایا۔

"تم آ گئے۔"

"جی۔"

"وہاں کیوں کھڑے ہو، بیٹا اندر آ جاؤ۔"

وہ اندر آ گیا۔

"لگتا ہے باہر بہت ہی سردی ہے۔ ناک سرخ ہو رہی ہے تمہاری۔ آؤ کچھ دیر کو آتشدان کے سامنے بیٹھ کر تاپ لو۔"

وہ سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے کمرے میں بچھے قالین پر دھرا فوم بھرا ربڑ کا مونڈھا کھینچ کر میرے نزدیک ہی آتشدان کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں دوبارہ کیٹلاگ کی ورق گردانی کرنے لگی۔ تاہم اب میرے انہماک کی وہ پہلے جیسی کیفیت نہ تھی۔ ہر تھوڑی دیر بعد میری نظریں آپ ہی آپ شرجیل کی طرف اٹھ جاتیں۔ میں نے جتنی مرتبہ بھی اس کی جانب دیکھا اسے دونوں ہاتھ اپنی آغوش میں دھرے ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم مروڑتے اور آتشدان میں بھڑکتے شعلوں کو بغور دیکھتے پایا۔

اگرچہ ہمارا مکان "سینٹرل ہیٹنگ سسٹم" سے مزین تھا مگر میرے کمرے میں قدیم وضع کا آتشدان بھی موجود تھا جس کے سنگی چوکھٹے پر دلفریب نقش و نگار ابھرے ہوئے تھے۔ جب بھیا نے اس مکان کے سابقہ مالک سے مکان کی خریداری کی بات کی اور پہلی مرتبہ مجھے یہ مکان دکھانے کو لائے تو مذکورہ مالک مکان نے ہمیں یہ مکان دکھاتے ہوئے بتایا تھا کہ قدیم وضع کا یہ آتشدان اُن کے والد کی یادگار تھا جو مکان کے سینٹرل ہیٹنگ سسٹم کے مزین ہونے کے باوجود بھی آتشدان کے سامنے بیٹھ کر آگ تاپنا پسند کرتے تھے۔

اس مکان کی خریداری کے بعد جب بھیا نے یہاں ہمارے آنے سے قبل کچھ ضروری تبدیلیاں اور مرمت کا کام کروایا تو ان کی صلاح یہ ٹھہری کہ اس آتشدان کو بھی مسمار کروا دیا جائے مگر میں نے اسے جوں کا توں رہنے اور اس کمرے کو اپنی خوابگاہ کے طور پر منتخب کرنے کو ترجیح دی کیونکہ مزاجاً میں ان لوگوں میں سے تھی جو قدیم روایات، پرانی اقدار اور کہنہ چیزوں سے اُنس رکھتے ہیں۔

جب موسم سرما کے تیور کچھ بگڑنے لگتے تو میں شام کے وقت عموماً اپنے کمرے میں موجود مذکورہ آتشدان میں آگ سلگا دیتی۔ ہولے ہولے سلگتی لکڑیاں، گاہے گاہے چٹختی چنگاریاں بتدریج شعلوں کا روپ دھار لیتیں۔ لہراتے، بل کھاتے، زرد اور نارنجی شعلے میرے کمرے کو گرما دیتے اور بچے ہی نہیں بلکہ بھیا بھی اکثر میرے کمرے میں آ بیٹھتے۔

"مم!" شرجیل کی دھیمی سی پکار نے مجھے ہمہ تن اس کی طرف متوجہ کر دیا۔

"جی بیٹا!"

"مم........" اس کی نگاہیں آتشدان میں لہراتے، بل کھاتے شعلوں پر تھیں۔

"ہاں بولو جان۔" میں نے بہت پیار سے کہا۔

"مم! کیا........ آگ........ گرمی پہنچاتی ہے؟"

"ہاں بیٹا!"
"آگ چیزوں کو جلا بھی دیتی ہے نا؟" شرجیل کی توجہ بدستور شعلوں پر جمی تھی۔
"ہاں جان۔"
"کیا آگ......... بہت......... بے رحم ہوتی ہے؟"
شرجیل کا یہ سوال مجھے کچھ معنی خیز سا لگا تھا۔
"کیا مطلب؟"
"یہ......... یہ زندہ انسانوں کو......... بھی جلا دیتی ہے نا؟"
میں نے ہڑبڑا کر کیٹلاگ بند کر دیا۔
"تم......... تم سے......... یہ بات......... کس نے کہی؟"
"کسی نے بھی نہیں۔"
"تو پھر تمہیں یہ خیال کیونکر آیا؟"
"ایسے ہی......... آپ ہی آپ۔" وہ مجھ سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔
مجھے اس کا نظریں چرانا تعجب خیز محسوس ہوا۔
مجھے برسوں پہلے نانی جان کے محل نما گھر میں لگنے والی آگ کے اونچے اونچے شعلے یاد آ گئے۔ "ہاں بیٹا!" میں نے بوجھل آواز میں کہا۔ "آگ بہت بے رحم ہوتی ہے۔" مجھے علی ضیاء کا بے حس و حرکت جسم' ساکت سینہ اور پتھرائی ہوئی آنکھیں یاد آ گئیں اور [illegible] بڑی بڑی چیزوں' اونچے اونچے گھروں اور زندہ انسانوں کو بھی جلا ڈالتی ہے۔"
"مم! آپ نے......... آپ نے کبھی زندہ انسانوں کو آگ میں جلتے دیکھا؟"
"ہاں بیٹا ایک مرتبہ دیکھا تھا۔" میں نے جھرجھری سی لے کر کہا۔
"کب؟"
"بہت پہلے۔"
"کتنا پہلے؟"
"کئی برس پہلے۔"
"کہاں؟"
"پاکستان میں؟"
"کیا وہ مر گئے تھے؟"
"ہاں!"

"کون تھے؟"
کیا بتاؤں تمہیں کہ وہ کون تھے؟"
"بتائیں تو سہی۔"
"بیٹا! جب تم انہیں جانتے ہی نہیں تو میں کیا بتاؤں تمہیں کہ وہ کون تھے؟"
"وہ مرد تھے یا عورتیں؟"
"ایک مرد ایک عورت۔"
"کیا وہ راکھ ہو گئے تھے۔"
"نہیں۔"
"تو کیا وہ کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گئے تھے؟"
"نہیں' ایسا بھی نہیں ہوا تھا۔ دراصل وہ لوگ دھوئیں میں دم گھٹ جانے کی وجہ سے مر گئے تھے۔"
"آپ انہیں جانتی تھیں؟"
"ہاں۔"
"کون تھے وہ آپ کے؟"
"بس جاننے والے تھے۔"
"آپ کو وہ یاد آتے ہیں؟"
[illegible]
"کون؟ عورت یا مرد؟"
"اوہو! بیٹا تم تو بال کی کھال نکالنے لگے۔ یہ بتاؤ تمہاری گرینی کیسی ہیں؟"
"ٹھیک ہیں۔"
"مم بتائیے نا عورت یا مرد؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔
"سردی کے بارے میں تمہاری گرینی کا کیا خیال ہے؟"
"مم! میرے سوال کا جواب دیجئے نا۔"
"ادھر آؤ میرے پاس۔"
وہ اٹھ کر میرے پاس آ گیا۔ میں نے اس کا بازو تھام کر بہت محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! وہ ایک خوفناک حادثہ تھا اور میں اس منظر کو یاد نہیں کرنا چاہتی۔"
"مرنے والوں کو بھی نہیں؟"
اس کی نگاہیں مجھے اپنے وجود کے آر پار محسوس ہونے لگیں۔ میرے ذہن میں ایک

خدشہ سا لہرایا۔ کیوں وہ اس حادثے کی تفصیلات کے بارے میں اتنا متجسس دکھائی دے رہا تھا؟ کہیں اسے میرے ماضی کے اس سانحے کی کوئی بھنک تو نہ مل گئی تھی؟ میں کانپ کر رہ گئی۔ مگر نہیں۔ شرجیل کو بھلا کیونکر پتا چل سکتا تھا؟

میں نے تو اپنے ماضی کی صرف اتنی سی تصویر دکھائی تھی اپنے بچوں کو کہ ہم چار بہن بھائی تھے۔ ہمارے والدین کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس حادثے کے بعد ہمارے ایک چچا نے ہم بھائی بہنوں کی بڑے نازو نعم میں پرورش کی۔ ہمیں پڑھایا لکھایا اور آگے بڑھایا۔ ہمارے ایک بھائی کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا اور ایک بہن راحیل کی پیدائش کے بعد مری تھی۔ میری پہلی شادی راحیل کے باپ سے ہوئی تھی جو ایک افسر ہونے کے علاوہ شوقیہ......... ٹی وی آرٹسٹ بھی تھا۔ میری دوسری شادی شرجیل کے باپ سے ہوئی تھی جو ڈاکٹر تھے۔

بس یہ تھی وہ داستان جو میں نے اپنے بچوں کو اپنے ماضی کی داستان کے طور پر سنائی تھی! اور گزشتہ برسوں کے دوران ہم انگلستان میں بھولے سے بھی کسی ایسے شناسا سے نہ ملے تھے جو ہمارے ماضی سے واقف ہوتا۔ پھر بھلا شرجیل کو اس قصے کی بھنک کیونکر مل سکتی تھی؟ نہیں یہ محض میرا وہم تھا۔

گھر کے دروازے پر نصب اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا گیا تھا۔ گھنٹی بج رہی تھی۔ یقیناً بھیا کی آمد کی اطلاع تھی۔

"جاؤ جاکر دروازہ تو کھولو' انکل آگئے ہیں تمہارے۔" میں نے کرسی سے [illegible] [illegible] سے کہا۔

اس نے الجھی الجھی سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر دروازہ کھولنے چلا گیا مگر تب تک نیچے دروازہ کھلنے کی آواز مجھے اوپر سنائی دے چکی تھی۔ یقیناً راحیل اپنی فطری فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شرجیل سے پہلے ہی نیچے جاکر دروازہ کھول چکا تھا۔

☆--------☆--------☆

اس روز کے بعد میں نے شرجیل میں ایک نئی تبدیلی مشاہدہ کی اور وہ یہ کہ قبل ازیں اس پر جو کھوں نہ کھوں والی کیفیت طاری رہا کرتی تھی......... وہ جاتی رہی اور وہ مجھے اکثر و بیشتر اپنے مختلف النوع استفسارات کی زد میں رکھنے لگا۔ تعجب خیز امر یہ تھا کہ اس کے ان استفسارات کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں جاکر میرے ماضی کے کسی نہ کسی واقعے سے ضرور ملتے تھے۔ اس کے بعض سوال تو مجھے چونکا دیتے مثلاً ایک روز اس نے مجھ سے پوچھا۔ "مم! آپ کے ڈیڈی اور ممی ایک ہی حادثے میں مرے تھے یا علیحدہ علیحدہ حادثوں

[illegible]"

میرا چونک جانا یقینی تھا۔

"یہ خیال کیوں آیا تمہیں؟"

"ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔" اس نے بڑی بے پروائی سے کہا۔

میں نے مشکوک سی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر مجھے اس کے چہرے پر بے پروائی کے اور کوئی خاص بات دکھائی نہ دی۔

"وہ دونوں ایک ہی حادثے میں مرے تھے۔" میں نے یہ جواب دیتے ہوئے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

پھر ایک دن جب میں کچن میں مصروف کار تھی' وہ کچن میں بڑی کھانے کی گول میز کے اطراف پڑی کرسیوں میں سے ایک آبیٹھا اور کچھ دیر تک چپ چاپ بیٹھے رہنے کے بعد مجھ سے بولا۔ "مم! کیا آپ کے نانا بہت ظالم آدمی تھے؟"

میں نے ہڑبڑا کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "تم سے کس نے کہا؟"

"کسی نے نہیں۔"

"تو پھر یہ بات تمہارے دماغ میں کہاں سے آئی؟"

"بس آپ ہی آپ آگئی۔"

مگر میں اس کے جواب سے مطمئن نہ ہوئی۔

[illegible]

گزاری کو چوری چھپے اپنی داستانِ حیات لکھنا شروع کی تھی۔ دوسری مرتبہ ٹانگ ٹوٹ جانے کے بعد جب میں ازسر نو معذور ہو کر بستر پر پڑی تو میں یہ داستان زیادہ سنجیدگی اور انہماک سے لکھنے لگی۔ داستانِ حیات کیا تھی' داستانِ غم تھی جس کا ہر لفظ آنسوؤں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس کا ہر جملہ رنج والم کے سات سمندروں سے گزر کر میری نوکِ قلم تک پہنچا تھا۔ جس کی ہر سطر میں اپنے خونِ دل سے لکھ رہی تھی۔ یہ داستان میں یا تو بھیا کے اسپتال اور بچوں کے اسکول چلے جانے کے بعد لکھتی تھی یا پھر شب کی تنہائی میں۔ رنج والم میں ڈوبی یہ داستان میں ایک ضخیم رجسٹر پر اردو میں لکھ رہی تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ کسی صورت بھی یہ داستان بھیا اور بالخصوص بچوں کی نظر سے گزرے' چونکہ بچوں کو میں نے اردو لکھنا پڑھنا سکھایا اور بہانے بہانے اردو سے ان کا تعلق برقرار رکھتی تھی۔ چنانچہ مجھے اس داستان کو بھیا ہی نہیں بلکہ بچوں سے بھی چھپائے رکھنے کی خاطر اپنی سائیڈ بورڈ میں مقفل رکھنا پڑتا۔ میں اس رجسٹر کو اسی وقت سائیڈ بورڈ کی دراز سے نکالتی جب

مجھے لکھنا ہوتا۔ دراز کی چابی میں چھپا کر رکھتی تھی۔

اس روز ناناجان کی بابت شرجیل کے اس استفسار نے کہ کیا وہ ظالم تھے' مجھے سوچنے پر مجبور کردیا تھا کہ کہیں کسی روز شرجیل نے میرے گدے کے نیچے سے چابی لے کر میری داستانِ حیات کا کوئی ایسا حصہ تو نہیں پڑھ ڈالا تھا جو ناناجان سے متعلق تھا!

اپنے اس خدشے کی تصدیق کے لئے میں نے شرجیل پر نظر رکھنے کا تہیہ کیا۔

اپنا قصۂ حیات میں نے ابتداء میں محض وقت گزاری کے لئے لکھنا شروع کیا تھا مگر بعد میں اس سلسلے میں سنجیدہ ہوجانے کے بعد میں نے فیصلہ کیا تھا کہ جب بوڑھی ہوجاؤں گی اور زندگی کے دن کم رہ جائیں گے تو تب میں یہ داستان اپنے بچوں کے حوالے کردوں گی مگر اس وقت تک اس داستان کو راز رکھوں گی۔ میں نے تہیہ کرلیا کہ اگر شرجیل پر میرا شک درست نکلا تو میں اس داستان کو جسے ابھی نہ جانے کتنے مراحل سے گزرنا تھا' تلف کردوں گی اور شرجیل کو اعتماد میں لے کر سمجھادوں گی کہ وہ میری آپ بیتی نہیں' وقت گزاری کے لئے میری فسانہ طرازی تھی!

کئی دن تک میں گھات لگائے رہی مگر میرے اس خدشے کی تصدیق نہ ہوسکی تاہم شرجیل کی جانب سے مزید معنی خیز استفسارات کئے گئے۔

ایک روز اس نے مجھ سے پوچھا۔ "مم! کیا آپ کی ممی کو اچھے اچھے کپڑوں' زیورات اور سیرو تفریح کا بہت شوق تھا؟"

"تمہیں کس [illegible]؟"

"کسی نے بھی نہیں' میں تو خود ہی پوچھ رہا ہوں۔"

"یہ اتنے الٹے سیدھے سوالات کیوں پوچھتے ہو تم؟"

وہ خفیف سا ہوگیا۔

میں نے اس کے سوال کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا۔ پھر ایک روز اس نے بڑی عجیب سی بات پوچھی۔ "مم کیا آپ اپنی ممی سے بہت جھگڑتی تھیں اور ناراض رہا کرتی تھیں؟"

"نہیں.......... نہیں تو۔" میں نے بے ساختہ گھبرا کر کہا۔ پھر میں نے ٹیڑھی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "ایسی فضول باتیں تمہارے دماغ میں آتی کیوں ہیں؟"

وہ میری ناگواری کو تاڑ گیا مگر خفیف یا خائف ہونے کے بجائے حیرت انگیز طور پر اس کی نگاہوں میں بھی ہلکی سی ناگواری دکھائی دینے لگی!

☆-------☆-------☆

میں زینہ اترنے لگی تھی اور اپنی بیشتر خانہ دارانہ ذمے داریاں پہلے کی طرح انجام دینے لگی تھی۔ گھر سے باہر آمد و رفت البتہ ابھی شروع نہ ہوئی تھی۔ گھر سے باہر آمد و رفت کا آغاز میں اپنی ہمسائی کے ہاں حاضری سے کرنا چاہتی تھی جن سے ملنے کا مجھے انتہائی اشتیاق تھا۔

بچوں کی تعطیلات شروع ہوچکی تھیں اور طے پایا تھا کہ ہم اس مرتبہ تعطیلات میں کہیں نہیں جائیں گے' لمبے عرصے تک میری معذوری نے گھر کے نظام کو انتہائی متاثر کیا تھا اور میرے نزدیک پہلی ترجیح میرا گھر ہی تھا۔ بچوں کو معلوم ہوا کہ اس مرتبہ ہم تعطیلات میں کہیں نہیں جارہے ہیں تو انہوں نے گھر ہی میں اپنی دلچسپی کی مصروفیات ڈھونڈ نکالنے کی تگ و دو شروع کردی۔ راحیل تو جلدی ہی ہمارے پالتو کتے کے لئے نیا گھر بنانے میں لگ گیا اور اس کا زیادہ وقت گھر کی زیریں منزل پر عقبی صحن میں لکڑیوں کی ٹھونکا پیٹی میں گزرنے لگا۔ یاسمین اس کی مددگار کا فریضہ انجام دیتی اور اٹھائی دھرائی کے کام میں لگی رہتی۔

شرجیل اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے کے مصداق ابھی وہ گھر میں ہوتا تو ذرا دیر بعد معلوم ہوتا کہ ہمسائی کے ہاں جاچکا ہے۔ ہمسائی کے علاوہ اب ان کے ملازم سے بھی اس کے مراسم ہوگئے تھے اور میں اپنے کمرے کی عقبی کھڑکی سے شام کے وقت اکثر ہمسائی کے ملازم کے ساتھ شرجیل کو بھی باغبانی میں لگا دیکھتی۔ کام کے دوران دونوں باتیں بھی کئے جاتے مگر کچھ عرصے سے ان کا انداز خاصا رازدارانہ سے رہا تھا۔ جبکہ ملازم کا انداز تو مجھے کچھ مشکوک سا لگتا۔ شرجیل سے باتیں کرتے ہوئے وہ گاہے گاہے اِدھر اُدھر یوں دیکھے جاتا جیسے یہ نہ چاہتا ہو کہ کوئی ان کی باتیں سن پائے۔ ایک روز میں نے شرجیل سے پوچھا۔ "برابر والوں کا نوکر تم سے کیا باتیں کرتا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ گھبرا کر بولا۔

مجھے اس کی گھبراہٹ معنی خیز لگی۔

"دیکھو بیٹا میں نے تمہیں ان کے ہاں جانے کی اجازت صرف اس لئے دی ہے کہ وہ بے چاری تنہا عورت ہیں۔ تمہارے جانے سے ان کا دل کچھ بہل جاتا ہے مگر ان کے ملازموں سے تمہیں زیادہ بے تکلف ہونے کی ضرورت نہیں۔"

میں نے شرجیل کو یہ نصیحت کرنا اس لئے ضرور سمجھا کہ ملازموں کے ہاتھوں بچوں کے بگاڑ کے میں متعدد واقعات اخبارات اور رسائل میں پڑھ چکی تھی علاوہ ازیں راحیل بھی چند دنوں سے اشاروں کنایوں میں مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں شرجیل کو ہمسائی کے

ملازم سے زیادہ تعلقات بڑھانے سے منع کروں۔

تعطیلات شروع ہوئیں تو شرجیل کے پاؤں میں گویا چکر بندھ گیا۔ ابھی گھر میں تو ابھی ہمسائی کے ہاں۔ ایک آدھ مرتبہ میں نے اسے ہمسائی کے ملازم کے ساتھ گھر سے باہر بھی آتے جاتے دیکھا۔ میں اس سلسلے میں شرجیل کو تنبیہہ کرنے کے لئے مناسب موقع کی تاک ہی میں تھی کہ ایک روز جب میں بھیا کے اسپتال چلے جانے کے بعد راحیل اور شرجیل کے مشترکہ کمرے کی صفائی کی غرض سے ان کے کمرے میں گئی تو میں نے دیکھا کہ شرجیل اپنی سائیڈ بورڈ پر دھری ڈاکٹر شعیب کی سنہری چوکھٹے میں جڑی تصویر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑے بغور دیکھ رہا تھا۔

"خیریت تو ہے! آج ڈیڈی کی تصویر کو بڑے غور سے دیکھا جا رہا ہے؟" میں نے شرجیل کے سر کو پیار سے چھوتے ہوئے پوچھا۔

شرجیل نے گردن موڑ کی کچھ ایسی نظروں سے میری طرف دیکھا کہ میں دم بخود رہ گئی۔

اس کی نظروں سے ناگواری اور بے اعتمادی کی ملی جلی کیفیت جھلک رہی تھی۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" میں نے رسانیت سے پوچھا۔

"مم!" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں ہاں بولو۔" میں نے کہا۔

"مم! میرے اصل ڈیڈی یہ نہیں تھے نا؟" اس نے ڈاکٹر شعیب کی تصویر پر [illegible] نظر ڈال کر اسے بستر پر پھینکتے ہوئے کہا۔

میں گم صم اسے دیکھتی رہی۔

"بولئے نا۔"

میرا ذہن تند و تیز جھکڑوں کی زد میں تھا۔

"میرے ڈیڈی ڈاکٹر تو نہیں تھے نا؟ وہ تو بیرسٹر تھے۔" میں سر تاپا لرز رہی تھی۔ خوف میری رگوں میں سرایت کرتا چلا جا رہا تھا۔ میں خائف اس لئے نہیں تھی کہ شرجیل کو حقیقت کیوں معلوم ہوئی بلکہ اس لئے تھی کہ اسے حقیقت کیونکر معلوم ہوئی تھی؟

اس ضمن میں میری زیر تصنیف داستان حیات پر شک اس لئے نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اول تو اس داستان تک شرجیل کی رسائی کی تصدیق نہ ہو سکی تھی۔ دوسری بات یہ کہ مذکورہ داستان تو ابھی فرحین کی المناک موت کے واقعے تک ہی پہنچی تھی۔ اس داستان میں ممی کے شوہر کی حیثیت سے علی رضا کا تذکرہ ایک فرضی نام سے احاطہ تحریر میں آیا

اگر شرجیل کے باپ کی حیثیت سے تو ابھی دور دور تک اس کا تذکرہ نہ تھا۔ میرا سر چکرا رہا تھا۔ کون بد خواہ ہماری پُرسکون زندگی میں خلل ڈالنے آگیا تھا!

کہیں راحیل کی دادی تو نہیں؟

پاکستان میں ان کے سوا ہمارا کسی اور کو اتا پتا نہیں تھا۔ کیا انہوں نے چوری چھپے شرجیل کو خط لکھ کر، برسوں قبل راحیل کو پاکستان میں روکنے کی کوشش میں اپنی ناکامی کا بدلہ لینا چاہا تھا؟ علی ضیاء کی موت کے بعد پریس میں میری ذاتی زندگی کے المیوں کو خوب اچھالا گیا تھا۔ راحیل کی دادی جانتی تھیں کہ شرجیل ڈاکٹر شعیب کو اپنا حقیقی باپ سمجھتا ہے۔ اپنی ناکامی کا بدلہ لینے کے لئے شرجیل کے کان بھرنے کو ان کا لندن آکر بچوں سے ان کے اسکول میں چوری چھپے مل لینا کوئی بعید از امکان بات نہ تھی۔

میرا وہم مجھے کہاں کہاں دوڑا رہا تھا! میری آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے۔

"مم! آپ کے آنسو اس آگ کو نہیں بجھا سکتے جس نے میرے ڈیڈی کو جلا ڈالا ہے...... مجھے آپ سے نفرت ہے، اگر آپ نے اپنی ممی سے لڑائی نہ کی ہوتی تو شاید آگ نہ لگی ہوتی اور میرے ڈیڈی زندہ رہتے۔ آپ نے...... آپ نے ان کو مار ڈالا...... آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا......" اس نے انگلی سے بستر پر اوندھی پڑی ڈاکٹر شعیب کی تصویر کی طرف تحقیر سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے ڈیڈی کی تصویر نہیں تھی مگر آپ مجھے ہمیشہ یہ بتاتی رہیں کہ یہی میرے ڈیڈی تھے...... مجھے اس تصویر سے نفرت ہے [illegible] کیوں بولا؟ کیوں بولا؟" ہذیانی انداز میں چلاتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں نے ڈاکٹر شعیب کی تصویر اٹھا کر اپنے دائیں پہلو کی آڑ میں رکھ لی اور رونے لگی۔

ذرا ہی دیر بعد راحیل یہ پوچھتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ "مم! آپ نے بڑی موٹر تو نہیں دیکھی؟" اور مجھے روتا پاکر ٹھٹک گیا۔

"کیا ہوا مم؟" اس کے لہجہ سے تشویش عیاں تھی۔

میرے لبوں پر لرزش سی طاری ہو گئی۔

راحیل نے عقبی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے یاسمین کو پکارا اور بولا۔ "تم وہیں رہنا میں ابھی آتا ہوں۔" پھر وہ میری جانب بڑھ آیا اور اس نے میرے نزدیک بیٹھ کر میرے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے بڑی محبت اور دلسوزی سے پوچھا۔ "کیا بات ہوئی مم؟"

"بیٹا!" میں نے کہا۔ "شجی بہت الجھا ہوا ہے......... ہمارا کوئی بد خواہ اسے مجھ سے بد گمان کرنا چاہتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

میں نے چونک کر راحیل کی طرف دیکھا اور بے ساختہ کہا۔ "کیا تمہاری دادی جان ایسا کر رہی ہیں۔"

راحیل کے لبوں پر بڑی مدبرانہ سی مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے پُر یقین لہجے میں کہا "نہیں مم' میری دادی ایسی کم ظرف نہیں ہیں۔ ان کے اور آپ کے درمیان تعلقات کتنے ہی ناخوشگوار کیوں نہ سہی' وہ شجی کو آپ سے بد گمان کرنے کی ذلیل حرکت ہرگز نہیں کر سکتیں۔ انہیں ایسی گری ہوئی حرکت کرنا ہوتی تو وہ شرجیل کے بجائے مجھ کو آپ سے بد گمان کرنے کی کوشش کرتیں کیونکہ اس گھر میں ان کی تمام تر دلچسپی کا مرکز میں ہی ہوں۔ وہ تو اپنے ہر خط میں مجھے آپ کا اور انکل کا ادب کرنے اور آپ دونوں کی ہر بات ماننے کی تلقین کیا کرتی ہیں۔"

راحیل نے اپنی دادی کا دفاع اتنے پُر زور طریقے سے کیا کہ میں شرمندہ سی ہو گئی۔

"مم! چند دنوں سے شجی مجھ سے بھی بہت الٹی سیدھی اور عجیب و غریب باتیں کر رہا ہے۔" راحیل نے کہا۔

"مثلاً؟"

راحیل ... سر اٹھا

"بیٹا! ہچکچاؤ مت۔ جو بھی بات ہے بتا دو۔"

"آپ سنیں گی تو آپ کو افسوس ہو گا۔"

"مجھ میں دُکھ سہنے کا حوصلہ ہے بیٹے۔" کچھ دیر توقف کیا پھر میں نے ایک سرد آہ کھینچتے ہوئے دلگیر لہجے میں کہا۔ "تمہاری ماں نے دکھ کے سات سمندر پار کر رکھے ہیں بیٹا۔"

"مجھے معلوم ہے مم۔"

میں نے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "کیا معلوم ہے؟" میں نے پوچھا۔

راحیل بتاؤں یا نہ بتاؤں والی کیفیت سے دوچار ہو گیا۔

"بتا دو بیٹا اور یقین رکھو کہ تمہاری ماں بڑے سے بڑا دکھ سہنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں مم کہ........." وہ ہچکچایا پھر میری نگاہوں سے حوصلہ پا کر بولا۔ "آپ

... ڈیڈی کے مرنے کے بعد آپ کی ممی آپ کو اپنے والدین کے گھر لے گئی تھیں جو ... امیر تھے۔ وہاں انہوں نے آپ کو اور آپ کے بہن بھائیوں کو ایک کمرے میں بند ... دیا تھا......... جس کا زینہ اوپر بالا خانے میں کھلتا تھا۔ انہوں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ ... ہی ان کے والد انہیں معاف کر دیں گے اور ان کے ساتھ آپ چاروں کو بھی قبول ... نے پر آمادہ ہو جائیں گے تو وہ آپ چاروں کو وہاں سے نکال لے جائیں گی۔ مگر انہوں ... ایسا نہیں کیا بلکہ تین سال' چار ماہ اور سولہ دن تک وہ آپ کو بہانے بہانے سے ٹالتی ... ہیں۔"

میں مبہوت و متحیر یہ سب کچھ سن رہی تھی۔

"آپ کی نانی آپ کو صبح سویرے چوری چھپے دن بھر کا کھانا پہنچا جاتیں جو بے حد ... پھیکا ہوتا۔ وہ آپ لوگوں پر بہت زیادہ سختی کرتیں۔ کھڑکیوں پر پڑے پردے تک ... نے کی اجازت نہ تھی۔ ایک مرتبہ انکل نے ایسا کر لیا تو آپ کی نانی نے انہیں سخت ... دی۔ آپ کی ممی نے دوسری شادی کر لی تھی اور انہیں آپ لوگوں کی ذرا بھی پروا نہ ... تھی۔ وہ آپ کے لئے قیمتی تحائف ضرور لاتیں مگر اس قید خانے میں آپ کو ان میں ... دلچسپی محسوس نہ ہوتی۔ آپ اکثر اپنی ممی سے الجھ پڑتیں کیونکہ تازہ ہوا' دھوپ اور ... متوازن خوراک کی عدم دستیابی کی وجہ سے آپ کے چھوٹے بھائی بہن بیمار رہنے لگے تھے ... اور آپ کی اور انکل کی صحت بھی متاثر ہو رہی تھی۔"

میں دم بخود بیٹھی تھی۔

راحیل نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ایک مرتبہ آپ کی نانی نے آپ ... لوں کا کھانا بند کر دیا۔ تو آپ لوگ مرے ہوئے چوہے کھانے کی تیاری کر بیٹھے تھے۔" ... راحیل نے جھرجھری لی۔ "پھر اسی قید خانے میں آپ کے چھوٹے بھائی اتنے بیمار ہو گئے ... ایک رات آپ کی ممی اور نانی انہیں رات کی تاریکی میں اسپتال لے گئیں اور وہاں وہ ... مر گئے۔ ان کی موت کے بعد آپ نے اور انکل نے اپنی چھوٹی بہن کو بچانے کے لئے ... وہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ بنایا۔ انکل نے عقل سے کام لیتے ہوئے اس قید خانے کا ... دروازہ کھولنے کے لئے آپ کی ممی کی چابی چرا کر لکڑی کی چابی بنائی اور اپنی ممی کے کمرے ... سے پیسے چوری کرنے کے لئے راتوں کو کمرے سے باہر نکلنے لگے پھر جب ایک رات ... انہیں گھر کے ملازموں کی باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کی ممی اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے یورپ جا چکی تھیں اور آپ لوگوں کو چوہوں کی کثرت کے ... بہانے زہر دیا جا رہا تھا تو آپ لوگ وہاں سے نکل بھاگے۔ ریل گاڑی کے سفر کے دوران

آپ کی ملاقات ڈاکٹر شعیب نامی ایک ڈاکٹر کی ملازمہ سے ہوئی اور آپ لوگ ان کے گھر جا پہنچے۔ انہوں نے آپ تینوں بھائی بہنوں کو پناہ دی اور آپ لوگوں کو دیئے جانے والے زہر کے اثرات زائل کرنے کے لئے آپ تینوں بھائی بہنوں کا علاج کروایا۔ پھر انہوں نے آپ تینوں کو قانونی طور پر اپنی سرپرستی میں لے لیا اور ان کا گھر آپ کا گھر بن گیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ آپ لوگوں کے آجانے سے ان کے سنسان گھر میں' جو ان کی بیوی اور بیٹی کی حادثاتی موت سے ویران ہوگیا تھا بہار آگئی تھی۔ انہوں نے آپ تینوں کو پڑھایا لکھایا۔ اس دوران آپ اپنی ممی کو گمنام خطوط لکھتی رہیں پھر آپ ٹی وی آرٹسٹ بن گئیں اور آپ کی ملاقات میرے ڈیڈی سے ہوئی۔"

اب مجھ سے برداشت نہ ہوسکا۔

"یہ سب کچھ تمہیں کس نے بتایا؟"

"اگر میں آپ کو سچ سچ بتادوں تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گی مجھ سے؟"

"بیٹا!" میں نے راحیل کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "شجی کو یہی تو شکایت ہے مجھ سے کہ میں تم سے بہت کم ناراض کیوں ہوتی ہوں۔"

وہ دھیرے سے مسکرادیا پھر اس نے سر جھکا کر قدرے شرمندگی سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے مم کہ میں نے آپ کی اجازت کے بغیر وہ ناول پڑھ ڈالا جو آپ غالباً راتوں کو جاگ جاگ کر لکھتی ہیں۔"

"کب؟ کب پڑھا تم نے؟"

"جب آپ دوسری مرتبہ اسپتال میں داخل ہوئی تھیں۔"

"دراز کی چابی تمہیں کہاں سے ملی؟"

راحیل کے لبوں پر خفت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولا۔

"قفل تو چابیوں کے بغیر بھی کھل جایا کرتے ہیں مم۔"

میں اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔

"مم! آپ بہت المیہ اور متاثر کن کہانی لکھ رہی ہیں۔ چھپ گئی تو تہلکہ مچا دے گی۔"

میں نے ایک سرد آہ کھینچی۔

"مم! یہ داستان مکمل کب تک ہوگی؟" اس نے انتہائی اشتیاق سے پوچھا۔

"بیٹا! یہ داستان تو میری موت پر ہی مکمل ہوگی۔"

"ایسی بات نہ کریں۔"

"یہ حقیقت ہے بیٹا۔" میں نے کہا۔ "زندگی موت پر ختم ہوتی ہے اور یہ داستان چونکہ میرے زندگی کی داستان ہے اس لئے میری موت پر ہی ختم ہوگی۔" یہ کہتے ہوئے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ راحیل مجھے ہمدردانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"خیر........ اب تم یہ بتاؤ کہ شجی تم سے کس قسم کی باتیں کرتا رہا ہے؟"

راحیل کچھ ہچکچایا پھر بولا۔ "مم! اس کے ذہن میں یہ بات پوری شدت سے بٹھادی گئی ہے کہ عورتیں ناقابلِ اعتبار ہوتی ہیں۔ بالخصوص خوب صورت عورتوں کے بارے میں اس کے ذہن میں یہ بات جم چکی ہے کہ خوب صورت عورتیں نہ اپنے شوہروں کی وفادار ہوتی ہیں نہ اپنی اولاد کی۔ انہیں صرف اور صرف دولت اور اپنے عیش و عشرت سے غرض ہوتی ہے اور بس۔ ان کے نزدیک ساری اہمیت اپنی ذات کی ہوتی ہے۔ وہ عورت کے ہر روپ سے بدظن ہوا جارہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ عورت اپنے ہر روپ میں یعنی خواہ ماں ہو یا بہن' بیوی ہو یا بیٹی ناقابلِ بھروسا اور قابلِ نفرت ہوتی ہے۔ اسے عورت ذات سے اس حد تک متنفر کردیا گیا ہے کہ وہ........ مم! وہ آپ کو بھی ناقابلِ اعتبار سمجھنے لگا ہے۔ وہ کہتا ہے۔"

ہاں کیا کہتا ہے؟"

"وہ عجیب و غریب فسانہ طرازیاں کرنے لگا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ڈاکٹر اس کے اصل ڈیڈی نہیں تھے بلکہ اس کے اصل ڈیڈی کوئی اور تھے۔ دو روز قبل ہی اس نے مجھے ایک اجنبی شخص کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اس کے اصل ڈیڈی کی تصویر تھی۔"

"تصویر!" میں چونکی۔

"جی ہاں!" یہ کہتے ہوئے راحیل میرے پاس سے اٹھا اور اس نے کمرے کے دائیں غربی گوشے میں جاکر فرش پر بچھے قالین کا کنارہ اٹھا کر قالین کے نیچے سے ایک تصویر نکالی اور میرے نزدیک آکر تصویر مجھے دکھاتے ہوئے بولا۔ "مم! یہ ہے وہ تصویر جس کے بارے میں شجی کا خیال ہے کہ یہ اس کے اصل ڈیڈی کی تصویر ہے۔"

میں دم بخود رہ گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے ستارے ناچنے لگے۔ کانوں میں سنسناہٹیں تیرنے لگیں۔ رگوں میں خون منجمد سا ہوتا محسوس ہوا۔ وہ تصویر علی ضیاء کی تھی۔

خدایا! یہ تصویر کہاں سے آئی تھی؟

علی ضیاء کی جو تصویر راحیل مجھے دکھا رہا تھا وہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ پاکستان سے انگلستان آتے وقت میں علی ضیاء کی تمام تصویریں جو میرے پاس تھیں'

تلف کر آئی تھی۔ مگر علی ضیاء کی یہ تصویر تو ان تصویروں میں بھی شامل نہ تھی۔ یہ تو میں خود بھی پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی! کہاں سے آئی تھی یہ تصویر شرجیل کے پاس؟ اور کس نے دی تھی اُسے یہ تصویر؟ میرا ذہن پھر راحیل کی دادی کی طرف لپکا! کہیں ایسا تو نہیں کہ ممی ان سے ملی ہوں!

خدایا! میں تو علی ضیاء سے وابستہ اپنا ماضی ہزاروں میل دور چھوڑ آئی تھی۔ کیا میرا ماضی بھوت پریت بن کر مجھے ڈرانے سمندر پار آپہنچا تھا۔ کچھ دیر کو تو میں گنگ رہ گئی پھر میں نے ہمت کرکے پوچھا۔ "شجی کے پاس یہ تصویر آئی کہاں سے؟ اور کون اس کے ذہن میں الٹی سیدھی باتیں بٹھا رہا ہے؟"

"ہمسایوں کا نوکر۔" راحیل بولا۔

میں اچھل ہی تو پڑی۔

"کیا کہا' ہمسایوں کا نوکر؟"

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔ "اسی نے شجی کو یہ تصویر دی تھی اور وہی اس سے الٹی سیدھی اور فضول باتیں کیا کرتا ہے۔"

"تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟"

"مجھے افسوس ہے مم!" راحیل نے سرجھکا کر شرمندگی سے کہا۔ "میں آپ کو پہلے یہ بات اس لئے نہیں بتا سکا کہ شجی نے مجھ سے رازداری برتنے کا وعدہ لے رکھا تھا اور اسے ہمسایوں کے نوکر نے رازداری برتنے کا پابند کر رکھا ہے۔" راحیل نے توقف کیا پھر بولا۔ "لیکن مم' میں کافی دنوں سے آپ سے بار بار کہہ تو رہا تھا کہ شجی کو برابر والوں کے نوکر سے زیادہ دوستی بڑھانے سے منع کریں۔"

"میں نے اسے کئی مرتبہ تنبیہہ کی مگر اس نے کان نہیں دھرا تم منع کرتے تو شاید مان جاتا۔"

"نہیں بلکہ شاید وہ مجھ سے بھی رازداری برتنا شروع کردیتا۔ اس بڈھے نے تو لگتا ہے اس پر جادو کردیا ہے۔ نہ جانے کیا کیا جھوٹے سچے قصے سنائے ہیں اس نے شجی کو۔"

خدایا! وہ بڈھا تھا کون؟

اس کے پاس علی ضیاء کی تصویر کہاں سے آئی تھی؟ اسے ہمارے نجی حالات کیونکر معلوم تھے؟

اوہ! وہ یقیناً ممی کا کوئی کارندہ تھا جو ہماری ہمسائی کے نوکر کے روپ میں ہمارے پڑوس میں آبسا تھا۔ ممی' آپ ہمیں سکون سے جینے دیں گی یا نہیں؟' میں نے جبڑے بھینچتے

ہوئے جی ہی جی میں سوچا۔ مجھ پر ہیجان سا طاری ہو رہا تھا۔

میرا بس نہ تھا کہ میں کمرے کی کھڑکی ہی سے ہمسائی کے گھر میں چھلانگ لگاتی اور ہمسائی کے بڈھے نوکر کو ملیا میٹ کر ڈالتی۔ اس کے چیتھڑے بکھیر دیتی۔

ممی نے اپنے باپ کی سی بد فطرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جیسے انھوں نے پندرہ برس تک ہمی کے پیچھے اپنے کارندے لگائے رکھے تھے۔ اسی طرح ممی نے بھی ہم پر گھات لگادی تھی۔

"مم! یہ پکی بات ہے کہ برابر والوں کا نوکر ہے آپ کا کوئی دشمن ہی۔" راحیل نے کہا۔ "وہ شجی کو آپ سے متنفر کرنا چاہتا ہے۔ اس بدبخت نے شجی کے ذہن میں یہ بات بھی بٹھادی ہے کہ اس کے ڈیڈی کی موت کی ذمہ دار آپ تھیں........ اور یہی نہیں بلکہ اس خبیث نے تو شجی سے یہ تک کہا ہے کہ تمہارے بھائی راحیل کے باپ کی موت کی ذمہ دار بھی........"

"تمہاری ممی ہیں۔" میں نے راحیل کا جملہ مکمل کرکے اس کی مشکل آسان کردی۔

راحیل حیرانی سے میرا منہ تکنے لگا۔

"تم نے اس کی بات کا اعتبار کرلیا؟" میں رو دینے کو تھی۔

"اگر کر بھی لیتا تو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا۔" اس نے توقف کیا پھر بولا۔ "مم! آپ کی داستانِ حیات کا جو حصہ میں نے پڑھا ہے اس کے بعد میں آپ کے ہر اقدام کو درست سمجھوں گا۔" راحیل کے لہجے میں یقین کی چاشنی تھی۔ لحظہ بھر کی خاموشی کے بعد اس نے مزید کہا۔ "انکل کی لائبریری میں ایک کتاب ہے جس میں لکھا ہے کہ جب بھوک سے مرجانے کا اندیشہ ہو تو مردار بھی کھانا جائز ہے۔ دوسری بات یہ ہے مم کہ مجھے آپ پر پورا یقین' پورا بھروسا ہے کہ آپ نے جو کچھ بھی کیا ہوگا یا کریں گی' وہ درست ہی ہوگا۔"

نوجوانی کی منزل سے ہمکنار ہوتے میرے بیٹے کو مجھ پر کس درجہ اعتماد تھا! احساسِ تشکر سے میری آنکھیں بھیگ گئیں۔

میں اس غیر متوقع افتاد سے بھیا کو آگاہ کرنے کے لئے انھیں فون کرنے کو اٹھنے لگی تو راحیل نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ایک بات پوچھوں مم؟"

"ہاں پوچھو!" میں تھم گئی۔

"مم! شجی کے اصل ڈیڈی۔" اس نے علی ضیاء کی تصویر دوبارہ میری نظروں کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "یہی تھے یا.......؟" اس کی نظر شرجیل کی سائیڈ بورڈ کی جانب اٹھی اور وہ اپنا سوال ادھورا چھوڑتے ہوئے چونک کر بولا۔ "ارے! ڈاکٹر ڈیڈی کی تصویر کہاں گئی؟"

"یہ رہی۔" میں نے گردن موڑ کر اپنے دائیں پہلو کی آڑ میں دیکھا۔ "شجی اسے نیچے پر پھینک گیا تھا۔"

"مم! شجی کے....... اصل ڈیڈی کون تھے؟"

میں تذبذب میں پڑ گئی تھی پھر میں نے گردن کے اشارے سے کہا۔

"یہ جن کی تصویر تمہارے ہاتھ میں ہے۔" راحیل نے چونک کر مجھے دیکھا مگر میں مطمئن تھی کہ میں نے جھوٹ بول کر اس کے اعتماد کو مجروح نہیں کیا تھا! ذرا ہی دیر بعد میرے اس اطمینان کا عکس راحیل کے چہرے پر بھی ہلکورے لیتا دکھائی دے رہا تھا!

میں نے اپنی آڑ میں دھری ڈاکٹر شعیب کی تصویر دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنی نگاہیں انتہائیں عقیدت اور احترام سے اس تصویر پر مرکوز کرتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر شعیب، شجی کے ڈیڈی نہیں تھے مگر ہمارے بہت بڑے محسن تھے!"

میں نے فون پر بھیا سے بہت کرنا چاہی تو معلوم ہوا کہ وہ آپریشن تھیٹر میں تھے۔ ناچار مجھے یہ قصہ بھیا کے علم میں لانے کا ارادہ شام کو ان کی واپسی تک اٹھار کھنا پڑا۔ حالانکہ [illegible] شرجیل کی [illegible] تو پتا چلا کہ وہ باغیچے میں منہ پھیلائے بیٹھا تھا۔ میری ہمت نہ ہوئی کہ اسے جاکر مناؤں اور سمجھاؤں بجھاؤں۔ بھلا کیا کہتی میں اس سے؟ مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے میں نے اسے چھو بھی لیا تو بھسم ہو کر رہ جاؤں گی۔

بچوں سے بڑوں کا اور اولاد سے والدین کا جھوٹ بول دینا تو آسان ہے مگر اس جھوٹ کی پول کھل جانے کے بعد ان کا سامنا کرنا کس قدر مشکل ہے، اس کا اندازہ مجھے اسی دن ہوا! دوپہر کو جب شرجیل کھانے کے لئے میز پر بیٹھا تو میں اس سے نہ نظریں ملا پائی، نہ ہم کلام ہونے کی ہمت کر سکی۔

دن بھر میری نظریں بار بار ہمسائی کے گھر کی طرف اٹھتی رہیں۔ شام کو جب میں کچن میں رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی، میری نظر کچن کی کھلی کھڑکی سے ہمسائی کے باغیچے میں ہمسائی کے ملازم اور شرجیل پر پڑی۔ سیب کے درخت کے نیچے بیٹھے وہ دونوں بڑے رازدارانہ انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ شرجیل سے باتیں کرتے ہوئے وہ شخص بار بار ادھر اُدھر دیکھتے لگتا مجھے یوں لگا جیسے وہ بدبخت شرجیل کو میرے ہی خلاف

بھڑکا رہا تھا۔ میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ کچن میں کام ادھورا چھوڑ کر میں کچن سے نکل آئی۔ اپنے کمرے میں جاکر انتہائی عجلت میں لباس تبدیل کیا۔ بال سنوارے گالوں پر بلش آن کا پھریرا پھیرا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک کی تہہ جمائی۔ چپلیں اتار کر جوتے پہنے۔ کوٹ پہنا اور اپنا پرس اٹھا کر کمرے سے نکل آئی۔ باہر نکل کر میں نے راحیل کو پکارا۔ وہ لپکا ہوا آیا۔

"بیٹا! میں ذرا برابر والوں کے ہاں جارہی ہوں۔ چاول چولہے پر دم کے لئے رکھے ہیں۔ بہن کا خیال رکھنا۔ اسے باورچی خانے میں مت جانے دینا اور اگر مجھے کچھ دیر ہو جائے تو تم چولہا بجھا دینا۔"

"مم! کیا آپ بڑے میاں سے جھگڑنے جارہی ہیں؟" راحیل نے تشویش سے پوچھا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتی کہ کیا کروں۔"

"احتیاط رکھئے گا مم!"

"تم فکر مت کرو!"

"مم! آپ ذرا احتیاط رکھئے گا۔ شجی بتارہا تھا کہ بڑے میاں بظاہر تو نوکر ہیں اور دوسروں کے سامنے اپنی مالکن سے بہت تمیزداری اور عاجزی کا رویہ رکھتے ہیں لیکن در حقیقت وہ بہت ہی بدتمیز آدمی ہے اور اپنی مالکن سے اکثر الجھتا رہتا ہے وہ اس سے دبتی بھی بہت ہیں۔"

"بے چاری کی تنہائی اور بے سہارگی کا فائدہ اٹھاتا ہوگا۔"

"تنہائی کہہ لیں یا بے بسی کہہ لیں بہرحال وہ ان کی کسی نہ کسی کمزوری کا فائدہ ضرور اٹھاتا ہے اور....... نمک حرام بھی ہے۔"

"اچھا! وہ کیسے؟"

"کچھ عرصے سے وہ شجی سے اپنی مالکن کی برائیاں بھی کرنے لگا ہے۔ چپکے چپکے اسے ورغلاتا ہے کہ وہ ان کے پاس زیادہ وقت نہ گزارا کرے۔ یہی وجہ ہے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ اب شجی پہلے کی طرح خاتون کے بارے میں سارا وقت قصیدے نہیں پڑھتا۔"

"ہاں یہ تبدیلی تو میں نے نوٹ کی ہے۔ اچھا بیٹا! اب مجھے جانے دو اور ہاں چولہا بجھا دینا تقریباً پانچ منٹ بعد۔"

"مم! آپ بڑے میاں سے زیادہ مت الجھئے گا۔"

"بیٹا! تم اطمینان رکھو۔ میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ اس معمولی حیثیت کے

آدمی سے الجھوں گی۔ میں تو ہمسائی سے ملاقات کے بہانے ان سے یہ کہنے جا رہی ہوں کہ جب شرجیل ان کے ہاں جائے تو وہ اسے اپنے نوکروں سے زیادہ بے تکلف نہ ہونے دیں اور ذرا یہ دیکھوں گی کہ آخر اس بڈھے کا پچھلا سیاق و سباق کیا ہے؟"

"ذرا احتیاط سے مم۔" راحیل کے لہجے میں تشویش جھلک رہی تھی۔

"گھبراؤ مت جان۔" میں نے اسے بصد محبت دیکھتے ہوئے کہا۔

راحیل مجھ سے کتنا پیار کرتا تھا اور کتنا خیال رہتا تھا اسے میرا۔

☆------☆------☆

اطلاعی گھنٹی بجانے پر ہمسائی کی ملازمہ نے دروزاہ کھولا اور مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں شناسائی کی لہریں ابھریں۔ "آپ کو میں نے دور دور سے دیکھا ہے۔ آپ شرجیل باؤ کی امی جی ہو نا؟" اس نے کہا۔

"ہاں۔"

"اندر آجائیں جی۔"

دیارِ غیر میں دیسی زبان سننا مجھے بڑا فرحت انگیز لگا۔

ملازمہ نے مجھے انتہائی نفاست سے آراستہ بیٹھک میں بٹھانے کے بعد کہا۔ "آپ بیٹھیں میں سرکار کو اطلاع کرتی ہوں۔"

ملازمہ کے جانے کے بعد میں نے آراستہ وپیراستہ بیٹھک کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ قالین، پردے، فرنیچر، آرائش [illegible] نوادرات اور نقاشی [illegible] لیونڈر کی مہک نے مجھے ممی کی یاد دلا دی۔ ہمسائی کا ذوقِ انتخاب بھی ممی کے ذوق سے کس قدر ہم آہنگ تھا!

ذرا دیر بعد ملازمہ نے واپس آکر بتایا کہ اس کی مالکن غسل کرنے میں مصروف تھیں۔ مجھے کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ میرا ذہن مستقل شرجیل کی طرف لگا ہوا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں اسے ہمسائی کے ہاں سے کھینچ کر لے جاتی مگر مصلحت مانع تھی۔ مجھے خاصی دیر انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران ملازمہ نے کافی میرے سامنے لا رکھی۔ تقریباً نصف گھنٹے بعد ملازمہ مجھے اپنی مالکن کے پاس لے جانے کو پہنچی، میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

ملازمہ مجھے راہداری سے گزار کر ایک زینے تک لے گئی۔ زینے سے ہم اوپر پہنچے پھر ایک راہداری سے گزرتے ہوئے ایک کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے۔

خدایا! اس گھر کی ہر شے مجھے ممی کی یاد کیوں دلا رہی تھی! کیوں؟

ملازمہ نے کمرے کا دروازہ کھول کر مجھے اندر داخل ہوجانے کا اشارہ دیا۔ میں کمرے میں داخل ہوگئی۔ ملازمہ باہر رہی اور اس نے دروازہ بند کردیا۔

کمرے میں داخل ہو کر میں نے دیکھا وہ ایک شاہانہ خواب گاہ تھی اور لیونڈر کی مہک میں ڈوبی پڑی تھی۔ مجھے یاد آیا جب میں ایک ڈرامے میں مفلوج عورت کا کردار ادا کرنے کے لئے کسی حقیقی مفلوج کردار کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرنے کے بہانے علی ضیاء کے ہمراہ نانی جان کے ہاں پہنچی تھی تو اس شب ممی کی خوابگاہ بھی کچھ اسی طرح لیونڈر کی مہک میں ڈوبی ہوئی تھی اور علی ضیاء نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی بیگم کا نوکروں کو فرمان تھا کہ خواہ وہ اس گھر میں موجود ہوں یا نہ ہو، ملتان میں ہوں یا ملتان سے باہر، ان کے کمرے میں بلا ناغہ لیونڈر کی خوشبو کا چھڑکاؤ کیا جائے!

لیونڈر کی خوشبو سے تو ممی کو گویا عشق تھا۔ جن دنوں ہمارے ڈیڈی حیات ہوا کرتے تھے ان دنوں بھی وہ اپنے کمرے میں ہر شام لیونڈر کا چھڑکاؤ ضرور کرتیں اور اپنے آبِ غسل میں لیونڈر واٹر شامل کرنا نہ بھولتیں۔

بیٹھک کی طرح اس خواب گاہ کی آرائش بھی ممی کے ذوقِ انتخاب سے حیرت انگیز طور پر میل کھا رہی تھی! میری نگاہیں اس نیم تاریک خواب گاہ میں ایک آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی ہمسائی پر جا تھمیں۔ وہ سرتاپا چغے میں ملبوس تھیں، ان کے ہاتھوں کی انگلیوں میں بیش قیمت و مرصع انگوٹھیاں تھیں۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا اور چشمے کے سوا باقی سارا چہرہ دبیز سیاہ نقاب کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ استقبال کو اٹھیں اور انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر خوب تھپکا۔

میں نے اپنا تعارف کرایا۔

انہوں نے پُرجوش انداز میں گردن ہلائی اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ دیا۔ میں ان کی شاہانہ خواب گاہ کا جائزہ لیتی ہوئی دیوان پر ٹک گئی۔

کیا ٹھاٹ تھے خاتون کے!

میری نقاب پوش ہمسائی نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ بورڈ کی دراز کھولی۔ اس میں سے ایک لیٹر پیڈ اور قلم نکالا، لیٹر پیڈ کھول کر پہلے صفحے پر قلم سے کچھ لکھنے لگیں۔ ان کے ہاتھوں کی لرزش سے مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ رعشے کی مریضہ تھیں۔ میری توجہ ان کی انگوٹھیوں پر مرکوز تھی۔ زیورات کے انتخاب میں بھی ان کا ذوق بالکل ممی سے ملتا جلتا تھا۔ قیمتی پتھروں اور نگاہوں کو خیرہ کرتے نگینوں سے مرصع انگوٹھیاں ممی کا پسندیدہ زیور ہوا کرتی تھیں۔ بسا اوقات تو وہ ایک ایک انگلی میں آگے پیچھے دو دو تین تین انگوٹھیاں اسی طرح پہنا کرتی تھیں جیسے ہمسائی نے پہن رکھی تھیں۔ انہوں نے پیڈ پر آہستہ آہستہ کچھ لکھا پھر لیٹر پیڈ میری طرف بڑھا دیا۔ تقریباً چار پانچ سطری تحریر کا متن یہ تھا۔

عزیزہ!

آپ کو اپنے گھر میں دیکھ کر مجھے انتہائی مسرت ہو رہی ہے۔ بد قسمتی سے میرا گلا بری طرح بیٹھا ہوا ہے۔ میں بول نہیں سکتی تاہم آپ کو سننا پسند کروں گی۔ آپ بولیں میں ہمہ تن گوش ہوں اور جب ضرورت پڑی تو قلم کاغذ کا سہارا لوں گی۔ آپ کو دیکھنا میرے لئے ایک پُر مسرت تجربہ ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

میں نے یہ تحریر پڑھنے کے بعد لیٹر پیڈ انہیں واپس کردیا اور کھنکھار کر بولی۔ "میں آپ سے ملنے کی انتہائی آرزو مند تھی مگر بد قسمتی سے یکے بعد دیگرے دو مرتبہ ٹانگ ٹوٹنے کے باعث نہ آسکی۔" انہوں نے ہاتھوں اور گردن کے اشارے سے پوچھا۔

"اب تو بالکل ٹھیک ہو نا؟"

"جی ہاں' خدا کا شکر ہے۔"

"میرا بیٹا شرجیل آپ سے بہت پیار کرتا ہے۔"

انہوں نے اشاروں میں کہا۔ "میں بھی اس سے بہت پیار کرتی ہوں۔"

"کیا میں آپ کا اسم گرامی جان سکتی ہوں؟"

انہوں نے لیٹر پیڈ پر پھر کچھ لکھا اور میری جانب بڑھا دیا۔ انہوں نے لکھا تھا۔

نام میں کیا رکھا ہے میری جان؟ ساری اہمیت انسانوں اور رشتوں کی ہوتی ہے۔ شرجیل مجھے گرینی کہتا ہے۔ تم چاہو تو ممی کہہ سکتی ہو۔

میں نے ایک نظر میں ان کی یہ تحریر پڑھ ڈالی۔

ن!

ممی ہی کیوں؟

آنٹی کیوں نہیں؟

میں انہیں آنٹی بھی تو کہہ سکتی تھی۔

میں نے لیٹر پیڈ انہیں واپس دیتے ہوئے ان کی جانب دیکھا ان کا چہرہ زیر نقاب تھا۔ ان کی آنکھیں گہرے سیاہ شیشوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھیں۔ ان کی آواز بند تھی۔ انہیں سننا ناممکن اور دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر تھا۔ اپنی خواب گاہ میں اُن کا اس قدر ڈھکا چھپا ہونا معنی خیز بلکہ پُراسراریت کا موجب تھا۔

ان کا نام معلوم کرنے کا معاملہ مجھے اس خیال سے موخر کرنا پڑا کہ انہیں پھر قلم اور کاغذ کا سہارا لینا پڑتا اور ان کی سست نویسی مجھے کوفت سے دوچار کردیتی۔

"میں نے سنا ہے آپ عرب سے آئی ہیں؟"

انہوں نے اثبات میں سرہلا دیا۔

"کیا آپ ہمیشہ اسی طرح باپردہ رہتی ہیں؟"

انہوں نے پھر اثبات میں سرہلا دیا اور ایک مرتبہ پھر لیٹر پیڈ پر کچھ لکھنے لگیں۔ میں نے غور کیا' ان کے ہاتھوں میں پہلے کی طرح لرزش نہ تھی۔ وہ لکھ ہی رہی تھیں کہ دروازہ آہستگی سے کھلا اور ملازمہ اشیائے خوردونوش سے لدی ٹرالی دھکیلتی اندر داخل ہوئی۔ ہمسائی نے لکھتے لکھتے توقف کیا' ملازمہ کی طرف توجہ کی پھر قلم کے اشارے سے اسے سمجھایا کہ وہ جاسکتی ہے۔

ملازمہ کے جانے کے بعد انہوں نے دوبارہ لکھنے پر توجہ کی' ایک آدھ لفظ اور لکھا پھر لیٹر پیڈ میری طرف بڑھا دیا انہوں نے لکھا تھا۔

ہمارے قبیلے کے دستور کے مطابق ہر بیوہ عورت کو تاعمر اسی طرح باپردہ رہنا پڑتا ہے۔ بیوہ ہونے کے بعد وہ اپنی اولاد تک سے پردہ کرتی ہے۔

اولاد سے بھی پردہ! مجھے خاصا تعجب ہوا۔

خدایا! وہ عرب کے ایسے کون سے قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں جس کے ہاں خاتون اپنی اولاد تک سے پردہ کرنے کی پابند ہو!

وہ میری خاطر مدارات کو اٹھیں مگر میں نے ان کی بزرگی اور ناسازی طبع کا لحاظ رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ تکلیف نہ کریں میں لے لوں گی۔"

[illegible]

تھیں۔

"آپ چائے لیں گی یا کافی؟"

"کچھ نہیں۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا میں نے اپنے لئے کافی بنائی اور دوبارہ دیوان پر جا بیٹھی۔ انہوں نے اشارے سے مجھے کچھ کھانے کی ترغیب دینا چاہی۔

"نہیں بس' کافی پیوں گی۔"

"کچھ تو۔" انہوں نے اشارے سے اصرار کیا۔

ان کے اصرار کے پیش نظر مجھے اٹھ کر ایک بسکٹ لینا پڑا۔

"آپ کے ملازم تو غالباً پاکستانی ہیں؟"

انہوں نے اثبات میں گردن ہلائی پھر لیٹر پیڈ پر دوبارہ کچھ لکھنے لگیں۔ اس مرتبہ انہوں نے لکھا تھا۔

یہ دونوں میرے بہت پرانے ملازم ہیں۔ میرے مرحوم شوہر جو تاجر تھے' انہیں

برسوں قبل پاکستان سے سعودی عرب لائے تھے۔ تب سے یہ ہمارے ہی پاس ہیں۔ دونوں میاں بیوی ہیں اور بد قسمتی سے لاولد۔

"آپ اردو بول سکتی ہیں؟"

انہوں نے نفی میں گردن ہلائی۔

"سمجھ سکتی ہیں؟"

"تھوڑی تھوڑی۔" انہوں نے اشارے سے بتایا۔

"آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے اور آپ کا ذوقِ انتخاب بہت عمدہ۔"

انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی پیشانی تک لے جا کر خندہ پیشانی سے اس تعریف کا شکریہ ادا کیا میری نظریں ان کی انگوٹھیوں پر تھیں۔

اب میں نے دھیرے دھیرے اپنے مدعا پر آنے کی کوشش کی۔

"آپ کے ہاں میرے آنے سے قبل میرا بیٹا شرجیل حسبِ معمول آپ کے ہاں آیا تھا۔ کافی دیر تو میں آپ کی بیٹھک میں بیٹھی رہی اور اتنی دیر ہو گئی مجھے آپ کے پاس [بیٹھے] مگر شرجیل نظر نہیں آیا۔ حالانکہ میرے حساب سے تو اسے آپ ہی کے پاس ہونا چاہئے۔"

میں نے جان بوجھ کر انہیں یہ بتانے سے گریز کیا تھا کہ میں اپنے گھر سے ان کے ہاں آنے سے قبل شرجیل کو ان کے ملازم کے ساتھ ان کے باغیچے میں سرگوشیاں کرتے دیکھ چکی تھی۔

انہوں نے لیٹر پیڈ اٹھایا اور آہستہ آہستہ قلم چلانے لگیں اس مرتبہ انہوں نے لکھا۔ شرجیل عموماً میرے ہی پاس ہوتا ہے۔ کبھی کبھی میرے ملازم کے ساتھ باغبانی میں لگ جاتا ہے۔ اس وقت بھی اسی کے ساتھ ہو گا۔

"ہاں!" میں نے ان کی تحریر پڑھنے کے بعد کہا۔ "میں نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے شرجیل کو اکثر آپ کے ملازم کے ساتھ دیکھا ہے۔" میں نے توقف کیا پھر بولی۔ "معاف کیجئے گا میں اپنے بچوں پر ہمہ وقت نظر رکھنے کی قائل ہوں۔ یہاں بڑے بعض اوقات بچوں کا اس قدر بے دردی اور بے رحمی سے استحصال کرتے ہیں کہ وحشت ہوتی ہے۔"

انہوں نے میری بات کی تائید گردن ہلائی۔

"میں شرجیل کو آپ کے ہاں اس اعتماد کے ساتھ بھیجتی ہوں کہ وہ محفوظ ہاتھوں میں رہے گا۔ دراصل شرجیل کچھ الجھی ہوئی طبیعت کا بچہ رہا ہے۔ آپ کے ہاں اس کی

آمدورفت شروع ہونے سے قبل تو وہ ہمارے لئے خاصی پریشانی اور فکر کا باعث بنا ہوا تھا۔ وہ اپنے بھائی راحیل کے مقابلے میں احساسِ کمتری کا شکار تھا۔ اس کا خیال تھا کہ راحیل سے زیادہ پیار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ در حقیقت ایسی کوئی بات نہ تھی۔ ہم شرجیل کو کسی ماہرِ نفسیات کے پاس لے جانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ میری بیٹی یاسمین بیمار پڑ گئی۔ پھر میری ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس دوران آپ ہمارے پڑوس میں آ گئیں۔ شرجیل کی آپ کے ہاں آمدورفت ہو گئی اور وہ آپ سے ایسا مانوس ہوا کہ آپ کی توجہ اور محبت نے اسے ایک اچھا بچہ بنا دیا ہے لیکن کچھ عرصہ سے میں اس کی طرف سے پھر پریشان ہوں۔"

"کیوں؟" انہوں اشارے سے پوچھا۔

"وہ عجیب وغریب قسم کی باتیں کرنے لگا ہے۔ جو میرے لئے خاصی پریشان کن ہیں۔ وہ کچھ عرصے سے اپنے بھائی راحیل سے کچھ اس قسم کی باتیں کرنے لگا ہے جس سے اس کا مجھ سے متنفر ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے ذہن میں عورت کے خلاف نفرت بٹھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس سے یہ کہا جا رہا ہے کہ عورت خواہ ماں کے روپ میں ہو یا بہن کے اپنے ہر روپ میں ناقابلِ اعتبار اور قابلِ نفرت ہوتی ہے اور بھی......... اور بھی بہت کچھ کہا جا رہا ہے۔ اسے میرے خلاف ورغلانے کو!" میرے دل میں ہمسائی کے ملازم کے خلاف پکتا لاوا میری ہزار کوشش برداشت کے باوجود بہہ نکلا اور میں نے کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ آپ کا ملازم کسی خاص مقصد کے تحت میرے بیٹے کو مجھ سے بدگمان کرنے کی کوشش کر [illegible] وہ ہمارے کسی بد خواہ کے ایما پر ایسا کر رہا ہو۔ ذرا آپ اپنے ملازم سے پوچھئے تو سہی کہ وہ کون ہے؟ اور کس کے ایما پر میرے بیٹے کو میرے خلاف ورغلانے کی کوشش کر رہا ہے؟ کیا بگاڑا ہے میں نے اس کا جو وہ میرے بچے کو بگاڑنے کی کوشش کر رہا ہے؟" میں نے توقف کیا اور جارحانہ تیوروں سے بولی۔ "یا مجھے خود بات کرنا پڑے گی آپ کے ملازم سے؟"

"نہیں، آپ کو بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود بات کروں گی۔" انہوں نے اشارے سے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ آئندہ جب شرجیل آپ کے ہاں آئے تو آپ اسے یہاں آنے سے منع کر دیں۔"

"نہیں، میں ایسا نہ کر سکوں گی اور نہ تم ایسا کرنا۔" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

ابھی ذرا دیر پہلے تک وہ مجھ سے تحریر بات چیت کر رہی تھی۔ ان کا گلا بیٹھا ہوا تھا۔

اچانک آواز کیونکر کھل گئی تھی! اور یہ آواز! یہ لہجہ! میرے لئے نامانوس نہ تھا۔

اس آواز کو تو میں قرنوں بعد بھی پہچان سکتی تھی!

اس لہجے کو تو میں ہزار لہجوں میں بھی شناخت کر سکتی تھی!

میں نے گہرے سیاہ شیشوں کے پیچھے ان کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی مگر گہرے شیشوں نے میری اس کوشش کا منہ چڑا دیا۔

"آپ کی آواز میں نے پہلے بھی سنی ہے۔" میں نے کہا۔

وہ ایک جھٹکے سے پیچھے کو ہو گئیں۔

"یہ جو آپ کے ہاتھوں میں کہکشاں' اژدھے اور ساغر کی وضع کی انگوٹھیاں ہیں' آپ کے پاس کہاں سے آئیں؟"

"میں نے بنوائی تھیں۔"

"جھوٹ مت بولئے۔"

"مجھے جھوٹ بولنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟"

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے یہ جھوٹ بولنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ آپ کا گلا بیٹھا ہوا ہے اور آواز بند ہے؟"

وہ خاموش رہیں۔

"اگر میں کہوں کہ یہ انگوٹھیاں آپ نے نہیں بنوائیں بلکہ آپ کو اپنی والدہ کی طرف سے ملی ہیں' تو؟"

انہوں نے بدستور خاموشی پر اکتفا کیا۔

میں نے اپنے اطراف ایک نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "اس گھر میں داخل ہوتے ہی مجھے یوں لگا تھا جیسے وقت الٹی چال چلتا برسوں پیچھے جا کھڑا ہوا ہو۔ اس گھر کی آرائش اور چہار سو بکھری لیوینڈر کی مہک نے مجھے نہ جانے کیا کچھ یاد دلا دیا تھا! اس پر مستزاد آپ کی آواز' آپ کا لہجہ اور آپ کی انگلیوں میں پڑی انگوٹھیوں میں شامل مخصوص وضع کی دو تین انگوٹھیاں جو مجھے اپنی جلاد صفت نانی کی یاد دلا رہی ہیں۔"

میں ان کی کرسی کے اور نزدیک ہو کر جھک گئی۔ "انگوٹھیاں تو اتار دی ہوتیں۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا پھر میں تڑخ کر بولی۔ "میں نے آپ کی آواز تو پہچان لی ہے' کیا آپ چشمہ اتارنا پسند کریں گی؟"

"نہیں!" ان کے لہجے میں انکار کی کم التجا کی کیفیت زیادہ تھی۔ میں نے مزید کچھ کہے سنے بنا ان کے چشمے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کی آنکھوں پر سے چشمہ جھپٹ لیا۔

خدایا! وہی نیلی آنکھیں! وہی ممی کی نیلی نیلی آنکھیں! اور دائیں آنکھ کے نیچے موٹا سا سیاہ تل! میرا شک یقین بن گیا۔

میں کرسی کی پشت کا کنارہ تھام کر ان پر جھک گئی اور میں نے انتہائی تلخی سے کہا۔ "میں نے آپ کو آپ کی آواز اور بے وفا آنکھوں سے پہچان لیا ہے۔ اب چہرے کو چھپائے رکھنا فضول ہے یہ نقاب اتار دیجئے۔"

"نہیں۔" وہ اپنے ہاتھوں کو ملتجی انداز میں افقی حرکت دیتے ہوئے بولیں۔ "خدا کے واسطے مجھ سے نقاب اتارنے کو مت کہو بیٹی۔"

"مجھے بیٹی مت کہئے۔" میں نے بھبک کر کہا۔ "آپ کی زبان سے مجھے اپنے لئے یہ لفظ سننے میں اپنی تضحیک محسوس ہوتی ہے۔"

انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر دھر لئے اور گڑگڑا کر بولیں۔

"میں بیمار ہوں' تم اس وقت یہاں سے چلی جاؤ۔"

"اب تو آپ جو بہانہ نہ گھڑیں کم ہے۔ میں آپ کو اچھی طرح پہچان چکی ہوں اور اب سب کچھ میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ آپ نے شرجیل کو مجھ سے متنفر کر دینے کے لئے اپنے ملازم کو آلہ کار بنایا۔"

"نہیں......... ایسا نہیں ہے۔"

"ایسا ہی ہے۔" میں بھبک کر بولی پھر میں نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔ "آپ ہمیں [illegible]"

میری آنکھوں کے کناروں پر سیلن سی اتر آئی اور میں نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہم تو آپ سے بہت دور چلے آئے تھے اور ہم نے سوچا تھا کہ اپنے بچوں پر اپنے ماضی کی پرچھائیں تک نہیں پڑنے دیں گے مگر آپ......... ہماری پُر سکون زندگی کو بے سکون کرنے کے لئے یہاں بھی آ پہنچیں......... کیوں' کیوں آئی ہیں آپ یہاں؟ کیوں آئی ہیں آپ ہماری پُرسکون زندگی کو تہ و بالا کرنے؟ بتایئے اور کون سا ظلم باقی رہ گیا تھا جو آپ ہم پر اب توڑنے کے لئے آئی ہیں؟"

"ایسا مت کہو۔" وہ گڑگڑائیں۔

"کیوں نہ کہوں؟ کیوں نہ کہوں میں ایسا؟ آپ کی پول کھل گئی ہے۔ میں سمجھ گئی ہوں کہ آپ کس قسم کا گھناؤنا کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر ایک عرب عورت کا بھیس بدل کر آپ اپنے ملازم کے توسط سے ہمیں آزار پہنچانا چاہتی ہیں لیکن سمجھ لیجئے کہ اگر آپ ہمیں آزار پہنچانے اور ہماری پُرسکون زندگی کو درہم

برہم کرنے کے لئے یہ سوانگ بھر سکتی ہیں۔ چوری چھپے ہمارے پڑوس میں آ کر [illegible]
سکتی ہیں تو میں بھی چلا چلا کر یہاں کے لوگوں کو اسی طرح آپ کا اصل چہرہ دکھا سکتی [illegible]
جیسے میں نے اس رات آپ کے اس عید ملن اجتماع میں کیا تھا۔" میں نے لحظہ بھر [illegible]
توقف سے مزید کہا۔ "آپ کا یہ سوانگ آخر کتنے دن چل سکتا تھا؟ کتنے دن تک آپ [illegible]
اصلی چہرہ سیاہ نقاب کے پیچھے چھپا سکتیں تھیں؟ کتنے عرصے تک آپ ایک عرب عورت [illegible]
روپ دھار کر ہمیں دھوکا دے سکتی تھیں؟ آخر کب تک اپنے نوکر کے توسط سے شرجیل
کے معصوم ذہن سے کھیل سکتی تھیں؟"

ان کی نیلی آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے۔

مجھے یوں لگا جیسے میں آج بھی اُسی زنداں میں بند ہوں اور ممی اپنے آنسوؤں [illegible]
ہمیں متاثر کرنے کی کوشش کر رہی ہیں مگر میں نہ تب موم ہوئی تھی نہ اب ہوئی۔

"آپ سمجھتی ہیں کہ آپ کے یہ آنسو مجھے پگھلا دیں گے۔" میں نے انتہائی [illegible]
سے کہا پھر فیصلہ کن لہجے میں نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "ہرگز نہیں۔"

"مجھے اتنا ذلیل مت کرو زریں......... اتنا ذلیل مت کرو۔" وہ گڑگڑا کر بولیں۔

"بے شک مجھ سے تمہارے حق میں بہت سی زیادتیاں سرزد ہوئی ہیں......... میں نے [illegible]
ظلم کئے ہیں تم پر......... مجھے اپنی غلطیوں، اپنے جرم کا اعتراف ہے۔ میں تمہاری مجرم
ہوں۔ تم جو سزا چاہو دے سکتی ہو مجھے لیکن......... مجھ پر یہ الزام مت لگاؤ کہ میں تمہیں
[illegible]
بری، اتنی ذلیل اور کم ظرف ہرگز نہیں کہ شرجیل کو تمہارے خلاف بہکاؤں۔"

"آپ سمجھتی ہیں کہ میں آپ کی ان باتوں کا اعتبار کر لوں گی! آپ کے ہاتھوں
فریب ہی نہیں، زہر کھا لینے کے بعد بھی!"

"میں تمہاری مجرم ہوں۔" وہ سر جھکا کر بولیں۔ "تم جو کہو بجا ہے، برحق ہے۔"

"اور آپ جو کریں وہ بھی بجا ہے، برحق ہے!" میں نے طنز سے کہا پھر میں [illegible]
انہیں غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔ "کہہ دیجئے کہ شرجیل سے میرے اس مصلحت آمیز
جھوٹ کا بھید معلوم کرنے کے بعد جو میں نے اُس کے باپ کی نسبت اس سے بول رکھا
تھا، آپ کے ملازم نے آپ کے ایما پر نہیں بلکہ تفریحاً اسے یہ بتایا ہے کہ اس کا باپ [illegible]
نہیں بیرسٹر تھا۔ کہہ دیجئے کہ شرجیل کو اس کے حقیقی باپ کی تصویر آپ کے ملازم [illegible]
اپنی البم سے نکال کر دی ہے!......... کیا اس کے باپ کی حادثاتی موت کا ذمے دار مجھ
ٹھہرا کر اسے میرے خلاف ورغلانے کی کوشش نہیں کی گئی؟ کیا راحیل کے باپ کی مو[illegible]

[illegible]ذمے دار بھی مجھی کو قرار دے کر شرجیل کو مجھ سے بدگمان کرنے کی کوشش نہیں
[illegible]ہوئی؟ کیا اس کے ناپختہ ذہن میں عورت کے خلاف نفرت کی آگ بھر کر اسے میرے
[illegible]خلاف نہیں اکسایا گیا؟"

وہ متذبذب نظروں سے مجھے دیکھتی رہیں اور جب میں اپنی بات ختم کر چکی تو انہوں
نے کہا۔ "میں حلفیہ کہہ سکتی ہوں کہ میں نے کبھی شرجیل سے اُس کے یا راحیل کے
باپ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ البتہ وہ خود ہی اکثر مجھ سے گھر کی باتیں کرنے لگتا
تھا۔ وہ اپنے باپ کا نام تو درست لیتا تھا لیکن جب وہ یہ کہتا تھا کہ میرے ڈیڈی ڈاکٹر تھے تو
میں کشمکش میں پڑ جایا کرتی تھی۔ ایک روز میں نے اس سے کہا کہ کبھی وہ اپنے باپ کی
تصویر تو مجھے لا کر دکھائے چنانچہ اگلے ہی دن وہ ایک چھوٹی سی تصویر غالباً کسی البم سے نکال
کر مجھے دکھانے کو لایا اور اس نے بتایا کہ میرے ڈیڈی ہیں جن کا اصل نام تو علی ضیاء تھا
مگر وہ ڈاکٹر شعیب کے نام سے مشہور تھے۔ تب میں سمجھ گئی کہ اُسے اس کے حقیقی باپ
کی تصویر سے آشنا کرانے کے بجائے ڈاکٹر شعیب کی تصویر سے آشنا کرایا گیا تھا جن کا نام
میرے لئے نامانوس نہیں تھا......... نہ میں نے شرجیل کو یہ بتایا تھا کہ اس کا باپ ڈاکٹر
نہیں بیرسٹر تھا نہ میں نے اُسے اس کے باپ کی تصویر دی۔ نہ اُسے اس کے یا راحیل کے
باپ کی موت کے بارے میں کچھ بتایا۔"

"آپ کے ایما پر آپ کے نوکر نے تو ایسا کیا۔" میں نے انہیں شعلہ بار نگاہوں سے
[illegible] کہا۔

"نہیں......... یہ غلط ہے۔"

"آپ اتنی معصوم بننے کی کوشش مت کیجئے۔ آپ کے ملازم نے شرجیل کے کان
میں جو الٹی سیدھی باتیں پھونکیں آپ کے ایما پر۔ ورنہ اسے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے شرجیل
کو ورغلانے سے!"

"مجھ پر تمہارا آخری الزام مجھے تمام الزامات سے بری قرار دیتا ہے۔ کیا اس معصوم
کے ناپختہ ذہن میں عورت کے خلاف نفرت کی آگ بھرنے کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ میں
اسے خود اپنے خلاف ورغلا رہی تھی؟"

ان کی بات مدلل تھی۔

راحیل نے مجھ سے یہ بھی تو کہا تھا کہ شرجیل کو عورت کے ہر روپ سے خواہ ماں
ہو یا بہن، متنفر کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

مگر کیوں؟

کیوں کررہا تھا ممی کا ملازم یہ سب کچھ؟

وارث علی شاہ! یہ نام تو میں نے پہلے بھی سن رکھا تھا۔ کیا یہ وہی شخص نہیں تھا [illegible] ہمارے ڈیڈی سے ممی کی شادی کے بعد ہمارے نانا کے ایما پر پندرہ برس تک گھات [illegible] رہا تھا؟

"میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ وارث علی شاہ نے ایسا کیوں کیا؟"

"کیوں کیا؟"

"وارث علی شاہ وہ شخص ہے جو تمہارے ڈیڈی سے میری شادی کے بعد [illegible] برس تک ہم پر گھات لگائے رہا۔ وہ میری زندگی کے اہم ترین رازوں سے واقف [illegible] میرے والد نے اسے اپنی یا میرے زندگی کے آخری لمحوں تک اس امر کا دھیان ر[illegible] پابند کر رکھا ہے کہ میں اپنے والد کے ترکے میں سے کسی بھی طرح اپنی اولاد کو کچھ [illegible] سکوں۔"

"ہمیں ضرورت بھی نہیں ہے۔ تھوکتے ہیں ہم ایسے مال و دولت پر.......... جس کی محبت میں ماں اپنی اولاد کو زہر دینے تک سے گریز نہ کرے۔"

ممی نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

"آپ آئی کیوں ہیں؟ آپ ہماری زندگی میں دوبارہ آئی کیوں ہیں؟ آپ کو ہمارا [illegible] کس نے دیا؟" مجھ پر ہیجان سا طاری ہو گیا۔

[illegible] وہ دھیرے سے بولیں۔

کیا ہمیں زہر دے کر آپ کی تشفی نہ ہوئی تھی جو آپ نے اپنے نوکر کو میرے [illegible] کے خلاف آلۂ کار بنایا؟"

"میں تمہیں بتانا چاہ تو رہی ہوں کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی.......... کچھ نہیں.......... آپ نے ہم سے اتنے جھو[illegible] بولے ہیں کہ اب میں آپ کی کسی بات کا اعتبار نہیں کر سکتی۔" میں نے نفرت سے انہیں دیکھا اور بولی۔ "یاد ہے آپ نے ہمیں اس کمرے میں یہ کہہ کر بند کیا تھا کہ بس چند دن کی بات ہو گی پھر آپ ہمیں اس بند کمرے سے باہر نکال لے جائیں گی مگر تین سال' [illegible] ماہ' سولہ دن تک آپ ہمیں ٹالتی رہیں اور محض ٹالنے ہی پر بس نہیں کیا' بلکہ وہ کیا [illegible] ہمیں آپ کو ماں کہتے شرم آتی ہے۔"

"ایسا مت کہو.......... ایسا مت کہو زریں۔" وہ بلبلا کر رونے لگیں۔ "تم نہیں جانتیں کہ میں تم لوگوں کے لئے کتنی روئی ہوں! کتنا تڑپی ہوں! کتنی اذیت برداشت

[illegible]لی ہے میں نے! ہر رات میں نے کانٹوں پر گزاری ہے! اوہ' تم اندازہ نہیں کر سکتیں اس عذاب کا جو میں نے گزشتہ برسوں میں سہا ہے۔"

"ہوں!" میں نے گردن کو جھٹکا دے کر تلخی سے کہا۔ "کیا اس عذاب' اس کرب' اس اذیت کا اندازہ ہے آپ کو جو ہم نے سہا تھا۔"

"مجھے معاف کر دو۔"

"کاش! آپ کا جرم قابلِ معافی ہوتا۔" حارث اور فرحین کی موت کا دکھ آنسو بن کر میری آنکھوں میں ہلکورے لینے لگا اور میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "حارث اور فرحین کی قاتل ماں کو معاف کر دینا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ کاش! مجھے پتا ہوتا کہ میرے پڑوس میں کوئی اور نہیں بلکہ ہماری خود غرض ماں بہروپ بدل کر آبسی ہے تو میں شرجیل کو یہاں آنے اور دیر دیر تک یہاں رکنے کی اجازت دینے کے بجائے اسے اپنے گھر کے کسی کمرے میں قید کر دینا بہتر سمجھتی۔ میں آج ہی بھیا سے کہوں گی کہ وہ جلد از جلد اس گھر کو چھوڑ کر کہیں اور چلیں۔"

"ایسا ظلم نہ کرنا.......... ایسا ظلم نہ کرنا مجھ پر۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگیانے لگیں "دیکھو میں بہت مایوس اور غمزدہ عورت ہوں۔ میرا نہ کوئی دوست ہے' نہ ہمدرد' نہ کنبہ ہے' نہ گھر۔"

"ہاہ!" میں منہ اوپر کرکے طنز سے ہنسی اور میں نے کہا۔ "اس شاہانہ مکان کے ہوتے ہوئے بھی آپ [illegible]

"مکان اور گھر میں بڑا فرق ہوتا ہے بیٹی۔"

"پھر بیٹی! مت کہیں مجھے بیٹی.......... گھن آتی ہے مجھے آپ کے منہ سے اپنے لئے یہ لفظ سن کر۔"

"زریں!" وہ گڑگڑائیں۔ "میری کل کائنات عارف' تم اور تمہارے بچے ہیں۔ تم لوگوں کی چاہ میں تو میں ہزاروں میل دور سے یہاں آبسی ہوں۔ اب تم مجھ سے دور کہیں مت جانا۔ میں ہاتھ جوڑ کر تم سے التجا کرتی ہوں کہ اب مجھ سے دور مت جانا۔ میں تم سے کچھ نہیں چاہتی میں تم سے محبت کی تمنا اس لئے نہیں کر سکتی کہ میں نے تمہیں کب کچھ دیا ہے جو میں تم سے کچھ مانگوں.......... بس اتنا رحم کرو مجھ پر کہ مجھے اپنے قریب اس مکان میں رہنے دو۔"

"وہ تو آپ رہ رہی ہیں۔ دولت میں واقعی بڑی طاقت ہوتی ہے۔ ہمارا پیچھا کرتی آپ یہاں تک آپہنچیں۔ اس مکان کی مالکہ ہیں آپ.......... بصد شوق سے رہئے۔ آپ

سے تو ہم اس گھر میں رہنے کا حق چھیننے سے رہے۔ دربدر ہونا تو ہمارا ہی مقدر ہے' سو ہم کہیں اور نکل جائیں گے۔"

"نہیں زریں! ایسا مت کرنا۔" وہ رونے لگیں۔ "بے شک تم شرجیل کو یہاں مت بھیجنا۔ میں اپنے گھر کی کھڑکیوں اور دروازوں سے جھانک کر تمہارے گھر میں بچوں کو دور ہی سے نظروں سے چوم لیا کروں گی۔ دور ہی دور سے ان کی آوازیں سن لیا کروں گی۔ آج تمہیں دیکھنے سے آنکھوں کو جو طراوت اور تمہیں سینے سے لگا کر سینے کو جو ٹھنڈک ملی ہے اس کا اندازہ میں ہی کر سکتی ہوں۔ میں اپنے گھر کی دیواروں سے کان لگا لگا کر تمہاری آواز سننے کی کوشش کرتی ہوں۔ جب تم بچوں کو پکارتی ہو تو تمہاری آواز سن کر میرا دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے۔ جب کبھی میں اپنے گھر کی کھڑکیوں اور دروازوں کی اوٹ سے تمہارے گھر میں جھانک کر تمہاری ایک جھلک دیکھ پاتی ہوں تو میری آنکھوں میں آنسو امنڈ آتے ہیں۔ میرا سینہ گھٹی گھٹی سسکیوں کے دباؤ سے پھٹنے لگتا ہے۔"

"والدہ صاحبہ!" میں نے طنز سے کہا۔ "ہمیں تو مقفل دروازے کے پیچھے اور دیواروں کے بیچ رکھا گیا تھا۔ کھڑکیوں پر پڑے پردے سرکانے تک اجازت نہ تھی۔ اس زنداں میں ہمارے لئے ایک ایک دن ایک ایک صدی کے برابر تھا!"

"مجھے معاف کردو۔ مجھے معاف کردو۔"

تب ہی دروازہ کھلا اور ممی کے ملازم نے کمرے میں داخل ہو کر گہری نگاہوں سے باری باری ہم دونوں کو دیکھا اور ممی سے بولا۔

"ڈاکٹر عارف آئے ہیں۔"

بھیا!

چلو اچھا ہوا کہ وہ بھی آ گئے تھے۔

"انہیں یہیں لے آؤ۔" ممی نے کہا۔

وارث علی نے مجھے تنبیہی تیوروں سے دیکھا۔

"اس سے کہیں کہ شرجیل کو بھی لے آئے۔" میں نے وارث علی کے تیوروں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ممی سے کہا۔

"شرجیل کو بھی لے آؤ۔ اس سے کہنا کہ اس کی والدہ اسے لینے کے لئے آئی ہیں۔" ممی نے وارث علی سے کہا۔

"وہ کافی دیر ہوئی اپنے گھر جا چکا ہے۔" وارث علی بولا۔

جاتے جاتے اس نے مجھے انتہائی ناگواری سے دیکھا۔

کچھ دیر بعد ہی بھیا اس کی معیت میں آ پہنچے۔ انہیں پہنچا کر وارث علی پلٹنے لگا تو ممی نے اس سے کہا۔ "دروازہ بند کر دینا وارث علی۔"

اس نے ممی کے حکم کی تعمیل کی۔

"تم! تم بغیر کسی پیشگی پروگرام کے اچانک یہاں کیسے چلی آئیں زری؟" بھیا نے مجھ سے پوچھا۔ مجھے یہ بات قدرے تعجب انگیز لگی کہ کمرے میں موجود خاتونِ خانہ سے علیک سلیک کرنے کے بجائے بھیا کمرے میں داخل ہوتے ہی میرے وہاں چلے آنے پر تشویش ظاہر کرنے لگے تھے۔

پھر مجھے خیال آیا کہ بھیا تو ایک مرتبہ پہلے بھی وہاں آ چکے تھے اور انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ ہمسائی سے ان کی کافی دیر بات چیت رہی تھی۔ جب میں اس گھر میں داخل ہوتے ہی مانوس سی فضا سے ٹھٹک گئی تھی۔ ممی کی آواز سنتے ہی چونک گئی تھی تو وہ بھلا کیوں نہیں سمجھے تھے اس گھر کی مالکن کی اصل حقیقت! اور اگر سمجھ گئے تھے تو انہوں نے مجھ سے کیوں چھپایا تھا؟

"انہیں پہچانتے ہیں آپ؟" میں نے بھیا کے سوال کا جواب دینے کی بجائے ممی کی جانب انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔" بھیا نے ممی کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

میں تڑپ کر مجسم سوال وشکوہ بنی بھیا کے رُوبرو جا کھڑی ہوئی۔

"آپ جانتے تھے!" میرے لہجے میں حیرانی سے زیادہ دکھ اور کرب کی کیفیت تھی۔

"ہاں۔" انہوں نے قدرے زِچ ہو کر کہا۔

"تو آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

بھیا نے ذرا کی ذرا میری طرف دیکھا پھر گمبھیر لہجے میں بولے۔ "بتا دینے سے کیا فائدہ ہوتا۔"

مجھے رنج اور دکھ کی ناقابلِ بیان کیفیت نے آ لیا۔ "بھیا!" میں نے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں تو سمجھتی تھی کہ آپ میرے ساتھ آگے نکل آئے ہیں مگر آج معلوم ہوا کہ آپ تو اب تک وہیں کھڑے ہیں۔"

"مجھ پر شک مت کرو زری۔"

"تو اور کیا کروں؟" میں ہارے ہوئے جواری کی طرح جھلا گئی پھر میں نے دکھ سے معمور لہجے میں کہا۔ "جو بھروسا مجھے آپ پر تھا وہ تو آج کرچی کرچی ہو گیا۔"

بھیا نے مجھ پر نظریں جما دیں اور بولے۔ "زری! بھروسے اور اعتماد کو ریت کی

والی تھی۔ میرے اس انکشاف پر اس کی آنکھوں میں مسرت ناچنے لگی تھی اور وہ بازو پھیلائے بڑی چاہت اور وارفتگی سے میری جانب بڑھ آیا تھا مگر میں نے اسے جھڑک دیا تھا اور اس سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اب اس کا مجھ سے اس وقت تک کوئی تعلق نہ ہوگا جب تک کہ وہ ممی کو طلاق نہیں دے دیتا' پھر میں نے خود کو اپنے کمرے میں محصور کر لیا تھا۔ وہ دیر تک میرے بند دروازے پر دستک دیتا رہا اور میں ان سنی کرتی رہی۔ آخر کار وہ مایوس ہو کر چلا گیا اور میں نے اسے اور ممی کو بھرے مجمع میں ذلیل کرنے کی ٹھان لی۔ اس وقت میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میرا منصوبہ علی ضیاء کی ناگہانی موت پر منتج ہوگا اور مجھے یہ یقین بھی نہ تھا کہ وہ یہ خبر سن کر کہ میں اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی' اتنا خوش ہوگا کہ............ ممی کا سلسلہ کلام جاری تھا۔

"میرے حواسوں میں آنے کے بعد علی کے چند قریبی رشتے داروں نے اس کی وراثت کے سلسلے میں کافی عرصے تک جھگڑا رکھا۔ ان کا موقف یہ تھا چونکہ علی سے زریں کا نکاح فاسخ تھا اس لئے اس نکاح کے نتیجے میں ہونے والی اولاد بھی اس کی وارث نہیں ہو سکتی اور اس کا وصیت نامہ فسخ قرار دلوانے کی کوششوں میں لگے رہے جبکہ میرا موقف یہ تھا چونکہ علی کو زریں سے شادی کے وقت باہمی رشتے کی نزاکتوں کا علم نہ تھا اس لئے اس کی وصیت کو لاعلمی کا فائدہ ملنا چاہئے۔ کافی جھگڑا رہا اور اس دوران میں ان سب سے اپنی طلاق کے قصے کو چھپائے رہی۔ مبادا وہ مجھے زریں اور شرجیل کے حق کے لئے [illegible]

[illegible]

سے ترکے میں ملی تھی اور جو والد کی موت کے بعد ملی اسے تمہارے زریں اور زریں کے دونوں بچوں کے نام کروانے کے لئے مجھے تم دونوں سے اپنے اٹوٹ رشتے پر پردہ ڈالنا پڑا۔ میں نے تم دونوں سے اپنا اصل تعلق ظاہر کئے بغیر تمہیں اپنی ایک مرحومہ عزیزہ کی اولاد ظاہر کرتے ہوئے اپنے والدین کی جانب سے ملنے والی تمام جائیداد تم دونوں اور زریں کے بچوں کے نام کردی ہے۔ مجھے دکھ ہے کہ میں اس سلسلے میں تم سے اپنا اصل رشتہ ظاہر نہ کر سکی مگر اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ وارث علی کا منہ بند رکھنے کے لئے مجھے پیسے کی طاقت آزمانا پڑی۔"

"ہاں' پیسے میں واقعی بڑی طاقت ہوتی ہے!" میں نے طنز سے کہا۔

ممی نے شاکی نظروں سے مجھے دیکھا پھر بھیا کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔ "وارث علی میں بہت سی خامیاں ہیں مگر چند اچھائیاں بھی ہیں جن کی وجہ سے میرے والد ساری عمر اس پر بھروسہ کرتے رہے اور بعد میں مجھے بھی ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وارث علی

کو اپنے اعتماد کا آدمی ٹھہرانا پڑا۔ اس نے میرے نام زریں کے گمنام خطوں کی ایسی کڑی نگرانی رکھی کہ کبھی کوئی خط علی ضیاء کے ہاتھ نہ لگنے دیا۔ اسی نے مجھے یہ مشورہ دیا کہ میں تم لوگوں سے اپنا رشتہ ظاہر کئے بغیر جائیداد تمہارے نام کردوں کیونکہ میرے والد سے یہ چوک ہوگئی تھی کہ انہوں نے اپنے وصیت نامے میں ایسی کوئی شرط نہ رکھی تھی کہ میں اپنی جائیداد کسی اور کے نام نہیں کر سکتی۔ انہیں ساری دشمنی میری اولاد سے تھی اور بس............ پھر میں نے تم لوگوں کے نزدیک آبسنے کا فیصلہ کیا۔ تب بھی وارث ہی میرا مددگار رہا۔"

"غالباً ہمارا اتا پتا بھی آپ کے اسی سراغرساں نے ڈھونڈ نکالا ہوگا؟" میں نے طنزاً کہا۔

بھیا نے ممی کی جانب توجہ رکھی۔

"ہاں اس سلسلے میں' میں وارث علی ہی کی ممنون احسان ہوں۔ اسی نے کراچی جا کر خالد آفاق کی والدہ کو ڈھونڈ نکالا پھر ان سے کسی نہ کسی طرح تمہارا پتا حاصل کرنے میں کامیاب ہونے کے بعد میرے ایما پر انگلستان آیا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ تمہارے آس پاس کہیں کوئی مکان بک رہا ہو تو دیکھ آئے۔ سوئے اتفاق تمہارے مکان کے قریب یہ مکان بکاؤ تھا۔ وارث علی بوڑھے پروفیسر سے سودا ٹھہرا کر پاکستان واپس پہنچا۔ میں نے لاہور والی کوٹھی فروخت کردی اور ہم لوگ یہاں آگئے۔" ممی نے توقف کرنے کے بعد کہا۔ "میں [illegible] الخصوص [illegible] مجھے اپنی زندگی میں دوبارہ آسانی سے داخل نہ ہونے دے گی اور تمہیں اس کا حق بھی تھا مگر وارث علی اس سلسلے میں بھی انتہائی مددگار ثابت ہوا۔ اس نے یہ منصوبہ بتایا کہ مجھے سعودی شیخانی ظاہر کیا جائے گا۔ میں پہلے تمہارے بچوں سے مراسم استوار کروں گی پھر بتدریج تم دونوں تک پہنچوں گی۔ وہی راحیل اور شرجیل کو پہلی مرتبہ مجھ تک لے کر آیا۔ یوں تو دونوں ہی میرے نواسے ہیں مگر شرجیل مجھے علی کی تصویر محسوس ہوا چنانچہ میں نے اس پر زیادہ توجہ دی۔ شرجیل سے میری محبت روز بہ روز بڑھتی چلی گئی۔ پھر عید کے دن تم شرجیل کے ساتھ میرے پاس آئے اور میں چاہنے کے باوجود اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔ تم نے مجھے دھتکارا' پھٹکارا اور یہ سب کچھ شرجیل نے چھپ کر سن لیا۔

"کئی روز وہ بہت الجھا الجھا رہا پھر اس نے مجھ سے اس حقیقت کی تصدیق چاہی کہ کیا میں واقعی اس کی ماں اور ماموں کی ماں تھی۔ میں نے شرجیل کو ٹالنے کی کوشش کی مگر وارث علی کی رائے یہ ٹھہری کہ مجھے شرجیل کو اعتماد میں لے کر اسے اصل حقیقت بتا

دینی چاہئے۔ مجھے خدشہ یہ تھا کہ شرجیل بچہ ہے' خدا نخواستہ اس نے گھر جاکر زریں سے یہ بات کہہ دی تو وہ نہ جانے کس قسم کے رد عمل کا اظہار کرے۔ وارث علی نے جس کی ایک بڑی کمزوری یہ ہے کہ اگر اس کی ذات' اس کی بات کو اہمیت دی جائے تو وہ آپ کی خاطر جان بھی دے دینے کو آمادہ رہتا ہے اور اگر اس کی ذات اور اس کی رائے کو اہمیت نہ دی جائے تو وہ چراغ پا ہوکر انتقامی کارروائی پر اتر آتا ہے۔ اپنی رائے سے میرے انحراف کو غالباً اپنی تضحیک جانا اور شرجیل کے کان بھرنے شروع کردیئے مگر میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وارث علی کی نفسیاتی کمزوری اتنا فساد پھیلائے گی کہ وہ شرجیل کے معصوم اور ناپختہ ذہن سے یوں کھیلنے پر اتر آئے گا۔ رہی علی کی تصویر شرجیل کو دینے کی بات تو علی کی تصویروں سے البم بھری پڑی ہیں' وارث علی نے اسے کسی البم میں سے تصویر نکال کردے دی ہوگی۔"

"سن لیا تونے۔" بھیا میری طرف دیکھ کر بولے۔ "کہ یہ سارا فساد ایک انانیت پسند بوڑھے نفسیاتی مریض کا ہے۔" بھیا نے ایک گہری سانس کھینچی پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ "انسانی نفسیات بھی ایک معما ہے۔ نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ ویسے تو خیر ہم میں سے ہر ایک ہی تھوڑا بہت نفسیاتی مریض ضرور ہوتا ہے لیکن بعض لوگ اپنے مرض کی شدت میں دوسروں کو بھی کھینچ لیتے ہیں۔"

"بھیا! اس سے پہلے کہ یہ یا ان کا بڈھا نوکر مزید فساد پھیلانے کے موجب بنیں' ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم ان کے [illegible] اپنے گھر کو کتنی جلدی چھوڑ سکتے ہیں۔"

بھیا نے چونک کر میری جانب دیکھا۔

"اس علاقے میں یا تو یہ رہیں گی یا پھر ہم۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

ممی اپنی جگہ سے اٹھیں اور ہاتھ جوڑے ہمارے سامنے آکھڑی ہوئیں۔ "زریں! میری جان!" انہوں نے میری ٹھوڑی کو چھونے کی کوشش کی مگر میں نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ "خدا کے واسطے ایسا ظلم مت کرنا۔ میں اپنی زمین چھوڑ کر سمندر پار صرف اور صرف تم لوگوں کے لئے آئی ہوں۔ تمہارے سوا میرا کوئی نہیں ہے جان۔ مجھے تم لوگوں کی ضرورت ہے۔"

"کبھی ہمیں بھی آپ کی ضرورت تھی!" میں نے کہا۔

"مجھے اپنی ساری غلطیوں کا اعتراف ہے بیٹا مگر.......... مجھ پر رحم کھاؤ آخر میں تمہاری ماں ہوں۔"

"ہم آپ کی اولاد تھے۔" میری آواز یک بیک بھرائی۔ "آپ کی راہ تکتے تکتے

ہماری آنکھیں پتھرا جایا کرتی تھیں۔ حارث .... میرا بھائی .... میرا پیارا بھائی .... آپ کی آغوش کی گرمی کو ترستے ترستے مرگیا.......... کچھ یاد ہے آپ کو جب آپ ہمارے زنداں میں دم بھر کو آیا کرتی تھیں تو حارث اور فرحین کتنی امید سے آپ کو دیکھا کرتے تھے اور آپ .... آپ ان سے یوں دور دور رہا کرتی تھیں جیسے وہ آپ کی اولاد نہ ہوں۔ چھوت کی بیماری ہوں .... کیسی ظالم اور بے حس ماں تھیں آپ! راحیل اور شرجیل تو خیر میری سگی اولاد ہیں۔ یاسمین کو تو میں نے پالا ہی ہے مگر مجھے تو اس سے بھی ایسی محبت ہے کہ کسی روز اس کی ناک بہنے لگتی ہے یا جسم گرم ہوجاتا ہے تو میں بے کل ہوجاتی ہوں اور آپ! آپ نے اپنی اولاد کو خود سنکھیا دلوایا! اور میں نہیں بھول سکتی حارث اور فرحین کے ان کملائے ہوئے چہروں اور آنکھوں میں بکھری اداسی' انتظار اور مایوسی کی کیفیت کو.........."

میری آنکھوں میں آنسو اُمنڈ آئے اور ممی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

بھیا نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

مجھے یوں لگا جیسے ہم اسی زنداں میں کھڑے تھے۔ ممی اپنی مجبوریوں کی داستان سنا کر اپنے آنسوؤں سے ہمیں پگھلانے کی کوشش کررہی تھیں۔ میں ہمیشہ کی طرح ممی کے خلاف سراپا احتجاج تھی اور بھیا ہمیشہ کی طرح ممی کے آنسوؤں سے پسیجتے دکھائی دے رہے تھے۔

"بھیا! آپ ان کے آنسوؤں میں نہ آئیے گا۔" میں نے چلا کر بھیا سے کہا۔ "یہ آج بھی ویسی ہی کٹھور' بے رحم اور خود غرض ثابت ہوں گی۔"

"نہیں .... نہیں زریں۔" ممی گڑگڑائیں۔ "مجھے آزما کر دیکھ لو۔ میرے ہاتھ میں کاسہ گدائی دے کر اپنے دروازے پر بٹھا دو میں تم سے' عارف سے اور تمہارے بچوں سے محبت کی ایک نظر کے سوا کچھ نہیں چاہوں گی۔ میں اپنی باقی زندگی تمہاری چوکھٹ پر بصد خوشی اس آس میں گزار دوں گی کہ کبھی تو.......... کبھی تو تم مجھے اندر داخل ہونے کی اجازت دے ہی دوگی۔"

"آپ کو آخر تکلیف کیا ہے؟ سب کچھ تو ہے آپ کے پاس جس دولت کی چاہ میں آپ نے ہم سے دامن چھڑا لیا تھا.......... نظریں پھیر لی تھیں' وہ تو آج آپ کے پاس پہلے سے بھی زیادہ ہے۔ آپ کے دوسرے شوہر کے چھوڑے ہوئے اثاثے! آپ کی والدہ کا چھوڑا ہوا ترکہ!"

"جان! وقت نے مجھے اس دنیا میں احمق ترین عورت ٹھہرا دیا ہے۔ میں نے جان لیا

ہے کہ دنیا کی ہر وہ عورت جو اپنی اولاد سے غداری اور بے وفائی کی مرتکب ہوگی' آخر[illegible] میری طرح ذلیل رسوا ہوگی اور ایک دن اسی طرح تنہا رہ جائے گی جیسی کہ میں خود کو محسوس کرتی ہوں۔ میں نے جان لیا ہے کہ جینے کے لئے دولت کے پیچھے بھاگنا ضروری نہیں۔ تمہارے ڈیڈی کی موت کے بعد اگر میں نے دوچار برس صبر سے گزار دیئے ہوتے' عزم واستقامت سے کام لیتی تو وہ آزمائش آخر کار گزر ہی جاتی اور ہم سب آج ایک مطمئن اور پُرسکون زندگی بسر کررہے ہوتے۔ نہ میں تمہاری مجرم بنی کٹہرے میں کھڑی ہوتی' نہ تم مجھ سے متنفر ہوتیں اور شاید حارث اور فرحین بھی.......... ہمارے ساتھ ہوتے.......... وقت نے مجھے بتا دیا ہے کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ اسے لگام دے کر رکھنا چاہئے۔ مجھ پر یہ حقیقت بھی آشکارا ہوگئی ہے کہ حسن فریبِ نظر ہے۔"

میں نے استہزائیہ ہنسی ہنس دی۔

"یہ آپ کہہ رہی ہیں! آپ کو تو بہت ناز تھا اپنے حسن پر!"

"اس حسن کی حقیقت دیکھنا چاہوگی؟" ممی نے کہا اور آہستہ آہستہ اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹا دی۔

خدایا! کیسا کریہہ اور عجیب منظر تھا۔ ممی کے رخساروں سے ٹھوڑی تک گہرے کھرونچے تھے۔

"یہ کیا ہوا؟" بھیا نے بے اختیار پوچھا۔

"[illegible]

سے اپنا چہرہ کھرونچتی رہی۔ اپنے حسن کی بدولت ہی تو میں نے اُسے بیوگی کے بعد بھی اپنا اسیر بنا لیا تھا۔ اسی حسن پر میں برسوں اِترائی اترائی پھرتی رہی تھی۔ پھر اسی حسن کو ڈھلتا دیکھ کر میں کاسمیٹک سرجری کروانے کی خاطر مہینوں علی سے دور رہی تھی۔ اگر میں اس کے پاس ہوتی تو شاید وہ زریں سے مراسم نہ بڑھا پاتا۔ میں اپنی جان دے دیتی مگر زریں کو رشتوں کی نزاکت کا لحاظ کئے بغیر انتقام کی اس آگ میں کودنے کی اجازت نہ دیتی۔ زریں کے اس فعل کی ذمے دار بھی میں اپنے آپ ہی کو سمجھتی ہوں۔ کیونکہ اولاد کو والدین ہی تو درست اور غلط' جائز اور ناجائز کی تفریق سکھاتے ہیں۔ تمہارے ڈیڈی کے انتقال کے بعد یہ میرا فرض تھا کہ میں تم لوگوں کو درست اور غلط اور جائز ناجائز' گناہ اور ثواب میں تمیز کرنا سکھاتی۔ علی کو میں اس لئے بے گناہ سمجھتی ہوں کہ اس بے چارے کو تو پتا ہی نہ تھا کہ میری کوئی اولاد بھی ہے.......... علی کی اور اپنی ماں کی موت کی ذمے دار بھی میں ہی ہوں۔ غصہ' وحشت اور خوف نے مجھے اتنا پاگل کر دیا تھا کہ میں نے اپنے گھر کو اپنے ہی

بالوں سے آگ لگا ڈالی۔"

پھر ممی نے کمرے میں چہار اطراف نظر دوڑاتے ہوئے اپنے سر پر بندھا تکونا رومال اتار ڈالا۔ ان کے بال کھچڑی ہوچکے تھے۔ میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اتنی بوڑھی [illegible] ہوں گی۔

"جب مجھے اپنے بالوں میں پہلی مرتبہ ایک سفید بال دکھائی دیا تو میں وحشت زدہ ہوگئی تھی مگر آج! آج میرے بالوں میں سفیدی ہی سفیدی ہے۔ وقت مجھے مات دیتے ہوئے گزر چکا ہے۔" انہوں نے اپنی بے گدے کی آرام کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کرسی دیکھ رہے ہو تم! میں اپنا بیشتر وقت اسی بند کمرے میں رہ کر گزارتی ہوں اور وہاں پاکستان میں بھی میں نے اپنے کمرے میں ایسی ہی کرسی ڈلوا رکھی تھی۔" پھر انہوں نے اس کمرے میں پڑی نرم وملائم گدوں والی کرسیوں' دیوان اور شاہانہ مسہری کی جانب انگلی گھماتے ہوئے کہا۔ "میں نے ان کرسیوں' دیوان اور مسہری پر نہ بیٹھنے اور لیٹنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ رات ہوتی ہے تو میں فرش پر پڑ کر سو رہتی ہوں اور یہ آئینے مجھ سے کہتے ہیں۔ شیریں! تو کتنی بدرُو اور بوڑھی ہے! کہاں گیا تیرا وہ حسن جس پر تجھے ناز ہوا کرتا تھا؟ میں خود کو ایک ایک لمحہ اذیت اور کرب سے دوچار رکھتی ہوں.......... تم لوگوں پر میں نے جو زیادتیاں اور مظالم کئے ان کا خیال مجھے ہمہ وقت کچھ کہتا رہتا ہے۔ میں خود کو لعنت وملامت کئے جاتی ہوں۔ میں ان آئینوں میں اپنی صورت دیکھتی ہوں اور [illegible] پاکستان میں [illegible] اپنے والد کی حویلی میں یوں ہی چہار اطراف آئینے جڑوا رکھے تھے اور اٹھتے بیٹھتے میں خود پر لعنت بھیجا کرتی تھی۔ میری زندگی پچھتاووں اور شدید احساسِ جرم وندامت سے عبارت ہے۔ برسوں ہوگئے مجھے سیاہ لباس کے علاوہ کسی اور رنگ کا لباس پہنے۔ میں معصوم حارث اور فرحین کی موت کا جی ہی جی میں ماتم کرتی رہتی ہوں اور خود کو سزا دینے کے لئے ہر ممکن تدبیر کرتی ہوں۔ جب میں آئینے میں دیکھتی ہوں تو اپنی نیلی آنکھیں دیکھ کر کہتی ہوں۔ بے وفا ماں! تُو نے اپنی اولاد سے بھی وفا نہ کی!"

میں نے دزدیدہ نظروں سے بھیا کی طرف دیکھا۔ وہ موم ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

"افسوس کہ آپ اپنی اس درویشی کا حال سنانے سے قبل اپنی انگلیوں سے قیمتی انگوٹھیاں اتار دینا نہ بھول پائیں!" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

ممی نے تڑپ کر مجھے دیکھا پھر بولیں۔ "یہ انگوٹھیاں مجھے تنہائی میں مصروف رکھنے :

بہانہ ہیں۔ انہیں اتارتی ہوں پہنتی ہوں اتارتی ہوں' پہنتی ہوں۔"

"جذباتی مکالمات بولنے میں آپ کو ہمیشہ سے کمال رہا ہے۔" میں نے قطعاً بے رحمی سے کہا۔

"زریں! اتنی بے رحمی مت دکھاؤ۔"

"آپ نے تو گویا ہم پر احسان ہی احسان' رحم ہی رحم کیا تھا۔"

"عارف!" ممی نے بھیا کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "زریں سے کہو مجھے معاف کردے۔"

بھیا نے میری طرف دیکھا اور میرے تیور بھانپ کر بولے۔ "ممی! زری کا انکار غلط تو نہیں ہے۔"

"میں مانتی ہوں.......... میں مانتی ہوں.......... مگر گڑگڑا کر معافی مانگنے پر تو خدا بھی بندوں کے گناہ' ان کی خطاؤں کو معاف کردیتا ہے۔"

"میں خدا نہیں ہوں۔" میں نے بھبک کر کہا۔

ممی نے بے بسی سے بھیا کی طرف دیکھا۔

بھیا نے ان سے بھی زیادہ بے بسی سے سر جھکالیا۔

"اچھا تم تو مجھے معاف کردو گے نا؟" ممی ہاتھ باندھے بھیا کے سامنے گڑگڑائیں۔

بھیا نے پھر میری طرف دیکھا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے آنکھوں [illegible]

بھیا نے ایک سرد آہ کھینچی پھر سر جھکا کر ممی سے بولے۔ "مجھے افسوس ہے ممی کہ میں زری کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا۔ ہم نے اس زنداں میں ایک ساتھ دکھ جھیلے تھے۔ ہم نے زندگی کی ہر صعوبت کا مل جل کر سامنا کیا ہے۔ ہم ساتھ کھڑے ہیں۔ ساتھ رہیں گے' ساتھ جئیں گے۔ ہمارا رشتہ ایک ہے۔ ہم اپنے بچوں کے لئے زندہ ہیں۔ انہی کے لئے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مشترکہ عہد ہے کہ ہم اپنے دکھوں کی آنچ اپنے بچوں تک نہیں پہنچنے دیں گے۔ ہمیں کسی صورت یہ گوارا نہیں ہوگا کہ ہماری پُرسکون زندگی میں بے اطمینانی کی کیفیت پیدا کی جائے۔ شرجیل پہلے ہی قدرے الجھی ہوئی طبیعت کا بچہ ہے۔ ہم کسی کو بھی اس سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اس کی بہتری کی خاطر ہم ایک گھر تو کیا' سو گھر بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ آپ کو آپ کا گھر مبارک۔ ہم بہت جلد اپنا گھر بدل لیں گے۔"

"تم بھی!" ممی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بھیا کو دیکھتے ہوئے فقط اتنا ہی کہا۔

"جی ہاں۔" بھیا بولے۔ "ہم حارث اور فرحین کو تو کھو چکے اب کوئی اور نقصان نہیں اٹھانا چاہتے۔"

"زریں!" ممی میری طرف پلٹیں۔ "تم مجھے معاف نہیں کرتیں نہ سہی۔ شرجیل کو بے شک یہاں مت آنے دینا مگر خدا کے لئے یہ گھر چھوڑ کر مت جانا.......... مجھ پر احسان کرو کہ میں دور دور سے ہی سہی تمہیں' عارف کو اور تمہارے بچوں کو دیکھتی رہوں۔ تم لوگوں کی آوازیں سنتی رہوں۔ اپنے آس پاس تمہاری خوشبو محسوس کرتی رہوں.......... میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اچانک میرے پیروں میں گر گئیں۔

لحظہ بھر کو میرا جی ڈانواں ڈول ہوگیا۔ مگر اگلے ہی لمحے میرے ذہن کے پردے پر کھٹ کھٹ بڑی سرعت سے یکے بعد دیگرے میرے ماضی کے مناظر گزرنے لگے۔

اس زنداں میں نانی جان بھیا کو میرے بال کاٹ دینے کا حکم دے رہی تھیں۔ ہمارا کھانا بند کردیا گیا تھا اور ہم سرنیہوڑائے بھوک سے نڈھال بیٹھے تھے۔ میں خود اپنے بال کتر رہی تھی! ہم بالا خانے میں دھرے گملوں میں لگے پودوں کے پتے توڑ کر حارث اور فرحین کو پتے کھلانے کی کوشش کررہے تھے! بھیا ایک چوہے دان میں سے ڈبل روٹی کے سوکھے اور مٹیالے ٹکڑے نکال کرلائے تھے اور ہم انہیں پانی سے دھو کر' پانی میں بھگو کر حارث اور فرحین کو کھلا رہے تھے۔

"ممی کب آئیں گی؟" حارث اور فرحین ہم سے پوچھ رہے تھے۔

حارث اور فرحین مردوں کی طرح بستر پر پڑے تھے۔ بھیا اپنی کلائی کو گھاؤ دے کر حارث اور فرحین کو اپنا لہو پلا رہے تھے۔

حارث میری آغوش میں دبکا کہہ رہا تھا۔ "باجی! کھانا.......... کب ملے گا؟"

بھیا ایک پلیٹ میں چوہوں کا گوشت لئے کھڑے تھے اور مجھ سے کہہ رہے تھے "کمند کے ذریعے ہم نے یہاں سے فرار کا جو منصوبہ بنایا ہے وہ در حقیقت ایک ایمرجنسی ہوگی۔ ہم زمین پر صحیح سلامت بھی پہنچ سکتے ہیں اور ذرا سی چوک یا کمزوری کے نتیجے میں اتنی بلندی سے زمین پر گر کر زخمی بھی ہوسکتے ہیں۔ بلکہ مر بھی سکتے ہیں۔ اس ایمرجنسی سے گزرنے کے لئے تھوڑی بہت طاقت ان دونوں کے جسم میں بھی ہونی چاہئے اور خود ہمارے جسم میں بھی.......... اٹھو.......... شاباش.......... تھوڑا سا تھ تم کھاؤ.......... تھوڑا سا انہیں کھلاؤ.........."

بھیا مجھے ترغیب دلانے کے لئے ایک بوٹی اپنے منہ تک لے جارہے تھے۔ میں باتھ روم کی جانب بھاگی۔ ابکائیوں پر ابکائیاں لے کر باتھ روم سے نکلی تو کھانے

"اس نمک نے جو میں نے آپ کا اور آپ کے بزرگوں کا کھا رکھا ہے؟"
ممی کے چہرے سے خفت ہویدا تھی جیسے انہیں وارث علی کی اس وقت مداخلت ایک آنکھ نہ بھائی ہو۔
"سرکار! دخل اندازی کی معافی چاہتا ہوں۔" وارث علی نے کہا۔ "اور چوری چھپے آپ لوگوں کی باتیں سننے کی بھی۔ میں آپ کا اور آپ کے بزرگوں کا پرانا نمک خوار ہوں......... حقِ نمک کا تقاضا ہے کہ میں آپ کو اولاد کے سامنے مزید ذلیل نہ ہونے دوں۔"
"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے وارث علی۔" ممی بولیں۔
"ٹھیک ہے سرکار مگر جب کسی نوکر کا بچپن' جوانی' بڑھاپا سب ایک ہی گھر کی خدمت گزاری میں گزر جائے تو ایسے نوکر مالکوں کے نجی معاملات کو اپنا ہی سمجھنے لگتے ہیں۔"
"اور تم نے شرجیل کے کانوں میں کیا الٹی سیدھی پھونک ڈالی ہے۔"
"سرکار! معافی چاہتا ہوں۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "ہم جیسے پرانے نمک خواروں کو مالکوں پر ایسا مان ہو جاتا ہے کہ اگر مالک ان کی کسی بات کا مان نہ رکھیں تو وہ ضدی بچوں کی طرح بکھر جاتے ہیں۔ میں معافی چاہتا ہوں سرکار۔"
"تمہیں شرم آنی چاہئے تھی ایک بچے کو اس کی ماں کے خلاف ورغلاتے ہوئے اور اس سے الٹی سیدھی جھوٹی باتیں کرتے ہوئے۔" میں نے وارث علی کو ڈانٹا۔
"میں نے اسے ورغلایا نہیں ہے اور نہ ہی جھوٹ بولا ہے۔" اس نے مجھے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"وارث علی!" ممی کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔
"سرکار!" اس نے ممی کی جانب دیکھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔
"مجھے صفائی پیش کرنے دیں تاکہ بی بی اس گھر سے دل میلا لے کر نہ جائیں۔" پھر وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔ "کیسے پڑھے لکھے لوگ ہیں جی آپ کہ اپنے بچوں کو ان کے باپ کا نام تو دے دیتے ہیں مگر ان کے ہاتھ میں دوسرے بندے کی تصویر پکڑا کر کہتے ہیں کہ یہ ہے تمہارا باپ۔ کب تک چھپائی جا سکتی تھی شرجیل بابو سے ان کے والد صاحب کی حقیقت؟"
"وارث!" ممی نے پھر ٹوکا۔
مگر وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "کیا شرجیل کو یہ بتانا کہ اس کے والد

صاحب ڈاکٹر نہیں بیرسٹر تھے جھوٹ ہے؟ کیا اسے یہ بتانا کہ ان کی موت کی وجہ آتشزدگی تھی جھوٹ ہے؟ کیا یہ غلط ہے بی بی جی کہ اگر اس روز آپ حویلی آکر فساد نہ ڈالتیں تو حویلی کو آگ نہ لگتی اور علی باؤ آج حیات ہوتے؟ کیا یہ غلط ہے کہ اپنے پہلے خاوند سے بھی آپ کی بن نہیں سکی اور انہوں نے گلے میں پھندا ڈال کر خود کشی کر لی؟"
"وارث علی۔" ممی نے ایک مرتبہ پھر اسے ٹوکا۔
"معافی چاہتا ہوں سرکار!" اس نے ممی سے نظریں چراتے ہوئے کہا پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔ "کیسے لوگ ہیں جی آپ۔ اپنی اولاد سے تو جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کے حق میں غلطیوں پر غلطیاں کئے جاتے ہیں اور اپنے ماں باپ کی آپ کوئی غلطی معاف کرنے پر تیار نہیں ہوتے بلکہ ایسا انتقام لیتے ہیں کہ اسے زندہ در گور کر دیتے ہیں۔" اس نے ممی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سرکار کو دیکھ رہی ہیں آپ! یہ ایسی تو کبھی بھی نہ تھیں' ان کی اس حالت کی ذمے دار آپ ہیں' بی بی آپ۔"
"وارث علی چپ ہو جاؤ۔" ممی نے اسے ڈانٹا۔
"نہیں سرکار آج میں چپ نہیں رہوں گا۔ مجھے بات کرنے دیں۔" وارث علی نے کہا اور مجھے ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "انسانوں کے گناہ اور ثواب کا فیصلہ کرنے والا تو اوپر بیٹھا ہے۔ آپ عجیب پڑھ لکھے لوگ ہیں جی کہ اُس کے فیصلے پر توکل کرنے کے بجائے خود ہاتھوں میں پتھر لے کر کھڑے ہو جاتے۔" اس نے ٹیڑھی نظروں سے بھیا کو دیکھا پھر مجھ سے بولا۔ "جتنی منت سماجت سرکار آپ لوگوں کی کر رہی تھیں' بندے کے اتنے گڑگڑانے سے تو اللہ بھی توبہ قبول کر لیتا ہے جی۔" وہ تھما اور ترحم آمیز نظروں سے ممی کو دیکھ کر بولا۔ "سرکار کا آپ لوگوں کے سوا اور ہے ہی کون۔"
میں جو بہت دیر سے خون کے گھونٹ پیتے ہوئے اس کا لیکچر سن رہی تھی بھبک کر طنز سے بولی۔ "تم جیسے نمک خوار ہیں تو سہی جو سرکار کے خلاف' سرکار کی اولاد کو ورغلاتے ہیں۔"
وہ کچھ اس طرح میری طرف دیکھنے لگا جیسے کہتا ہو۔ "میں سمجھا نہیں۔"
"کیا تم نے اس سے یہ نہیں کہا کہ عورت چاہے ماں ہو یا بہن' بیوی ہو یا بیٹی' ہر روپ میں ناقابلِ اعتبار اور قابلِ نفرت ہوتی ہے۔ وہ مجھ سے متنفر ہو چلا ہے۔ اپنی بہن کو بہانے سے مارتا پیٹتا ہے......... تم اپنی سرکار کی وفاداری کا دم تو بہت بھر رہے ہو۔ کیا شرجیل کو عورت ذات کے خلاف ورغلا کر تم نے اسے اپنی سرکار کے خلاف بھی نہیں ورغلایا ہے؟

میری توقع کے برعکس وہ ذرا بھی خفیف نہیں ہوا بلکہ ڈھٹائی سے بولا۔ "میں [illegible] غلط تو نہیں کہا۔ عورت قابلِ اعتبار کم ہی ہوتی ہے۔" اس نے ممی کی طرف دیکھا اور کہا "معاف کیجئے گا سرکار کچھ خاندانی باتیں بیان کرنے لگا ہوں۔" پھر اس نے ہماری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "رب مغفرت کرے بڑے سرکار یعنی آپ کے نانا جان کی۔ انہیں ان [illegible] والدہ ان کے بچپن میں چھوڑ کر اپنے ایک چاہنے والے کے ساتھ فرار ہوگئی تھیں۔ پھر جب وہ جوان ہوئے اور ان کی شادی ہوئی تو ان کی پہلی بیوی نے اپنے ایک آشنا کی [illegible] بڑے سرکار کو دودھ میں زہر گھول کر دینے کی کوشش کی مگر عین وقت پر مجھ جیسے [illegible] نمک خوار نے اسے دودھ میں زہر ملاتے دیکھ لیا اور سرکار نے کھڑے کھڑے اسے گولی مار دی۔"

"خدایا!" میں جھرجھری لے کر رہ گئی۔

نانا جان اتنے ظالم تھے! اور نانی جان ان کی دوسری بیوی تھیں۔

"پھر بڑے سرکار نے دوسری شادی کی اور ساری عمر دوسری بیوی پر بھروسا [illegible] کرسکے ہمیشہ انہیں شک کی نظر سے دیکھتے رہے پھر.........." اس کے نرد جملے پڑ گئے اور وہ ممی کو دزدیدہ نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "ہماری سرکار نے اپنی مرضی دکھائی اور اس صدمے نے بڑے سرکار کو تاحیات رنجیدہ رکھا۔ وہ اکثر مجھ سے کہا کرتے تھے 'وارث علی! میں نے اپنی زندگی سے یہی سبق سیکھا ہے کہ عورت کا اعتبار نہ کرنا۔"

"ایک آدمی کی زندگی کے نتائج کو سارے انسانوں کی زندگیوں پر لاگو نہیں کیا [illegible]

"بہرحال جی اپنا اپنا خیال ہے۔ رب مغفرت کرے بڑے سرکار کی طرح میں بھی عورت کے ناقابلِ اعتبار ہونے کا قائل ہوں۔ میری پہلی عورت نے بھی مجھ سے چوری چھپے اپنے سارے گہنے اپنے جواری بھائی کی نذر کردیئے۔ بات کھلتے ہی میں نے اسے طلاق دی.......... اور اس کے گھر چلتا کیا۔ دوسری نے پہلے خاوند سے طلاق لئے بغیر جھوٹا طلاق نامہ دکھا کر مجھ سے شادی کی۔ بات کھلی تو مجھ سے اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔ تیسری [illegible] کی ایسی ہلکی تھی کہ کوئی راز راز رکھ نہ سکتی تھی۔ اسے میں نے اسی عیب کی وجہ [illegible] فارغ کردیا۔ پھر.........."

"وارث علی! تم سے کہا کس نے تھا یہاں آنے کو۔"

"سرکار! معافی چاہتا ہوں۔" اس نے ممی سے کہا پھر ہماری طرف دیکھ کر بولا۔ "سرکار اتنی دور سے صرف آپ لوگوں کے واسطے یہاں آئی ہیں۔ اب پرانے قصے کو [illegible]

[illegible] کے آپ لوگوں میں راضی نامہ ہوجائے تو بہتر ہے۔"

"ہاں بیٹا! تم لوگ مجھے معاف کردو۔"

"کیا آپ جانتی تھیں کہ ایک روز ایسا بھی ہوگا کہ آپ مجرم بنی ہمارے سامنے کھڑی ہوں گی اور معافی کی خواستگار ہوں گی؟" میں نے ممی کے غم خوار وارث علی کی موجودگی کا لحاظ کئے بغیر کہا۔

"کاش جانتی ہوتی۔" ممی نے اپنا بایاں ہاتھ گلے پر رکھتے ہوئے خفت اور پچھتاوے سے معمور لہجے میں کہا۔

"ظالم کی بد قسمتی یہی ہے کہ وہ ظلم کرتے ہوئے یہ بھول جاتا ہے کہ وقت سے بڑا شاطر اور ظالم اور کوئی نہیں۔ جب وقت اپنی چال چلتا ہے تو فرائین کو سما دیتا ہے اور مظلوم کی خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو' ظلم کے انتہائی لمحوں میں بھی اس کے دل میں یہ یقین جاگزیں رہتا ہے کہ ایک نہ ایک دن حساب ضرور ہوگا مجھے بھی یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن آپ کا اور ہمارا اس طور سامنا ہوگا جیسا کہ آج ہوا ہے اور میں نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ جب کبھی بھی ایسا ہوگا تو میں آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انتہائی نفرت سے آپ کو دیکھوں گی اور پھر آپ سے منہ موڑ کر اتنی دور نکل جاؤں گی کہ پھر کبھی سامنا ہونے کا احتمال نہ رہے۔" میں نے ممی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ کے غم خوار وارث علی کے آنے کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ میں اپنے آپ سے کئے ہوئے اس برسوں پرانے عہد کو جوں کا توں نبھانے کی جرأت کرسکتی ہوں۔"

وارث [illegible]

تھی' اب میں اس عہد کو نبھانے کی ہمت کرسکتی تھی' میں نے حارث کی بے کسی کی موت کو یاد کیا۔ فرحین کی موت کو یاد کیا اور میری آنکھوں میں ممی کے لئے نفرت اُمنڈ آئی۔ میں نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں نفرت سے دیکھا اور کہا۔ "مجھے آپ سے نفرت ہے' شدید نفرت.........." پھر میں نے سرعت سے ان سے منہ موڑ لیا اور کمرے کے دروازے کا رخ کیا۔ بھیا میرے ساتھ ساتھ تھے۔

میں اپنے آپ سے کیا ہوا عہد نبھا چکی تھی۔

میں اپنی نظروں میں سرخرو ہوچکی تھی۔

میں ممی سے اپنا برسوں پرانا قرض وصول کرکے انہیں دوالیا کئے جارہی تھی۔

☆--------☆--------☆

مگر جونہی کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلے ہم نے شرجیل کو راہداری کے رخ واقع ممی کے کمرے کی کھڑکی کے نزدیک کھڑے جارحانہ تیوروں سے کمرے کے دروازے کی سمت دیکھتے پایا۔

خدایا! وہ نہ جانے کب سے وہاں کھڑا کمرے میں جھانک رہا ہوگا۔

وارث علی کتنا جھوٹا اور مکار آدمی تھا۔ اس نے تو شرجیل کے بارے میں میرے استفسار پر مجھے یہ بتایا تھا کہ وہ گھر جا چکا تھا۔

کیا بعید کہ وہ شرجیل کو خود ہی کھڑکی کے نزدیک کھڑا کر گیا ہو؟ کیا بعید کہ کمرے میں ممی کے اور ہمارے جھگڑے میں مداخلت سے قبل شرجیل کے ساتھ وارث علی بھی اسی کھڑکی سے ہماری باتیں سنتا رہا ہو۔

مگر بھیا تو اس راہداری سے کمرے میں آئے تھے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا تھا شرجیل کو وہاں؟

[illegible]

ہو سکتا ہے وہ دونوں بھیا کی آمد کے بعد وہاں آکر کھڑے ہوئے ہوں۔

ہو سکتا ہے وہ میری آمد کے بعد سے ہی وہاں کھڑے میری باتیں سن رہے ہوں اور بھیا کی آمد کی خبر پا کر کچھ دیر کو شرجیل خود ہی وہاں سے ہٹ کر اِدھر اُدھر ہو گیا ہو یا وارث علی نے اسے اِدھر اُدھر ہو جانے کی ہدایت کی ہو اور بھیا کے کمرے میں آجانے کے بعد وہ دونوں پھر وہاں آکر کھڑے ہو گئے ہوں۔

شرجیل پر نظر پڑتے ہی ہم ٹھٹک گئے۔

ہمیں دیکھ کر شرجیل نے بھاگنے یا منہ چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے اور بھیا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

شرجیل کے تاثرات ہمارے لئے خاصے معنی خیز تھے۔

میں تنویمی سی کیفیت میں شرجیل کی طرف بڑھی اور میں نے اس کے شانے پر اپنا

ہاتھ دھرتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹا! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

شرجیل نے میرا ہاتھ جھٹک دیا اور مجھے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں تو یہاں روز ہی آتا ہوں۔ آپ بتائیے آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

میں نے گردن موڑ کی بھیا کی طرف دیکھا اور ان کے عقب میں وارث علی کو کھڑے اور ممی کو دروازے کی اوٹ سے جھانکتے دیکھ کر میں شرجیل کے ہاتھوں اپنی اس تضحیک پر خفیف سی ہو گئی۔

"کیا کر رہی ہیں آپ یہاں؟" وہ اپنی دونوں مٹھیاں بھینچتے ہوئے ہذیانی انداز میں اس زور سے چلایا کہ بھیا اسے سنبھالنے کو بے اختیار آگے بڑھ آئے۔

"شرجیل! تم اپنی ماں سے بات کر رہے ہو۔" بھیا نے اسے ٹوکا۔

"مجھے نفرت ہے ان سے۔" وہ دھاڑا۔

وارث علی اور ممی کے سامنے اپنے نو عمر بیٹے کے ہاتھوں اپنی اس بے عزتی پر میرا رُواں رُواں احساسِ شرمندگی سے تپ اٹھا۔

میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ کر اسے بری طرح جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری ماں ہوں شجی۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے انتہائی تحقیر سے کہا۔

"اتنی بدتمیزی مت کرو۔" میں روہانسی ہو گئی۔

شرجیل نے [illegible]

کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور شعلے اگل رہی تھیں۔

"مم! مجھے آپ سے نفرت ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا پھر اس کی آواز بلند ہو گئی۔ "مجھے آپ سے نفرت ہے۔" اور آخر کار وہ اپنے جسم کی پوری توانائی کا زور لگاتے ہوئے چلا دیا۔ "مجھے آپ سے نفرت ہے۔"

رنج غصہ، شرمساری اور بے بسی کے شدید ترین درجے نے مجھے ایک ساتھ آلیا۔ میں سرتاپا لرزنے لگی۔ شرجیل نے انگلی میری سمت اٹھائی اور چلا کر بولا۔ "آپ ایک دھوکے باز عورت ہیں.......... آپ ایک فریبی ماں ہیں.......... آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا.......... آپ نے مجھے میرے اصل باپ کی تصویر کبھی نہیں دکھائی.......... آپ نے میرے باپ کو مار دیا.......... آپ میرے باپ کی قاتل ہیں.......... آپ راحیل کے باپ کی بھی قاتل ہیں.......... آپ ایک روز مجھے بھی مار دیں گی.......... مجھے آپ سے نفرت ہے.......... دور چلی جائیے.......... دفع ہو جائیے۔"

میرا جی چاہ رہا تھا' بلک بلک کر رو دوں مگر وارث علی اور ممی کے سامنے رو کر میں اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مگر مجھے بہرحال کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔

یک بیک مجھ پر ہیجان سا طاری ہو گیا۔ میں پلٹی اور میں نے وارث علی کا گریبان پکڑ کر اس کو اس بری طرح جھنجھوڑا کہ وہ جو اس صورتِ حال کا غالباً تصور بھی نہ کر سکتا تھا' لڑکھڑا کر دیوار سے جان ٹکرایا۔ "دیکھا' بڈھے تُونے کیا کیا ہے میرے بچے کے ساتھ؟" میں پاگلوں کی طرح چلا دی۔

"زری! ہوش میں رہو۔" بھیا نے مجھے سنبھالنے کی کوشش کی۔

"نہیں.......... مجھے چھوڑ دیجئے۔" میں نے وارث علی کے سینے پر دیوانہ وار مکے برسانا شروع کردیئے۔

"زری! میری بچی.......... ہوش میں آؤ۔" ممی نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی۔

مگر مجھ پر جنون سوار ہو چکا تھا۔

"میں تجھے مار ڈالوں گی.......... تجھے مار ڈالوں گی بڈھے۔" میں چلا رہی تھی۔

"خدایا! خدایا! یہ کیا ہو رہا ہے۔" ممی اپنے ہاتھ مسلتے ہوئے بلک بلک کر رونے لگیں۔

اچانک شرجیل چیتے کی سی سرعت سے مجھ پر حملہ آور ہوا اور اُس نے اپنے دانت اتنی شدت سے میری کلائی میں گاڑ دیئے کہ میں بلبلا کر رہ گئی۔ میں نے وارث علی کو چھوڑ دیا۔ بھیا شرجیل کو [illegible]

"ارے کوئی پولیس کو فون کرے۔" ممی چلائیں۔

"نہیں.......... ہرگز نہیں۔" بھیا نے کہا اور شرجیل کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

میری کلائی میں شرجیل کے دانتوں کے نشانات گڑ گئے تھے اور خون رس رہا تھا۔

"بیوقوف لڑکے! دیکھو یہ کیا کیا تُونے؟" بھیا نے شرجیل کو اپنے بازوؤں کے حصار سے آزاد کرنے کے بعد میری زخمی کلائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

شرجیل نے دزدیدہ نظروں سے میری کلائی کو دیکھا پھر ہذیانی انداز میں چلا کر بولا۔

"اب کوئی مجھ سے بکواس نہ کرے' میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ آن کی آن میں جائے واردات سے بھاگ گیا۔

"کلثوم ذرا دواؤں کا صندوقچہ تو لے آ۔" ممی نے تشویش سے میری کلائی کو دیکھتے ہوئے اپنی ملازمہ سے کہا جو جائے واردات سے چند قدم پرے وحشت زدہ سی کھڑی تھی۔

"نہیں' کوئی ضرورت نہیں۔ میرے گھر میں دوا موجود ہے۔"

"کیا یہ تمہارا گھر نہیں؟" ممی بولیں۔

"جی نہیں۔" میں نے بلا رورعایت کہا۔

شرجیل نے جو بدتمیزی کی تھی وہ مجھے ممی اور ان کے نوکروں کے سامنے مزید ٹھہرے رہنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ ہم وہاں سے چلنے لگے تو ممی نے بھیا سے کہا۔ "عارف بیٹے! دانتوں کا گھاؤ ہے اینٹی ٹیٹنس انجکشن ضرور لگوا دینا۔"

"زہر کا نہ لگوا دیں؟" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ممی شرمندہ سی ہو گئیں۔

میں ممی کے قریب سے گزری تو انہوں نے متاسف لہجے میں کہا۔ "معاف کرنا بیٹی پہلی مرتبہ تم یہاں آئیں اور زخم لے کر جا رہی ہو۔"

میں نے زہر خند نگاہوں سے ممی کو دیکھا اور کہا۔ "یہ کوئی نئی بات تو نہیں' آپ نے ہمیں ہمیشہ زخموں کے سوا اور دیا ہی کیا ہے؟ یہ تو ظاہری زخم ہے' ایک نہ ایک دن بھر جائے گا۔ دل کے زخم کیونکر بھر پائیں گے؟"

ممی کی آنکھوں میں شرمساری تیر گئی اور انہوں نے سر جھکا لیا۔

ہم گھر پہنچے تو راحیل کو متفکر پایا۔

"مم! کچھ گڑبڑ ہو گئی کیا؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"نہیں.......... نہیں تو۔"

"پھر بھی اتنے غصے میں بھریوں آیا ہے؟"

"کہاں ہے وہ؟" مجھے اپنے زخم کی تکلیف کے بجائے شرجیل کی فکر تھی۔

"اوپر چلا گیا ہے اپنے کمرے میں۔ بہت غصے میں معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے آپ لوگوں کا پوچھا تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔" "آپ لوگ اتنی دیر سے کیوں لوٹے؟"

"آں.......... ہاں.......... بس.......... یونہی ذرا۔" بھیا نے بڑا بے ربط اور بے معنی سا جواب دیا۔ میں اپنے کوٹ کی آستین کو آگے کھینچ کر اپنی کلائی کا زخم چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"شکر ہے آپ لوگ واپس تو لوٹے۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوا جا رہا تھا کہ کہیں کوئی بڑا معرکہ نہ ہو گیا ہو۔" راحیل ہنسا اور بولا۔ "مم! انکل کو تو میں نے جونہی بتایا کہ آپ ہمسائی کے نوکر کی خبر لینے گئی ہیں۔ انکل تو فوراً الٹے پاؤں وہاں چلے گئے۔"

اچانک راحیل کے لہجے میں تشویش امنڈ آئی۔ "خیریت تو ہے مم؟"

"آں............ ہاں............ ہاں۔"

"کچھ پریشان لگ رہے ہیں آپ لوگ۔" وہ ہمیں گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں............ نہیں تو۔"

"میں بچہ نہیں ہوں مم! کوئی بات ضرور ہے جو آپ مجھ سے چھپانے کی کوشش کررہی ہیں۔ کوئی بات ضرور ہوئی ہے............ کوئی بڑی بات۔" اچانک اس کی نظر میری کلائی کے زخم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ "یہ آپ کے ہاتھ پر کیا ہوا؟" اس نے میرے نزدیک آکر میری کلائی تھامتے ہوئے انتہائی تشویش سے پو[illegible]

"بس یونہی ذرا............"

"اوہ خدا! یہ تو کسی انسان نے دانتوں سے کاٹا ہے! کس نے مم؟"

میں کشمکش میں پڑگئی کہ بتاؤں یا نہ بتاؤں۔

"بتائیے نا" راحیل نے اصرار کیا۔

میں چپ رہی۔

"انکل آپ ہی بتا دیجئے۔" اس نے بھیا سے لجاجت سے کہا۔

"شجی نے۔" بھیا نے دھیرے سے بتایا۔

"شجی نے!" وہ چونکا۔ "مگر کیوں؟"

"بیٹا!" بھیا نے اس کے شانے پر دوستانہ انداز میں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "فی الحال تو تمہاری مم کے زخم کی پٹی کرنا ضروری ہے۔ ذرا فرسٹ ایڈ بکس تو لے آؤ۔"

راحیل فرسٹ ایڈ بکس لے آیا اور بھیا میرے زخم کی ڈریسنگ کرنے لگے۔

"شجی نے ایسا کیوں کیا مم؟" راحیل نے پھر پوچھا۔

میں راحیل کے اس سول کا جواب دینے سے قاصر تھی۔

"بیٹا! وہ............ وہ عام سا بچہ نہیں ہے............ الجھی ہوئی طبیعت کا حامل ہے۔"

"لیکن کیوں؟ کیوں ہے وہ ایسا؟" راحیل کے لہجے کے اضطراب میں مجھے اپنے زخم کی دکھن محسوس ہوئی۔ بھیا نے شانے اچکا دیئے۔

مگر راحیل کے اس سوال کا جواب میرے دل میں پھانس کی صورت موجود تھا۔

شرجیل، ممی سے میرے انتقام کا جواب تھا۔

شرجیل مجھ سے میری کم علمی کے باعث سرزد ہوجانے والے ایک گناہ کا تلخ ثمر تھا۔

شرجیل ایسا اس لئے تھا کہ میں ممی سے انتقام لینے کی دھن میں جائز و ناجائز، گناہ

اور ثواب کی حدِ فاصل عبور کرکے اپنے سوتیلے باپ سے ازدواجی تعلق قائم کر بیٹھی تھی۔

میں اپنی ماں کی سوکن بن گئی تھی۔

میرا بیٹا شرجیل میری ماں کا نواسا ہی نہیں ان کی سوتیلی اولاد بھی تھا۔

دافع تشنج انجکشن لگوانے کے لئے بھیا مجھے اسپتال لے گئے، گھر سے نکلنے سے قبل بھیا نے راحیل کو سمجھایا کہ وہ ہماری واپسی تک شرجیل سے کوئی بات نہ کرے۔

"انکل! اس نے مم کے ساتھ اتنی درندگی دکھائی میں چپ کیسے رہ سکتا ہوں۔"

راحیل نے جارحانہ تیوروں سے کہا۔ "میں اس سے پوچھوں گا تو سہی کہ اس نے یہ بدتمیزی کیوں کی؟"

"میری جان! میری خاطر!" میں نے لجاجت سے کہا۔ "تمہیں میری قسم، شجی سے کوئی پوچھ گچھ، کوئی بات مت کرنا بلکہ اگر وہ تم سے کوئی بدتمیزی کرنے کی کوشش کرے بھی تو تم چپ رہنا۔"

"مگر مم! آخر اس نے ایسا کیا کیوں؟"

"تفصیل ہم تمہیں آکر بتائیں گے بس اس وقت اتنا سمجھو کہ شجی شدید نوعیت کے نفسیاتی بھونچال سے گزر کر گھر آیا ہے۔ تم اسے کسی قیمت پر چھیڑنے کی یا اس سے الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

راحیل خاموش رہا مگر اس کی خاموشی اس کے غصے اور کوفت کو چھپانے میں ناکام رہی۔

"[illegible]"

"جی۔"

"وعدہ کرو کہ تم شجی سے کوئی بات نہیں کرو گے؟"

اس نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

☆------☆------☆

اسپتال سے واپسی پر ہم نے اپنے گھر کی بالائی منزلوں کو دھوئیں اور شعلوں میں گھرے پایا۔ گھر کے باہر لوگوں کا ہجوم تھا۔ بھیا نے شدید جھٹکے سے گاڑی روکی اور ہم گاڑی سے اتر کر دیوانہ وار اپنے گھر کی طرف لپکے مگر میری ٹانگ نے مجھے زیادہ تیزی دکھانے کی اجازت نہ دی۔ بھیا مجھ سے آگے نکل گئے۔

"کیا فائر ڈیپارٹمنٹ والوں کو اطلاع دی گئی؟" ایک زنانہ آواز نے بہ آواز بلند پوچھا۔

"ہاں وہ آرہے ہیں" کسی نے جواب دیا۔

راحیل اور یاسمین گھر کے باہر متوحش کھڑے تھے۔

"یہ کیا ہوا بیٹے؟ کیسے ہوا یہ؟" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں راحیل سے پوچھا۔

"مم!" اس نے بتایا۔ "میں تو آپ کے کمرے میں یاسمین کے پاس بیٹھا ہوا تھا .... کہ اچانک شجی کے زور زور سے چلانے کی آواز سنائی دی۔ میں اوپر پہنچا تو دیکھا کہ اس کے کمرے کا دروزاہ بند تھا۔ پٹرول کی بو آرہی تھی اور وہ زور زور سے چلا رہا تھا کہ میں اس گھر کو آگ لگانے جارہا ہوں........... میں سمجھا کہ وہ دھمکیاں دے رہا ہے اور ہرگز ایسی بے وقوفی نہیں کرے گا........... کیونکہ آپ لوگ مجھے اس کے منہ لگنے سے منع کر گئے تھے اس لئے میں آپ کے کمرے میں دوبارہ جاکر یاسمین کو کہانی سنانے لگا مگر کچھ دیر بعد پھر شجی کے زور زور سے چلانے کی آوازیں آنے لگیں میں پھر اوپر پہنچا تو دیکھا کہ اس کے کمرے میں آگ لگی ہوئی تھی۔"

"شجی کہاں ہے؟" میں نے بے تابانہ پوچھا۔

"وہ........... وہ........... گھر میں ہے۔"

"نہیں!" میں ہذیانی انداز میں چلاتی ہوئی اپنے گھر کے اندر لپکی۔

"ارے! ان خاتون کو روکو........... اتنی آگ میں اندر جانا حماقت ہوگی" کسی نے چلا کر کہا۔

بھیا لاؤنج سے بالائی منزل کو جانے والے زینے پر کھڑے کثیف دھوئیں کو گھور رہے تھے.. کہ اند[illegible]

"بھیا! شجی اندر ہے۔" میں چلائی اور میں نے بھیا کے ردِ عمل کا انتظار کئے بغیر اوپر جانے کو پر تولے۔

بھیا میری راہ میں آگئے۔

"کیا کہا تم نے........... شجی اندر ہے؟"

"ہاں........... ہاں........... شجی اندر ہے۔"

"اوہ!" بھیا اوپر لپکے۔

میں بھی چیختی چلاتی ریلنگ کا سہارا لئے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"زری! تمہیں آنے کی ضرورت نہیں........... میں اوپر جارہا ہوں۔" بھیا نے پلٹ کر کہا۔

"اوہ میرے خدا!" ہمارے عقب میں دروازے کی سمت سے آواز سنائی دی۔ "دو

افراد پہلے ہی اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر اندر جا چکے ہیں۔ اب اور لوگ تو حماقت نہ کریں۔"

"آہ' میرا بچہ!" میں چلائی' میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اور میں لڑکھڑا کر زینے پر گر پڑی۔ بھیا نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ دھوئیں کی چادر نے مجھ پر ان کے چہرے کے نقوش واضح نہ ہونے دیئے انہوں نے بہ آواز بلند کہا۔ "زری! تم وہیں ٹھہرو........... آگے بہت دھواں ہے۔ خطرہ ہے........... راستہ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔"

میرے خدا! یہ میری زندگی کا کیسا منحوس دن تھا۔

کاش! میں ممی کے ہاں نہ گئی ہوتی۔

کاش! ممی ہمارے پڑوس میں نہ آبسی ہوتیں۔

ممی! تف ہے آپ پر! آپ نے ہمیں دکھ کے سوا کبھی کچھ نہیں دیا۔

آہ! میرا بچہ شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔

مجھے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

دھواں میری آنکھوں اور حلق میں گھسا جارہا تھا۔

باہر آگ بجھانے والی گاڑیوں کے مخصوص سائرن سنائی دے رہے تھے۔

"شکر ہے فائر ڈیپارٹمنٹ والے آپہنچے۔" کسی نے زور سے کہا۔

"مگر آگ بہت پھیل چکی ہے۔" ایک دوسری آواز سنائی دی۔

"کوئی پلٹا بھی کہ نہیں؟"

"اتنی شدید آگ بھلا جانے والے کو واپس آنے کی اجازت دے سکتی ہے۔"

فائرمین اپنا کام شروع کر چکے تھے۔

کوئی مجھے سہارا دے کر زینے پر سے اٹھا کر باہر نکال لایا تھا۔

"سنا ہے جب آگ لگی تو ایک نو عمر لڑکا اندر ہی گھرا رہ گیا۔"

"وہ بے چارہ تو جھلس گیا ہوگا۔"

"خدا نہ کرے!"

"آگ لگی کیسے؟"

"کچھ پتا نہیں۔"

"کیا تیسرے صاحب بھی اندر چلے گئے؟"

"ہاں۔"

"کیا حماقت کرتے ہیں لوگ! ایک کے بجائے اس وقت چار جانیں داؤ پر لگی ہوئی

ہیں۔ دیکھئے اس شدید آگ سے کون نصیب ور زندہ سلامت نکلتا ہے۔"

"شجی شجی!" میرے دل نے پکار کر کہا۔ "شجی کو نصیب ور ہونا چاہئے۔"

کتنی خود غرضی کا مظاہرہ کر رہا تھا میرا دل کہ بھیا پر جو زندگی کے ہر نشیب و فراز میں میرے ساتھ رہے تھے۔ ان پر شجی کو ترجیح دے رہا تھا۔

مگر وہ دو افراد جو بھیا سے پہلے اندر جا چکے تھے کون تھے؟

میں نے انتہائی بے بسی سے اپنے چار اطراف دیکھا کہ کیا میری اس خانماں بربادی کا منظر دیکھنے والوں میں ممی اور ان کا وہ بد ذات وارث علی بھی شامل ہیں؟ مگر اتنے ہجوم میں' میں کس کس کا چہرہ دیکھتی۔

فائرمین ہر طرف سے آگ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

مجھے برسوں پہلے نانا جان کے گھر میں آتشزدگی کی خوفناک واردات یاد آ رہی تھی۔ تب بھی رات ہی کا وقت تھا۔ علی ضیاء اندر تھا۔ اب بھی رات ہی کا وقت تھا۔ بھیا اور شرجیل اندر تھے۔

باقی دو افراد کو نہ میں جانتی تھی اور نہ ہی ان کے لئے فکر مند تھی بالکل ویسے ہی جیسے اس رات میں نانی جان کے لئے متفکر نہ تھی۔

خدایا! کیا بعض واقعاتِ زندگی کا مقام و اشخاص کی تبدیلی کے ساتھ یوں بھی اعادہ ہوا کرتا ہے!

آتشزدگی کی اس واردات [illegible]

بس ان کے ہاتھوں کو تھوڑی سی گزند پہنچی تھی۔ [illegible]

شرجیل کو کافی تکلیف بھگتنا پڑی۔ جب بھیا اسے اپنے دونوں بازوؤں پر ڈالے باہر لائے تو میں یہی سمجھی تھی کہ اپنے باپ کی طرح خدا نخواستہ شرجیل بھی.......... مگر وہ بچ گیا تھا اور اسے بچانے والی ہستی ممی تھیں۔

ممی کو فائرمین کافی جھلسی ہوئی حالت میں نکال کر لائے۔

وارث علی جو غالباً اپنے مالکوں کا حقِ نمک ادا کرنے کی خاطر ممی کے پیچھے پیچھے ہمارے جلتے ہوئے گھر میں چلا گیا تھا.......... مردہ حالت میں ملا۔

پولیس آتشزدگی کی اس واردات کے جائزے اور تفتیش کے لئے آئی تو ہم نے واردات کے جملہ کرداروں کے بیانات میں بُعد اور تضاد کو پریشانی میں اضافے کا سبب نہ بنا دینے کی خاطر پولیس کو سچ سچ سب کچھ بتا دینا بہتر جانا' ماسوا اس کے کہ ہماری ماں نے ہم

بھائی بہنوں کو زہر دیا تھا۔ مگر یہ سب کچھ بتانے سے قبل ہی ہم نے پولیس سے وعدہ لیا کہ ہماری کہانی مشتہر نہ کی جائے گی۔

اسپتال کے بستر پر ممی اور شرجیل نے جو بیانات دیئے وہ بھیا اور راحیل کے اور میرے بیانات سے قطعاً ہم آہنگ تھے۔ ان بیانات کی روشنی میں آتشزدگی کی اس واردات کی جو تصویر بنتی تھی وہ یہ تھی کہ بھیا کے اور میرے اسپتال جانے کے بعد راحیل چھوٹی بہن یاسمین کو بہلانے کے لئے اس کے بستر کے نزدیک کرسی پر بیٹھ کر اسے کہانی سنانے لگا تھا۔ شرجیل جو مشتعل بھی ہو رہا تھا اور مجھ سے بد تمیزی کرنے کے بعد خائف اور شرمسار بھی تھا' دبے پاؤں اپنے کمرے سے نکلا اور گیراج میں جا کر پٹرول کا وہ ڈبا اٹھا لایا جو بھیا وقت بے وقت کے لئے محفوظ رکھتے تھے۔ باورچی خانے سے اس نے دیا سلائی اٹھائی اور تیسری منزل پر اس نے جا بجا پٹرول چھڑکنے کے بعد اپنے کمرے میں خوب اچھی طرح پٹرول چھڑکا اور پھر زور زور سے چلانے لگا کہ وہ اس گھر کو آگ لگانے جا رہا ہے۔ راحیل اس کے بہ آواز بلند چلانے کی آوازیں سن کر اوپر پہنچا اور شرجیل کو بکتے جھکتے سن کر اس نے یہ جانا کہ وہ محض گیدڑ بھبکیاں دے رہا ہے۔ میری اور بھیا کی ہدایت کے بموجب اس نے بات بڑھ جانے کے خدشے کے تحت شرجیل سے کچھ کہنے سننے یا اسے سمجھانے بجھانے سے گریز کیا اور دوبارہ کمرے میں جا کر یاسمین کو کہانی سنانے لگا لیکن کچھ دیر بعد وہ جب شرجیل کی چیخیں سن کر باہر نکلا تو اس نے شرجیل کے کمرے کی کھڑکی کے شیشوں پر شعلوں کا عکس لہراتے دیکھا۔ حواس باختہ ہو کر وہ یاسمین کو اپنے ہمراہ لئے پڑوسیوں کی مدد حاصل کرنے کو دوڑا۔ بقول اس کے وہ اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا کہ اسے یہ [illegible] نہ رہی کہ پہلے اسے فائر ڈیپارٹمنٹ کو اطلاع دینی چاہیئے۔

فائر ڈیپارٹمنٹ کو ہماری پڑوسن مسز الفریڈ نے اطلاع دی۔

ممی' جن کے بارے میں راحیل کو اس وقت تک یہ راز معلوم نہ تھا کہ وہ اس کی اور شرجیل کی سگی نانی اور بھیا کی اور میری سگی ماں تھیں یہ سن کر کہ شرجیل نے اپنے کمرے میں آگ لگا دی تھی اور خود بھی کمرے ہی میں رہا.......... اپنے ملازموں کے ساتھ ہمارے گھر پہنچیں۔ اس وقت تک آگ تیز ہو چکی تھی۔ آس پاس کے لوگ گھر کے باہر جمع ہو چکے تھے' راہرو تھم گئے تھے۔

ممی نے راحیل کو یاسمین کے ساتھ باہر ہی ٹھہرنے کی ہدایت کی تھی اور شرجیل کو بچانے کے لئے لوگوں کے منع کرنے کے باوجود گھر میں گھستی چلی گئیں۔ وارث علی بھی ان کے ہمراہ تھا۔ وہ دونوں زینے سے اوپر پہنچے تو شرجیل کو شعلوں میں گھرے پایا۔ بھیا کے

اوپر پہنچنے تک شرجیل کو تو ان دونوں نے جوں توں بچا لیا مگر خود شعلوں کی لپیٹ میں آگئے۔ ممی بری طرح جھلس گئیں اور وارث علی جاں بحق ہو گیا۔

وارث علی کی میت پر ممی کی ملازمہ کلثوم کو بین کرتے سن کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ وارث علی کی بیوی تھی۔ ظاہر ہے چوتھی بیوی۔ بھیا نے کلثوم کو وارث علی کی انگلستان ہی میں تدفین پر آمادہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر اس نے صاف انکار کردیا اور میت کی پاکستان میں تدفین پر مصر رہی۔ میت اور میت کے ساتھ کلثوم کی روانگی کے انتظامات بھیا نے کئے۔ وارث علی کی سوختہ میت ہمارے گھر سے باہر لائے جانے سے میت کے ہمراہ اپنی پاکستان روانگی تک کلثوم سے میرا جب بھی سامنا ہوا اس نے مجھے پُرنم شاکی نگاہوں سے دیکھا۔ پاکستان روانہ ہوتے سے پہلی بار زبان سے بھی شکوہ کردیا۔"

"بی بی! مجھے کالی چادر آپ نے اُڑھائی ہے۔ آپ نے حویلی آکر اپنی ای جی کا سر ننگا کیا۔ اپنا سر ننگا کیا اور اب مجھ سے میرے سر کا تاج' میرا وارث علی چھین لیا۔

وارث علی زندہ ہوتا تو دیکھتا کہ اس کی چوتھی بیوی اس کے موت پر کتنی غمزدہ تھی۔ تب شاید وہ عورت کے بارے میں اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوجاتا۔

میں ایک معمولی عورت کے ہاتھوں ذلیل ہو کر رہ گئی

اس کی بات میخ کی طرح میرے دل میں اتر کر رہ گئی۔

ممی کی اور اپنی بیوگی کا الزام وہ یکسر میرے سر ڈال گئی تھی۔

ہمارے گھر کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ وہ گھر جسے میں نے آرام دہ اور پُرسکون بنانے [illegible] بڑے شوق سے سنوارا تھا ہیبت ناک نظر آنے لگا تھا۔ اس شام ممی کے گھر میں شرجیل کے جنون کا نشانہ بننے کے بعد دافع تشنج سوئی لگوانے کے لئے بھیا کے ہمراہ اسپتال جاتے ہوئے میں نے بھیا سے وعدہ لیا تھا کہ شرجیل کے حق میں بہتری اور آئندہ کسی ناگوار صورتِ حال یا الجھنوں سے بچنے کی خاطر وہ ہمیں جلد از جلد ممی کے پڑوس سے کہیں اور منتقل کرنے کی کوشش کریں گے۔ بھیا کی جائے ملازمت لندن میں ہونے کی وجہ سے انہیں دقت کا احتمال نہ ہوتا تو میں کنٹربری والے مکان میں مستقل قیام کو ترجیح دیتی۔ جیسا سکون وہاں تھا ویسا لندن میں کہاں تھا۔ بھیا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ لندن میں ہمارا موجودہ گھر جلد از جلد فروخت کرکے نیا گھر خریدنے کی کوشش کریں گے۔ مگر اب تو اس گھر کو مناسب قیمت پر فروخت کرنے کے لئے پہلے اس کی سوختگی کو دور کرکے اسے مناسب صورت میں لانا ضروری تھا۔

آتشزدگی کے حادثے کے بعد شرجیل اور ممی کو ایک ہی اسپتال میں داخل کرایا گیا

تھا۔ آگ نے شرجیل کے بازوؤں' سینہ اور پیٹ کو متاثر کیا تھا۔ ممی کی حالت بہت خراب تھی۔ آگ نے انہیں بری طرح جھلسا دیا تھا۔ بھیا نے ان کی نگہداشت میں دن رات ایک کر رکھا تھا اور یہ ہمارے ڈیڈی کی موت کے بعد غالباً پہلا موقع تھا جب میں بھیا کو ممی پر مہربان و مشفق دیکھ کر بھیا کے اس رویے کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرپارہی تھی۔ اگر اس کا ایک سبب یہ تھا کہ ممی نے میرے بیٹے کی جان بچائی تھی تو............ دوسرا سبب یہ کہ ممی سے میرا انتقام تو اس شام پورا ہوچکا تھا جب اپنے آپ سے اپنے برسوں پرانے عہد کو نبھانے کی خاطر ممی کو بھرپور نفرت سے دیکھ کر ان سے منہ موڑ کر ان کے گھر سے نکل آئی تھی اور شاید تیسرا سبب یہ کہ ممی کے اور میرے بیچ ایک ایسا اٹوٹ اور انمول رشتہ تھا جس کے تقدس اور حرمت کی فرشتے بھی قسم کھا سکتے ہیں!

ممی ہمارے حق میں کتنی ہی سنگدل' کیسی ہی بے مروت اور خود غرض کیوں نہ ثابت ہوئی تھیں بہرحال ہماری ماں تھیں۔

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ ممی کے ظلم وزیادتی کے خلاف سراپا احتجاج اور مجسم انتقام بن جانے کے باوجود میرے دل کے ایک چور گوشے میں ممی سے میری محبت کی ایک ننھی سے چنگاری ہمیشہ میرے دل کو گرماتی رہی تھی۔

یہ غلط نہیں ہے کہ شدید نفرت اکثر شدید محبت کی کوکھ سے ہی جنم لیا کرتی ہے۔ کبھی مجھے ممی سے انتہائی محبت ہوا کرتی تھی' اتنی کہ اگر کبھی میں انہیں دن کے وقت بستر پر پڑے دیکھ لیتی تو اس خیال سے وحشت زدہ ہوجایا کرتی تھی کہ کہیں وہ بیمار تو نہ ہوگئی ہیں............ میرے بچپن کی دعاؤں میں سرِ فہرست یہ دعا ہوا کرتی تھی کہ مجھ سے سب کچھ چھن جائے مگر ممی کو مجھ سے کبھی کوئی نہ چھین سکے۔ کتنی بے وقوف تھی میں کہ اپنی اس دعا میں ڈیڈی کو شامل کرنا بھول جایا کرتی تھی۔ شاید میری اسی حماقت کی سزا میں ڈیڈی مجھ سے بہت جلد چھن گئے تھے! باوجود یہ کہ ممی بھیا کے مقابلے میں مجھے ہمیشہ نظر انداز کیا کرتی تھیں' میں ہمیشہ ممی کو اپنے دل میں سب سے اونچے سنگھاسن پر براجمان رکھتی تھی۔ اور جب............ جب میں نے ممی کو اس سنگھاسن سے ازخود نیچے اترتے دیکھا تو میں وحشت زدہ ہوگئی۔............ جب میں نے ممی کو اپنے سے دور جاتے دیکھا تو میں تڑپ گئی............ جب میں نے ممی کو اپنے سے نگاہیں بدلتے دیکھا تو میں مجسم انتقام بن گئی تھی۔

واقعی اس نفرت سے زیادہ شدید کوئی نفرت نہیں ہوتی جو محبت کی کوکھ سے جنم لے۔

اور شاید اس محبت سے زیادہ محبوب و شرمسار محبت کوئی نہیں ہوتی جو سرد پڑ جانے والے جذبۂ انتقام کی آغوش سے منہ نکال کر اپنے کسی پیارے کو دیکھے۔

ممی سے میری محبت کے تیور مراجعت یہی تھے۔

زندگی بھی بعض اوقات بڑی بوالعجبیوں کا مظاہرہ کرتی ہے۔

ڈیڈی کی موت ممی کو ہم سے دور لے گئی تھی۔

شرجیل کا زندہ بچ جانا مجھے ممی کے قریب کر گیا تھا۔

اگرچہ ممی کی طرح شرجیل بھی ان دنوں اسپتال ہی میں پڑا تھا مگر اس کی زندگی کو خطرہ لاحق نہ تھا۔ اُس کا اس ہولناک آگ سے زندہ نکل آنا بلاشبہ ایک معجزہ ہی تھا۔ اس کے اس نئے جنم کو میں ممی اور وارث علی کا مرہونِ منت سمجھتی تھی۔ اگر وہ دونوں شرجیل کو بچانے کے لئے اس جلتی آگ میں نہ کود پڑے ہوتے تو کون جانے کیا ہوتا۔

ممی کافی دنوں تک دنیا و مافیہا سے بے خبر سی پڑی رہیں۔ ان کی تکلیف کی شدت میں افاقے کی خاطر انہیں خواب آور دوائیں دی جاتی رہیں۔ جب بھیا بستر پر پڑی سوختہ جاں اور گھائل ممی کی بڑی محبت سے نگہداشت میں منہمک ہوتے تو میں دزدیدہ نظروں سے انہیں دیکھے جاتی۔ ممی پر بھیا کا التفات دیکھ کر اب میں چراغ پا نہ ہوتی بلکہ کبھی کبھی میرا جی چاہتا کہ میں بھی ممی کی دیکھ بھال میں بھیا کا ہاتھ بٹاؤں۔

ایک روز جب بھیا ممی کے چہرے پر دھیرے دھیرے مرہم لگا رہے تھے تو میں ان کے [illegible] دیکھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" بھیا نے میری توجہ اپنے متحرک ہاتھوں پر مرکوز دیکھ کر کہا۔

میں نے ایک گہری سانس کھینچی اور کہا۔ "میں یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں کہ ہم دونوں میں سے غلط کون تھا؟"

"کس کی بات کر رہی ہو؟" خدا جانے بھیا واقعی نہ سمجھ پائے تھے یا انہوں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا تھا۔

"آپ کی اور اپنی بات کر رہی ہوں۔"

بھیا نے ہاتھ روک لئے اور میری طرف دیکھ کر بولے۔ "زری! جیسے ہم اچانک ہی کسی طوفان میں گھر جانے والی کسی مسافر بردار کشتی کے سواروں سے یکساں ردعمل کی توقع نہیں کر سکتے۔ کوئی وحشت زدہ ہو کر چیخنے چلانے لگتا ہے، کوئی متحمل رہتا ہے، کسی کو صرف اپنی زندگی عزیز ہوتی ہے تو کوئی دوسروں کو بچانے کے لئے کمر ہمت کس کر کھڑا ہو جاتا ہے، اسی طرح یکساں حوادثِ زندگی سے دوچار افراد سے بھی یکساں ردعمل کی توقع

خیالِ خام ہے۔" بھیا نے توقف کیا پھر مزید بولے۔ "میں نے جو کچھ کیا وہ شاید میری مجبوری تھی یا میری فطرت کی کمزوری سمجھ لو اور............ تم نے جو کچھ کیا میں اسے بھی غلط نہیں سمجھتا۔"

خدایا! بھیا کا سا حوصلہ، استقامت، عفو درگزر اور معتدل مزاجی میں کہاں سے لاتی۔

جب ہم سے ممی کی بے اعتنائی اور نانی جان کے مظالم اور سختیاں اپنے عروج پر تھیں تب بھی بھیا کبھی میری طرح مشتعل نہ ہوئے تھے۔ آزمائش اور سختیاں، رنج اور کلفت کے انتہائی لمحوں میں بھی وہ ثابت قدم اور حوصلہ مند رہے تھے۔

اور جب میں اپنے جوشِ انتقام میں صرف نانی جان اور ممی ہی کے لئے نہیں بلکہ بشمول بھیا اور بھی بہت سوں کے لئے انتہائی پریشانی اور رنج و کلفت کا سبب بنی تو بھی وہ اسی تحمل مزاجی کا ثبوت دے رہے تھے۔

"مجھے افسوس ہے۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔ "کہ میں آپ کے لئے ہمیشہ پریشانیاں کھڑی کرتی رہی۔"

بھیا نے میرے شانے کو تھپتھپایا اور مسکرا کر بولے۔ "آئندہ کیا ارادے ہیں؟"

"کوشش کروں گی کہ آپ کو مزید کسی پریشانی اور الجھن میں نہ ڈالوں۔" میں نے سر جھکا کر کہا۔

انہوں نے ممی کی جانب دیکھا جو ہماری باتوں اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز پڑی تھیں اور [illegible]

"جی۔"

"ہو سکے تو ممی کو معاف کر دو۔"

"شاید آپ کو یاد نہیں، معاف تو انہیں میں بہت پہلے کر چکی ہوں۔"

"کب؟" وہ چونکے۔

"علی کی موت کے بعد۔"

"تو پھر تم نے اس شام ممی کے گڑگڑانے بلکہ تمہارے قدموں میں لوٹ جانے پر بھی انہیں معاف کر چکنے کے باوجود معاف کر دینے سے گریز کیوں کیا تھا؟"

"ایک پرانا قرض وصول کرنے کی خاطر۔"

"قرض! کیسا قرض؟"

میں نے ایک سرد آہ کھینچی اور کمرے میں بند کھڑکی کے شیشوں کے اس پار شاداب سبزہ زار کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس زنداں سے فرار کے بعد میں نے اپنے آپ سے

عہد کیا تھا کہ زندگی میں اگر کسی مقام پر ممی کا اور میرا اس طرح سامنا ہوا جیسا کہ اس شام ہوا تھا تو میں بھرپور نفرت سے ممی کو دیکھوں گی اور منہ موڑ کر ان سے اتنی دور چلی جاؤں گی کہ پھر کبھی سامنا ہونے کا احتمال نہ رہے۔"

بھیا کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"تو کیا تم ایسا ہی کرو گی؟"

"ارادہ تو یہی تھا مگر........"

"مگر کیا؟"

"ممی نے اپنے ایک احسان کا قرض مجھ پر چڑھا کر مجھے زیربار کر دیا ہے۔"

"احسان!"

"شرجیل کا بچنا' خدا کے بعد ممی کا بروقت اس کے پاس پہنچ جانے کا مرہونِ منت ہے۔"

بھیا کے چہرے پر اطمینان ہلکورے لینے لگا اور وہ بولے۔ "وارث علی کو بھول گئیں؟"

"ہاں!" میں نے دھیرے سے کہا۔ "وارث علی نے ثابت کر دکھایا کہ انسان خوبیوں اور خامیوں کا مرکب ہے۔"

میں نے بھیا کے ہاتھ سے مرہم کی ٹیوب لی اور ممی کے زخموں پر مرہم لگانے لگی۔ بھیا نے انتہائی بے یقینی سے مجھے دیکھا اور حیرانی سے صرف اتنا بولے۔ "کیا تم جانتی ہو کہ [illegible]"

"بہت اچھی طرح۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا۔

بھیا کو اس قدر حیران ہونے کی ضرورت تو نہیں تھی۔ اگر بارش میں دھوپ اپنا چہرہ دکھا سکتی ہے' پانی میں آگ لگ سکتی ہے تو قاتل ہاتھ مسیحائی بھی کر سکتے ہیں۔

"کیا جنگ واقعی ختم ہو چکی ہے؟" بھیا کی مسرت دیدنی تھی۔

"شاید!" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

کئی روز تک دنیا و مافیہا سے بے خبر رہنے کے بعد جب ممی ہوش میں آئیں تو انہوں نے بھیا سے جو اُن کے سرہانے موجود تھے سب سے پہلے یہی پوچھا کہ شرجیل کیسا ہے؟

جب میں شرجیل کو اس کے بستر سے ممی کے کمرے میں ان سے ملوانے لے گئی تو ممی نے مجھے اس قدر حیرانی اور بے یقینی سے دیکھا جیسے وہ دنیا کا نواں عجوبہ دیکھ رہی ہوں۔

"ممی! آپ اس قدر حیران نہ ہوں' جنگ واقعی ختم ہو چکی ہے۔" بھیا نے خوشگوار

لہجے میں کہا۔

ممی کے لبوں پر لرزش طاری ہو گئی اور آنکھوں سے سیلِ رواں بہہ نکلا۔

"مجھے معاف کر دو بیٹی!"

میں نے سر جھکا لیا کہ اگر ممی نے ہمارے ساتھ زیادتیاں کی تھیں تو انتقام کی رَو میں' میں بھی تو بہت دور نکل گئی تھی۔

☆--------☆--------☆

ممی سے میری صلح تو ہو گئی اور میرے دل میں ممی کے لئے مراجعت کر آنے والی محبت بھی روز بروز میرے دل میں پاؤں پسارتی چلی گئی۔ مگر ہم دونوں ایک دوسرے سے نظر ملا کر بات نہ کر پائے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس صورت حال میں بھی بہتری ہوتی چلی جائے گی اور ایک نہ ایک دن ہم دونوں ایک دوسرے سے نظریں ملا کر بات کر سکیں گے مگر میرا یہ خیال فقط ایک خیالِ خام ثابت ہوا۔ یہ کیفیت آئندہ زندگی میں ہمیشہ برقرار رہی۔

شرجیل تو تقریباً مہینہ بھر میں اچھا ہو گیا۔ خدا کے فضل و کرم سے اس کے چہرے کو تو ذرا سی بھی آنچ نہ پہنچی تھی۔ ممی کی مکمل صحت یابی میں البتہ کئی ماہ لگ گئے۔ ان کے چہرے کی پلاسٹک سرجری نے خاصا وقت لیا۔

شرجیل کے نفسیاتی علاج کے سلسلے میں ہمیں ایک خاتون ماہرِ نفسیات کی خدمات حاصل کرنا پڑیں جن کی بچوں کے نفسیاتی امراض کے علاج معالجہ کے سلسلے میں غیر معمولی شہرت تھی۔

ممی کے اصرار پر ہمیں ان کے گھر میں منتقل ہونا پڑا۔ برس ہا برس بعد ان کی زندگی میں یہ ہماری پہلی باضابطہ واپسی تھی۔ اپنا سوختہ گھر ہم نے مرمت کی الجھن میں پڑے بغیر اسی حالت میں فروخت کر دیا۔

گو شرجیل کی نفسیاتی کیفیت علاج معالجہ کے نتیجے میں کافی بہتر ہو گئی مگر میرے مکمل اطمینان کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ میں اسے راحیل کی طرح مؤدب' فرمانبردار' غیر جھگڑالو اور صلح جو قسم کا بچہ دیکھنا چاہتی تھی۔

بھیا کے خیال میں شرجیل کے معاملے میں میری سب سے بڑی مشکل بلکہ غلطی یہی تھی کہ راحیل اور شرجیل کو ایک ہی میزان کے مختلف پلڑوں میں سوار کر کے انہیں ہم وزن دیکھنے کی خواہاں ہو کر بچوں کے انفرادی اختلافات کا لحاظ رکھنے سے قاصر تھی۔

شرجیل کے بارے میں اس کی معالج کی رائے یہ تھی کہ شدید نوعیت کی زود حسی

اور انتہا درجے کا جذبۂ انتقام اس کی فطرت کا حصہ بن چکے تھے اور اس کی فطرت کے ان شدید ترین عناصر کو معتدل رکھنے کی صورت یہی تھی کہ اس کے ارد گرد حالات کو اعتدال میں رکھا جائے۔

جن دنوں شرجیل کا نفسیاتی علاج جاری تھا' شرجیل کی معالج کی کلینک میں مجھے ایک مخلوط النسل خاتون ملیں جن کی بچی شرجیل کی معالج کے زیرِ علاج تھی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ بچے کی ولادت سے قبل ماں جن نفسیاتی کیفیات کے زیرِ اثر رہتی ہے وہ پیدا ہونے والے بچے کی نفسیات پر انتہائی گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ خدا جانے یہ بات انہوں نے ذاتی تجربے کی بنا پر کہی تھی یا اپنے مطالعے اور معلومات کی بنیاد پر۔ بہرحال ان کی بات میرے دل کو لگ گئی۔ شرجیل کی پیدائش سے قبل میں بھی تو شدید نوعیت کی زود رنجی اور جذبۂ انتقام سے دوچار رہی تھی۔

شرجیل ممی سے میرے انتقام کا ثمر تھا اور اسے مجھے اس کی تمام تر تلخی کے باوجود عزیز رکھنا تھا۔

ممی یوں تو راحیل' شرجیل اور یاسمین تینوں ہی سے پیار کرتی تھیں مگر میں دیکھتی تھی کہ شرجیل پر وہ کچھ زیادہ ہی جان چھڑکتی تھیں۔

اپنی مکمل صحت یابی کے بعد ایک روز ممی نے حسبِ عادت مجھ سے نظر ملائے بنا کہا۔ "زریں! یوں تو مجھے اپنے دونوں ہی نواسے پیارے ہیں لیکن شرجیل مجھے کچھ زیادہ ہی اچھا لگتا ہے۔"

[illegible]

شرجیل ہو بہو اپنے باپ کی تصویر جو تھا۔

☆-------☆-------☆

پھر ایک روز ہمارے قدم ایک مرتبہ پھر اُسی سرزمین پر تھے جہاں ہماری جڑیں تھیں اور ہمارے پیارے ابدی نیند سو رہے تھے۔

ڈیڈی' حارث' فرحین' خالد آفاق' علی ضیاء' ڈاکٹر شعیب۔

اور خدا مغفرت فرمائے ہمارے جابر اور انا پسند نانا جان اور ظالم نانی جان!

کراچی کے ہوائی مستقر پر راحیل کی دادی نے ہمارا پُرتپاک استقبال کیا۔

دن کے اجالوں میں جب ہم ممی کی معیت میں ملتان میں اپنے نانا جان کی عظیم الشان حویلی کے دروازے پر پہنچے تو سوختگی کے آثار کا دور دور تک پتا نہ تھا۔ حویلی کی ازسرِنو تعمیر میں اس کے تیوروں کی بحالی کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا۔ گاڑی سے اترتے

ہی میری نگاہیں بے اختیار بالاخانے کی جانب اٹھیں اور میں پلک جھپکتے میں برسوں کی ایک تیرہ شب میں اس حویلی کے عقبی دروازے پر جا کھڑی ہوئی۔

چار یتیم و یسیر بچے اپنی نوجوان اور بے پناہ دلکش بیوہ ماں کے ساتھ اس حویلی کے عقبی دروازے سے چوروں کی طرح اندر داخل ہو رہے تھے اور بارہ سال کی ایک نو عمر لڑکی حیرانی سے سوچ رہی تھی کہ نانا کے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اتنی پُراسراریت کیوں؟

مجھے یاد آیا' پہلی مرتبہ ہمیں اس گھر میں لانے سے قبل ممی نے ہمیں اس گھر کے شاہانہ تیوروں اور گھر کے مکینوں کی امارت و عظمت کے بارے میں محیرا العقول کہانیاں سنائی تھیں۔ ممی نے ہم سے کہا تھا کہ ہم بھائی بہن اس گھر میں شاہزادوں اور شاہزادیوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔

اس شب ہمیں چوری چھپے عقبی زینے سے اوپر ایک کمرے میں لے جا کر ممی نے ہم سے کہا تھا کہ ہمیں چند دن اسی کمرے میں رہنا ہو گا پھر وہ موقع دیکھ کر نانا جان سے ہمارے بارے میں بات کریں گی کہ وہ انہیں معاف کرنے کے ساتھ ہمیں بھی اپنی بیٹی کی اولاد کی حیثیت سے قبول کر لیں۔ مگر......... وہ ایک شب تین سال' چار ماہ اور سولہ دن پر محیط ہو گئی تھی!

شاہزادوں اور شاہزادیوں کی طرح پُرآسائش زندگی بسر کرنے کے خواب کی ہم نے کتنی بڑی قیمت ادا کی تھی!

"بیٹا! آج سے یہ گھر تم لوگوں کا ہے۔ میں تمہاری باندی بن کر رہوں گی۔" ممی نے کہا۔

میں نے دیکھا ممی کی آنکھوں میں آنسو لرزاں تھے۔ خدا جانے خوشی کے یا پچھتاوے کے!

ہم انسان بھی کتنے احمق ہیں چمکتی ہوئی سراب کے تعاقب میں اپنے پیروں کے نیچے کی زمین بھی کھو دیتے ہیں!

راحیل' شرجیل اور یاسمین اس وسیع و عریض اور بلند و بالا گھر کو دیکھ کر انتہائی متحیر و مسرور تھے۔

"مم! یہ تو مجھے ملکہ کے محل سے بھی زیادہ بڑا محل لگتا ہے!" یاسمین نے کہا۔

مجھے یاد آیا۔ ڈیڈی کے انتقال کے بعد جن دنوں ممی اپنے والدین کے گھر واپسی کے لئے ہماری نانی جان سے خط و کتابت کر رہی تھیں ان دنوں ایک روز جب ممی اس گھر کی وسعت اور خوبصورتی کا تذکرہ کر رہی تھیں تو میں نے ممی کی باتیں سننے کے دوران کہا تھا۔

"ممی مجھے تو بڑے گھروں سے ڈر لگتا ہے۔"

"کیوں؟" ممی نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اتنے بڑے گھر میں آدمی گم بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"میں تمہیں گم نہیں ہونے دوں گی۔" ممی نے کہا تھا۔

مگر وہ ہمیں گم ہونے سے کیا بچاتیں' اس محل میں جانے کے بعد خود ہی اس محل کی بھول بھلیوں میں ایسی گم ہوئیں کہ ہمیں بھول گئی تھیں۔

"یہ ہمارے آباؤ اجداد کا محل ہے۔" راحیل نے فخریہ شرجیل کو بتایا۔

کاش! میں اسے بتا سکتی کہ بڑے گھروں سے مجھے اب بھی کتنا ڈر لگتا تھا!

کاش! میں اسے بتا سکتی کہ محلوں میں نوجوان شاہزادیوں ہی کی نہیں' کبھی کبھی پھول جیسے معصوم بچوں کی صدائیں بھی گھٹ کر رہ جایا کرتی ہیں!

میں پہلی فرصت میں زنداں میں پہنچی اور یکسر تنہا! اس زنداں میں قدم دھرتے ہی مجھے یوں لگا جیسے دل کے سارے زخم یک بیک پھٹ پڑے ہوں اور ان زخموں سے بہہ نکلنے والا لہو میری روح کو شرابور کئے دے رہا ہو۔

چشم تصور سے میں نے دیکھا کہ حارث کو اپنی آغوش میں دبکائے میں اسے چار بچوں اور ان کے ممی ڈیڈی پر مشتمل ایک گھرانے کی کہانی سنا رہی تھی جو ایک آرام دہ گھر میں رہا کرتے تھے۔ اس گھر میں ایک باغ بھی تھا جہاں سچ مچ کے پھول کھلتے تھے۔ درختوں میں جھولے پڑے تھے۔ سچ مچ کا بھونکنے والا کتا تھا اور میاؤں میاؤں کرنے والی بلی۔ [illegible] یہاں کمرے کے دروازوں پر قفل نہ لگائے جاتے تھے اور کھڑکیوں پر ہمہ وقت پردے نہ پڑے رہتے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں بھیا کے بال تراش رہی تھی۔ ہاں ان دنوں یہ کام مجھی کو کرنا پڑتا تھا!

حارث اپنا گٹار بجاتے ہوئے اپنا ہی تخلیق کردہ گیت گا رہا تھا۔

میں باہر جانا چاہتا ہوں۔
میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔
میں گھر اچھا سا بناؤں گا۔
اور اس گھر کی چھت پر سے میں۔
سورج اور چاند کو دیکھوں گا۔
میں باہر جانا چاہتا ہوا۔
میں باہر جانا چاہتا ہوں۔

فرحین اپنے پالتو چوہے کی کو گود میں لئے بیٹھی تھی اور مجھ سے پوچھ رہی تھی۔

"باجی! ممی ہمارے پاس اب روز روز کیوں نہیں آتیں؟"

"بھیا آپ دیجئے اس سوال کا جواب۔" میں بھیا سے کہہ رہی تھی۔

"تم میرے پاس آؤ میں بتاتا ہوں۔" بھیا کہہ رہے تھے۔

فرحین کی کو لئے بھیا کے نزدیک آ بیٹھی تھی اور بھیا اس سے کہہ رہے تھے۔

"بات یہ ہے گڑیا رانی کہ ممی آج کل بہت خوش ہیں اور جب آدمی خوش ہوتا ہے تو اسے اپنی خوشی کے سوا کچھ یاد نہیں رہتا........... سمجھ گئیں نا!"

میں بھیا کے بال تراش چکی تھی۔

"چلئے جناب آپ کے بال میں نے کاٹ دیئے اب آپ جلدی سے نیچے جایئے اور اس سے پہلے کہ بال آپ کو کاٹنے لگیں' آپ غسل کر لیجئے۔"

بھیا میری طرف پلٹ کر دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ "تھینک یُو ڈیئر سسٹر........ یہ دن کبھی نہ بھلائے جاسکیں گے۔"

میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

میں نے کمرے سے بالا خانے کو جانے والے زینے کا رخ کیا تو حارث زینے پر بیٹھا مجھے ٹکر ٹکر دیکھتا نظر آیا۔ میں ٹھٹک گئی۔

"حارث!" میں نے تنویمی کیفیت میں اسے پکارا اور اپنی بانہیں اس کی جانب [illegible]

حارث!

حارث!

میرا دل بے تابانہ حارث کو پکارنے لگا۔

حارث کا تعاقب کرتی میں بالا خانے میں جا پہنچی۔ مگر آہ! حارث وہاں کب تھا۔ یہ تو میری چشم تصور تھی جو مجھے میرے خونچکاں ماضی کی جھلکیاں دکھا رہی تھی۔

میرا فریب نظر تھا جو میرے ذہن میں بسی میرے ماضی کی یادوں کے حوالے سے میرے پیاروں کو متحرک دکھا رہا تھا۔

تادیر میں اس زنداں میں اپنے چہیتوں کو چھونے' پکڑنے اور اپنے سینے سے لگانے کی تگ و دو میں ہراساں پھرتی رہی۔ وہ مجھے لبھاتے اور جب میں ان کی طرف لپکتی تو وہ مجھ سے دور بھاگ جاتے۔

مگر یہ کیا!

بالا خانے میں وہ ڈھیروں کہنہ اسباب' بڑے بڑے آہنی صندوق' تصویریں' کتابیں کاٹھ کباڑ تو موجود نہ تھا مگر وہاں آراستہ مصنوعی باغ میرا فریب نظر ہرگز نہیں تھا۔ بالا خانے کی دیواروں پر مصنوعی پھول پودے چسپاں تھے۔ الگنی پر چڑیاں بیٹھی تھیں۔ حارث اور فرحین کے ڈوگی اور مانو بھی تھے۔ خرگوش' گلہریاں اور تتلیاں بھی۔ باغ میں جھولا بھی پڑا تھا اور ان سب چیزوں کو میں دیکھ ہی نہیں سکتی تھی بلکہ چھو کر محسوس بھی کر سکتی تھی!

حارث اور فرحین کو بہلانے کی خاطر ہم نے یہ باغ کتنی محنت آراستہ کیا تھا!

خدایا! اگر یہ باغ موجود تھا تو حارث اور فرحین وہاں کیوں نہیں تھے؟

اور اگر حارث اور فرحین کا وہاں بار بار دکھائی دینا اور بھاگ لینا فریب نظر تھا تو یہ باغ بھی فریب نظر کیوں نہیں تھا؟ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ اس رات آتشزدگی کی واردات میں بالا خانے میں موجود سارا فرنیچر اور دوسرا سامان بھی جل کر کوئلہ یا راکھ بن گئے تھے پھر بھلا یہ باغ کیوں کر قائم و دائم تھا؟

میں نے بالا خانے کی دیوار پر موجود اپنی وہ تحریر ڈھونڈنے کی کوشش کی جو اس زنداں سے فرار ہوتے وقت میں نے لوہے کے ایک پترے سے دیوار پر کندہ کر ڈالی تھی۔

جب ہم اس بالا خانے میں پہلی بار آئے تو ہم چار پھول تھے۔

عارف' حارث' فرحین اور زریں! مگر یہاں سے جاتے ہوئے ہم تین رہ گئے!

[illegible]

اس بالا خانے میں یہ باغ ان معصوم روحوں کی یاد میں سجایا گیا ہے جو اب بہشت کے مکیں ہیں!

بعد میں میرے استفسار پر ممی نے بتایا کہ نانا جان کی سوختہ حویلی کی از سر نو تعمیر کے بعد انھوں نے یہ باغ خود آراستہ کیا تھا!

☆----------☆----------☆

برسوں بعد پاکستان میں ہماری پہلی عید کے اگلے دن نانا جان کی حویلی میں منعقدہ ایک شاندار عید ملن اجتماع کا منظر کچھ یوں تھا کہ ممی رنگ برنگے قمقموں سے جگمگاتے ایک اسٹیج پر بھیا کو' مجھے اور میرے بچوں کو اپنے مہمانوں سے کچھ اس طرح متعارف کرا رہی تھیں!

خواتین و حضرات!

میرے بچے اور اس حویلی کے وارث!

آخر کار ممی نے اپنے اور ہمارے بیچ دیوار گرا دی تھی!

ہمیں اس حویلی میں رہتے کئی برس ہو چکے ہیں۔

برس کے برس عید کے اگلے روز عید ملن اجتماع اب بھی اس گھر کی روایت ہے۔

میرے بچے جوان ہو چکے ہیں۔

راحیل امریکا میں ایم ایس کر رہا ہے اور اب تک ویسا ہی مؤدب' فرماں بردار معتدل مزاج اور صلح جو ہے۔ اس کی دادی اب اس دنیا میں نہیں ہیں مگر اس دنیا سے جانے سے پہلے وہ مجھے اس لڑکی کا اتا پتا بتا گئی ہیں جسے راحیل پسند کرتا ہے۔

شرجیل میڈیکل کالج کا سالِ اول کا طالب علم ہے۔ ہنوز زود رنج اور ذرا سی بات پر مشتعل ہو جانا اس کی فطرت کا خاصہ ہے مگر پھر بھی وہ مجھے بے حد عزیز ہے۔

یاسمین اسکول کے آخری سال میں ہے اور بلا کی پیاری لڑکی ہے۔ ابھی چند ہی روز پہلے کی بات ہے' میری ایک شناسا جن کا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے........ میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑی لجاجت سے کہہ رہی تھیں' یاسمین کو میرے بیٹے کے لئے رکھئے گا!

بھیا نے شادی نہیں کی۔ اپنا اسپتال چلاتے ہیں۔ ان کی قلموں میں سفیدی جھلکنے لگی ہے۔ اب بھی جب کبھی میں ان پر شادی کے لئے زور ڈالتی ہوں وہ ہنس کر ٹال جاتے ہیں۔ زیادہ اصرار کروں تو انگلستان واپس چلے جانے کی دھمکی دینے لگتے ہیں اور میں خاموش ہو جاتی ہوں کہ بھیا سے دوری میرے لئے موت کا دوسرا نام ہے مگر کیا کروں' [illegible] پھر اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو جاتی ہوں۔ آخر کون بہن ہوگی جسے بھائی کا گھر [illegible]

بسے دیکھنے کا ارمان نہ ہو۔ رہی عمر کی بات تو [illegible] ہوئی جبکہ مرد تو اپنی عمر کی پلاٹینم جوبلی مناتے ہوئے بھی البیلی چھبیلی نار کے متلاشی ہوا کرتے ہیں۔

ممی اب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔

پاکستان آنے کے بعد وہ تقریباً دو برس ہمارے ساتھ رہیں پھر راہی عدم ہوئیں۔

میں اکثر سوچتی ہوں کہ آسمانوں پر ممی کس کے ساتھ رہتی ہوں گی؟

ہمارے ڈیڈی اور حارث اور فرحین کے ساتھ؟ یا علی ضیاء کے ساتھ؟

میں اکثر سوچتی ہوں کہ اگلی دنیا میں اگر مجھے تین مردوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑا تو کس کو منتخب کروں گی؟"

خالد آفاق؟ علی ضیا؟ یا ڈاکٹر شعیب؟

کبھی ہم تہی دامن ہوا کرتے تھے مگر آج ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ اتنا کہ شاید ہمارے ہاں اٹھانوے فی فیصد لوگ تو اتنے کی تمنا بھی نہیں کرسکتے!

لوگ ہمارے گھرانے کو رشک سے دیکھتے ہیں۔ میں جہاں جاتی ہوں' ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہوں۔ لوگ مجھے مقدر کی دھنی سمجھتے ہیں۔

میری زندگی کی مصروفیات اتنی بڑھ گئی ہیں کہ فرصت کم ہی ملتی ہے۔ ابھی نوکروں کو ہدایات دینی ہیں تو ابھی کسی تقریب میں جانے کے لئے لباس کا انتخاب کرنا ہے۔ ابھی راحیل کو فون کرنا ہے تو ابھی بھیا سے ان کے اسپتال میں رابطہ قائم کرکے ان کے کسی شناسا کا پیغام دینا ہے۔ ابھی یاسمین کے ساتھ بازار جانا ہے تو ابھی شرجیل کے کمرے کے انتشار کو ترتیب دلوانی ہے۔ پگلا! ذرا سی بات خلافِ مزاج ہوجانے پر سارا کمرہ الٹ پلٹ ڈالتا ہے۔

دن تو ایسی ہی مصروفیات کی نذر ہوجاتا ہے۔

وہی کمرہ جو کبھی ہمارے لئے زنداں بنا دیا گیا اب میری خواب گاہ ہے۔ رات گئے جب ایک عالم خوابِ خرگوش میں ڈوب جاتا ہے تو میں انتہائی خشوع و خضوع سے بستر سے اٹھتی ہوں اور بالا خانے میں جابیٹھتی ہوں۔ وہ داستان جو لندن میں ہمارے گھر میں آتشزدگی کے واقعے میں جل کرنابود ہوگئی تھی' میں نے نئے سرے سے لکھی ہے اور جاری ہے۔ یہ داستان تو میری زندگی کی آخری سانس تک چلتی رہے گی۔ رات کے پچھلے پہر سے صبح ریل کی سیٹی سننے تک میں بالا خانے ہی میں رہتی ہوں۔

مجھے [illegible] شرجیل کی سائیکی [illegible] نے ایک مرتبہ مجھ سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ انسانی نفسیات ایک پُراسرار گتھی ہے۔

کیا اس کے بیان کے ثبوت میں یہ بات کافی نہیں کہ رات کے پچھلے پہر سے سحر کے دھندلکے تک میں بالا خانے میں حارث اور فرحین کے ساتھ رہتی ہوں!

میں نے ممی کو معاف کردیا تھا!

میں نے نانی جان کو بھی معاف کردیا ہے!

مگر کیا کروں؟ میں حارث اور فرحین کو کسی قیمت پر بھلا نہیں پاتی۔

بالا خانہ میرے لئے معبد بن چکا ہے۔ اس کی صفائی ستھرائی میں اپنے ہاتھوں سے کرتی ہوں۔ پانچوں وقت کی نماز وہیں ادا کرتی ہوں۔ قرآن مجید کی تلاوت کرکے اپنے پیاروں کی ارواح کو ایصال ثواب کرتی ہوں۔ میری آرزو ہے کہ مجھے موت بھی اسی بالا خانے میں آئے۔

شرجیل کی معالج درست کہتی تھی کہ انسانی نفسیات ایک پُراسرار گتھی ہے۔

کل جو مقام میرے اور میرے بہن بھائیوں کے لئے زنداں تھا آج وہی میرے لئے معبد بن گیا ہے اور اس معبد میں ماضی کی یادوں کے مرجھائے ہوئے پھولوں کے ساتھ کچھ نودمیدہ پھول بھی ہیں جو چپکے چپکے مجھ سے کہتے ہیں۔ "زری! زندگی بہت ظالم سہی مگر بلا کی پیاری بھی تو ہے!"

تمت بالخیر